یہ کتاب مفت دی جاتی ہے اور اصل یہ ہے کہ چراغ دہلی محض کرزن گزٹ ہی کے خریدار کو دینے کے لئے چھاپی گئی ہے ؂

ایک سال کے عرصہ میں مَیں نے یہ کتاب تصنیف یا تالیف بھی کی اور اسی عرصہ میں چھپوا بھی دی اصل میں اتنا تھوڑا زمانہ ایسی کتاب کی بہمہ وجوہ تیاری کے لئے بہت کم تھا مگر اللہ نے محض اپنے فضل سے پورا کر دیا۔ جس کا لاکھ لاکھ شکر کیا جاتا ہے ؂

میرزا حیرت

دفتر کرزن گزٹ دہلی

جستجو میں تو لگا ہوا ہوں شاید اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاؤں
میں نے یقیناً اس کتاب کے لئے مواد جمع کرنے میں بڑی عرق
ریزی کی ہی اور خدا جانتا ہی کہ امید سے زیادہ میرا اس میں روپیہ
خرچ ہوا ہی۔ اگر تصویریں اور نقشے نہ بنائے جاتے تو شاید اتنا
خرچ نہ بیٹھتا۔ میں نے کئی ہزار روپے لگا کے یہ کتاب تیار
کی ہی تا کہ بلا قیمت خریدارانِ کرزن گزٹ کو تقسیم کروں۔
آپ میرا جگر تو دیکھئے میں کس دریا دلی اور جرأت سے ایسی ایسی
ضخیم کتابیں انعام میں دیتا ہوں جو آج تک کسی مالک اخبار نے
نہیں دیں۔ میری غرض اس سے یہی ہی کہ کرزن گزٹ کی اشاعت
ہو کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اسکی اشاعت سے مسلمانوں کو ایک
حد تک بہت کچھ فائدہ پہنچے گا *

میں اپنے ناظرین سے داد نہیں چاہتا میری غرض صرف یہ ہی
کہ جو صاحب اس کتاب کو اول سے آخر تک پڑھیں اور انکے
یسعد بھی آ جائے تو وہ اپنا یہ فرض سمجھ لیں کہ صرف دو خریدار اخبار
کرزن گزٹ دہلی کے ضرور پیدا کر دیں کیونکہ ہر خریدار اخبار کو

آخری التماس

تصاویر اور نقشوں کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ ہند کے نوابوں
اور راجاؤں کی جتنی تصویریں ملسکیں وہ سب درج کر دی ہیں
تصویریں اگرچہ فوٹو کی نہیں ہیں مگر اپنی عمدگی اور صحت میں
فوٹو کے برابر ہیں۔ جتنے روسار کی تصاویر بنی ہیں میں خوشی
سے کہہ سکتا ہوں کہ اُنکی اصلی صورتوں میں اور ان تصویروں
میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہی بنانے والے کی کاریگری ہی کہ اُس نے
مثل فوٹوؤں کے تصویریں کھینچدی ہیں ؞

مجھے اِس بات کا سخت افسوس ہی کہ کل رئیسوں کی تصویریں بہم
نہ پہنچ سکیں۔ یوں تصویریں ملیں تو سہی لیکن اصل صورت سے
مشابہت بہت کم پائی جاتی تھی اس لئے میں نے اُن تصاویر کو
داخل کتاب نہیں کیا ؞

میرا ارادہ تھا کہ ہر رئیس کے ساتھ اسکی ریاست کی کیفیت بھی
درج کرتا مگر افسوس سے اس کا اظہار کرنا پڑتا ہی کہ کسی ریاست
کے پورے حالات آمد و خرچ وغیرہ کی بابت نہیں مل سکے ہیں

ہز ہائی نس مہاراجہ کپورتھلہ

ہز ہائی نس مہاراجہ فرید کوٹ

جانشین ہز ہائی نس نواب صاحب مالیر کوٹلہ

ہز ہائی نس مہاراجہ اندور

ہز ہائی نس مہاراجہ بوندی

ہز ہائی نس نواب صاحب جونہ گڈھ

ہز ہائی نس مہاراجہ جودھپور راجپوتانہ

ہز ہائی نس مہاراجہ ایدیہ ہمر کمپنی احاطہ

ہز ہائی نس مہاراجہ ریوا

ہز ہائینس مہاراجہ الور

ہز ہائینس نواب صاحب خیرپور

مہاراجہ کنور سنگھ

بر ہائی نس بیگم صآ بھوپال

ہز ہائی نس مہاراجہ بنارس

ہز ہائنس مہاراجہ دھولپور

ہز ہائی نس مہاراجہ اورچھہ

ہر ہائی نس مہاراجہ موربنج اڑیسہ

ہز ہائی نس مہاراجہ کوچ بہار

ہز ہائی نس مہاراجہ پٹیالہ

ٹھاکر آر کیسری سنگھ ورما۔ چیف آف پیلودا

ہز ہائی نس مہاراجہ ہل بھیرا

ہز ہائنس نواب صاحب رامپور

ہز ہائی نس مہاراجہ اودیپور
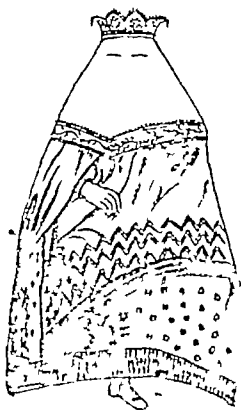
ہز ہائی نس ٹھاکر صاحب آف بھاونگر

ہز ہائی نس مہاراجہ قرولی

ہز ہائی نس شنکر راؤ پنڈت پنت سچیوا چیف آف بھور

ٹھاکر صاحب آف پالی ٹانا

ہز ہائنس مہاراجہ کشن گڑھ

سردار رنجیت سنگھ صاحب خالصہ اسٹیٹ

ہز ہائنس مہاراجہ سر کیرتی شاہ ۔ کے ۔ سی ۔ ایس ۔ آئی

ہزہائنس مہاراجہ جموں و کشمیر

عالیجاہ حضور نظام حیدرآباد دام اقبالہم

مہاراجہ کولہاپور

ہز ہائی نس مہاراجہ بڑودہ - گیکوار

ہز ہائی نس مہاراجہ تراونکور

مہاراجہ میسور
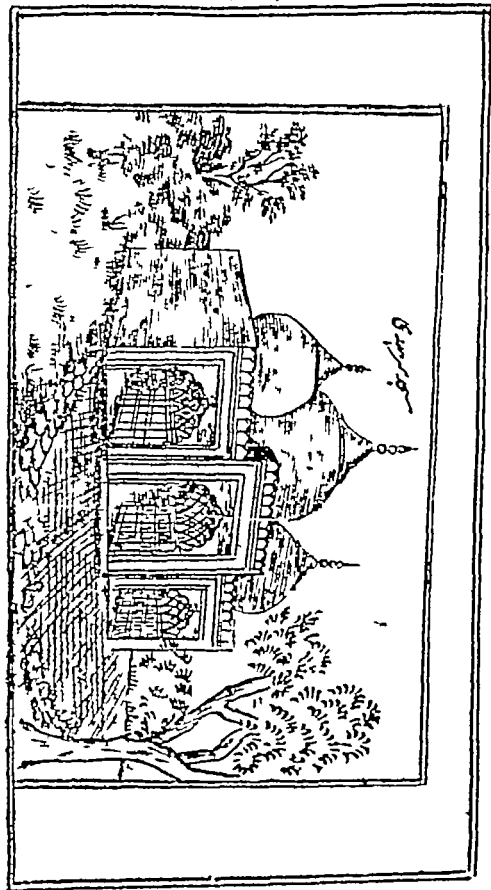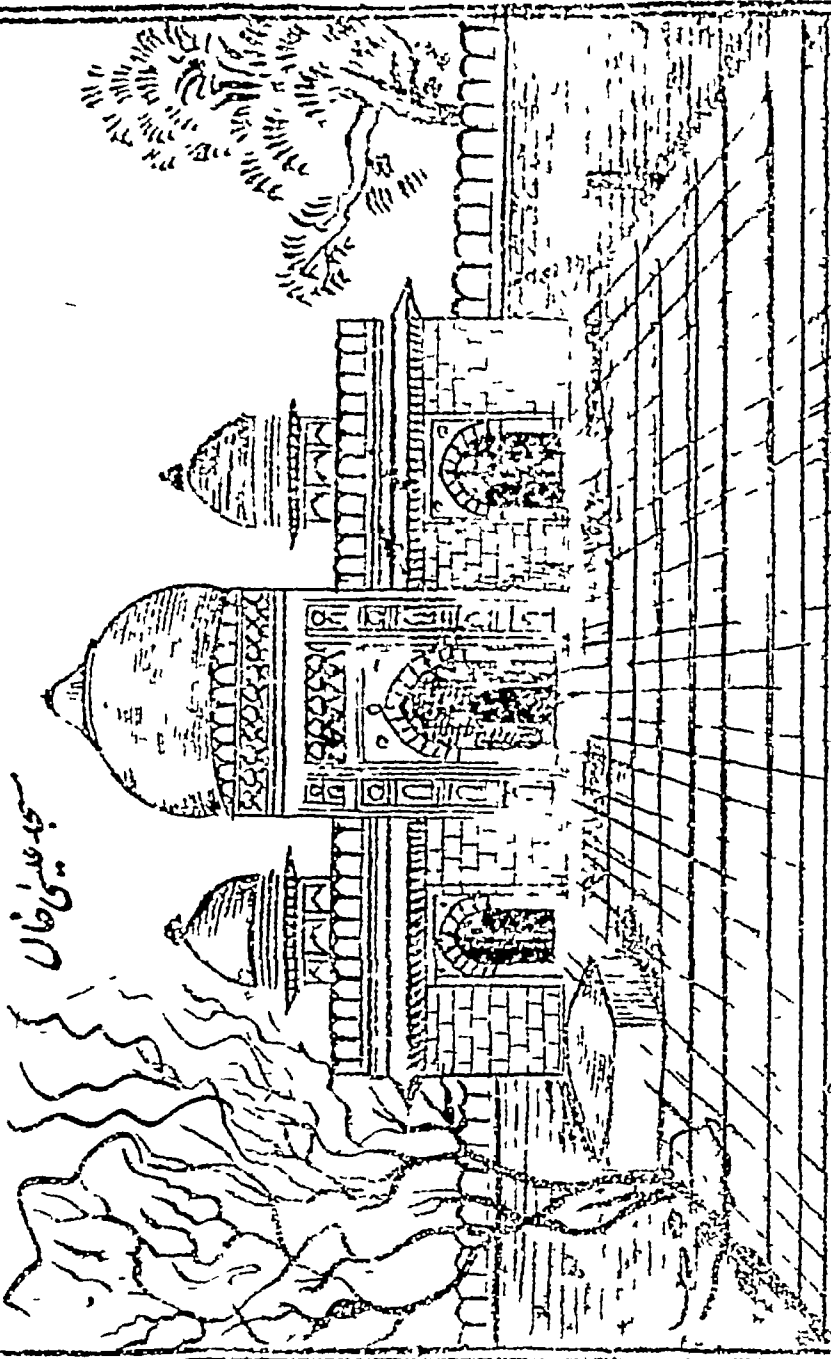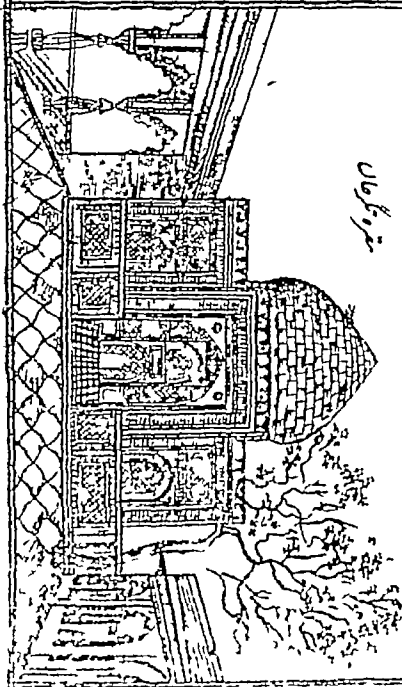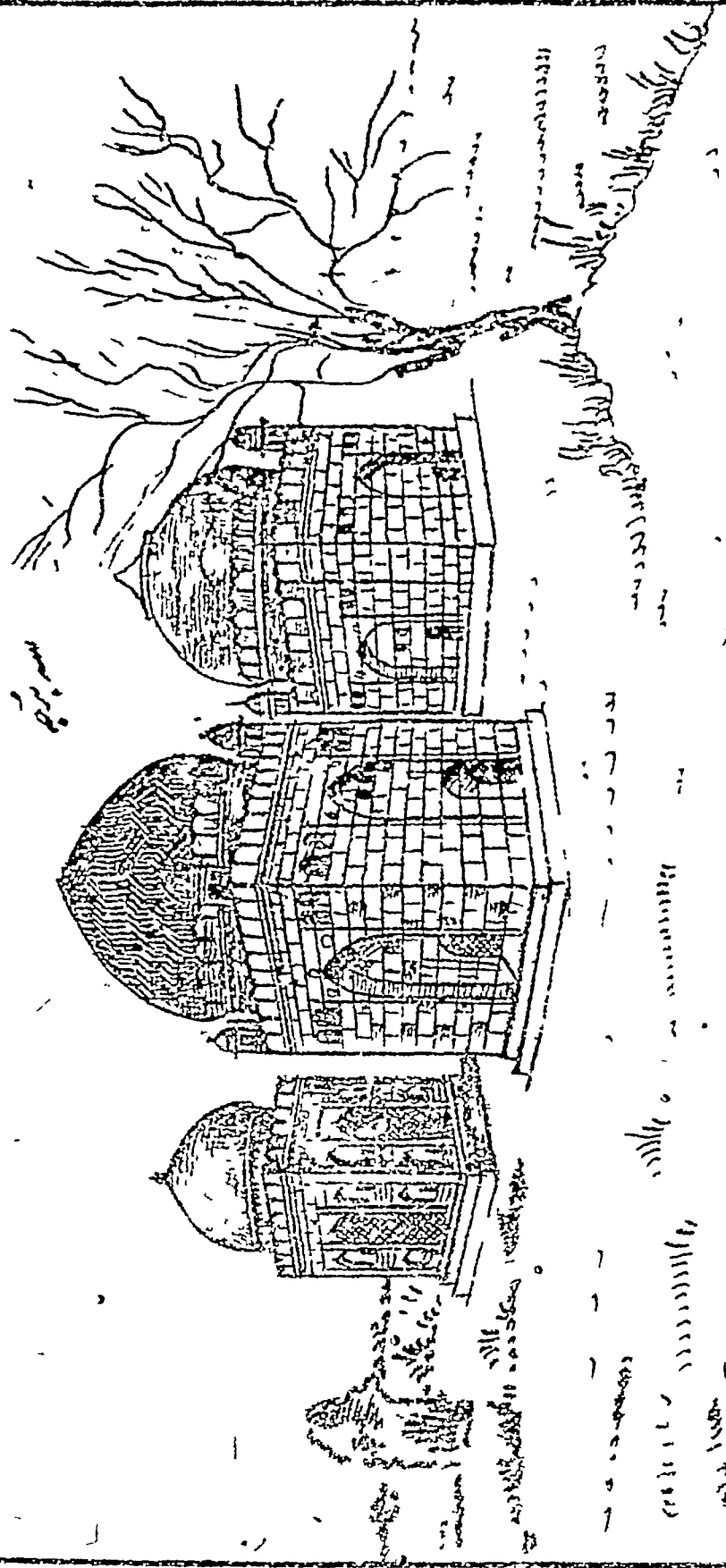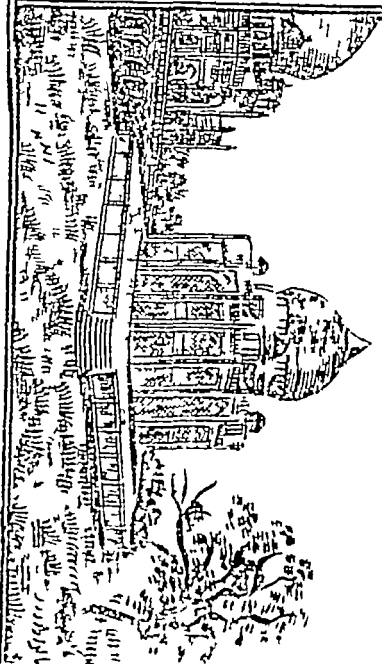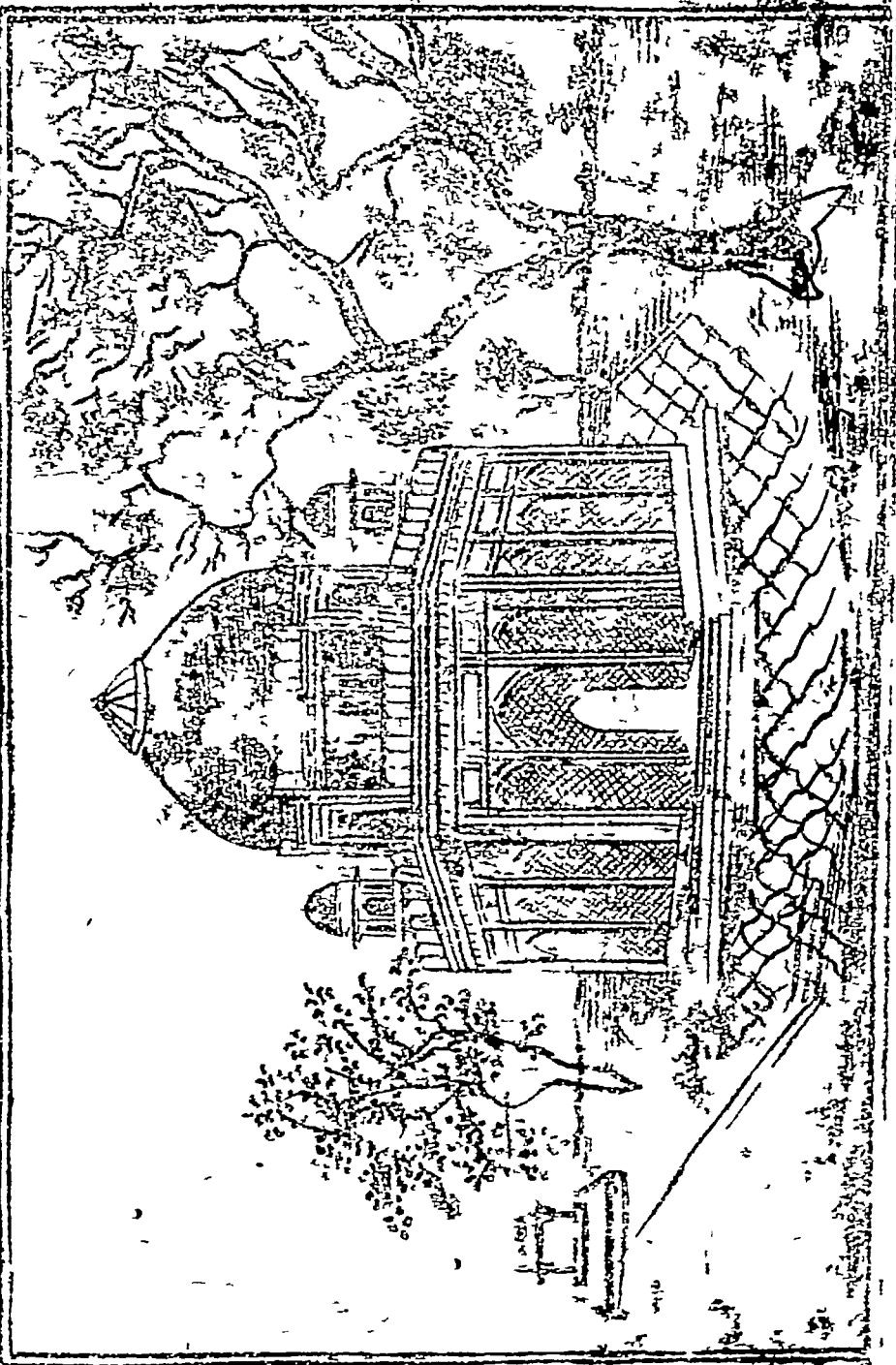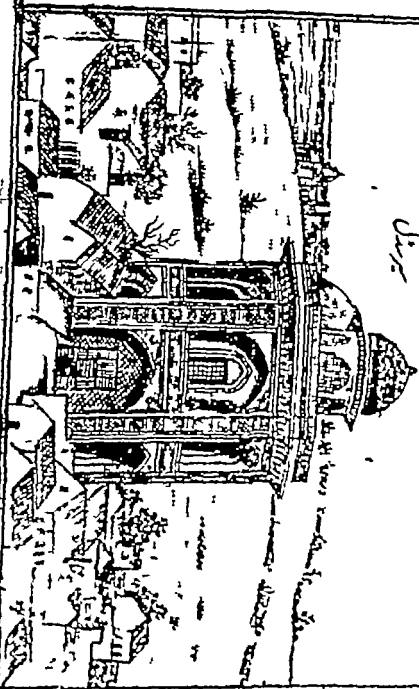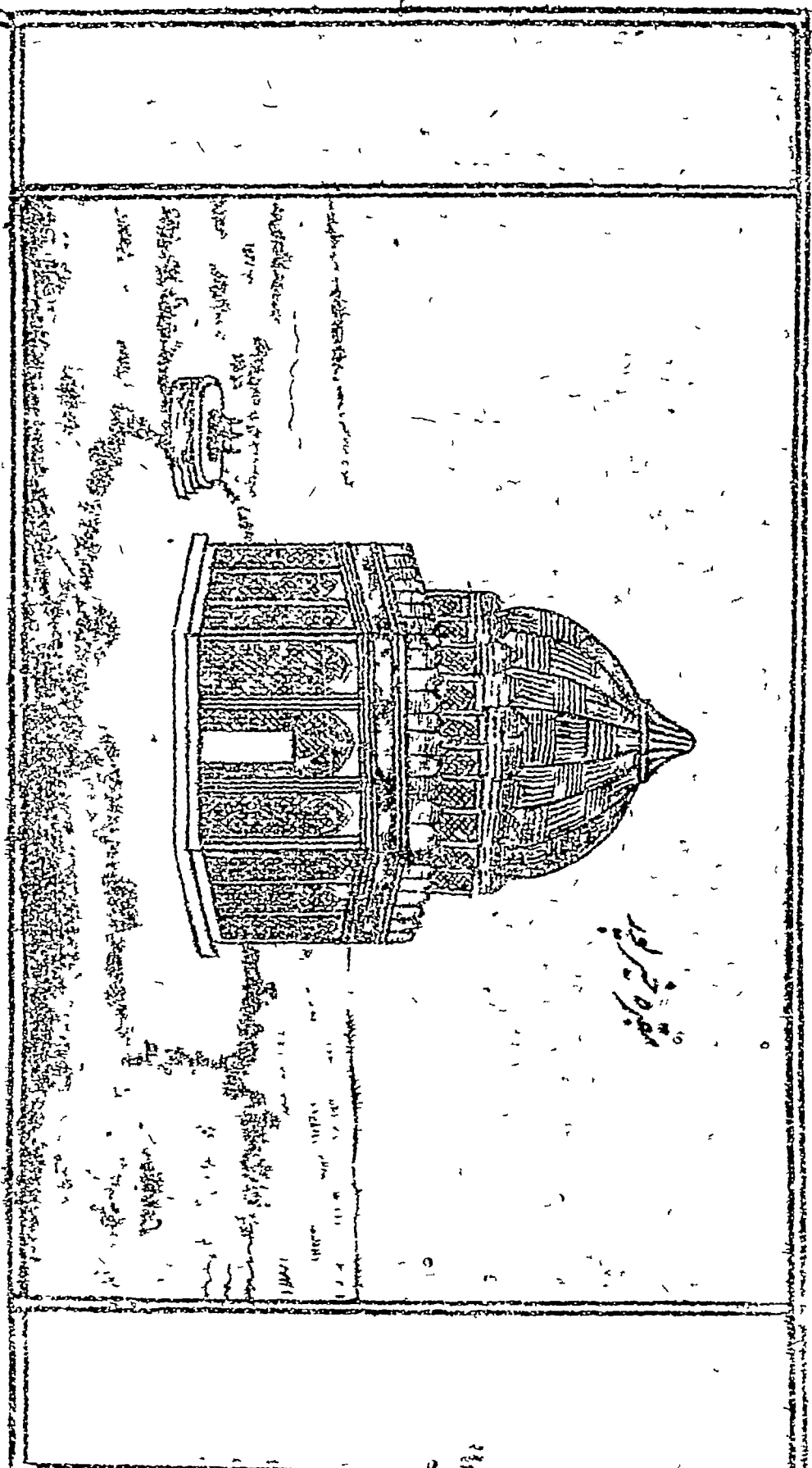
مہاراجہ گوالیار

مہاراجہ چیت سنگھ

مسجد سرہند کی

مسجد عیسیٰ خاں

مقبرہ تگرماں

مقبرہ اندرون احاطہ

سیر منڈل

مقبرۂ خیرپور

نیلا برج

لال محل

مقبرہ فیروز شاہ

دروازہ پرانا سنگین

دروازہ عرب سرائے

درگاہ مولانا جمالی

دروازہ غربی مغرب سرا سے

کلان مسجد

لال بنگلہ

دروازہ عرب سرائے

باؤلی حضرت نظام الدین اولیاء

قلعہ تغلق آباد ۔

جھنڈا پہاڑی

اجمیری دروازہ

نقار خانه اندرون قلعه

مسجد پرانا قلعہ

دیوان عام اندرون قلعہ

درگاہ سید حسن رسول نما

مقبرہ سلطان بہلول لودھی

نقشہ ست پلہ متصل روشن چراغ دہلی

نقشہ درگاہ سید محمود بہار

مینار قطب صاحب

لوہے کی لاٹھ

شکستہ قدیم منزل

باؤلی خواجہ قطب الدین صاحب

مسجد موٹھ
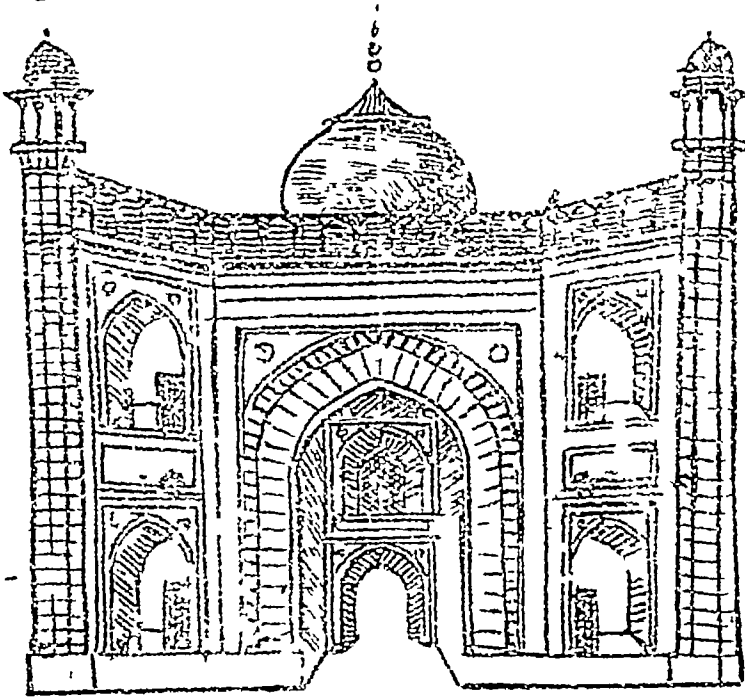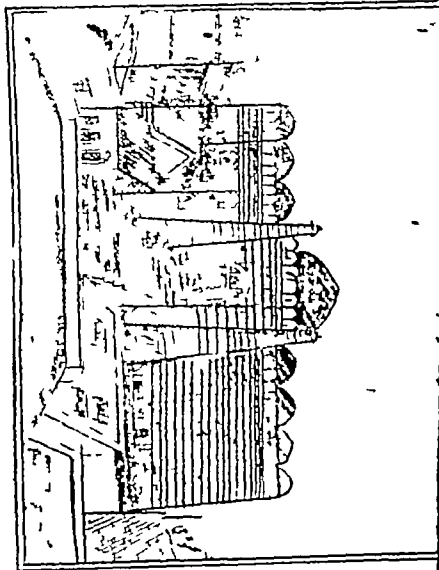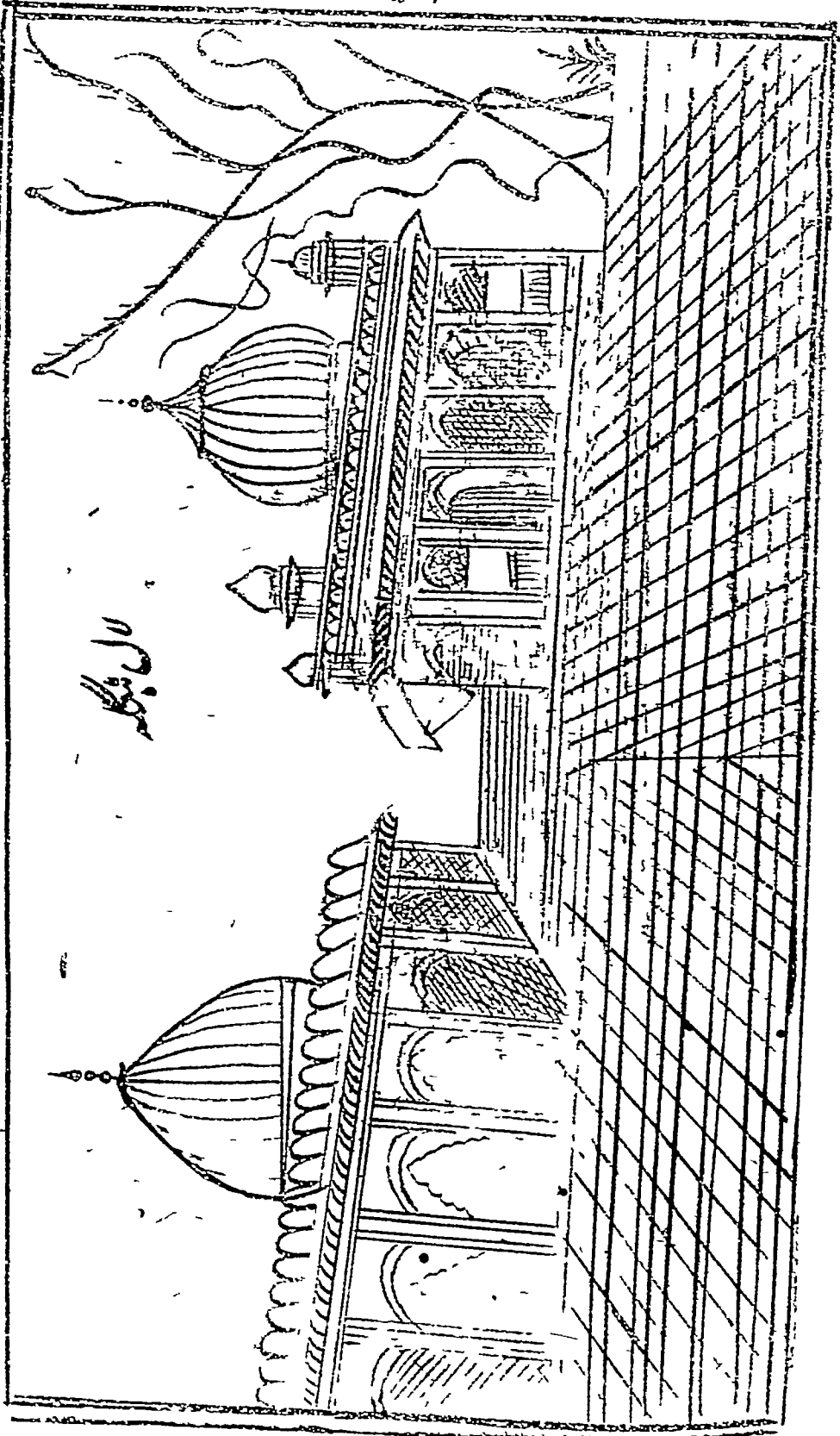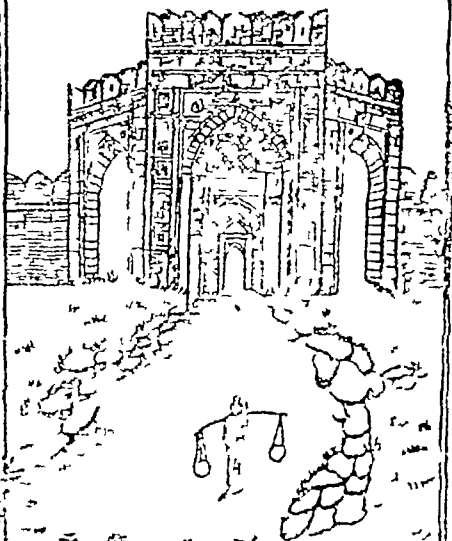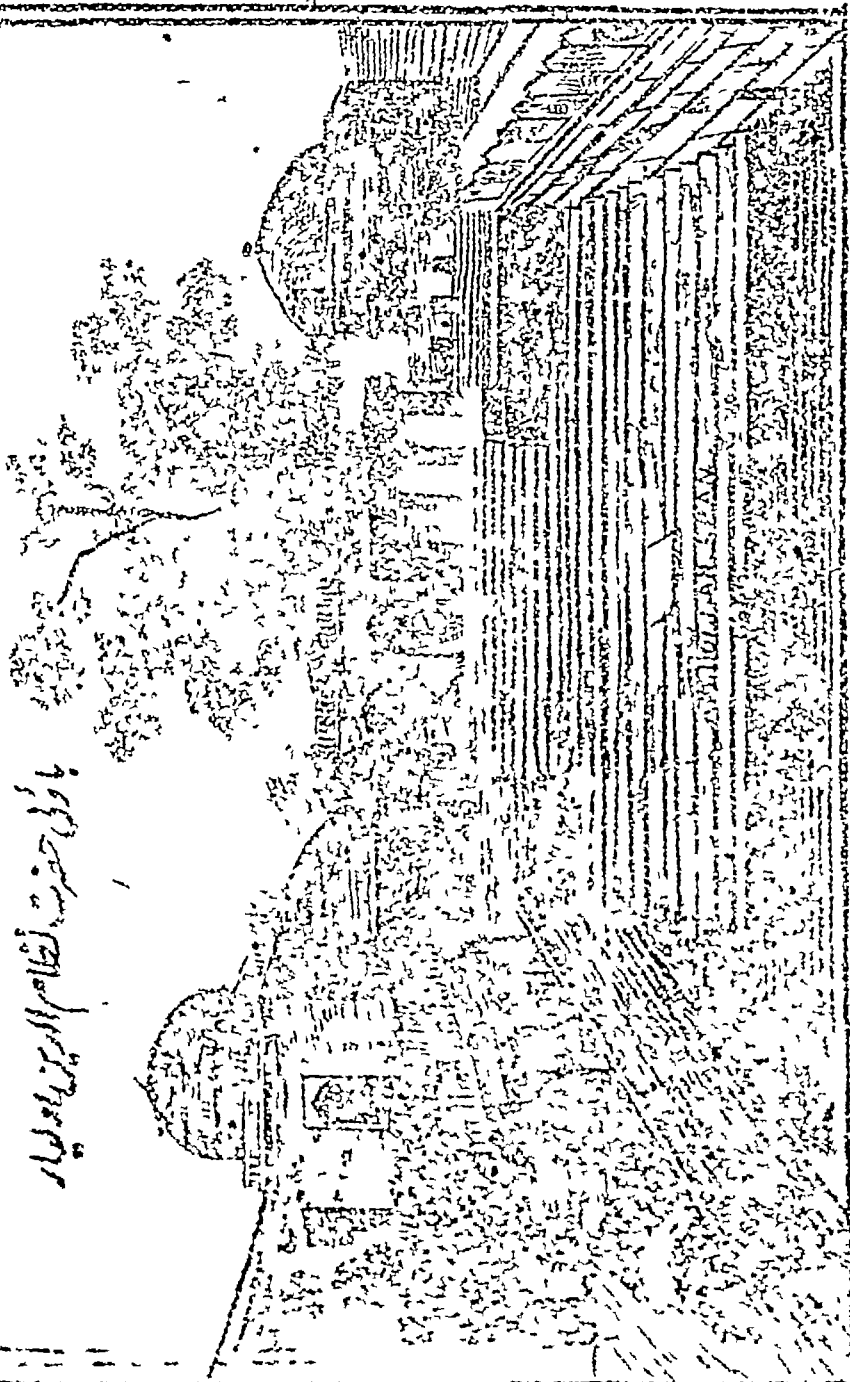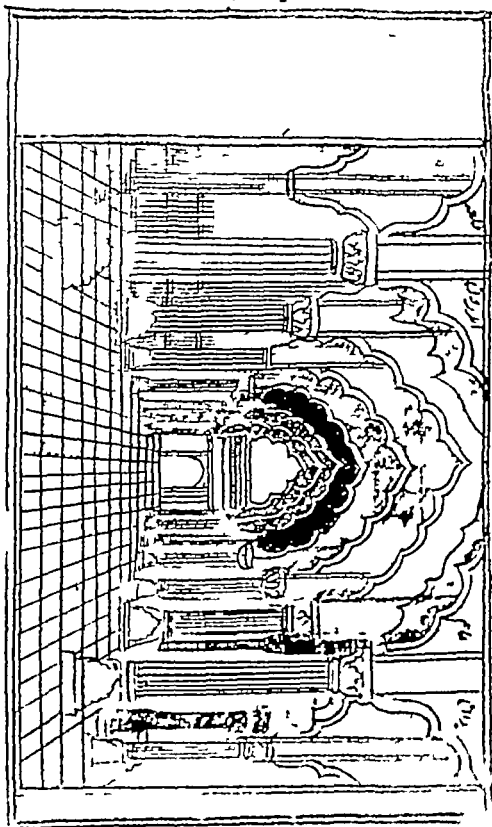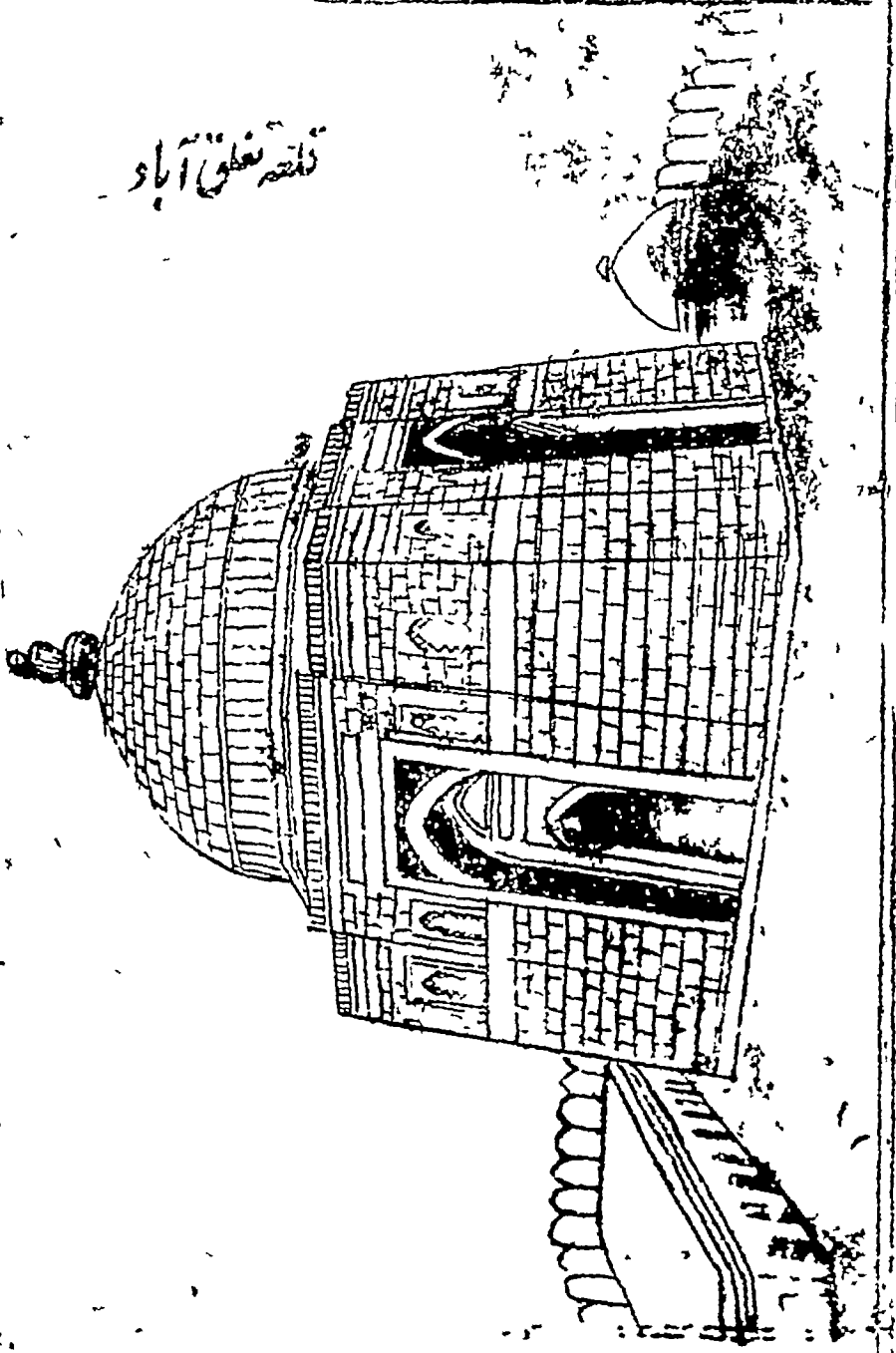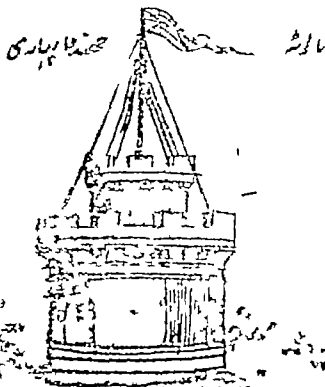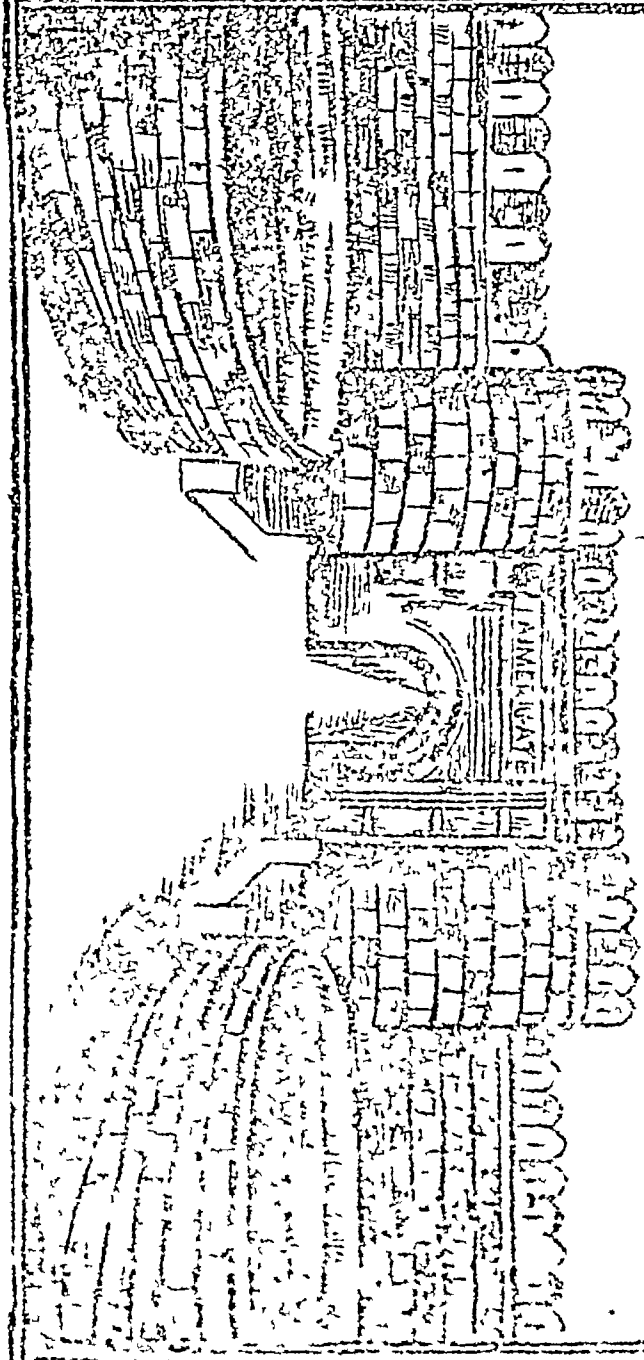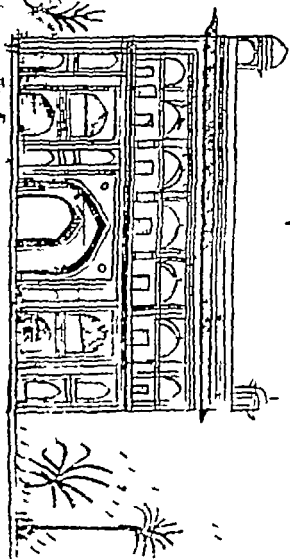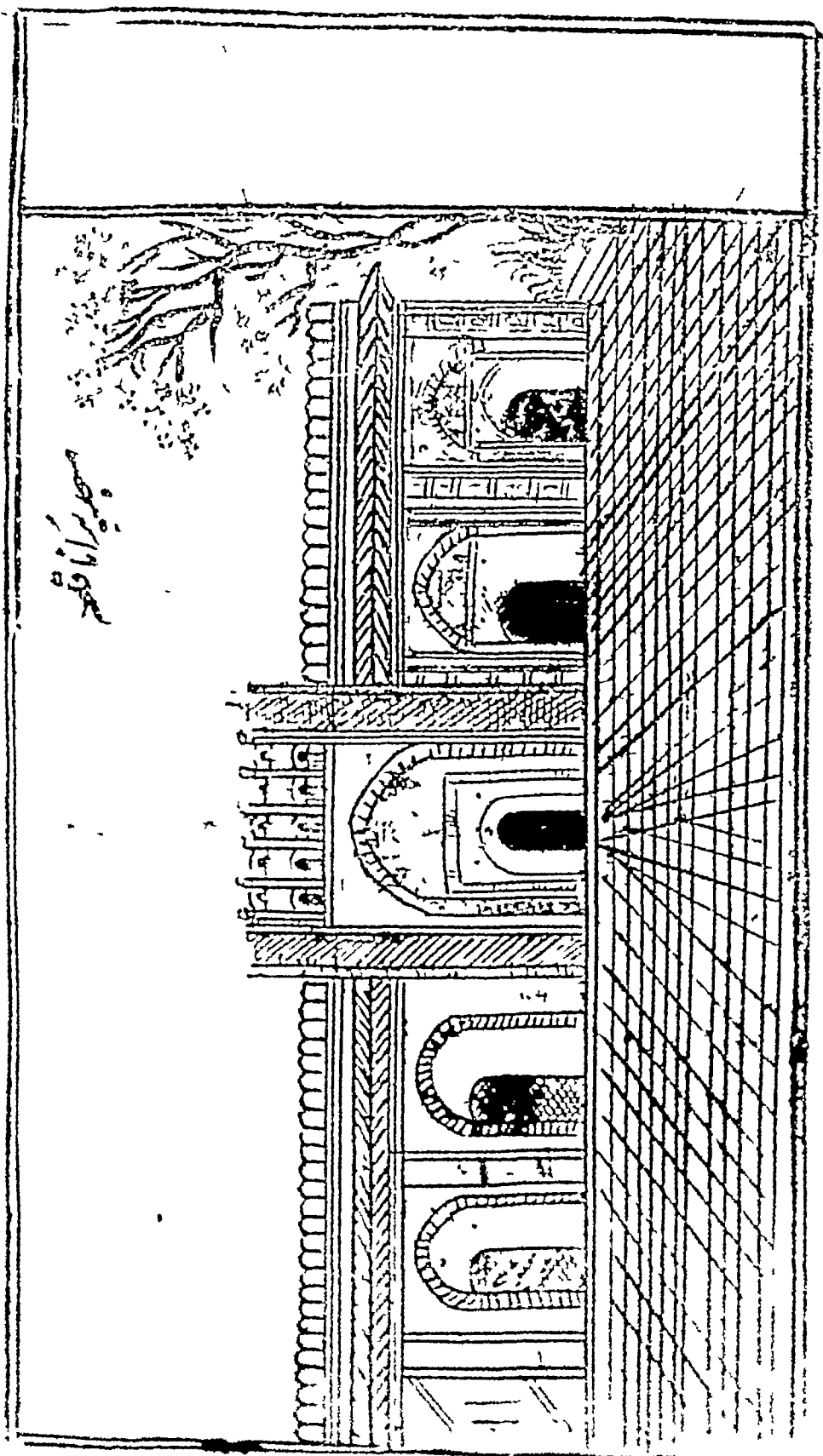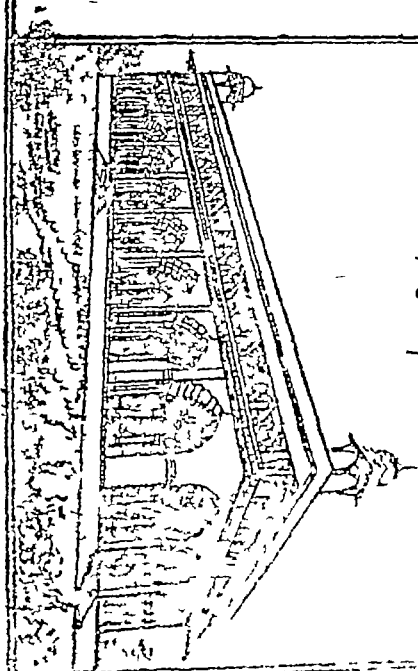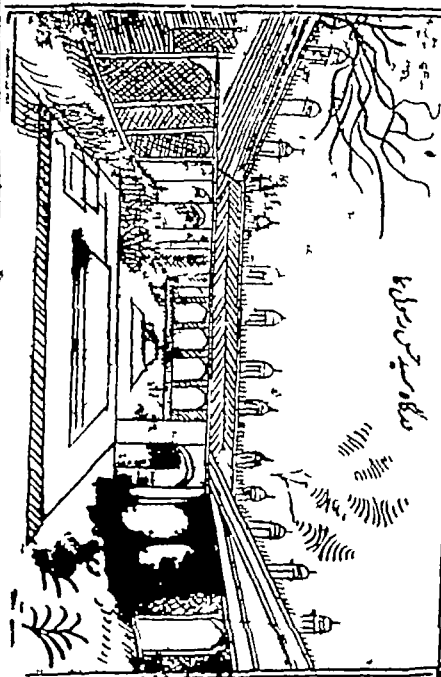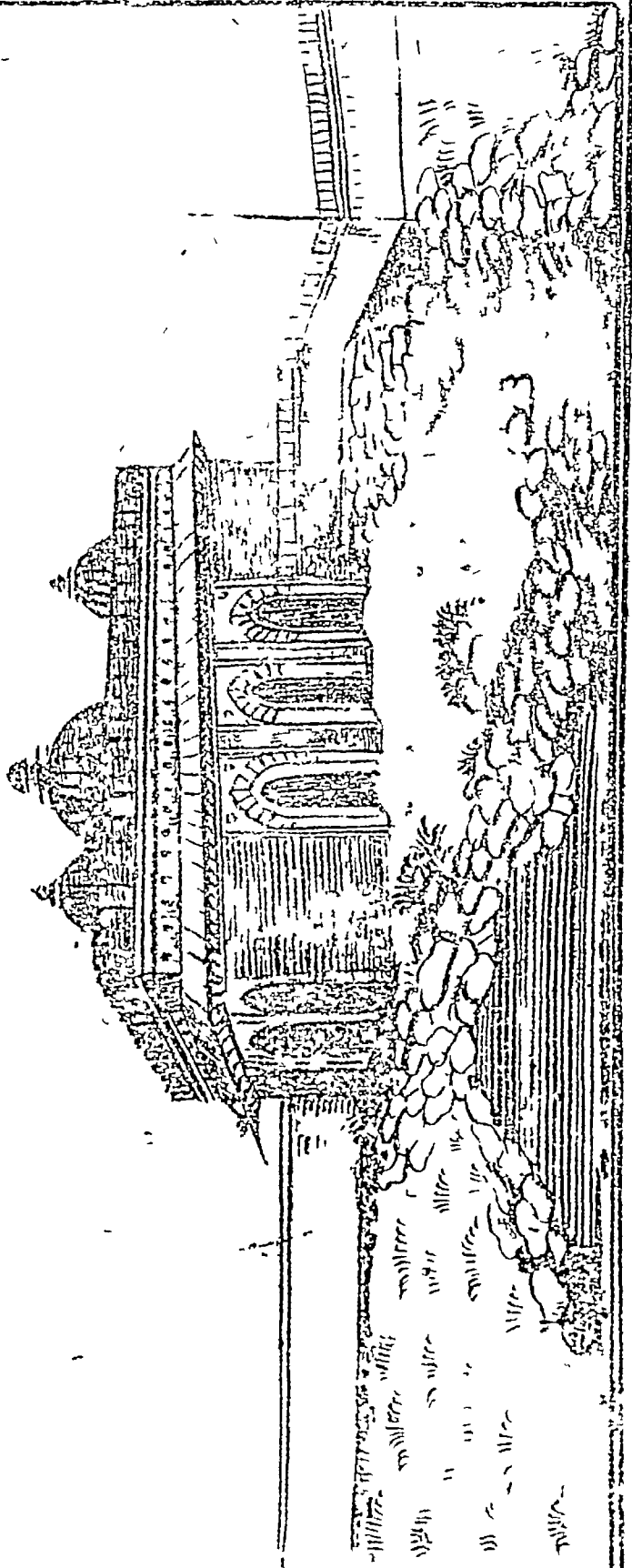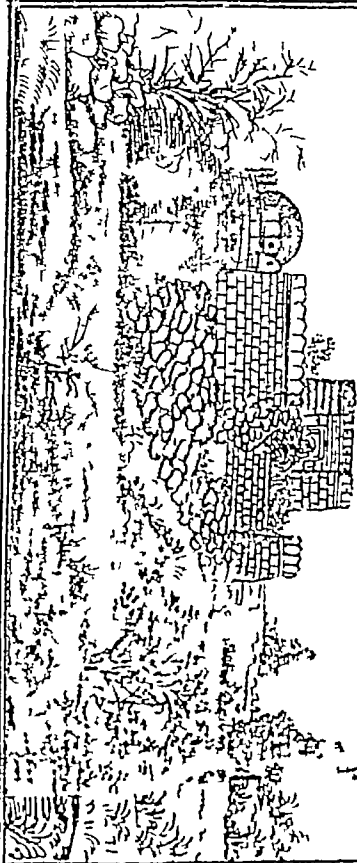
ہاتھ لگ جاتی تو میں بہت خوشی سے مہیا کر دیتا -

یہ جلد تو یہاں تک پوری ہو گئی - اور اس بارہ میں کچھ لکھنا باقی نہیں رہا - ہاں

ناموران ہندوستان

کے حالات اور تصاویر کی دوسری کتاب تیار کر لی ہے - بہت سے ناموراصحاب نے اپنے اپنے فوٹو اور حالات میرے پاس بھیجدئیے ہیں جنکو میں نے ترتیب وار لکھا ہے اگر میں اور ناموران ہندوستان کے فوٹو اور حالات جمع کرنے میں اور بھی ایک بار کوشش کرونگا اگر میں کامیاب ہوگیا تو یہ ایک عجیب کتاب ہوگی - بہرحال "ناموران ہندوستان" کی کتاب بھی چھپنی شروع ہو گئی ہے - جو انشاء اللہ "چراغ دہلی" کی طرح نہایت خوش اسلوبی سے ختم ہو جائے گی اور بعد ازاں شائقین کی خدمت بھیج دی جائے گی -

والسلام

میرزا حیرت

خاتمۂ کتاب

مجھسے جہانتک ہوسکا میں نے اس کتاب کی ترتیب دینے میں اپنی طرف سے
کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا یہ کام جو ایک سال کے عرصہ میں بھلا برا انجام
کو پہنچ گیا حقیقت میں کئی سال کا تھا علاوہ اور ابواب کے صرف آثار الصنادید
ہی کا ایک باب ہے جو ایک مدت چاہتا ہے اور آسان نہیں ہے کہ چند مہینے میں
کوئی اسکی تکمیل کرے اسیطرح جتنے باب ہیں اور جس تحقیق سے لکھے گئے ہیں اسکو ناظر کتاب
خود جانچیگا باقی میں نے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ۔
دربار شہنشاہی کے بیان کو میں نے زیادہ طول نہیں دیا کیونکہ لاکھوں آدمی اسوقت
موجود ہیں جنھوں نے آنکھوں سے دیکھا ہے انکے آگے تو وہ زیادہ دلچسپ نہیں تھا ہاں
وہ لوگ جو نہیں آئے انکا شوق پورا کرنا چاہئے تھا اور اس بات کے لئے میرے خیال
میں اسیقدر لکھنا کافی ہوگا میں نے سرکاری کاغذات کا زیادہ خلاصہ
کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ سرکاری بیان سے زیادہ معتبر اس معاملہ میں اور
کوئی بیان نہیں ہو سکتا ۔ میں نے بعض عمارتوں کی
اور بعض رئیسوں کی اخیر کتاب میں تصویریں بھی دی ہیں اور میں افسوس
کرتا ہوں کہ جنھیں امپریل گورمنٹ ۔ گورنر جنرل ۔ لیفٹنٹ گورنر اور لوکل
گورنمنٹ وغیرہ نے عطا کیا ان کل کی تصاویر نہ لیسکا ۔ اگرچہ تصویریں

لفٹننٹ کرنل ایف گاڈون۔

۲ اسکواڈرن ماؤنٹڈ } متفرق
۸ کمپنیاں ... بس ماؤنٹڈ }

تفصیل کیمپ

۳ اسکواڈرن	رسالہ نمبر ۳ بنگال۔	میرٹھ و دہلی۔
پرنٹنگ سکشن	سفر مینا بنگال۔	روڑکی۔
۲ ایضاً	سفر مینا مدراس۔	بنگلور
فوٹو لیتھو سکشن	سفر مینا بنگال	روڑکی
۲ خاص ماؤنٹیڈ سگنلنگ	رسالہ نمبر ۴۔	سکندر آباد
۲ ایضاً ایضاً	رسالہ نمبر ۵۔	لکھنو
۲ ایضاً ایضاً	رسالہ نمبر ۶۔	بنگلور
۲ ایضاً ایضاً	رسالہ نمبر ۲ مدراس۔	سکندر آباد
۱ ایضاً ایضاً	رسالہ نمبر ۳ "	بنگلور
نمبر ۲ توپ خانہ ہسپتال۔		میرٹھ
جرنیلی ہسپتال انگریزی ۲۰۰ بستر		دہلی
جرنیلی ہسپتال ہندوستانی ۴۰۰ بستر		دہلی
چارڈ پیو۔		

پیدل پلٹن

چار کپنیاں ۔	الور پلٹن ۔	الور
چار کپنیاں ۔	بھرت پور ۔ پلٹن	بھرت پور
چار کپنیاں ۔	جہند پلٹن	جہند
چار کپنیاں ۔	کپور تھلہ پلٹن	کپور تھلہ
چار کپنیاں	کشمیر پلٹن ۔	جموں
چار کپنیاں	نابھہ پلٹن ۔	نابھہ
چار کپنیاں	پٹیالہ پلٹن ۔	پٹیالہ

سفر مینا

مالیر کوٹلہ	سفر مینا ۔	مالیر کوٹلہ
سرمور ۔	سفر مینا ۔	ناہاں
سکشن بی نمبر ۱۳ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال ۔		راولپنڈی
سکشن ڈی نمبر ۱۳ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال		راولپنڈی
سکشن اے نمبر ۴۳	ایضاً	راولپنڈی
سکشن ڈی نمبر ۳۰	ایضاً ایضاً	میاں میر
سکشن اے نمبر ۴۶	ایضاً ایضاً	آگرہ
سکشن بی نمبر ۵۹	ایضاً ایضاً	آگرہ

والنٹیر

لفٹنٹ کرنل اے گرست

نمبر۳ بنگال سفرمینا۔	پشاور
بلسون سکشن بنگال سفرمینا	رڑکی
بلون سکشن ایضاً	راولپنڈی
سکشن ڈی نمبر۱ توپ خانہ اسپتال۔	میرٹھ
سکشن اے۔نمبر۱ ایضاً	سکندرآباد
سکشن سی۔نمبر ۱۵ ایضاً	میانمیر
سکشن اے نمبر۲۹ ہندوستانی توپ خانہ اسپتال۔	پشاور
سکشن سی۔نمبر۱۴ ایضاً ایضاً	راولپنڈی

توپ خانہ

کشمیر باٹری جموں

رسالہ

دو اسکواڈرن	الور رجمنٹ	الور
ایضاً	بھوپال "	بھوپال
ایضاً	گوالیار	گوالیار
ایضاً	حیدرآباد	حیدرآباد
ایضاً	جودھپور	جودھپور
ایضاً	میسور	بنگلور
ایضاً	پٹیالہ	پٹیالہ

شتر سوار۔ چار کمپنیاں۔ بیکانیر شتر سوار۔ بیکانیر ٹروپ۔

سکس-اے نمبر ۸ توپ خانہ ہسپتال = انبالہ
سکس اے نمبر ۱۵ توپ خانہ ہسپتال سیالکوٹ
سکس بی-نمبر ۲۴ توپ خانہ ہسپتال ہندوستانی انبالہ

تروپ

رگلر حرل-جی-ایچ-مور مولی میوکس

نمبر ۸ رجمنٹ - سیالکوٹ
ایک اسکواڈرن نمبر ۱ پنجاب رسالہ- مردان-
ایک اسکواڈرن نمبر ۲ پنجاب رسالہ- پشاور
ایک اسکواڈرن نمبر ۱ بنگال رجمنٹ - کانپور
ایک اسکواڈرن نمبر ۱۴ بنگال رجمنٹ الہ آباد
اول برگیڈ } نمبر ۱۳ باتری توپ خانہ ناسک
دویژن } نمبر ۶ باتری توپ خانہ جالندھر
توپخانہ } نمبر ۴۹ باتری توپ خانہ- ملتان-
نمبر ۲۴ کمپنی توپ خانہ ۶ پونڈر - روڑکی
نمبر ۱۵ ایضاً ۶ ایضاً- روڑکی
نمبر ۱۷ ایضاً ۳۱ باتری - جھانسی
نمبر ۲۷ ایضاً ۳ باتری سکندرآباد
نمبر ۹۱ ایضاً ۵ توپ باتری روڑکی
نمبر ۱۴ ایضاً ۵ توپ باتری راولپنڈی

سکشن اے نمبر ۲۴ ہندوستانی ہسپتال - بریلی

کرنل - اے - اے پیرسن برگیڈ نمبر ۸

نمبر ۱ پارک سپر لال کرتی سیتاپور و بنارس

نمبر ۱ اسٹفورڈ نینی تال

نمبر ۴ کالی پلٹن - الہ آباد

نمبر ۲۸ مدراس پلٹن سکندرآباد

سکشن سی - نمبر ۱۲ توپ خانہ ہسپتال - لکھنؤ

سکشن سی نمبر ۲۲ توپ خانہ ہسپتال آگرہ

سکشن اے نمبر ۱۴ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال - سکندرآباد

سکشن بی - نمبر ۱۴ توپ خانہ ہسپتال ہندوستانی - سکندرآباد

۳۶ برگیڈ نمبر ۴۴ باتری توپ خانہ - میانمیر

توپ خانہ نمبر ۵۱ باتری توپ خانہ - فیروزپور

نمبر ۵۲ باتری توپ خانہ - میانمیر

نمبر ۹ ماؤنٹین باتری توپ خانہ - انبالہ

کوہاٹ ماؤنٹین باتری - ایبٹ آباد

سنٹرل انڈیا پارس توپ خانہ اگرگونا

۳۴ پنجاب پلٹن پائنیر - انبالہ

نمبر ۴ کمپنی بنگال سفر مینا - روڑکی

نمبر ۴ کمپنی بمبئی سفر مینا - کرکی

سکشن اے نمبر ۵۹ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال - آگرہ

ڈویژنل نمبر دوم پیدل فوج

سپوحیل ٹی - برسہ یک لو یہ برگیڈ نمبر ۵

برگیڈ جنرل - ایچ - اے - ایلیٹ

نمبر ا ملیعورڈ لال کرتی - ملتان -

نمبر ۲ نورفوک لال کرتی - بریلی

نمبر ۲ پنجاب کالی پلٹن میانمیر -

نمبر ۳۸ ڈوگراس فیروزپور

سکشن اے نمبر ۹ توپ خانہ ہسپتال - بریلی

سکشن بی - نمبر ۱۵ توپ خانہ ہسپتال - میانمیر -

سکشن بی رسی - نمبر ۳ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال میانمیر

کرنل بی ڈی برگیڈ نمبر ۵

نمبر ۳ رائل برگیڈ لال کرتی - میرٹھ

نمبر ۲ کے - آر - آر - کور - راولپنڈی -

۱-۲ گورکھا ڈیرہ دون

۱-۳۹ گڑوال لینسڈونی

سکشن اے نمبر ۱ توپ خانہ ہسپتال - میرٹھ

سکشن ڈی نمبر توپ خانہ ہسپتال راولپنڈی

سکشن سی - نمبر ۳۲ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال میرٹھ

پلٹن نمبر ۱۳ راجپوت بریلی

سکشن بی - نمبر ۱۱ توپ خانہ ہسپتال لکھنؤ

سکشن ڈی نمبر ۳۲ ہندوستانی توپخانہ ہسپتال میرٹھ

سکشن بی نمبر ۴۸ توپ خانہ ہندوستانی ہسپتال بریلی

سکشن بی نمبر ۵۶ ہندوستانی توپخانہ ہسپتال - بریلی

تقسیم افواج

۴۸ برگڈ توپ خانہ ۲۴ نمبر باتری توپ خانہ میرٹھ

۳۴ نمبر باتری توپ خانہ آگرہ

۸۲ نمبر باتری توپ خانہ میرٹھ

نمبر ۷ ماونٹین باتری کوئٹہ

پشاور ماونٹین باتری ایبٹ آباد

۲ اسکوارڈن رسالہ گائڈ مردان

۲ اسکوارڈن نمبر ۵ رسالہ پنجاب کوہاٹ

رسالہ نمبر ۴ راجپوت آگرہ

نمبر ۱ کمپنی بنگال سفرمینا روڑکی

نمبر ۲ کمپنی مدراسی سفرمینا چکدرہ

سکشن سی - نمبر ۱ توپ خانہ ہسپتال میرٹھ

سکشن اے نمبر ۱۳ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال میرٹھ

سکشن اے نمبر ۴۲ ایضاً انبالہ

۱ ڈبل کمپنی سکھ پلٹن نمبر ۴ — مولی-

۱ ڈبل کمپنی پنجاب نمبر ۲ — دتاخیل

۱ ڈبل کمپنی پنجاب نمبر ۴ — کوہاٹ

۱ ڈبل کمپنی کالی پلٹن — مردان

نمبر ۲۴ پنجاب کالی پلٹن — جہلم

سکشن اے نمبر ۵ توپ خانہ ہسپتال — پشاور

سکشن بی-ڈی نمبر ۴۳ ہندوستانی توپخانہ ہسپتال — راولپنڈی

کرنل سی-ایچ-ڈس-وے اکس

لعل کرتی نمبر ۲ ہائی لینڈ — سیالکوٹ

لعل کرتی نمبر ۲ سٹرلینڈ — نورتھ ویلم

کالی پلٹن پنجاب نمبر ۱ — ڈیرہ اسمٰعیل خان

کالی پلٹن بلوچی نمبر ۲۷ — کراچی

سکشن اے نمبر ۳ توپخانہ ہسپتال — راولپنڈی

سکشن اے نمبر ۲ توپخانہ ہسپتال — کلکتہ

سکشن سی نمبر ۱۳ ہندوستانی توپخانہ ہسپتال — راولپنڈی

سکشن اے نمبر ۲۵ ہندوستانی توپخانہ ہسپتال — کراچی

نمبر ۱ لعل کرتی رائفل

½ پلٹن گورکھا — الموڑہ

پلٹن نمبر ۹ جاٹ — میرٹھ

سکشن بی نمبر ۲۹ - ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال پشاور
سکشن اے نمبر ۳۸ - ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال میانمیر

گھوڑچڑہی فوج کے دو ڈویزن تھے

ڈویزن اول		ڈویزن دوم	
آئی باتری توپ خانہ - انبالہ		دی باتری توپ خانہ - انبالہ	
رجبن نمبر ۱۵	میرٹھ	رجبن نمبر ۹	سیالکوٹ
رجبن نمبر ۹	جالندر	رجبن نمبر ۸	بریلی
رسالہ نمبر ۴ بمبی	نصیر آباد نیچ	رجبن نمبر ۱۹	انبالہ
سکشن بی نمبر ۱ توپخانہ ہسپتال میرٹھ		سکشن بی نمبر ۳ توپخانہ ہسپتال راولپنڈی	
سکشن اے نمبر ۴ توپخانہ ہسپتال مئو		سکشن اے نمبر ۲۶ ہندوستانی توپخانہ بریلی	

۲ کمپنی انگریزی - سیالکوٹ

سکشن ۱½ ۲ کمپنی انگریزی - انبالہ

۲ کمپنی ہندوستانی - فتحگڈھ

سکشن اے نمبر ۱۴ توپخانہ ہسپتال - پونا - سکشن اے نمبر ۲۵ توپخانہ ہندوستانی ہسپتال میرٹھ

پیدل فوج اول ڈویزن -

برگڈ جرنل سر ئرے وڈ مری صاحب -

برگڈ جرنل ایف - ایچ پلوڈن صاحب -

لعل کورتی نمبر ۱ بورد پشاور

لعل کورتی نمبر ۲ - انبالہ

کپتان - او - برن صاحب (معہ میم صاحبہ بوہیں)

کشمیر

اور تھوڑے سے کی ہال د

میجر روس صاحب اسسٹنٹ ریذیڈنٹ و میم صاحبہ - ریذیڈنسی سری

میجر اسٹوارٹ صاحب پولیٹیکل ایجنٹ گلگت -

میجر کیبی صاحب کمشنر بندوبست - و میم صاحبہ

مسٹر ولاڈی بلد صاحب انجینیر ریاست - و میم صاحبہ -

مسٹر ریچارڈ صاحب اکاؤنٹنٹ جنرل - -

میجر ری تہرٹن صاحب گلگت سامان رسد - و میم صاحبہ -

مندرجۂ ذیل فوجیں دربار دہلی کی موقع پر طلب کیگئی تہیں

لفٹنٹ جنرل سر جی لک فوجوں کے کمانیر تھے اور آے اسسٹنٹ وورڈ کالس

مرگڈ جنرل باقری افواج ذیل وایسرائے کی محافظت پر تھے -

ایچ باتری توپخانہ	میرٹھ
رمنٹ نمبر ۲	راولپنڈی
رمنٹ نمبر ۱۱	میامیر
رمنٹ نمبر ۱	انبالہ
پلٹن سکھ نمبر ۱۵	پشاور

سکشن سی - نمبر ۳ - توپخانہ ہسپتال راولپنڈی -

سکشن ڈی نمبر ۸ - توپخانہ ہسپتال انبالہ -

۴ چیف انجنیر صاحب - (معہ میم صاحب)
۱ اسسٹنٹ ایجنٹ گورنر جنرل درجہ اول - معہ میم صاحبہ -
۴ ایضاً ایضاً درجہ دوم - معہ میم صاحبہ -
۱ کرنل ڈبلولک مصاحب ہز اکسلنسی والیسرائے -
۴ رزیڈنٹ مغربی راجپوتانہ ریاست ہائے - معہ میم صاحبہ -
۲ رزیڈنٹ صاحب اودیپور - معہ میم صاحبہ -
۱ رزیڈنٹ صاحب جے پور -
۱ اے - ایل - پی - ٹکر صاحب بہادر سی - آئی - ای - کمشنر - اجمیر ماروارڑ -
۲ سر سونٹن جیکب صاحب کے - سی - آئی - ای معہ میم صاحبہ جے پور سے
۲ کپتان - اے بنرمین صاحب سپرنڈنٹ راجپوتانہ سکرٹری کمیٹی دربار دہلی معہ میم صاحبہ
۲ پولیٹکل ایجنٹ صاحب الور معہ میم صاحبہ -
۲ پولیٹکل ایجنٹ صاحب مشرقی راجپوتانہ ریاستہائے - معہ میم صاحبہ -
۴ اگزکیٹو صاحب انجنیر منتظم کمپ - معہ میم صاحبہ -
۱ پولٹیکل افسر صاحب مسٹر اوورڈ -
۱ اسسٹنٹ جرنل سپرنڈنٹ ٹاگی وڈکیتی - منتعیفہ مصاحب -
۴ ایجنٹ بمبی بڑودہ وسنٹرل انڈیا ریلوے - معہ میم صاحبہ -
۴ نجی دوست ولایت سے - میزان ۳۳

بمثرووہ

میم صاحبہ میڈ - مس صاحبہ بریڈی - کپتان کارنیگی - میم صاحبہ کارنیگی

۱ لفٹنٹ کرنل فلرٹن صاحب ۔ مہتم شعاعات ۔ بلوچستان
۱ کپتان ڈیو صاحب ۔ اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ ایر ترات

سنٹرل انڈیا

صاحبان ترحا	میم صاحبان
مسٹر بارلی صاحب ۔	میم صاحبہ بیلی ۔
کپتان ونڈہم ۔	مس صاحبہ بیلی
مسٹر گرل صاحب ۔	میم صاحبہ ونڈہم ۔
کرنل ویر صاحب	آنریبل میم صاحبہ ٹکنک
میجر میگ ہیڈ صاحب ۔	میم صاحبہ میگ ہیڈ
کپتان لویرڈ صاحب	میم صاحبہ پارلس
کپتان پارلس صاحب ۔	میم صاحبہ ایس ایف بیلی ۔
میجر بیلی صاحب ۔	مس صاحبہ گسنگ
کپتان اسپیں صاحب	میم صاحبہ میولی
ایک افسر متعینہ کام ۔	میم صاحبہ ڈبلو ۔ ای ۔ بیلی ۔
لفٹنٹ ۔ ایل ۔ بیلی صاحب ۔	آنریبل ۔ ایل ۔ العسٹن
مسٹر ڈبلو ۔ ای ۔ بیلی صاحب	مس صاحبہ نکنزی
	مس صاحبہ ووڈ

راجپوتانہ

۲ چیف میڈیکل افسر صاحب ۔ معہ میم صاحبہ ۔

میجر لوگن صاحب - میجر کمانڈنگ کورگ و میسور رائفل ولنٹیر -
۲ کرنل بارٹ صاحب بمعہ میم صاحبہ - ایجنٹ گورنر جنرل بلوچستان

نجی مہمان

۲	میجر الیف - ایچ لاٹ صاحب و میم صاحبہ -	رسالہ نمبر ۵ پنجاب
۱	لفٹنٹ کرنل اسلس صاحب -	لائٹ انفنٹری
۱	لفٹنٹ کرنل سینڈرس صاحب	باڈی گارڈ توپخانہ
۲	لفٹنٹ کرنل ٹرینیچ گلگنی صاحب	سابق گارڈ توپخانہ
۲	کپتان زنبی و میم صاحبہ -	سابق نمبر ۵ رجمن
۲	لفٹنٹ کرنل تہامپس و میم صاحبہ	سابق نمبر ۶ رجمن
۲	مسس باورڈ دختر سر ایچ باورڈ وزیر گو و	

مہمان

۲	جرنل سر آر - و نیڈی بارٹ صاحب -	جرنل افسر کمان ضلع کوئٹہ
۲	میجر مکموہن صاحب و میم صاحبہ -	کمشنر مال بلوچستان -
۲	لفٹنٹ کرنل کیلی صاحب و میم صاحبہ -	اسسٹنٹ ایجنٹ ضلع کوئٹہ
۱	میجر شوور صاحب	پولیٹیکل ایجنٹ کوہاٹ
۱	کپتان وز صاحب	پولیٹیکل ایجنٹ جنوبی بلوچستان -
۱	کپتان اے - ایل جیکب صاحب -	اسسٹنٹ ایجنٹ درجہ اول گورنر جنرل بلوچستان
۱	کپتا اے	اسسٹنٹ ایجنٹ درجہ دوم گورنر جنرل بلوچستان

مسٹر ایل۔ ایم۔ کروسیس صاحب سکنڈ اسسٹنٹ رزیڈنٹ۔
کپتان۔ ایچ۔ کے۔ بار صاحب پرسنل اسسٹنٹ رزیڈنٹ۔
میجر جنرل ووڈہاؤس صاحب۔ سی۔ بی۔ ایم۔ جی۔
برگیڈیر جنرل۔ جی۔ اے۔ رچرڈس صاحب سی۔ بی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ سی آئی۔ ای
کپتان وٹ کن۔ مسٹر اے۔ ڈی۔ بار صاحب۔

میم صاحبان (۸)

میم صاحبہ بار صاحب۔	میم صاحبہ فسٹر۔
میم صاحبہ ووڈہاؤس۔	میم صاحبہ رچرڈس۔
میم صاحبہ اے۔ بار	میم صاحبہ ہاسٹنگس
میم صاحبہ گیرٹ	میم صاحبہ جی۔ اسمتھ۔

مسٹر اے۔ سی۔ ہکس صاحب ممبر پولیس کمیٹی۔

میسور

برگیڈیر جنرل سرجیمس وودہ میری صاحب معہ میم صاحبہ ومس صاحبہ۔
مسٹر لائینیل ڈیڈوس صاحب۔ آئی۔ سی۔ ایس کمشنر کورگ معہ میم صاحبہ۔
مسٹر ایل۔ ای۔ بکلی صاحب آئی۔ سی۔ ایس کلکٹر سٹرمولی معہ میم صاحبہ۔
مسٹر سی۔ ایل۔ ایس رسل صاحب آئی۔ سی۔ ایس ویسٹ اسسٹنٹ رزیڈنٹ
کپتان اسٹیڈرلنگ صاحب آئی۔ ایم۔ ایس ریذیڈنسی سرجن معہ میم صاحبہ
سکنڈ لفٹنٹ ڈی۔ ای۔ رابرٹس صاحب ممبرا سکال ہرس۔ کرنل ارنس ارکا
مسٹر اسمرڈ صاحب معہ میم صاحبہ۔

مسٹر - ایچ - بی - سڈب جان صاحب پرنسپل اسسٹنٹ

مسٹر اے - ایچ - گرینڈ صاحب سکرٹری - و میم صاحبہ -

مسٹر - آر - کلینسی صاحب - اسسٹنٹ سکرٹری -

مسٹر - سی - بن بری صاحب - جوڈیشل کمشنر - و میم صاحبہ -

مسٹر - ایم - اودی یار صاحب - کمشنر مال - و میم صاحبہ -

مسٹر - سی - ہاسٹنگس صاحب انسپکٹر جنرل پولیس - و میم صاحبہ -

کرنل اسکاٹ سنکرف صاحب سکرٹری بارگ ماسٹری -

میجر سیکس صاحب پولٹیکل افسر ممالک مغربی و شمالی سرحدی -

میجر جنرل الگزن صاحب سی - بی - اے - ڈی - سی وغیرہ و میم صاحبہ -

کپتان بان صاحب - میجر شارپ صاحب توپخانہ و میم صاحبہ -

لفٹنٹ جمبرس صاحب توپ خانہ -

حیدرآباد

مسٹر - اے البٹ صاحب قایم مقام کمشنر حیدرآباد آسابن ضلع -

مسٹر - آر - دے - ہیر صاحب قایمقام جوڈیشل کمشنر حیدرآباد آسابن ضلع -

لفٹنٹ کرنل ڈبلو ہاسٹنگس صاحب انسپکٹر جنرل پولیس جیل وغیرہ حیدرآباد آسابن ضلع

مسٹر - ایچ گاڈون اسٹن صاحب ڈپٹی کمشنر حیدرآباد آسابن ضلع -

لفٹنٹ کرنل آر - درنن گیرٹ صاحب ڈپٹی کمشنر حیدرآباد آسابن ضلع -

لفٹنٹ کرنل ای - سی - ایم - لوشینگٹن صاحب ملٹری سکرٹری رزیڈنٹ -

لفٹنٹ کرنل جی - ایچ - ڈی گم بے صاحب سی - آئی - ای رزیڈنسی سرجن حیدرآباد

۴ مسٹر فاکس اسٹرین دے۔ کمشنر صاحب۔ معہ یک میم صاحبہ
۵ مسٹر کراڈوک کمشنر صاحب۔ ویک میم صاحبہ۔
۶ مسٹر گردسیب صاحب۔ قایم مقام کمشنر۔ ویک میم صاحبہ۔
۷ مسٹر کیسل صاحب ڈویزنل جج۔ ویک میم صاحبہ۔
۸ کرنل موررائی۔ آئی۔ ایم۔ ایس صاحب مہتمم شفاخانہ ودو میم صاحبہ۔
۹ مسٹر سلے صاحب کمشنر بدولست مدراعت ویک میم صاحبہ۔
۱۰ مسٹر رابرٹسن صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ چیف سکرٹری۔ یک میم صاحبہ
۱۱ مسٹر ڈیک صاحب پولٹیکل ایجنٹ۔ ودو میم صاحبہ۔
۱۲ لفٹنٹ کرنل مے صاحب کے ساتھ۔ ایم۔ ایس۔ سول سرجن ویک میم صاحبہ۔
۱۳ آنریبل۔ ایل۔ ایم سٹ کلیر سکرٹری محکمہ بارگ داشری۔ ایک میم صاحبہ
۱۴ مسٹر داکر صاحب ڈپٹی کمشنر۔ ویک میم صاحبہ۔
۱۵ مسٹر لودی صاحب سکنڈ سکرٹری۔ ویک میم صاحبہ۔
۱۶ مسٹر مورر صاحب ڈائرکٹر پولیس السٹرکشن وتیں میم صاحبہ۔
۱۷ مسٹر کلیو میڈ صاحب انسپکٹر جنرل پولیس وجیل معہ یک میم صاحبہ۔
۱۸ مسٹر جیبل صاحب کمشنر اکر رسایز وغیرہ۔
۱۹ مسٹر لے فیر صاحب قایمقام انسپکٹر جنرل پولیس وجیل۔

ممالک مغربی وشمالی سرحدی

انگریز صاحبان

سیوساحب رسس جما۔ ڈین۔ میجر ڈین آر۔ اے۔ یم۔ سی

جنرل افسر کمانڈنگ ضلع آسام (معہ ایک افسر ڈپٹی اسسٹنٹ ایجینٹ جنرل)

سکریٹری چیف کمشنر - جنرل ڈپارٹمنٹ (معہ ایک میم صاحبہ)

سکریٹری چیف کمشنر بارگ ماسٹری (معہ دو میم صاحبہ)

پرنسپل میڈیکل افسر و سینیٹری کمشنر صاحب (معہ ایک میم صاحبہ)

ڈائرکٹر صاحب محکمہ زمین و کاشت (معہ ایک میم صاحبہ)

انسپکٹر جنرل پولیس۔

ڈائرکٹر پولس انسٹرکشن صاحب (معہ ایک میم صاحبہ)

ایجنٹ آسام بنگال ریلوے۔

چیف کمشنر پرسنل اسسٹنٹ۔ ایک میڈیکل افسر

عہدہ داران غیر لازمین

آنریبل مسٹر زے۔ بوکنگھم - سی - آئی - ای (معہ ایک میم صاحبہ)

کرنل ڈی - ایم - ملس دین صاحب۔

مسٹر سی۔ ایچ - ہولڈر (معہ ایک میم صاحبہ)

آنریبل مسٹر آر - ایچ ہینڈرسن۔ مسٹر ٹیلر و میم صاحبہ

سنٹرل پروونیز

فہرست انگریزی عہدہ داران

۱ مسٹر رسے صاحب سی - ایس - آئی - جوڈیشل کمشنر (معہ دو میم صاحبہ)

۲ مسٹر ٹلیب کمشنر صاحب (و یک میم صاحبہ)

۳ مسٹر کیری - کمشنر صاحب (و یک میم صاحبہ)

آنریبل - سی - جی - بیبی صاحب سی - ایس - آئی چیف سکرٹری و میم صاحبہ -
آنریبل گروور صاحب چیف انجنیر و میم صاحبہ -
آنریبل - سی - بے سرولی صاحب و میم صاحبہ -
جی - سی - پیہاں صاحب چیرمین - و میم صاحبہ -
ڈبلو - ایچ - اے سیٹ رے لیڈس صاحب بہادر - آئی - سی - ایس -
پریسیڈنٹ رنگون - میونسپلٹی و میم صاحبہ -
ایچ - پی ٹوڈ میلر صاحب بہادر - سی - آئی - ای کمشنر و میم صاحبہ -
سر جارج اسکاٹ صاحب کے - سی - آئی - ای سپرنڈنٹ چھوٹے شان ریاستہائے
آنریبل مسٹر تہر کل وائٹ صاحب چیف جج و میم صاحبہ -
رے - لی دن گیٹ صاحب بہادر - آئی - سی - ایس سکرٹری و میم صاحبہ
الیف ائلے صاحب بہادر میجر ری ائس کمپنی و میم صاحبہ
آنریبل مسٹر ڈبلو - لی - ہال کمشنر پیگو -

معالج افسر

میجر ڈیوس صاحب - آئی - ایم - ایس -
کرنیل بیلی صاحب - سی - آئی - ای - انسپکٹر جنرل پولیس و میم صاحبہ
کمانڈر بالیڈ صاحب - و میم صاحبہ -
میجر بارکس صاحب ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس -

اسامی عہدہ داران

کمشنر آسام - ضلع دہلی -

میجر سی - رک سگارت صاحب آئی - ایم - ایس انسپکٹر جنرل قیدخانہ جات

آر - ایچ بریڈی ٹن صاحب بہادر - انسپکٹر جنرل پولیس -

ٹی - سی - لیوس صاحب بہادر - ڈائرکٹر تمام ہدایات -

زے - زے - رک لین صاحب بہادر - سینیر ڈسٹرکٹ جج -

زے - ڈبلو - ا ایور صاحب بہادر سینیر کنسرویٹر محکمہ جنگلات -

آنریبل سر جسٹس نکس صاحب - چنچلر - الہ آباد یونیورسٹی -

آنریبل سر کنلن صاحب سی - آئی - ای - ممبر لوکل لیجسلیٹو کونسل -

آنریبل سر اے رک رابرٹ صاحب پریسیڈنٹ اپر انڈیا محکمہ تجارت وممبر لیجسلیٹو کونسل -

رائٹ ریورینڈ کلیپ خورد - بسھوپ لکھنو

موسٹ ریورینڈ چارلیس صاحب جنٹائیلی - او - سی - ایچ بسھوپ آگرہ -

میزان ۷۵ - (مع اُن کی میم صاحبہ کے)

برہما

ہز آنر لفٹنٹ جرنل - لیڈی نریر - مس لیس خورد -

پرائیویٹ سکرٹری - مصاحب - مہمان -

آنریبل ڈی - نارٹن صاحب - سی - الیس - آئی - فائننشیل ومیم صاحبہ

آنریبل - زے - لودس صاحب گورنمنٹ اڈوکیٹ ومیم صاحبہ

آنریبل - زے - جی - فرینڈلے صاحب ومیم صاحبہ -

آنریبل منگپو صاحب - کے - الیس - ایم -

ممالک متحدہ

آنریبل سرجان اسٹینلی صاحب کے سی۔ ڈے۔ بی چیف جسٹس ہائی کورٹ ممالک مغربی و شمالی۔
آنریبل مسٹر ایچ۔ ایف بلیر ریسپی صاحب جج ہائی کورٹ ممالک مغربی و شمالی۔
آنریبل مسٹر پی۔ سی بنرجی صاحب جج ہائیکورٹ۔ ممالک مغربی و شمالی۔
آنریبل مسٹر ڈ بلو۔ آر۔ برکٹ صاحب جج ہائیکورٹ۔ ممالک مغربی و شمالی۔
آنریبل مسٹر آر۔ ایس اکیمن صاحب جج ہائیکورٹ۔ ممالک مغربی و شمالی۔
آر اسکوٹ صاحب بہادر جوڈیشیل کمشنر اودھ
آنریبل مسٹر ڈی۔ ٹی رابرٹس صاحب سی۔ ایس۔ آئی ممبر اعلیٰ محکمہ مال۔
رے جوبیر صاحب بہادر قائم مقام۔ ممبر خورد محکمہ مال۔
آنریبل مسٹر ڈبلو۔ ایچ۔ ایل امپی صاحب قائمقام چیف سکریٹری گورنمنٹ
آنریبل مسٹر جے۔ ایس۔ میسٹن ڈائریکٹر۔ سکریٹری گورنمنٹ۔
جوڈیشیل سکریٹری گورنمنٹ۔
ڈبلو۔ ایچ ہائیٹنگل صاحب بہادر۔ قایم مقام سکریٹری گورنمنٹ محکمہ تعمیرات و چیف انجینیر۔
ایچ۔ مارٹس صاحب بہادر سی آئی۔ ای قایم مقام سکریٹری گورنمنٹ محکمہ آبپاشی و چیف انجینیر۔
سے۔ ٹی۔ تھامس صاحب بہادر۔ کمشنر لکھنؤ۔
کرنل سی۔ ایچ۔ جوبرٹ آئی۔ ایم۔ ایس صاحب قائمقام انسپکٹر جنرل سول ہسپتال۔

۳	آنریبل مسٹر ریڈ صاحب معہ میم صاحبہ و مس بڈن۔
۳	آنریبل مسٹر ٹوپہ صاحب معہ میم صاحبہ و مس صاحبہ۔ فائنینشل کمشنر۔
۱	لارڈ بشپ لاہور
	بشپ
۱	رائٹ ریورینڈ صاحب لارڈ بشپ لاہور۔ بشپ
۲	مسٹر اندرس جالندھر صاحب و میم صاحبہ۔ کمشنران
۴	مسٹر اے۔ اینڈرسن صاحب و میم صاحبہ و دو مس صاحبان۔
۲	مسٹر سیل کاک صاحب و میم صاحبہ۔ راولپنڈی۔
	مسٹر مریڈٹ صاحب و میم صاحبہ۔ ملتان۔
۴	آنریبل کرنل مانٹ گمری صاحب و میم صاحبہ و دو مس صاحبان۔
۱	مسٹر آر۔ ڈین صاحب چیف سکرٹری۔ سکرٹریان
۱	مسٹر اے۔ ایچ۔ ڈی اک صاحب۔
۲	مسٹر ہلی فاکس صاحب و میم صاحب۔
۲	کرنل تھربرن صاحب و میم صاحبہ۔ چیف انجنیر۔
۲	مسٹر بردن صاحب و میم صاحبہ۔ انسپکٹر جنرل پولیس۔
۲	لفٹنٹ کرنل ملنگی صاحب و میم صاحبہ۔ انسپکٹر جنرل سول ہسپتال۔
۳	لفٹنٹ کرنل بیٹ صاحب و میم صاحبہ و مس بروِنی۔ انسپکٹر جنرل جیل
۲	مسٹر ہیل صاحب و میم صاحبہ۔ ڈائرکٹر محکمہ ایات پولیس۔
۲	آنریبل مسٹر ولسن صاحب و میم صاحبہ۔ کمشنر بندوبست۔
۲	مسٹر کیمبل صاحب و میم صاحبہ۔ اکاؤنٹنٹ جنرل۔

جملہ مہمان ۱۹۔ میزان ۶۰

بنگال

چیف جسٹس بنگال۔ دو جج ہائی کورٹ۔

دو ممبر محکمہ مال ایک کمشنر۔

جنرل افسر کمان وعہدہ داران ۔ اڈووکیٹ جنرل۔

انسپکٹر جنرل پولیس۔ انسپکٹر جنرل قید خانہ جات۔

ڈائرکٹر ہدایات عام۔ انسپکٹر جنرل سول ہسپتال ۔

چیرمین کلکتہ دربار۔ چاچ سکرٹری گورنمنٹ ۔

پادری کلکتہ۔ انسپکٹر جنرل رجسٹری۔

پریسیڈنٹ محکمہ تجارت ۔ پریسیڈنٹ محکمہ ہندوستانی کاشتکاروں کے

پریسیڈنٹ محکمہ ہندوستانی کان۔ پریسیڈنٹ محکمہ ہندوستانی چاہ ۔

پریسیڈنٹ محکمہ سوداگری۔ سکرٹری بنگال بنک ۔

کمشنر پولیس کلکتہ ۔ ایجنٹ ایسٹ انڈیا ریلوے۔

ایجنٹ بنگال ناگپور ریلوے ایجنٹ ایسٹ بنگال ریاست ریلوے

دو ممبر سوداگر کلکتہ ۔ حیدر مہاں کی۔

آنریبل مسٹر ے۔ای۔ گل۔ سکرٹری لفٹنٹ گورنر کونسل ۔

ڈبلو۔ ای گارڈن صاحب بہادر سکرٹری بہرکیٹس ۔

ڈبلو۔ ایم۔ کارن صاحب۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس کیتس ۔

پنجاب

آنریبل مسٹر۔ ڈبلو۔ او کلارک ۔ جج چیف کورٹ ۔

آنریبل مسٹر نے سٹ صاحب معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر ایس۔ ڈبلیو اڈگرلی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ چیف سکرٹری گورنمنٹ معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر نے پولن صاحب

اے۔ ایم۔ ٹی جیکسن صاحب بہادر معہ میم صاحبہ۔

ڈبلو ٹی۔ میری سن صاحب بہادر معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر ڈبلو سی۔ ہوگیس صاحب۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ممبر لیجسلیٹو کونسل معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر ڈی۔ یک آئی ور صاحب ممبر لیجسلیٹو کونسل معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر ڈی۔ ایم۔ موسیس صاحب ممبر لیجسلیٹو کونسل معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر ڈی۔ ایچ۔ الیف۔ اسٹن صاحب معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر الیف۔ ایس۔ لیلی صاحب۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ کمشنر شرقی ڈویژن معہ میم صاحبہ۔

آر۔ ایم۔ کینیڈی صاحب بہادر۔ کمشنر جنوبی ڈویژن۔ معہ میم صاحبہ۔

اے۔ ڈی ینگ ہسبنڈ صاحب بہادر کمشنر سنٹرل ڈویژن معہ میم صاحبہ۔

رزیڈنٹ صاحب عدن۔

آنریبل مسٹر گریوز صاحب۔ ممبر لیجسلیٹو کونسل۔

آنریبل مسٹر جسٹس صاحب کنڈے۔

رائٹ ریورینڈ جیمس یک آرتھر صاحب ڈی۔ ڈی۔ لسبپ بمبئی۔

مسٹر موئیر صاحب کلکٹر ؟ —   بارہ مہمان ولایت سے

ایچ - پی - ٹکس صاحب بہادر - کاشتکار
آنریبل ریورینڈ ولیم مل صاحب - سی - آئی - ای - وائس چیلر یونیورسٹی -
مسٹر بن ہم رحمیت صاحب مدراس ریلوے -
اے - کے - بیپ صاحب بہادر - آئی - سی - ایس } مہتمم مدراس کیمپ
لفٹنٹ کرنل آر - ایف - وارم لی صاحب } ۲۵
صاحبان گورنر و میم صاحبان و عہدہ داران ۱۳
مہمان ولایت سے میزان ۱۳ ۵۱
ان میں ۳۴ مرد اور ۱۷ عورت ہیں -

بمبئی

ہزاکسلنسی گورنر صاحب و میم صاحبہ - نارتھ کوٹ
لفٹنٹ کرنل وچیرڈ اوں صاحب سکریٹری ملٹری -
لفٹنٹ کرنل اے - ای - رے کردلی آ - اے - ایم - سی - سرجن ہزاکسلنسی گورنر
کپتان آنریبل - سی - ایف - گریول صاحب مصاحب -
کپتان زے - جی گریگ صاحب - مصاحب -
کپتان اسلوں اسٹیلی صاحب - مصاحب -
میجر زے - ایچ بارڈ کما نڈ میٹ صاحب ہزاکسلنسی گورنر باڈی گارڈ -
آنریبل سر ڈے - ایس بتہ صاحب سی - ایس - آئی ممبر کونسل -
آنریبل مسٹر ای - ایم - ایچ فلٹن صاحب ممبر کونسل - معہ میم صاحبہ -
آنریبل سر لارنس صاحب چیف جسٹس معہ میم صاحبہ -

رائے بہادر سیٹھ امید مل صاحب - سیٹھ لیمچند صاحب -

رائے بہادر سیٹھ چھپامل صاحب -

رائے بہادر سنگھ صاحب - سی - آئی - ای - استمرار دار سوده - اجمیر

اصحاب انگریزی جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا

مدراس

آنریبل مسٹر ایچ - ایم ونسٹر باتھم - سی - ایس - آئی - معہ میم صاحبہ -

آنریبل مسٹر جیمس تھامسن معہ میم صاحبہ -

آنریبل سرسی ازنلڈ وائٹ - چیف جسٹس - لیڈی وائٹ صاحب

رائٹ ریورینڈ بشپ مدراس - میم صاحبہ وائٹ ہیڈ

آنریبل مسٹر گابریل اسٹوکس - آئی - سی - ایس - چیف سکرٹری -

آنریبل مسٹر ایف - اے نچلسن صاحب سی - آئی - ای - ممبر کلان محکمۂ مال

معہ میم صاحبہ -

آنریبل مسٹر جی - ایس - فوربس - مہتمم محکمہ مال -

سرجن جنرل ڈبلیو - اے - ڈی نچلر - سی - ایس - آئی -

آنریبل مسٹر جی - ایچ اسٹوارٹ - ڈائرکٹر ہدایات عام -

ایچ - اے - اسٹوارٹ صاحب بہادر - آئی - سی - ایس - انسپکٹر جنرل پولیس

ڈبلیو - بی - ڈی - ونٹن صاحب بہادر چیف انجنیر سکرٹری محکمہ تعمیرات

آنریبل سر جارج آربتھناٹ صاحب سوداگر خزانچی و ممبر کونسل لیجسلیٹو

آنریبل مسٹر اے - ڈی - پارک صاحب سوداگر و ممبر لیجسلیٹو کونسل -

میسور

مسٹر سی۔ سمی راؤ بہادر صاحب۔ محل شد۔

مسٹر ایم۔ اے۔ سدانہ رائے بہادر صاحب اسسٹنٹ کمشنر سالق

بنگلور

مسٹر ارکٹ سراین سوامی مودیلر رائے بہادر صاحب رئیس معزز بنگلور

مسٹر الس والی مودیلر ممبر میونسپل کمشنر رئیس۔

بلوچستان

روداد اصحاب کی جو معہ شاگردپیشہ مدعو کئے گئے تھے دربار کے واسطے بلوچستان سے

شہر	ہندوستانی ریاستیں			اضلاع برٹش		کیفیت
	سردار	معززین	شاگردپیشہ	معززین	شاگردپیشہ	
کوئٹہ	-	۲۹	۳۵۸	-	-	
لس بیلا	-	-	۲	-	-	
کہرا	۱	-	۱۲	-	-	
کرئٹیس	-	-	-	-	-	
تہل چوتیالی	-	-	-	-	-	
ژوب	-	-	-	۱۵+۳=۲۵	-	
بیگس	-	-	-	-	-	
میزان	۱	۲۹	۳۹	۲۵	-	

اجمیر مارواڑ

نواب سر محمد اکرم خاں صاحب امبہ کے - سی - ایس - آئی -
راجہ جہانداد خاں صاحب کے - سی - بی - گکھڑ
ارباب حسین خاں صاحب - خان بہادر - محمد
کرنیل نواب محمد اسلام خاں صاحب - وزیر زادہ سردار بہادر سی - آئی - ای
خوشدل خاں صاحب - کوہاٹ
خان بہادر ابراہیم خاں صاحب -
دوست محمد خاں صاحب - خان بہادر - خلیل -
خواجہ محمد خاں صاحب - خان بہادر -
نواب رعب نواز خاں صاحب - علی زئی -
راجہ شیر احمد خاں صاحب - گکھڑ
محمد حسین خاں صاحب - گڑھی حبیب اللہ -
عرب محمد اعظم خاں صاحب - امین اللہ خانصاحب اوراق زئی
رسالدار محمد امیر خاں صاحب - اسمٰعیل زئی - محمد خانصاحب تورو

حیدر آباد

نواب محمد سلام اللہ خاں صاحب - کنور سری ہر بھنجی رائے جی صاحب
راؤ بہادر - ڈی - وی - صاحب - بھگوت -
خان بہادر خواجہ بدیع الدین صاحب - قاضی - ملکہ پور
مسٹر جی - ایس صاحب - کھیر دی -
خان بہادر عبدالباقی خاں صاحب - بھگونت راؤ شنکر راؤ صاحب

راجہ ملونت راؤ صاحب محکوتی - آنریری اسسٹنٹ کمشنر و زمیندار - بیر

راجہ بیجے بہادر - زمیندار - نرسنگھ پور

ٹھاکر مرداں شاہ صاحب - جاگیردار ہری - چندواڑہ

سردار راج سنگھ صاحب دیو - آنریری اسسٹنٹ کمشنر و زمیندار کواڑ - رائے پور

لال چیتر سنگھ صاحب زمیندار نندا نواں گڈھ و آنریری مجسٹریٹ - رائے پور

راؤ بہادر رگھوبار سیادک صاحب - زمیندار و آنریری مجسٹریٹ - رائے پور

ٹھاکر رگھوراج سنگھ صاحب - زمیندار نیدریا - بلاسپور

رائے بہادر لال ربیراج سنگھ صاحب زمیندار ربلی - سملپور

راؤ بہادر کالی ناتھ صاحب کیوٹ ہاکر - ڈویژنل جج - ایضاً

سید مہدی حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا سپرنٹنڈنٹ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر - سملپور

آر۔ مترا صاحب - انجینیر درجہ اول بارگ استری - سملپور

ممالک شرقی و مغربی سرحدی

ہندوستانی معززین شرفاء

نواب اللہ داد خاں صاحب سدوزئی - ڈیرہ اسمٰعیل خاں

سردار سلطان خاں صاحب - سی - آئی - ای - کوہاٹ

خان صاحب - نہری کیشنک

نواب حافظ عبداللہ خاں صاحب علی زئی - ڈیرہ اسمٰعیل خاں

نواب غلام قاسم خاں صاحب - ٹانک

رائے بہادر کستور چند صاحب - آنریری مجسٹریٹ - ناگپور
رائے بہادر پین کرشنا صاحب بی ایس سی - آئی - ای ناگپور
غلام مصطفے صاحب - آنریری مجسٹریٹ و وائس پریسیڈنٹ میونسپل کمیٹی - وردہا
رائے بہادر گنگا بابو صاحب - زمیندار پاسکھڑہ - چندا
رائے بہادر چنڈی پرشاد صاحب آنریری مجسٹریٹ و زمیندار - چندا
راؤ بہادر لتریا بہاں صاحب - زمیندار کمپٹا - بھنڈارہ
مادھو راؤ بھان صاحب - زمیندار ام گاؤں و آنریری مجسٹریٹ - بھنڈارہ
راؤ صاحب رنگ راؤ - پریسیڈنٹ کونسل - ضلع بھنڈارہ
رگھوناتھ راؤ صاحب - زمیندار - جبل پور
راجہ اجیت سنگھ صاحب زمیندار - جبل پور
راجہ وشنو ناتھ سنگھ صاحب - تعلقہ دار جبل پور
راجہ گوکل داس صاحب سیٹھ - زمیندار و مالک بنک - جبلپور
راؤ بہادر بہاری لعل صاحب زمیندار و آنریری مجسٹریٹ - جبلپور
راؤ صاحب ونکٹ راؤ - آنریری مجسٹریٹ - ساگور
رائے بہادر ٹھاکر مہاراج سنگھ صاحب - آنریری مجسٹریٹ و زمیندار - ساگور
مولوی ظہور السلام صاحب - آنریری مجسٹریٹ و زمیندار - دموہ
دیوان محمد علی خان صاحب - زمیندار - سیونی
راجہ کرشنا صاحب - زمیندار - ہوشنگ آباد
راؤ صاحب نربہے سنگھ صاحب - آنریری مجسٹریٹ و زمیندار - ایضاً

(۲) سری موت مانک چندرا صاحب سنا ۔ خود مختار
(۳) سری سری گوبندا دیو صاحب سرا ۔ بوراوجی کری سربتیا ستا ۔
(۱) راجہ پرابہت چندرا سردا گوری پور ۔ گولی پارا
(۲) مالوستو چندرا صاحب چٹنایہ بیا بی ۔ ایل ۔ ڈائیس چیرمین
(۱) مالوکمالی کمور چندرا صاحب ۔ ایم ۔ اے ۔ بی ۔ ایل ۔ کوچار
(۱) راجہ گریس چندرا رائی صاحب ۔ زمیندار
(۲) مولوی علی احمد خاں صاحب ۔ خاص زمیندار ضلع کا
(۳) مولوی محمد بخت خاں صاحب ۔ زمیندار سلہٹ
(۴) مالو بیکنٹھا ناتھ صاحب سرا ۔ ایضاً
(۱) مالو تی لن سے صاحب ۔ پیش یافتہ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر حاصی جنتیا
(۲) یو کلور سنگھ صاحب ۔ جلیل القدر ہے یم پہاڑیوں پر
(۳) یو کینی سنگھ صاحب ۔ سیائی سے اور ماقدر سیم ہے
(۱) مالو درگا چرن صاحب سیں ۔ بی ۔ اے ۔ بی ۔ ایل ۔ سلہٹ
رائے مادہوب چندر مردلای صاحب بہادر ۔ ایل ۔ ایل ۔ کروپ
رائے دلال چند ردیب صاحب بہادر بی ۔ ایل ۔ سلہٹ
راو بہادر گہو جی را ؤصاحب ۔ ناگپور
راجہ اعظم شاہ صاحب ۔ ناگہ ۔
کنگ ہیرراؤ صاحب حب لویس سی آئی ای ۔ آنریری مجسٹریٹ ریذیڈنٹ
ناگ میونسپل ناگپور

سونگ - نی صاحب - اے - ٹی - ایم -
سونگ شیوی تہا صاحب - اے - ٹی - ایم -
سونگ تن ہلا صاحب - ٹی - ڈی - ایم -
سونگ شادی - پی - کے - ایس - ایم صاحب سابق اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر
لکن سون صاحب کے - ایس - ایم - میوک - مہتمم ریاست ماتحت ہسوم ہسائی -
سونگ پو صاحب - اے - ٹی - ایم سیوزا - ہسا سونگ مکن -

آسام (ج)

سری جت ل بہوج صاحب بروا - لکھیم پور
رائے چنی لعل صاحب سراوگی بہادر سوداگر لکھیم پور
سری جت صاحب لکشور بوبرا گوہن جورہت - سب ساگر
سری جت کالی پرشاد صاحب چالی ہا -
سری سری داتا دیو اتیائی ادہیکر گوسوامی } یہ شریف خاندانوں میں خیال کئے جاتے ہیں
سری سری نارد یو کار گوسوامی - دکھن پت
رائے جگن ناتھ صاحب - بارو بہادر - بی - اے - جورہت -
بابو سواما چرن صاحب موترا - بی - ایل - بار رنگ
سری جت بہوانی چرن صاحب سرما - آنریری مجسٹریٹ
سری جت نندی ناتھ صاحب سبرور - نوگاؤں
منشی رحمت علی صاحب آنریری مجسٹریٹ
(۱) رائے صاحب بہوبن رام داس صاحب - کامروپ

اسحاق محمد خاں صاحب - ملتان
مولا داد خاں صاحب جھنگ
امیر علی خاں صاحب - ایضاً -
سردار تیغیا خاں صاحب - لگھوری - ڈیرہ غازی خاں

برہما (ج)

مونگ لوپی صاحب - اے - ٹی - ایم - میوک -
مونگ ٹن صاحب گیا - ٹی - ڈی - ایم - اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر
مونگ اونگ لان صاحب - کے - ایس - ایم - ایضاً
آرمیل یو یو صاحب - کے - ایس - ایم -
مونگ ساں صاحب - پی - ٹی - دی - ایم - اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر
مونگ پور صاحب - ٹی - دی - ایم - میوک
یو - پی - گیا تھو صاحب - کے - ایس - ایم -
مونگ تھا صاحب - ڈو - وی - آے - ٹی - ایم -
مونگ ٹن - گیوی صاحب - اے - ٹی - یم - میوک -
مونگ س مون صاحب -
مونگ کت صاحب - کے - ایس - ایم - اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر
مونگ ستودی یو صاحب - اے - ٹی - ایم - اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر
مونگ ٹن صاحب - کے ایس - ایم - میوک -
مونگ تھو ٹاؤ - یو - ٹی - ڈی - ایم - صاحب -

ملک خدابخش صاحب - ٹیوانہ - شاہ پور

خان بہادر ملک حکیم خاں صاحب - نون یا اس کا بھتیجا محمد حیات خاں - شاہپور

ملک خان محمد خاں صاحب - ٹیوانہ - شاہ پور

قسمت ملتان

مخدوم حسین بخش صاحب - ملتان

آنریبل نواب سر امام بخش خانصاحب مزاری - کے - سی - آئی - ای - ڈیرہ غازیخاں

سردار بہرام خاں صاحب خلف الرشید آنریبل نواب سر امام بخش خانصاحب مزاری کے - سی - آئی - ای - ڈیرہ غازی خاں

لطف حسین خاں صاحب عرف میاں شاہ نواز خاں سرائی - ڈیرہ غازیخاں

خان بہادر محمد عبد اللہ خاں صاحب - سی - آئی - ای - عیسیٰ خیل - میانوالی

ملک یار محمد خاں صاحب - کالا باغ - ایضاً

سردار بہادر خان خوشا صاحب - ڈیرہ غازی خاں

سردار دبراہم خاں صاحب - دریں حق - ایضاً

سردار جلب خاں صاحب - گورچنی - ایضاً

سردار محمد حسین خاں صاحب - بوزدد کلاں - ایضاً

سردار نورنگ خاں صاحب - پیشا قرقہ سوری لوند کے - ایضاً

سردار فضل علی خاں صاحب - کسرانیا - ایضاً

سردار مسور خاں صاحب - طبی بوند کے پیشا - ایضاً

خان بہادر شریف اللہ خاں صاحب - خان گڈھ - مظفر گڈھ

رچپال سنگھ صاحب۔ سرلوالی۔ سیالکوٹ

سردار دیال سنگھ صاحب۔ رکھا ہیا۔ سیالکوٹ

دیوان ہری سنگھ صاحب۔ عقل گڈھ گوجرانوالہ

رائے بہادر سودی حکم سنگھ صاحب۔ دیوان بہادر۔ لاہور

سردار بہادر ارجن سنگھ صاحب۔ جیبال۔ امرتسر

خان بہادر میاں غلام فرید خان صاحب۔ گورداسپور

مسٹر مدن گوپال صاحب (ممبر پنجاب لیجسلیٹو کونسل) لاہور

قسمت راولپنڈی

آنریبل سر بابو کھیم سنگھ صاحب۔ بیدی کے۔سی۔آئی۔ای۔ راولپنڈی

ملک عمر حیات خان صاحب۔ تیوانہ۔ شاہ پور

ملک غلام محمد خان صاحب۔ جودھرا۔ راولپنڈی

راجہ علی بہادر خان صاحب۔ گجرات

سردار شیر سنگھ صاحب۔ جہلمی۔ راولپنڈی

ملک محمد امین خان صاحب۔ شمس آباد راولپنڈی

راجہ کریم داد خان صاحب۔ ککر۔ راولپنڈی

سودی تیر سنگھ صاحب مہرن پورہ۔ جہلم

محمد حیات خان صاحب۔ احمدآباد۔ جہلم

سر ہی مسی۔ ایف۔ کمانڈر۔ کے۔ ی۔ سی۔ آئی ای۔ راولپنڈی

ملک سارد خان صاحب۔ جہان آباد۔ شاہ پور

سودیرام نراین سنگھ - اننڈپور -	ہوشیار پور
بیدی سجان سنگھ صاحب -	ہوشیار پور
سردار بدن سنگھ صاحب - مالودہ -	لودہیانہ
محمد طاہر صاحب -	لودہیانہ
سردار بلونت سنگھ صاحب - بیر	لودہیانہ
رانا لہنا سنگھ صاحب - مناسوال -	ہوشیار پور
صوبہ دار سردار اتبیل سنگھ - لودہرن	لودہیانہ
صوبہ دار سردار ہری سنگھ - لودہرن -	لودہیانہ

قسمت لاہور

سردار بخشش سنگھ صاحب سندہن والیہ -	امرتسر
سردار امراؤ سنگھ صاحب - مجیٹیا -	امرتسر
نواب فتح علی خاں صاحب - قزلباش -	لاہور
سردار بہادر نریندر سنگھ صاحب -	لاہور
ٹھاکر رومن چند صاحب -	گورداسپور
بھائی گوربخش سنگھ صاحب -	امرتسر
دیوان نرندر ناتھ صاحب - ایم - اے -	لاہور
سردار سروپ سنگھ صاحب - مالوکا	لاہور
سردار بلونت سنگھ - اعلیٰ - مبالہ -	گوجرانوالہ
سردار آرور سنگھ صاحب - نوشہرہ ناگل -	امرتسر

میاں اورد سنگھ صاحب برادر میاں پردوان سنگھ - ضلع انبالہ
میاں گوردوس سنگھ صاحب - رام گڈھ - ضلع انبالہ
میاں سکھ درشن سنگھ صاحب - رام گڈھ کجولی - ضلع انبالہ
خان صاحب محمد عالم خان صاحب - کوٹلہ بہانگ - ضلع انبالہ
سردار کشن سنگھ صاحب - تہل تہنگر - ضلع کرنال
سردار جس بیر سنگھ صاحب - تہل تہنگر - ضلع کرنال
سردار بہادر جوالا سنگھ صاحب - مجرولی - ضلع کرنال
سردار پرتاپ سنگھ صاحب - ایس - ڈی - میں پور - ضلع انبالہ
سردار گوردت سنگھ صاحب - صاحبزادہ سردار رام سنگھ شام گڈھ - ضلع کرنال

قسمت جالندہر

راجہ چندہاری صاحب - میجر ۳۷ ڈگرس - لمباغراؤں - کانگڑا
راجہ جی سنگھ صاحب سبا - کانگڑا
راجہ ندر چند - لوددن - کانگڑا
کنور سر ہرنام سنگھ صاحب - کے - سی - آئی - ای - کپورتھلہ - جالندہر
سردار پرتاپ سنگھ صاحب اہلوالیہ - جالندہر
سردار چرن جیت سنگھ صاحب - اہلوالیہ - جالندہر
راجہ رام پال - کٹ لر - کانگڑا
گرو نہال سنگھ صاحب - کرتارپور - جالندہر
راجہ رگہناتھ صاحب جیسوان - ہوشیارپور

ا	پولیس انسپکٹر۔
ا	افسر محکمہ تعلیم۔
ا	اسسٹنٹ ڈاکٹر
ا	انجنیر محکمہ آبپاشی
ا	انجنیر محکمہ سڑک وغیرہ
ا	منصف اودھ
ا	ایضاً آگرہ

پنجاب (ج)

مرزا محمد کیوان شاہ صاحب عرف سرپا جاہ۔	ضلع دہلی
سردار جیون سنگھ صاحب شاہد۔سی۔ایس۔آئی۔	ضلع انبالہ
نواب ابراہیم علی خاں صاحب۔ کنجپورہ۔	ضلع کرنال۔
نواب بہادر عظمت علی خاں صاحب۔ منڈال۔	ضلع کرنال
خان بہادر مولوی سید ضیاء الدین خاں صاحب شمس العلماء۔ایل ایل ڈی	ضلع دہلی
برخوردار میر محمد باقر علی خاں صاحب۔سی۔آئی۔ای۔	ضلع انبالہ
سردار دیو اندر سنگھ صاحب۔سالونی۔	ضلع انبالہ
سردار پرتاپ سنگھ صاحب۔ سالونی۔	ضلع انبالہ
سردار نراین سنگھ صاحب۔ مانک ماجرا۔	ضلع انبالہ
سردار بہادر ہرنام سنگھ صاحب۔	ضلع انبالہ
سید احمد صاحب امام جامع مسجد۔	دہلی

مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب - سی - ایم - جی -
مہاراجہ بابا پنڈت تمیش چندرا پاپا تھا صاحب - سی - آئی - ای -
پنڈت بیت رام صاحب - سی - آئی - ای -
شیخ حافظ عبد الکریم خاں صاحب خان بہادر - سی - آئی - ای -
منشی عبد الکریم خاں صاحب - سی - آئی - ای - سی - وی - ا -
نواب محسن الملک صاحب آنریری سکرٹری - ایم - اے - او - کالج علیگڈھ
رائے کرشنا شاہ بہادر صاحب - آنریری مجسٹریٹ و ممبر میونسپل بورڈ نینی تال -
بالو سوہر لعل صاحب - چیرمین - میونسپل بورڈ - فیض آباد -
سلیمان قدر مرزا محمد حسین علی صاحب بہادر (خاندان شاہی اودھ)
نواب مہدی حسین خاں صاحب بہادر (الو صاحب) لکھنؤ -

عہدہ داران سرکاری

کنور کھرت سنگھ صاحب - ڈسٹرکٹ جج قانونی عدالت سول -
پنڈت راماسنکر مصرا صاحب - مجسٹریٹ و کلکٹر قانونی عدالت سول

۱	جج عدالت خفیفہ اودھ
۱	ایضاً آگرہ
۱	ڈپٹی کلکٹر اودھ
۱	ایضاً آگرہ
۱	ماتحت جج اودھ
۱	ایضاً آگرہ

راجہ شیام سنگھ صاحب ۔ تاج پور

راجہ کرشنا کنور صاحب ۔ سسیرام

راجہ رام پرتاب سنگھ صاحب ۔ پین پوری ۔

راجہ بلونت سنگھ صاحب ۔ سی ۔ آئی ۔ ای ۔ آوا ۔

راجہ کہوسل کشور پرشاد مل صاحب بہادر ۔ منجھولی ۔

راجہ رام سنگھ صاحب ۔ بستی ۔

راجہ محمد سلامت شاہ صاحب ۔ اعظم گڈھ

راجہ صاحب ۔ مرسان ۔ راجہ رنبھیر سنگھ صاحب ۔ دہرہ

آنریبل نواب ممتاز الدولہ محمد فیاض علیخاں صاحب ۔ پہاسو ۔

نواب یوسف علی خاں صاحب ۔

نواب اسد اللہ خاں صاحب خان بہادر وائس چیرمین میونسپل بورڈ میرٹھ

نواب احمد شاہ صاحب ۔ سردھنہ

راجہ اودے راج سنگھ صاحب ۔ کاشی پور

راجہ بھوپندر بہادر سنگھ صاحب ۔ کن ٹنٹ

راجہ ٹھاکر پرشاد نراین صاحب ۔ دلیولہ ہلدی ۔

راجہ رام پرتاب سنگھ صاحب ۔ مانڈا

راجہ رام سنگھ صاحب ۔ رامپور

راجہ نرپت سنگھ صاحب ۔ اسوتر ۔

راجہ سردار سنگھ صاحب بہادر ۔ کھیرٹرہ

نواب صاحب - دکن- نواب صاحب - بوگرا-
نواب سید امیر حسین صاحب - سی - آئی - ائی -
ہری دتاری لوموننگ پتشا گنگ صاحب - احاطہ بہار
ممالک متوسط (ج)
تعلقہ داران اودھ
مہاراجہ بھگوتی پرساد سنگھ صاحب - بلرام پور
مہاراجہ سرپرتاب نراین سنگھ صاحب - کے-سی-آئی-ای - اجودھیا-
راناہوراج سنگھ صاحب - شہلری (کھور گاؤں)
راجہ جگ موہن سنگھ صاحب - سی-آئی-ای - اترا چاندپور
راجہ رام پال سنگھ صاحب - کالاکنکر
راجہ رام پال سنگھ صاحب - کوری سدہولی -
امیرالدولہ سید الملک ممتاز جنگ راجہ سر محمد امیر حسین خاں صاحب
خاں بہادر کے-سی-آئی-ای - محمد آباد
آنریبل راجہ تصدق رسول خاں صاحب - سی-ایس-آئی- جہانگیر آباد
راجہ پرتاب بہادر سنگھ صاحب - کالا پرتاب گڑھ
راجہ بھوپ اندرا کرم سنگھ صاحب - سی-آئی-ای - سنگ پور
معززین صوبہ آگرہ
راجہ فتح سنگھ صاحب - پراپاں -
بے کرشنا داس بہادر صاحب - سی-ایس-آئی -

مہاراجہ صاحب بہادر ٹیٹھور۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ وینا جیور۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ درگا چرن۔لا

مہاراجہ صاحب بہادر۔ سریا کنٹا آچاریہ

مہاراجہ صاحب بہادر۔ ہتیم پور۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ بنے لی۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ خامیرا۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ تہرلوپر۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ نصیرپور۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ دیگا پٹیا۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ کھنٹا ناتھ دی۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ سرسرندرموہن تفوری۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ پیارے موہن مکرجی۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ مان بہاری کپور۔ بردوان۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ بی نے کرشنا۔

مہاراجہ صاحب کنور۔ بردوان۔

پرنس کنور صاحب۔ رگدر۔

صاحبزادہ محمد بختیار شاہ صاحب۔

نواب صاحب بہادر۔ مرشد آباد

آنریبل سردار کیست راؤ مادھو راؤ دیکر صاحب ۔ ضلع ناسک
اسدراؤ جادے راؤ عرف بالا صاحب راسی ۔ پونا

سی ۔ آئی ۔ ای ۔ یا سی ۔ ایس ۔ آئی

کھاس جی جاس جی صاحب دستور ۔ بمبئی
خان بہادر میبوجی کاوس جی صاحب درسال ۔ بمبئی
نوروجی مانک جی صاحب دیدیا ۔ بمبئی
خان بہادر ہاں جی جیر جی رستم جی صاحب دیولو ۔ عدن
ایڈل جی صاحب ڈنتا ۔ کراچی
خان بہادر سردار محمد یعقوب شیخ اسمعیل صاحب ۔ حیدرآباد سندھ
دول جی کنور جی صاحب تاراپور والہ ۔ احمدآباد

بنگال (ح)

لیجسلیٹو کونسل کے ممبر

مہاراجہ صاحب بہادر سر جوتندر وموہن ٹیگور ۔
مہاراجہ صاحب بہادر سر رائش ودا کرتنا ۔
مہاراجہ صاحب ۔ نادیا ۔
مہاراجہ صاحب ۔ سرسا ۔
مہاراجہ صاحب ۔ دربھنگا ۔
مہاراجہ صاحب ۔ مہیتا نگیور
مہاراجہ صاحب ۔ مین سنگھ

آنریبل مسٹر ابراہیم رحمت اللہ صاحب ۔	بمبئی
آدم جی پیر بھائی صاحب ۔	بمبئی
آنریبل مسٹر جسٹس نراین گنیش چندا وارکر صاحب ۔	بمبئی
لا جی بھائی داس بار بہایا صاحب ۔	بمبئی
گوردہن داس کھٹاؤ مکن جی صاحب ۔	بمبئی
وتل داس دامودر ٹھاکر سہائے صاحب ۔	بمبئی
گووردہن داس گوکل داس تیج پال صاحب	بمبئی
آنریبل مسٹر ایس ۔ ایم موسس صاحب ۔	بمبئی
ایچ ایچ میر محمد حسین علیخاں صاحب ۔ سی ۔ آئی ۔ ای ۔	حیدرآباد
ایچ ایچ میر نور محمد خاں صاحب ۔	حیدرآباد
میر رستم خاں صاحب ۔	ضلع سکر
آنریبل میر الٰہ بخش خاں صاحب ۔	حیدرآباد
شمس العلما پیر میاں شاہ مردان شاہ صاحب ۔	ضلع شکارپور
مالک صفدر خاں صاحب بالاخاں ۔	ضلع کراچی
جام بہو خاں صاحب ۔	ضلع شکارپور
تھل رام کھیم چند صاحب ۔ سی ۔ آئی ۔ ای ۔	کراچی
وڈیرو الٰہ بخش خاں صاحب ۔	ضلع شکارپور
وڈیرو علی مراد صاحب ۔	اپر سندھ ضلع فرانٹیر
خان بہادر تہادر خان صاحب ۔	ضلع لاڑکانہ

درچند دیپ چند صاحب - سی - آئی - ای - ستولا پوریئی

حقہ شمالی

لس گوبا جیا یاعرف آیا صاحب - دیسی ضلع سیل گاؤں -

ٹھم گودالساؤ یرا بھوصاحب - سیرسٹرایٹ لا - ایضاً

راجپدرادراؤ دش ویس راؤ عرف مالاصاحب - سوت بہوسل - ایضاً

دمایک دیہدی راج بی دالکر صاحب - ضلع کولاما -

آنریبل سٹر دسے - جی آنا جی لوخیری - ل اے ایل ایل بی - بمبئی

آنریبل راؤبہادر احیت السکر دیسی - سنگلی - ایس - ایم - سی - تہر ممئی

ممستید جی - ساز سروں جی مماحب - تاتا - بمئی -

فضل بھائی وسرام صاحب - سی - آئی - ای - ایضاً

ممستید جی - جی جی بھائی صاحب (سیرسٹر) ایضاً

ہرکسنداس ماروتم داس صاحب - بمئی

ہزہائنس سرآغا سلطان محمد شاہ - آغا خان صاحب کے سی آئی ای - بمئی

آنریبل سٹر فیروز شاہ مروان جی مہتا صاحب - سی - آئی - ای - بمئی

آنریبل سرال حیدا کرشنا بہابا دیدی کار صاحب - بمئی

ڈاکٹر تلم جی بہیکا جی - ساری میں صاحب - بمئی

سٹر سراں جی ڈستا یئیٹا صاحب بمئی

سٹر ڈتا مانک جی پیٹٹ صاحب (Dead) بمئی

آنریبل سٹر بدر لدین تیب جی صاحب - بمئی

دیوان بہادر۔ سی۔ راجنیدرا راؤ صاحب۔ وکیل ہائیکورٹ۔
دیوان بہادر۔ پی۔ راجہ انتھا سوامی یار ایورگل۔ سی۔ آئی۔ ای محکمہ آبپاشی۔
ایم۔ آر۔ رائے۔ اسے النوامی یتواہ۔ ایورگل۔ ضلع تن جورا۔

بمبئی (ج) شمالی ڈویژن

نام	سکونت
میر مظفر حسین خاں صاحب۔	سورت
راؤ بہادر حمایت لعل دیورج رام صاحب۔	احمد آباد
آنریبل راؤ بہادر چنی لعل وی لعل صاحب سی۔ آئی۔ ای۔	بھڑوچ
بیچے داس دہار داس صاحب دیسا۔	خیرا
رائے بہادر مکند رائے منی رائے صاحب۔	سورت
ٹھاکر صاحب۔ آٹلیا۔	ضلع احمد آباد
خان بہادر نور محمد جی پستم جی صاحب وکیل۔ سی۔ آئی۔ ای۔	احمد آباد
راؤ بہادر راجندرا صاحب ترمباک آچاریہ	تھانہ
آنریبل سر گوکل داس خان داس صاحب۔ پیرک بے اے۔ ایل ایل بی	بمبئی
گنگا دہر لچھمن سوامی صاحب۔	ستارہ ڈسٹرکٹ (سنٹرل ڈویژن)
نگاجوری راؤ راجندرا راؤ صاحب۔ ٹینکاری۔	کھولاپور
خان صاحب دیا میاں انور خاں۔	ضلع خاندیس
آنریبل سر ہری سیتا رام صاحب۔ ڈکسٹ۔ بی اے ایل ایل بی۔	بمبئی
آنریبل سر جی کے گوکل صاحب۔ بی۔ اے۔	بمبئی
ایم کرشنا گوپال بہندر کر صاحب۔ ایم۔ اے۔ پی۔ ڈی۔ سی۔ آئی۔ ای۔	بمبئی

راجہ دین کاتاگیری صاحب کے۔سی-آئی-ای-زمیندار ضلع بیلور-

زمیندار صاحب دیرہ کوٹہ - ضلع گنجام-

راجہ پرلاکیدی صاحب - زمیندار ضلع گنجام-

زمیندار-آتشیاپورم صاحب - ضلع نی دیلی-

زمیندار سدداسہ صاحب - ضلع گنجام-

راجہ کل کوٹہ وسا ٹاگدا صاحب - زمیندار ضلع گنجام-

آنریبل دیوان بہادر-ایس سری نواسا رنگھوا ایاں گر ایورگل-سی-آئی-ای

راجہ سر صاحب-ایس رام سوامی سود الیار-سی-آئی-ای-

آنریبل ملکم مودالی یار صاحب-سی-آئی-ای-رائے بہادر ممبر لیجسلیٹو کونسل-

آنریبل نواب محمد صاحب بہادر ممبر لیجسلیٹو کونسل-

ایم-آر-رائے-سی-رسکرن یار ایورگل-گورنمنٹ پلیڈر-مدراس-

آنریبل-جی-سری نوریارائو-ممبر لیجسلیٹو کونسل-

آنریبل پراتو نیٹولور-ممبر لیجسلیٹو کونسل-

آنریبل-پی- اتناسبھاپرتی-پلی-ممبر لیجسلیٹو کونسل-

آنریبل رائے بہادر-پی اسدا ایرلو-ایورگل-سی-آئی-ای-ممبر وائسرائے لیجسلیٹو کونسل-

راجہ صاحب ویلو دیوا-راجہ گارو-گرلنگودی-ضلع مالابار

ایم-آر-رائے-سی-آر میمبر سی ریڈیا ایار ایورگل-جج تہر-عدالت دیوانی

سنر ایاسرامایم-سپر شرایت لا-حرل مقبطات-

ممالک متوسط (ب)

راجہ صاحب - سہراکوٹی — راجہ صاحب - بہرا - سی - آئی - ای -
راجہ صاحب - رائے گڈھ — راجہ صاحب - خیراگڈھ
راجہ صاحب - نکری — راجہ صاحب - سینور

ممالک مشرقی و مغربی سرحد (ب)

مہتر صاحب - چترال — نواب صاحب - دیر
خان صاحب - نواب گالی

بلوچستان (ب)

جام صاحب - لاس بیلا -

سنٹرل انڈیا (ب)

رانا صاحب - برودانی — ٹھاکر صاحب - پیپلودہ
راؤ صاحب - علی پور - سی - ایس - آئی -

راجپوتانہ (ب)

چیف صاحب - شاہپورہ — ٹھاکر صاحب - لاوا

(ج) روسا باخطاب و دیگر معززین جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا تھا

مدراس (ج)

محمد منور صاحب - کے - سی - آئی - ای - خان بہادر - پرنس ارکوٹ -
مہاراجہ رنگراؤ صاحب - کے - سی - آئی - ای - راجہ بوبلی - زمیندار ضلع ویزاگپاٹم
مہاراجہ صاحب - جیپور - زمیندار ضلع ویزاگپاٹم -

بنگال (ب)

ہز ہائنس راجہ صاحب - مہر باج

ممالک متحدہ (ب)

ہز ہائنس راجہ صاحب ٹہیڑی (گڈھوال)

پنجاب (ب)

راجہ صاحب - مالاگڈھ (ہندور) راجہ صاحب - کوتھل -

راجہ صاحب - چمبا سردار صاحب - کلسیا

نواب صاحب - لوہارو نواب صاحب - دوجانہ

حلف الرشید نواب صاحب - مالیر کوٹلہ

برہما (ب)

ریاستہائے جنوبی شان

کنکیا صاحب - کے - ایس - ایم - سالوا - موگئی -

سانگ صاحب - کے - ایس - ایم - سالوا - یانگ ہیو -

سا کیوان کیاان ٹالینگ صاحب - کے - ایس - ایم - سالوا - کینگ ٹونگ

ہکیتی صاحب کے - ایس - ایم - سالوا - سرنگ پان -

سالوا صاحب - ٹی - ڈی - ایم - میورا - کنترا وادی -

ریاستہائے شمالی شان

سا ساموگ صاحب - کے - ایس - ایم - سالوا - حوب سعوی -

ٹی - ایس کیری صاحب صاحبہ سی آئی ای مہتمم ریاست موسیم صاحب کے -

ہز ہائنس مہاراجہ صاحب۔ قرولی۔ ہز ہائنس مہاراجہ صاحب۔ کشنگڈھ
ہز ہائنس مہاراؤ صاحب۔ کوٹہ۔ ہز ہائنس مہاراؤ صاحب۔ سروہی۔
ہز ہائنس نواب صاحب۔ ٹونک ہز ہائنس مہارانا صاحب۔ اودیپور۔

بڑودہ

ہز ہائنس گیکواڑ صاحب۔ بڑودہ

کشمیر

ہز ہائنس مہاراجہ صاحب۔ کشمیر۔

(ب) روساء با اختیار جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا تھا

مدراس (ب)

ہز ہائنس مہاراجہ صاحب پدوکوٹہ

بمبئی (ب)

فہرست روساء بمبئی پریسیڈنسی جنکو ہز اکسلنسی گورنر بمبئی نے مدعو کیا تھا

	تعداد سلامی		تعداد سلامی
کیمبے۔	۱۱ توپ	باندا۔	۹ توپ
جنجیرا۔	۹ توپ	جوناگڈھ۔	۱۱ توپ
بھاؤنگر۔	۱۱ توپ	پوربندر۔	۱۱ توپ
موروی۔	۱۱ توپ	گونڈل	۱۱ توپ
پلیٹنا۔	۹ توپ	ایدر۔	۱۵ توپ
لمبدی۔	۹ توپ	راج پیپلا۔	۱۱ توپ
بارِیا۔	۹ توپ	ہز ہائنس جناب سلطان صاحب شحر و موکلا (زیر نشان)	۱۲ توپ

نمبر شمار	نام احاطہ یا مقام	صاحبان انگریز جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا ۔		
		مرد	عورت	میزان
۱	مدراس	۳۴	۱۷	۵۱
۲	بمبئی	۴۱	۱۴	۵۵
۳	بنگال	۳۲	۰	۳۲
۴	ممالک متحدہ	۲۹	۲۰	۴۹
۵	پنجاب	۱۹	۲۲	۴۱
۶	برہما	۲۲	۱۶	۳۸
۷	آسام	۱۷	۹	۲۶
۸	ممالک متوسط	۱۹	۲۲	۴۱
۹	ممالک سرحدی شمالی	۱۱	۱۰	۲۱
۱۰	حیدرآباد	۱۴	۸	۲۲
۱۱	میسور	۸	۶	۱۴
۱۲	بلوچستان	۱۶	۱	۲۶
۱۳	متوسط ہندوستان	۱۲	۱۳	۲۵
۱۴	راجپوتانہ	۲۱	۱۲	۳۳
۱۵	بڑودہ	۴	۸	۱۲
۱۶	کشمیر	۷	۴	۱۱
۱۷	امیر ماروار	-	-	-

نمبر شمار	نام احاطہ یا مقام	تعداد روسا باخطاب و معززین جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا	تعداد عہدہ داران دیگر معززین جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا
۱	مدراس	۴	۲
۲	بمبئی	۹	۴
۳	بنگال	۲۹	۳۰
۴	ممالک متحدہ	۴۲	۳۳
۵	پنجاب	۰	۸۶
۶	برہما	۰	۳
۷	آسام	۶	۲۱
۸	ممالک متوسط	۰	۳۴
۹	ممالک مغربی و شمالی	۲۰	۰
۱۰	حیدر آباد	۲	۵
۱۱	میسور	۰	۴
۱۲	بلوچستان	۳۰ + ۴۵	۰
۱۳	متوسط ہندوستان	۰	۰
۱۴	راجپوتانہ	۰	۰
۱۵	بڑودہ	۰	۰
۱۶	کشمیر	۰	۰
۱۷	اجمیر مدوارہ	۰	۴

نمبر شمار	نام احاطہ یا مقام	باعتبار ریاستہائے انگریزی ہز ایکسلنسی والیسرائے نے مدعو کیا		باعتبار تجویز حکومت لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا
		تعداد مدعو	تعداد ان کی جنہوں نے شریک ہونا منظور کیا	تعداد مدعو
۱	مدراس	۲	۲	۱
۲	بمبئی	۳	۳	۱۴
۳	بنگال	۳	۳	۱
۴	ممالک متحدہ	۲	۲	۱
۵	پنجاب	۷	۶	۷
۶	برہما	۰	۰	۶
۷	آسام	۱	۱	۰
۸	ممالک متوسط		۰	۶
۹	ممالک مغربی و شمالی			۲
۱	حیدرآباد	۱	۱	۰
۱۱	میسور	۱	۱	۰
۱۲	بلوچستان	۱	۱	۱
۱۳	متوسط ہندوستان	۱۵	۱۴	۴
۱۴	راجپوتانہ	۱۵	۱۲	۲
۱۵	بڑودہ	۱	۱	۰
۱۶	کشمیر	۱	۱	۰
۱۷	امیر ماروارڈ		۰	

کہ کسی ایک بینظیر حکومت کی عظمت تسلیم نہ کر لیجائے۔ اور وہ حکومت صرف بہ نشتر کروڑوں کی بدولت ممکن ہے۔

اب میں اُن آرائے کا خاتمہ کر دینا چاہتا ہوں اور میں صدق دل سے اُمید کرتا ہوں کہ یہ بڑا مجمع سالہا سال تک یادگار رہے گا۔ کہ اسکی بدولت ہندوستانی رعایا اور شہنشاہ ہند کے باہمی تعلقات بہت زیادہ مضبوط ہو گئے۔ مجھے توقع ہی کہ اس موقع کی یاد ہمیشہ ہمارے سامنے خوشی اور خوشحالی لاتی رہے گی۔ اور شاہ اڈورڈ ہفتم کا زمانہ سلطنت جو خاص برکتوں کے ساتھ شروع ہوا ہے ہندوستان کی تاریخ اور رعایا کے دلوں میں محبت سے یاد کیا جائیگا۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ خداوند دوجہاں کے فضل و کرم سے شاہ موصوف کی حکومت اور طاقت سالہاسال تک قائم رہے۔ انکی رعایا کی ترقی روز بروز زیادہ ہو حکام بالا کا انتظام دانائی اور نیکی پر مبنی ہو اور اس سلطنت کی مضبوطی اور فائدہ مندی ابد الآباد تک قایم رہے۔ خدا شہنشاہ ہندوستان کی عمر دراز کرے۔

مندرجۂ ذیل اصحاب دربار دہلی میں مدعو کئے گئے تھے

(الف) روسا با اختیار جنکو ہز اکسلنسی ویسرائے نے براہ راست مدعو کیا تھا۔

(ب) ہندوستانی روسا با اختیار جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا۔

(ج) روسا باخطاب و دیگر ہندوستانی رئیس جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا۔

(د) صاحبان انگریز جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا۔

نوٹ۔ (الف) (ب) (ج) والے پروونشل کیمپ میں مقیم تھے اور (د) والے سنٹرل کیمپ میں۔

اور انکی بہبودی کا وہی خیال بادولت و اقبال کو رہے گا۔

"خداوند عالم و عالمیاں میری رہنمائی کرے گا تاکہ میں اپنی رعایا اور ملک کو سرسبز کرنے میں کامیابی حاصل کروں"

اے شاہزادگان و رئیسان والا تبار۔ واے رعایائے ہند یہ الفاظ ہیں ملک معظم کے جو آپ کے آگے اسوقت بیان کئے گئے ہیں۔ ان الفاظ میں ایک خاص اثر ہے جن تمام افسر متاثر ہیں۔ مثل میرے اور میرے پیشروں کے جو براہ راست ہز مجسٹی کے گورنمنٹ کے آئے ہیں۔ یہ الفاظ انتظامی معاملات میں مثل رہنما کے کام دیتے ہیں ہندوستان کا انتظام فیاضی اور نرمی سے کرنیکا خیال اسقدر کبھی عروج پر نہ تھا۔ جتنا اسوقت پایا جاتا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے زیادہ تکلیف اٹھائی ہے زیادہ مستحق ہیں۔ اور جنہوں نے عمدہ کام کیا ہے وہ عمدہ استحقاق رکھتے ہیں۔ شاہزادگان ہندوستان نے گزشتہ جنگوں میں اپنے سپاہی اور تلواریں ہماری نذر کیں اور ایسا ہی دیگر ضروریات مثلاً قحط وغیرہ کے موقع پر بھی فیاضی اور بہادری کا ثبوت دیا۔ جو کچھ ان کے پاس ہے انہیں اس سے زیادہ دینا محال ہے اور جو حفاظت ان کی موجودہ حالت میں ہے اس سے زیادہ یقینی بنانا غیر ممکن ہے۔ تاہم یہ تجویز خوشی کی منظور ہے کہ گورنمنٹ عالیہ ان قرضوں پر جو دیسی ریاستوں کو گزشتہ قحطوں کے موقع پر دیئے گئے تین سال تک کوئی سود نہیں لیگی اور ہم امید کرتے ہیں کہ وہ لوگ جن سے ایسا فیاضی کا سلوک کیا گیا ہے اسے بخوشی منظور کریں گے۔

ہندوستان کے دیگر فریقوں اور جماعتوں میں بھی (ہم امید کرتے ہیں) عام محبت جلد شاہی عنایات کا اعلان کیا جائیگا۔ سال کے دوران میں اعلان کرنا یا پہنچنے میں

کہ وہ ماندولت واقبال کی تاجپوشی کا ایک دربار دہلی میں منعقد کریں تاکہ کل
ہندوستانی رئیسوں - سرداروں - رعایا - اور میری گورنمنٹ کے حکام کو اس شاندار
جلسہ میں شریک ہونے کا موقع ملے۔

وہ میرے ملک اور تخت سے جو کچھ وفادارانہ پیش آتے رہیں اس سے میں
بہت متاثر ہوں اور مجھے بڑا خیال ہے۔ کئی سال کے عرصہ میں انکی وفاداری اور حسن
عقیدت کے حالات پے درپے میرے سننے میں آئے ہیں اور میری ہندوستانی افواج نے
مختلف جنگوں میں جو فتوحات حاصل کی ہیں وہ میں برابر شکرگزار کرتا رہا ہوں۔

مجھے امید تھی کہ میرا پیارا بیٹا شہزادہ ویلس اور پرنسس آف ویلس ہندوستان
جائیں گے اور اس تاجپوشی کے دربار میں شریک ہوں گے۔ میرے دل میں اس امر
کی بہت بڑی خواہش تھی کہ ایسا ہو اور خود پرنس آف ویلس بھی یہی چاہتے تھے اور
میں اس سے زیادہ خوش تھا اگر خود تاجپوشی کی کل رسمیں اپنے ہاتھ سے ادا
کرتا مگر ان میں سے کوئی بات نہ ہوسکی۔ اس لئے میں نے اپنے بھائی کو بھیجا تاکہ میرے
جلسہ تاجپوشی میں شاہی خاندان کے قائمقام بن کے شریک ہوں۔

جب سے میں اپنی والدہ مکرمہ کوئن وکٹوریہ ایمپرس آف انڈیا کے بعد تخت
نشین ہوا ہوں میری دلی خواہش یہی رہی ہے کہ میں ان ہی اصول پر حکومت کروں
جن اصول پر میری معزز و مہرباں نے حکومت کرکے اپنی رعایا کے قلوب کو اپنے ہاتھ
میں لیلیا تھا اور جو محبت عزت احترام رعایا نے اپنی مہرباں قیصر ہند کا کیا وہ سرچشمہ
حکومت کا باعث تھا۔ میں پھر ان ہی اصول کی تجدید کرکے بیان کرتا ہوں کہ میری رعایا
کے وہی حقوق بحال رہیں گے جو انہیں پہلے سے حاصل ہیں۔ وہی آزادی قائم رہے گی

اسوقت موجود ہی۔ کل رعایا کے قائم مقاموں کا جمع ہونا۔ یا کسی رئیس کا ہونا گویا رعایا کا خود موجود ہونا ہی۔

سب میں ایک ہی جوش اور جذبہ ہے اور سب ایک ہی تخت کے آگے کھڑے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی یہ دریافت کرے آخر کونسی بات نے انھیں یہاں لاکے جمع کردیا ہے۔ تو جواب یہی دیا جائیگا کہ وفادارانہ خیال اور تخت انگلستان کی محبت نے اور اس بھروسہ نے جو وہ شہنشاہ ہند پر رکھتے ہیں۔ یہ بھروسہ اور جوش محبت کچھ یوں ہی تقلیدی نہیں پیدا ہوگیا ہی بلکہ پے درپے کے تجربوں کے بعد یہ بات پیدا ہوئی ہے۔ اس کی ادنےٰ وجہ یہ ہے کہ ملک معظم کی گورنمنٹ نے روزمرہ کے حملوں اور طوائف الملوکی سے انھیں آزادی دیدی۔ اور انھیں وہ حقوق عنایت کئے جن کے وہ مستحق تھے۔

عام طور پر امن و انصاف کی ڈنڈی پٹ گئی اور کل آدمیوں کو ترقی کرنے اور عزت حاصل کرنے کا موقع ملا۔ یہی اصول ہیں جن سے تمام سلطنت پر حکومت کی جاتی ہے اور تمام آدمیوں کے دلوں پر قبضہ ہوگیا ہے اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ اس وقت مختلف دیار و امصار کے لوگوں کا مجمع ملاحظ فرما رہے ہیں۔ اب میرا فرض ہے کہ میں آپ کے آگے۔

فرمان شاہی

پڑھوں (اور وہ یہ ہے) مابدولت واقبال اپنی وفادار رعایا کو اپنی اس تاجپوشی کے موقع پر مبارکباد دیتے ہیں۔ رئیسان ہند میں صرف چند رئیس لندن کے جلسہ تاجپوشی میں شریک ہوئے تھے اس لئے میں نے اپنے ویسرائے و گورنر جنرل ہند کو ہدایت کی

ساتھ ہی اہل ہند کی وفاداری گویا اس بات کی ضامن ہے کہ تخت انگلستان لازوال ہو۔ جس طرح ہندوستان پہلی روایتوں میں اپنی دولتمندی میں مشہور ہو اسی طرح ہندوستان آج اپنی وفاداری پر فخر کرتا ہو جس میں مغرب کی وجہ سے اور بھی شان بڑھ گئی ہو۔ ایک عام یکجہتی پائی جاتی ہے اور کل رئیسوں اور ہندوستان کے حکمرانوں نے اپنے کو ایک ہی شاہ کے سپرد کر دیا ہے اور اُسی پر بھروسہ کیا جاتا ہو۔

کیا دنیا میں کہیں اور بھی اس قسم کا نظارہ پایا جاتا ہو جو ہم اسوقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ گو مجھے تو یہ یقین ہے کہ اس کا نظیر تمام دنیا میں نہیں ہے لیکن میں زبان سے نہیں کہنا چاہتا۔ مجھے تو صرف یہ کہنا ہے کہ کس جوش و خروش سے لوگ یہاں جمع ہوئے ہیں۔ سب سے زیادہ اس وقت مختلف ریاستوں کے حکمران موجود ہیں جنکی رعایا کی کل آبادی ساٹھ ملین سے کم نہیں ہے اور جنکی عملداری کی حدود دائرہ ۵۵ درجہ طول بلد تک چلی گئی ہیں۔ وہ شاہ ایڈورڈ ہفتم سے اپنی وفاداری اور اطاعت کا اظہار کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔

ہم ان کے اس وفادارانہ جوش کی بڑی عزت کرتے ہیں جس سے وہ دہلی آئے اور جلیلہ جمع کرنے کے علاوہ انھوں نے بعد مسافت کی تکلیف برداشت کی۔ اور اس وقت میں بہت فخر کرتا ہوں کہ خود ان ہی کی زبان سے شہنشاہ ہند کی سالگرہ کے انعقاد کا ہم کو موقع ملا۔ امرا اور سپاہی یہاں موجود ہیں یہ ہندوستان کی دولت کو کس ہزار طرح سے دکھلا رہے ہیں۔ جس میں بہت بڑا فخر اس بات پر ہے کہ وہ شاہ ایڈورڈ کی فوج میں۔ اسوقت نظر کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہو کہ یہاں مختلف حکمران اور لوگوں کے تمام مقام جمع ہیں تو گویا تمام دنیا کی آبادی کا بڑا حصہ یہاں

دربار میں شریک ہوں اور اپنی وفاداری کا ثبوت دیں یہ کل رئیس اور امراء ستون سلطنت ہیں۔ یورپ اور ہندوستان کے شہنشاہ ہند کی سلطنت کا کس جانکاہی سے اور اپنا فرض منصبی سمجھ کے انتظام کرتے ہیں۔ فوجیں کس بہادری سے اپنی حدود کی حفاظت کے لئے کمربستہ رہتی ہیں جو اس وقت صف لبستہ موجود ہیں۔ لاکھوں آدمی محض مجلس تاجپوشی کی خوشی میں حصہ لینے کے لئے کس طرح چاروں طرف سے اُمڈے چلے آتے ہیں۔

ملک معظم نے بحیثیت ویسرائے ہند مجھے حکم دیا کہ میں ایک دربار تاجپوشی منعقد کروں تاکہ اہل ہند کو اپنے جوش عقیدت اور وفاداری کے اظہار کا موقع ملے۔ اور بڑی بات یہ ہوئی کہ ملک معظم نے اپنے سگے بھائی کو اس جلسہ میں شرکت کی غرض سے روانہ کر دیا۔ چھبیس[۲۶] سال ہوتے ہیں کہ یہی جلسہ تاجپوشی اسی شہنشاہی شہر میں اسی جگہ پر منعقد ہوا تھا۔ اور اس وقت ملکہ آنجہانی نے خطاب قیصر ہند اختیار کیا تھا۔ اس دربار کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ ملکہ آنجہانی کی محبت سب کے دلوں میں جاگزین ہو گئی تھی۔ اور ایک ہی تاج کے ماتحت ہونیکا خیال سب کا مضبوط ہو گیا تھا اور عام طور پر ایک یکجہتی قایم ہو گئی تھی آج جسکو ¼ صدی گزر گئی بہ نسبت اسوقت کے اب ہند کی سلطنت اور بھی متحد ہے اور وہ شاہ جس کے جلسہ تاجپوشی کے دربار میں آج ہم شریک ہوئے ہیں اہل ہند کا وہ اسی طرح پیارا ہے کیونکہ انھوں نے اسے خود دیکھا ہے اور اسکی آواز سنی ہے۔ وہ آج اس تخت پر جلوہ افروز ہوا ہے جو نہ صرف شاندار ہے بلکہ زبردست پائدار ہے۔ لوگ خواہ کچھ ہی کیوں نہ کہیں لیکن میں تو یہ کہتا ہوں کہ ہندوستان کی سلطنت اور تخت کی پائداری کا بہت بڑا اصول ہے اور

اس پر حضور ویسرائے ۔ والیان ریاستہائے ہند معہ لیے رسالہ اور
اہلکاران کے نمایش کے اندر چلے گئے اور چیزوں کو دیکھتے اور اُن کی تعریف کرتے
رہے۔ ساڑھے بارہ کے حضور ویسرائے تشریف لیگئے اُس وقت وہ دوسرے
ہزارہا تماشائی کہ جن کے پاس ٹکٹ معائنہ رسم افتتاح تھے اندر داخل ہوکر نمایش
دیکھنے لگے۔ اس بیش قیمت مجموعہ میں ہندوستان کے چابکدست صناعوں نے کیا کیا
تعدد سے اپنی کاریگری کے دکھلائے تھے۔

لارڈ کرزن بہادر کی اسپیچ دربار آئین اور فرمان شاہی

یکم جنوری کو دربار ہوا اور گزر گیا اور اب اس دربار کی یادگار صرف اخباروں
اور تعداد ان کتابوں میں رہجائے گی۔ دربار کی شان وشوکت میں شک نہیں۔
ویسرائے بہادر کی اسپیچ اپنی بے نظیر فصاحت و بلاغت۔ روانی بیان اور ترتیب
واقعات میں ایسی ہے جو کہ اس عالیشان دربار کے شایاں ہے۔ ملک معظم شاہ انگلستان
وشاہ ہند سے ایک پیام بھی خاص پڑھا گیا اور جس میں محبت اور ہمدردی رعایا
کی گئی تھی جو ویسرائے نے سنایا۔

اسپیچ

لارڈ کرزن بہادر نے فرمایا۔ مہربانو۔ پانچ مہینے کا عرصہ ہوا کہ بادشاہ انگلستان
شہنشاہ ہند ایڈورڈ معظم نے اپنے سر پر تاج شاہی رکھا صرف چند ہندی والیان ملک
اُسوقت اپنی خوش قسمتی سے وہاں حاضر تھے۔ آج ملک معظم نے اپنے الطاف خسروانہ
تمام ہندوستان کے رئیسوں شہزادوں اور امرا کو یہ موقع دیا ہے کہ وہ اس عالیشان

لکڑی - ہاتی دانت - ریشم - قالین - اور دھاتوں کی قسم کی ایسی عمدہ خرقتا کاری ہو جیسی کہ آپ یہاں دیکھیں گے - یاد رکھئیے کہ یہ نمایش ہو بازار نہیں ہے جہاں ہر قسم کی سستی چیزیں ہی ملسکیں - چونکہ آجکل ہندوستان میں مذاق خراب ہو رہا ہے ہمنے زمانہ گزشتہ کے بہترین نمونے جمع کئے ہیں جو دستکار کا گلشن (مجموعہ) بن جائیں گے - یہ ہندوستان کے والیان ریاست کی فیاضی سے ہمیں حاصل ہوئے ہیں بعض ان میں سے ہندوستان کے عجائب خانوں سے اکھٹے ہوئے ہیں اور بعض کنسنگٹن (انگلستان) کے ہندوستانی عجائب خانہ سے بھی منگوائے گئے ہیں - ہندوستان کا آرٹ غیر ممالک کے خیالات مستعار لینے سے ترقی نہیں کریگا بلکہ یہاں کے کاریگروں کے اپنے اصلی خیالات سے -

اس زمانہ میں سستی چیزیں عمدہ چیز سے بہتر سمجھتے ہیں اور خوبصورت کو مفید خیال سے - اسی وجہ سے پورانی حرفتیں اور دستکاریاں ہمیشہ کے لئے معدوم ہو رہی ہیں کوئی قومی آرٹ قایم نہیں رہ سکتا - جبتک کہ قومی ضرورت کو پورا نہ کرے - یقین ہے کہ یہ نمایش ایک ابجکٹ لیس (سبق اشیاء) کا کام دیگی - اسکے کھولنے سے مقصود دکھانا ہے کہ ہندوستان ابھی کچھ کرسکتا ہے - ابھی یہاں کے دستکار کیا کچھ عجائبات تیار کرسکتے ہیں - ہمیں کلکتہ یا بمبئی کے یوروپین دوکانوں کی طرف بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے ہندوستان کی بہت سی دوکانوں اور گھروں میں ایسی آرٹسٹک اور کاریگری کی چیزیں ملسکتی ہیں جو اپنا ثانی نہیں رکھتیں - میں نے اسی غرض سے یہہ نمایش کھولی ہے اور امید ہے کہ یہ پیٹریاٹک (محب وطن) مقصد کو پورا کریگی - کہ جس کے لئے اسے قایم کیا گیا ہے اور میں اسوقت اسے افتتاح کردینے کا اعلان کرتا ہوں ؛؛

تاجپوشی کی رسم عمل میں آنے والی تھی اور جس میں کہ تمام ہندوستان کے والیان ریاست اور رؤسا عظام اور ہر درجہ کے شرفا شامل ہونے والے تھے تو مجھے خیال ہوا کہ اب وقت ہے کہ ہندوستان کی حرفتوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے یا اُن کے زوال کے روکنے کی تدبیر کی جائے۔ میں نے ڈاکٹر واٹس کو مدد کے لئے طلب کیا اور آپ لوگ اس مکان کے اندر جو کچھ دیکھو گے وہ سب ڈاکٹر واٹس اور اُن کے نائب مسٹر براؤن کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ جنہوں نے ہزارہا میل ہندوستان کے ہر حصہ میں سفر کر کے یہ دستکاری کے نمونے منتخب کئے یا ایسے نمونے کاریگروں کو دیکر اُنکی نقلیں بنوائیں اور جہاں جہاں روپیہ کی ضرورت تھی خرچ کر کے بہترین نمونے ہندوستانی دستکاری کے فراہم کئے میں نے اس نمائش کے لئے تین شرائط قائم کر دی تھیں۔

اول یہ کہ صرف آرٹس کی نمائش ہوگی۔ اس میں معمولی پیداوار کو دخل نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ اس قسم کی ایک بڑی نمائش کلکتہ میں ہے (عجائب گھر کلکتہ کی طرف اشارہ تھا)

دوسری شرط یہ تھی کہ اس میں یورپین طریقہ کی کوئی چیز نہ ہو جیسے کہ سستے اور ٹین اور چمکدار کاغذ کے کھلونے وغیرہ۔ ہندوستان کے ایسے آرٹس بہت عمدہ ہیں۔

تیسری شرط یہ تھی کہ صرف سب سے اچھی چیزوں کو اس نمائش میں جگہ دی جائے جو خوبصورت نفیس اور پرانی ہوں ہندوستانی دماغ کی ایسی چیزیں بہت ہیں جو سنگہم سے نکلتی ہیں یا بازاروں میں بنائی بھی جاتی ہیں۔

عوام کے لئے بھی یہ ریل نہایت مفید ثابت ہوئی۔ اس کا انتظام کپتان ایچ۔ اے
ایل لیپر۔ آر۔ ای کے سپرد تھا۔ بڑی ریل کا اسٹیشن بھی سنٹرل کیمپ کے قریب بنایا
تھا عام دور دور کے شہروں سے جو مال و اسباب آتا تھا وہ اس ریل کے ذریعہ سے
کیمپ میں پہنچتا تھا۔ کثرت کی وجہ سے تاخیر تو لابدی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صدر اسٹیشن
ریل میں گنجایش کم تھی اور اگرچہ فوری ترمیم کر کے جگہ نکالی گئی تھی مگر پھر بھی گنجایش
اس قدر نہ ہوئی کہ ایسے بڑے کام کے اسباب کے لئے کافی ہوتی تاہم دربار کے اسٹیشن سے
مسافروں اور تجار کو بہت آسایش اور کفایت رہی۔ ہمیں امید ہے کہ آیندہ کسی موقع
پر ریلوے اسٹیشن دہلی جہاں تین ریلوے کا مرکز ہو گئی ہے بہت وسیع ہو جائیگا۔

افتتاح نمایش پر وسیرائی اسپیچ

ہمارے وزیٹروں سے بہت لوگ یقین کریں گے کہ سوائے درختوں کے تمام
اشیا جو ہم یہاں دیکھ رہے ہیں یہ صرف گزشتہ آٹھ مہینوں میں تیار ہوئی ہیں
اپریل گزشتہ میں جب نمایش گاہ کی تیاری کا حکم دینے یہاں آیا تھا تو اشیاء
موجودہ یعنی اس عمارت وغیرہ کا یہاں نام و نشان بھی نہ تھا۔ اور اب بھی ہر چند کہ یہ
مکانات وغیرہ بہت جلد یہاں سے محو ہو جائیں گے۔ مگر اس نمایش سے جو اثر پیدا ہوگا
یقین ہے کہ وہ جلد فراموش نہیں ہوگا۔

میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اس نمایش کو فنون نفیسہ کے قایم کرنے کی
کیوں ضرورت پیش آئی۔ میں نے اس ملک میں پہنچکر شروع ہی سے اس ملک کی صنعت
و حرفت پر غور کرنا شروع کیا۔ اور جب دربار دہلی کا فیصلہ ہو چکا کہ جس میں شہنشاہ معظم کی

بھیدے کے کیمپ ہر قسم کے وبائی امراض سے محفوظ رہے اور اگر احتیاط نہ کی جاتی تو کم
از کم ہیضہ کا ڈر تو ضرور تھا۔ جولائی ۱۹۱۰ء میں جبکہ کیمپ کا کام شروع ہوا آخر تک
طاعون کے صرف دس وقوعے ہوئے جن میں سے لوہا ہر کے تھے مگر عمدگی انتظام کی وجہ
سے بیماری جگہ نہ پکڑ سکی۔

عمارتوں۔ سڑکوں اور چبوترہ کی تیاری اور آبرسانی کا کام رائے بہادر گنگا رام
کی زیر نگرانی تھا۔ قلعہ میں برقی روشنی کا ٹھیکہ اوسلر و کمپنی نے اور سنٹرل کیمپ میں برقی
روشنی کا ٹھیکہ کلرس و کمپنی نے لیا تھا۔ جابجا کیمپوں میں جس قدر برقی ہنڈے لٹکائے
گئے تھے اُن کی تعداد آٹھ ہزار تھی۔ برقی روشنی کی وجہ سے رات دن معلوم ہوتی تھی
اور سماں تو قابل دید تھا۔ انتظام یہ کیا گیا تھا کہ ہیضہ بھر کے عرصہ میں روشنی میں کسی
قسم کا حرج واقع ہو سکا۔

دربار کے لئے سولہ خاص ڈاکخانے اور بیشمار لیٹر بکس قایم کئے گئے تھے۔ رائے
بہادر دولت رام سی آئی۔ ای اور پوسٹ ماسٹر جنرل کی نگرانی میں یہ کام خوش
اسلوبی انجام کو پہنچا۔ محکمہ تار میں بھی گیارہ گھر کھلے تھے۔ اس کے افسر مسٹر ادلیس تھے
بڑے بڑے کیمپوں میں ٹیلیفون لٹکائے گئے تھے اس سے عوام کو بہت آسایش رہی
مسٹر ڈیس کی حسن انتظامی کی وجہ سے جرائم کا انسداد خوب ہوا اور تجارت میں
کسی قسم کی بیقاعدگی و بدمعاملگی ہونے پائی۔ مسٹر سی براون انسپکٹر جنرل پولس پنجاب
بھی اس کے بھی منتظم قرار دیئے گئے تھے۔

کشمیری اور موری دروازہ سے لیکر سنٹرل کیمپ اور چبوترہ دربار تک لائٹ
ریلوے بچھائی گئی اور جابجا اسٹیشن قائم کئے گئے تھے۔ علاوہ سرکاری ضرورتوں کے

وہ اپنی بڑی سلطنت کے مقابلہ میں اپنی قوت صرف کرتے آئے تھے۔

ریویو کے وقت فوجی قوت کے اظہار پر جو اثر پیدا ہوا وہ بھی کم قابل لحاظ نہ تھا اور بے شبہ اُس سے قوتہائے خارجہ کے قائم مقامان پر جو اس موقع پر موجود تھے خاص اثر ہوا۔ رؤسا کے مجمع عام میں ایسے رسالوں کی سرداری کرنے کے شوق میں جو اثر ہوا اُس کا اظہار مشکل ہے۔ جو دلچسپی رؤسا نے امپیریل سروس ٹروپس امدادی فوج میں ظاہر کی قابل تذکرہ ہے اور آئندہ میں ترقی کی بہت کچھ امید ہے۔ بلوچستان کے رئیسوں نے اس بات کا بہت کچھ خیال کیا کہ اُن میں فوجی باقاعدگی کے لحاظ سے بہت کچھ نقص ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ یہ اثرات مؤثر جوش کے عارضی نشانات نہ تھے بلکہ حیرت انگیز حوادث تھے جن کے رو برو تحقیق نظارہ تھے اور جو باقاعدہ قوت اور عام اطمینان اور عمدہ حکومت یکطرف اور سامان و شستگی دوسری جانب جس سے یہ کل کاروائی نہایت سرداری سے کی گئی تھی حاضرین کو شاندار اور قابل دید نظارہ کے سوا اہل دربار کے بعد عرصہ تک یاد رہیں گے۔

وائسرائے نے ایک اور پہلو بھی سوچا تھا جس سے دربار میں نہایت مفید نتیجہ نکلا اور جس کے اثرات دور دور پڑتے ہیں۔ ریلوے کشادگی اور خط و کتابت کے دیگر وسائل سے ہندوستان کے مختلف مقامات اور دور دور کے علاقہ ایک ہو گئے تھے۔ پیشتر کسی موقع پر اس قدر رئیس و امیر اور مختلف فرقوں اور مذہبوں کے قائم مقام ایک گھنٹہ یا ایک ہفتہ یا ایک ہفتہ کے لئے کسی ایک جگہ جمع ہو کر ایک دوسرے کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ تمدنی جلسوں اور سرکاری مشغلوں میں

ہمنے دربار کے واقعات زیادہ مفصل لکھکر ناظرین کی سمع خراشی کرنی مناسب نہیں سمجھی صرف اسی قدر واقعات مندرج کئے ہیں جو رؤسا و حکام سے متعلق تھے اور جہاں تک اس رسم سے اُن کا تعلق پایا۔ یہ موقع ایک معمولی دربار سے بالکل جدا تھا۔ یہ سمجھا گیا تھا کہ یہ دربار شہنشاہی ہے اور بادشاہ کے حکم سے اپنے عہد سلطنت میں اس بڑے واقعہ کی شہرت دینے کے لئے منعقد ہوا ہے۔ چنانچہ یہ بادشاہ کی تحریر ہی تھی جسپر اس قدر تحسین و آفرین ہوئی۔ بادشاہ کے نام کے ساتھ اُس کا رعب ظاہر ہوتا تھا اور اس بادشاہ کے بھائی کے استقبال کے وقت ایسا رعب و جبروت نمایاں تھا۔ جو شخص دربار کے موقع پر موجود تھا اس کا یقین تھا کہ برطانیہ اعظم و ہندوستان کے اتحاد میں نہایت زبردست قوت تخت کی عزت و محبت کی وجہ سے ہے۔

اگر اس رسم کا فوری اثر ہندوستان کے اُن شاہزادوں یا رئیسوں پر ایسا ہی تھا جو گورنمنٹ برطانیہ کے زیر نظر ہیں یا اُن پر جو حال میں اس حکومت کے تابع ہوئے ہیں یا ان پر جنہیں اس سلطنت سے اس قدر دلی تعلق نہیں ہے تو یہ بات قابل لحاظ ہی۔ سفیر افغانستان نے دربار کے وقت یہ دریافت کیا کہ کیا قوت ہائے خارجہ کے قایم مقام موجود ہیں اور کہا کہ یہ مجمع جو مجمع حشر کے مشابہ ہے اگرچہ بغیر قوت و زور کے جمع ہو سکتا تھا مگر اس موقع پر محض وفاداری و محبت کی وجہ ہے کہ ہر مذہب و ملت کے آدمی یہاں موجود ہیں اور مخالفت کا خیال ان کے نزدیک ایک سبکائی کی بات ہے۔ یہی خیالات وزیر اعظم نیپال نے ظاہر کئے ہیں اور گلگت کے فرقوں کے قایم مقامان اس دن کا خیال کر کے ہنسے جسدن

اس نے کہا "جو کہ میں سکھ کی فوجوں خدمات ادا کر چکا ہوں مجھے اب مرنے دیں باکہ ہیں۔ میں گرو کی نصیحت پر عمل کر چکا ہوں اپنی تلوار سے سلطنت کی مدد کر چکا ہوں اور اب میں نے جناب خود بادشاہ کی اطاعت کا اقرار کیا ہے۔"

بیگم بھوپال نے جو چہرہ پر نقاب ڈالے دیگر رئیسوں کے درمیان بیٹھی ہوئی تھیں ایک تحریری اڈریس پیش کیا اول اس دربار اور عید کے ایک دن واقعہ ہو گیا مسلمانوں کے عقیدے کے موافق تذکرہ کر کے گورنمنٹ کو اطلاع یقین دلایا۔ اس تاریخی واقعہ پر۔ حیثیت حیدرآباد میں میں ملک سلطنت برطانیہ اعظم۔ حرمایئ ما اپنے لوگوں یا اپنی رعایا یا اپنے ریاست کے عورتوں کی وفاداری۔ اطاعت و محبت کا ملک ہندوستان کے کل مسلمانوں کی وفاداری اور اطاعت کا یقین دلاتی ہوں

یوں تو ہر ایک اسپیچ میں اس قسم کے بہت سے جملے ہیں مگر ہمارے نزدیک جو ضروری معلوم ہوئے وہ درج کر دیئے۔ مگر نظام حیدرآباد کی اس اڈریس کا لٹ لباب اور ناظرین کے سامنے پیش کئے دیتے ہیں جو مدوح نے دربار سے واپس جاکر اپنے ملک میں دیا اور وہ یہ ہے "میرے لئے اس سے زیادہ اور خوشی کا موقع اور کوئی ہو سکتا تھا کہ میں شہنشاہ ہند کی تاجپوشی میں شریک ہوں خدا ان کی سیاسی ہیبت قایم رکھے) اور مجھے مثل اپنے بزرگوں کے بطریق سادگی اور استواری و سیاہیانہ تحریراً و تقریراً اپنی تاریخی دوستی و وفاداری ظاہر کرنے کا موقع ملا میں اس سفر کو خاصکر اس وجہ سے مبارک خیال کرتا ہوں کہ میں نے معصر رئیسوں اور گورنمنٹ امیروں سے ملاقات کی۔"

یہ بات ہر جگہہ مشہور ہے کہ ایشیائی تخت پر اس وقت وہ قوت حکمران ہے جو تین ہزار ب ایشیائیوں کی دانائی ۔ آرزو اور شوق کا مجموعہ ہے اور اس بڑے مجموعہ میں ہر متنفس یہ بات سمجھہ گیا ہے کہ اُن کے اتحاد پر اُن کی قوت مبنی ہے جیسا کہ ایک بے تعلق دربار کے تماشائی نے لکھا ہے "میں آجتک یہ نہ سمجھا تھا کہ ایشیا والوں کی قسمت ابتک مثل سابق کے ہندوستان کے ہاتھہ میں ہے"

میرا یہ بھی خیال ہے کہ دربار نے صرف قوت ہی کا سبق نہیں دیا بلکہ فرض بھی جتائی کوئی سرکاری ملازم یا رئیس با اختیار یا باخیال تماشائی ایسا نہ ہوگا جس نے کسی نہ کسی وقت یہ خیال نہ کیا ہو کہ اس بڑے نتیجہ خیال میں ذمہ داری اور فخر ضرور ہے اور اس عزت یا سلامتی یا موقع کے عوض میں جو سلطنت نے اس کو دیا وہ کچھہ نہ کچھہ ضرور ممنون ہے"

تخت کی وفاداری اور بندگی اور سلطنت کی قوت پر بھروسہ کے خیالات کی تصدیق جس کے اعلیٰ ذریعے وہ اپنے کو سمجھتے تھے خود رئیسوں کی تقریروں سے ہوتی ہے جو انہوں نے ولیسراے اور ڈیوک آف کناٹ کے اوپر مبارکباد دیتے اور تاج شاہی کی اطاعت کا اقرار کرتے ہوئے کیں ۔ بعض صورتوں میں ایک رئیس نے ایک مختصر اسپیچ دوبارہ اور سہ بارہ کہی مگر وقت کا رعب ان پر ایسا چھایا ہوا تھا کہ اس کی ترتیبی گویائی نے سادگی اختیار کرلی تھی اور اس سے اس کی اس ظاہری و باطنی خوشی کا اظہار تھا جو اُسے سلطنت کے شغلوں اور مسرت میں شریک ہونے اور بادشاہ وقت کو مبارک باد کا موقع حاصل کرنے سے ہوئی تھی ۔ مہاراجہ نابھہ نے جو چند الفاظ کہے گو اُن سے زیادہ فصیح الفاظ اور بھی ہو سکتے ہیں ۔

حاصل کرنے کا موقع دیا جائے۔ اور اِس سے اثر کیا پڑا کہ یہ جان گئے تھے کہ اُس عظیم
بادشاہت میں وہ کُل ایک ہیں اور ایک غیر جنس اور گرانبار کے مستقر رعایا نہیں
ہیں بلکہ سارے کار اور عظیم سلطنت کے نزدیک مساوی درجہ کے ہیں۔ نفسانیت،
تعصب اور غیر انصافی کے خیالات اُنکے دلوں سے جاتے رہے تھے اور مغرب میں
عدن کے عربی شیخوں سے لیکر چین کے سرحد پر سیکانگ کے تبتان کے رئیسوں تک
سب وفاداری کے دلخواہ دریا میں ڈوبے ہوئے تھے کیا اُسمیں کچھ بات نہ تھی؟
کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ بادشاہ اپنی تخت نشینی پر ایسے محمود رئیسوں سے حفاظت
اور عزت کا وعدہ کرے اور اُن سے مطیع رہنے کے عہد لے۔ کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ اُنکو اُن
سلطنت یہ جان لیں کہ سلطنت کا منشا کیا ہے؟ اگر ہم اُن آدمیوں کو جو دربار کے موقع
پر دہلی نہ آسکے مگر اُنھوں نے اپنے اپنے شہروں دفتروں میں اِس موقع پر اظہار
مسرت کیا حساب میں رکھیں تو کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ اِس نے غریب سے غریب
اور مردہ دل آدمیوں میں اُمنگ پیدا کر دی اور انکے خیال کی روشنی سے بیدار
ہونے کا خیال اُنکے دل میں ڈالا جو اُس پوشیدہ قانون کا خاصہ ہے جو قوموں
کی ترقی اور انسانی تقدیر کا رگ و ریشہ ہے؟ میرا یقین ہے کہ کسی تاریخی واقعہ نے ہندوستانی
رعایا کو جس ڈگر پر وہ چل رہی ہے اُس میں اس سے زیادہ خوبی کے ساتھ نہیں بتایا
جو خدا کی رہنمائی کے سبب اِس دربار نے سجھا دی ہے اور ہندوستانی حکومت کو جو
یکتائی حقانی اور دنیا میں اُسکے اخلاقی اور مادی قوت کا سکہ جما دیا۔ یہ بات رہیگی ہوگی
انقلابوں کی آمد بہر زائل ہو چکی ہے کشتیاں اور بادشاہ جدا ہو چکے ہیں مگر اس یکتائی
اور جلالت کی کمال اظہار سے جو اثر پیدا ہوا وہ اسکے بعد سے اور قایم رہیگا۔

اطمینان کیا۔ اس رسم کے بعد جو غالباً دربار کا نہایت موثر حصّہ تہا دربار ختم ہوتی ہی
اسی شام کو وائسرائے نے اپنے کیمپ میں بڑے بڑے سرکاری مہمانوں کو دعوت
دی اور بادشاہ اور شاہزادہ ڈیوک اوف کناٹ کی جام صحت کی تجویز پیش کی جو نہایت
جوش کے ساتہہ سب نے قبول کی وائسرائے نے اُس موقع پر اسپیچ دی اور ڈیوک
اوف کناٹ نے اس کا جواب دیا۔

وائسرائے اور ڈیوک اور ڈچز اوف کناٹ ۱ جنوری ۱۹۰۳ء ہفتہ کے روز دہلی
سے اُسی اعزاز کے ساتہہ جسطرح آئے تہے رخصت ہوئے۔

اس قابل یادرسم یا سلسلہ رسوم کا جو ہندوستان میں انگریزی حکومت میں یا شاید
کسی اور عہد میں نہیں ہوئی اِس طرح خاتمہ ہوا۔ دربار ہونیکا خیال اور کل انتظامات کا
بندوبست اور ہزاروں ضروری امور کی نگرانی خود وائسرائے نے اپنے ہاتہہ میں لے
رکہی تہی اور وہ خود اُسکے انجام دہی کے ذمہ وار تہے اِسی سبب دربار کے بیشتر کے نو
مہینوں میں کم از کم چار مرتبہ دہلی آئے جو ایسی اہم تجویزیں در پردہ تہی اور جس نے اسکی
تکمیل پر آمادہ کیا ہم اُس سے بہتر بیان نہیں کر سکتے جیسا وائسرائے نے ۲۵ مارچ ۱۹۰۳ء
کے بجٹ ڈیبیٹ میں اپنے ہی لفظوں میں ادا کیا ہے جو الفاظ حسب ذیل ہیں
"میرا یقین ہے ہم سب کے نزدیک یہ دربار محض نظارہ یا جلوس
نہ تہا بلکہ تاریخ انسان کا ایک نقشہ اور سلطنت کی کتاب فقہ کا ایک باب تہا۔ اِس
سے منشا کیا تہا غرض اسسے یہ تہی کہ تاج برطانیہ کے ایشیائی حکومت کے کل رئیس
درعایا کو خیال دلایا جائے کہ اب وہ ایک نئی اور شخصی حکومت کے ماتحت ہیں اور
انہیں اِس عظیم الشان اور قابل یادگار واقعہ پر خوشی منانے اور شاہی اعتماد اور مبارکباد

درباری چبوترہ کی طرف روانہ ہوئے اور جاتے ہی اپنی نشستگاہ پر چڑھ گئے۔
حضور شاہزادہ ڈیوک وشاہزادے ڈیر اوف کناٹ ایک علیحدہ جلوس کے ساتھ
پیشتر سے وہاں پہنچ چکے ہیں ویسرائے کے پہنچنے کے بعد نقیب مع اپنے نقیب چوبوں
کے گھوڑے پر سوار آگے بڑھا اور بحکم حضور ویسرائے نامدار بلند اعلان پڑھا
جس میں حضور شہنشاہ ہند باقبالہ کی تاجپوشی کا ذکر تھا۔ اعلان کے ختم ہونے
پر قومی راگ کے ساتھ شاہی جھنڈا کھلا اور ایک سو ایک ضرب توپ شاہی
سلامی کی چھوٹیں اس کے بعد ویسرائے نے اسی مجمع کے سامنے جو اظہار شان و
شوکت واقتدار سلطنت کے سبب جمع تھا ایڈریس پڑھا اور حسب الہدایت فرمان
شاہی جملہ رعایا ہند کو سنایا اختتام ایڈریس پر حاضرین جلسہ مجمع اور تماشائیوں
نے تین چیر بادشاہ کی تاجپوشی کی مسرت میں دیں۔ بعدہ روساء اعتبار ویسرائے
اور ڈیوک اوف کناٹ کے سامنے پیش ہوئے یہ کارروائی جو ہندوستانی تخت نشینی کے
درباروں کی دراصل معزز دستور العمل ہے ویسرائے نے والیان ریاست کے سامنے
پیش کی انہماکو خاص کر یہ وجہ سمجھائی کہ وہ ایسا ایسا عرض کر ادا کرسکیں اور ہر دو
دو بادشاہ کے قائم مقام اور آپکے برادر عزیز کو اپنی ہاں سے اس معزز موقع پر اپنے
تعلق کی ساعت مبارکباد اور اپنی دلی مسرت کا اظہار اپنی وفاداری اور اطاعت کا
ثبوت دیں روساء نے مبارکباد دیتے وقت اس تدبیر کی بہت تحسین کی کل روساء کے بعد بیگم
کے شرے بعض بعض کے ہمراہ انکے صاحبزادے یا دیگر رشتے جمہور نے بایت خشوع و خضوع
کے ساتھ تخت نشینی کی مبارکباد بادشاہ کو دی اور رخصت ہوئے اور قابل یادگار موقع
پر حضور ویسرائے اعلا ایسے بڑے اس واقع کے اظہار کیلئے مستعد ہوا تھا اپنی موجودگی پر اظہار

اور بجائے تکلیف کے آرام وہ ثابت ہوی - دسمبر کے آخری ہفتہ میں اگرچہ راتیں زیادہ ٹھنڈی تھیں تاہم ویسا ہی دن گرم ہو جاتا تھا اور سرکاری اشغال کا یہ ہفتہ روزہ بڑی مصروفیت و عمدگی سے گزرا -

ابتدائی کارروائیوں کے بیان کے بعد جو دربار سے پیشتر عمل میں آئیں اب ہم خاص دربار کا تذکرہ کرتے ہیں - اس یادگار مجمع کے خوشنما منظر کا مفصل ذکر کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں معلوم ہوتی صرف مختصراً بیان کر دینا کافی ہے - رسالوں کے لمبی لمبی قطاروں سلطنت کے مختلف قوموں کے ہجوم سے وسیع میدانوں کو گویا ہونے ایسی تھیر رہیں کثیر مجمع کا جس میں روساؤ گورنروں و مقبوضات وممالک غیر کے قائمقام و جلیل القدر حکام ویسرائے کی دائیں طرف بیٹھے تھے اور غدر کے سورماؤں کے چھوٹے سے بینڈ سے جو ستاں بندھا تھا اسکا حال مفصلاً اخبارات میں شائع ہو چکا ہے منظر بھی عجیب و دلفریب تھا کہ کجا دہلی کی سرزمین اور کجا یہ مختلف صورتیں ایک طرف نظر اٹھا کر دیکھیے تو عدن کے ریاستوں کے شیخ و عرب مکلف لباس زیب تن کئے ہیں اور کسی طرف ہندوستانی سرحد کے بلوچ دہقان و رئیس زرین لباس میں نظر آتے ہیں کہیں نیپال و سکم و مسقط کے ولیعہد یا قائمقامان ہیں اور کہیں سیاتھ اور میکاننگ شان کے رئیس خوشنما کپڑوں میں دکھائی دیتے ہیں - یہ حالت دیکھکر اللہ کی قدرت و انگریزی حکومت کی شان نظر آتی تھی - مسلمانوں کی عید الفطر بھی اتفاق سے اسی دن آ کر پڑی تھی - انکو دربار میں شرکت کا موقع دینے کی غرض سے دربار کا وقت دوپہر کو قرار پایا تھا - وقت مقررہ پر حضور ویسرائے اپنے باڈی گارڈ اور شاہی بچھیر الیٹن کے جلو کے ساتھ اپنے فرودگاہ سے گاڑی میں سوار ہو کے

کل انتظامات زیر نگرانی سنٹرل ایکزکیوٹو کمیٹی تھے۔ اول الذکر دی اختیار سی اور انکے احکامات کے انجام دہی ایکزکیوٹو کمیٹی یا سرکار محکمہ متعلقہ کے سپرد تھی۔ پولیس کا انتظام ہوم ڈیپارٹمنٹ کے سپرد تھا برقی روشنی کا محکمہ و حی التعمیرات کے اور بازار وں کا وحی محکمہ کے اور رسومات کا فورین ڈیپارٹمنٹ کے۔

دربار کے وقت اس انتظام قائم رکھنے اور خفیف جرایم کیمپوں میں ہوں انکے انسداد کا انسداد ہا صابطہ بنانے کے لیے پنجاب کی قانونی کونسل نے ایک چھوٹا سا قانون موسوم بہ دہلی دربار پولس ایکٹ ۱۹۰۲ء تیار کیا۔

پنجاب گورنمنٹ نے اس معاملہ میں بہت یاد امداد دی انسپکٹر جنرل حفظان صحت کو کیمپوں کی صفائی اور حفظان صحت کے لیے اور انسپکٹر جنرل پولس کو پولس کے انتظامات کے لیے اور چیف انجنیر کو عمارات آب رسانی اور سڑکوں کی نگرانی کے لیے مقرر کیا علاوہ ان افسروں کے ہر کیمپ میں خاص کمیٹیاں قایم کی گئی تھیں سنٹرل کیمپ میں ایک اور باقی کل صوبہ وار مجموعہ کیمپ میں ایک ایک خاص مجسٹریٹ و ایکزکیوٹو سیکرٹری افسر و افسر حفظان صحت و پبلک افسر و لائٹ ریلوی کے نظم و نسق کے لیے ایک ریلوی افسر مقرر کیا تھا کیمپوں میں نامیوں کا اسٹاف بہی رہتا تھا کہ مختلف رسومات کے متعلق تفصیل دیکھیں اور مٹیوں کا استعمال کریں

ان مختلف ایجنٹوں کی محنت و جانفشانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسی وسیع پیمانہ میں جو عارضی طور سے سوقت دہلی میں اکٹھی ہوئی تھی ایک ہی سنگین واقعہ نہیں ہوا ان تمام کار روائیوں کے ساتھ ساتھ موسم بہی بہت خوشگوار رہا بارش صرف ایک رات ہوئی اور پہر اگر ہوئی بہی تو اسقدر کہ اس سے خاک دب گئی۔

یہ بات بہت جلد سمجھ میں آسکتی ہے اِسقدر کثیر خیمہ زنی میں کیا کچھ تیاری کرنی پڑی ہو گی۔ ہزاروں خیمہ جابجا سے جمع کیے گئے تھے کیمپوں کی سرزمین ہموار کی گئی تھی اور چالیس میل جدید سڑک بنائی گئی تھی۔ ۲ فٹ پٹری کی لائٹ ریلوے سات میل تک تعمیر کی گئی تھی جو کشمیری دروازہ سے سنٹرل کیمپ اور دربار کے چبوترے تک بنائی گئی تھی۔ شروع ہونیکی تاریخ سے اختتام تک ایک لاکھ دو ہزار اٹھانویں مسافر اسمیں بیٹھے اور آٹھ سو پچاس سیزن ٹکٹ والے اِس تعداد کے علاوہ تھے بڑی لینیں بھی بھاری بھاری اسباب کیمپ میں پہنچانے کی غرض سے پھیلا دی گئی تھی ذرائع آب رسانی میں بھی ترقی دی گئی تھی ۲۷ حوض ۵۴ کنوئیں جدید تعمیر کیئے گئے اور ۲۸ نل زمین میں بچھائے گئے تھے اور دو ہزار چار سو پچھتر آدمی محکمہ حفظان صحت میں نوکر رکھے گئے تھے مخصوص تار گھر ٹیلیفون اور ڈاکخانے ایزاد کیئے گئے تھے اور سنٹرل کیمپ قلعہ و شہر کے بڑے بڑے بازار دن میں بجلی کی روشنی کی گئی تھی پو دونکے گملے بارکوں میں ہوا اور روشنی کیلیئے روشندان بنائے گئے تھے۔ رسد رسانی کا انتظام کچھہ توج کے طور پر ہوا اور کچھہ محکمہ رسد رسانی کے ذریعہ سے۔ دربار کے لیے ایک عارضی نقرئی و سنہری چبوترہ اُس نقشہ کے مطابق تیار کیا گیا تھا جو وائسرائے اور سر سوئن جیکب نے بنایا تھا یہ عمارت اگرچہ محض دربار کی ضرورت سے تیار ہوئی تھی تاہم مصاحبین کا ریویو اور فوجی کرتب بھی اِسی مقام پر ہوئے تھے۔ اِسکی ساخت بالکل مغلوں کی طرز پر تھی اور دہلی اور آگرہ کے عمارات کی نقل تھی۔ جگہ تو وہی تھی جہاں لارڈ لٹن نے ۱۸۷۷ء میں چبوترہ بنایا تھا مگر شکل و جسامت میں یہ عمارت اُس سے بالکل مختلف تھی اسمیں بیشتر سے زیادہ ... ۱۶۰ تماشائیوں کے لیے گنجائش رکھی گئی تھی۔

عطا کیا اور دیگر روسا کو جو ولایت کے جلسہ تاجپوشی میں شریک تہے طلائی تمغے عطا کیے اور حضور وائسرائے نے حسب الحکم حضور شہنشاہ ہند چند اشخاص کو خطاب مرحمت کیا۔

سرکاری کام تو جو ہے وہ تہے ہی عوام کو بھی طرح طرح کے مشغلے حاصل تہے دوسری حضوری کو شہر میں روشنی ہوئی اور آتشبازی چھوڑی گئی۔ اور ۵ حضوری کو ہتیاروں کے کرتب ہوئے اور شیتر ایام میں بیشمار کھیل کود تل پولو وٹ مال وغیرہ ہوئے جنہیں وائسرائے نے انعامات بھی دیئے۔ اس سرزمین پر غالباً پولو کا کھیل کسی زمانہ میں عام ہوگا اگرچہ دور دراز کی پہاڑی ریاستہائے یہہ اور نا گردسی پور میں یہہ کھیل اب بھی ہوتے ہیں اور انگریزوں نے انہی سے یہ کھیل سیکھے اور انہیں تکمیل کی۔ فوجی باجا بجانے والے اسوقت دہلی میں کوئی دو ہزار تہے اُن سب نے ملکر ایک ساتہہ باجا بجایا جو قابل دید تہا۔

تحقیقات سے ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ شہر کی آبادی کے علاوہ جو حال کی مردم شماری کی روسے دولاکہہ آٹہہ ہزار ہے ایک لاکہہ بہتر ہزار سے کسی طرح کم آدمی دربار کی وجہ سے دہلی آئے ہونگے شـ۱۸۷۷ء کے دربار قیصری کے وقت صرف ۶۸ ہزار آدمی دہلی میں آئے تہے سرکاری مہمان اور حکام جو بلائے گئے تہے یا دربار کے موقع پر دہلی میں تہے انکی ہوکی تفصیل کہ وہ صحیح کیا تہی رؤسا زمانہ اختیار میں ۱۰۴ کو بلا دے گئے تہے جنمیں سے سوائے مہمری چھوٹی رئیس حسب دستور بلائے نہیں گئے جو رئیس دہر بلاری کے اندر یہ سے نہ آئے انکی حاضری معاف کردی گئی بخیال اس امر کے بعض بعض رئیسوں کو قحط سالی وغیرہ کی وجہ سے متواتر خرچ بہی بہم اٹہانے پڑے اس

اپنے اپنے رئیسوں یا ریاست کے دیگر عزیزوں کی ماتحتی میں سلام کے مقام سے گزرتی جاتی تھیں۔ جو کیفیت ہر عمر کے یعنی صغیر سن راجہ نیپال سے لیکر ضعیف العمر رئیس نابھہ تک روسا کو دیکھنے سے حاصل ہوئی وہ رئیسوں اور عوام دونوں کو عرصہ تک یاد رہے گی اور ان فوجی بندشوں کو جنکی وجہ سے ہندوستانی سلطنت کے مختلف موکل یکذات ہیں مضبوط کرنیکا خیال پیدا کریگی۔

لارڈ لٹن کے ۱۸۷۷ء والے شاہی جشن میں ہندوستانی رئیسوں کے ہمراہیوں کا ریویو فوجی ریویو سے پہلے ہوا تھا اس موقع پر ہمراہیوں کے ریویو کے لئے ایک صبح علیحدہ قرار پائی تھی۔ اور یہ رسم جو ۷ جنوری کو ہوئی اس پندرہ ورشے کل کرتبوں سے زیادہ دلچسپ و خوشنما تھی۔ کوئی چالیس ریاستوں سے امدادی فوج آئی تھی اور قدیم زمانہ کے اسلحہ کے نمایش میں جو اسوقت بالکل غیر مستعمل ہیں بڑی جانفشانی سے کام لیا گیا تھا۔

مختلف کیمپوں کے بیحد پھیلاؤ اور روزمرہ اور ساعت وار مشغلوں کی کثرت کی وجہ سے ویسرائے کو جو اسوقت دہلی میں موجود تھے نہ تو انھیں ملاقات کا موقع دیسکے اور نہ خود بازدید ملاقات کرسکے۔ مگر ان ممتاز اشخاص سے ملاقات کے لئے ایک خاص جلسہ قرار دیا گیا تھا۔ ویسرائے نے اپنے ہندوستانی مہمانوں کو دو دعوتیں دی تہیں۔ ایک قدسیہ باغ میں ۲ ر جنوری کی صبح کو جس میں ماسوا روسا کے حکام و دیگر اشخاص تھے اور دوسرے ۹ ر جنوری کی شام کو اپنے کیمپ میں کل روسا کو۔

آخری موقع پر خلعت دہی کا جلسہ تھا جسمیں حضور شاہزادہ ڈیوک آف کناٹ نے بحیثیت حضور نظام حیدرآباد کو خطاب جی۔ سی۔ بی اور مہاراجہ کو لہاپور کو خطاب جی۔ سی۔ وی

واقعات کا سلسلہ قایم رکھنے کیلئے ویسرائے نے ۲۸ دسمبر کو قدسیہ باغ میں ہندوستانی دستکاری کی نمایش کا افتتاح کیا۔ نمایشی چیزیں ایک عالیشان عمارت میں ترتیب سے رکھی گئی تھیں جو خاندان مغلیہ کی طرز پر بنائی گئی تھی۔ نمایش کی نگرانی و ترتیب کا کام سر جارج واٹس کے سپرد کیا گیا تھا۔ قدیم زمانہ کی دستکاری کے نمونے ریاستوں کے خزانوں سے عوام کے دیکھنے کے لئے منگائے گئے تھے۔ جو موجودہ زمانہ کے بھی۔ پتھر، سینگ، لکڑی، سوت، اون کی دستکاریوں کے پہلو بہ پہلو قدیم و حال کی کاریگریوں کا مقابلہ کرنے اور زندہ صناعوں میں ترقی کی روح پھونکنے کے لئے باقاعدہ آراستہ کئے گئے تھے۔ اس نمایش کے قایم کرنیکا سبب ویسرائے نے اپنی اسپیچ میں ظاہر کیا ہے جو ہم آگے درج کرینگے۔ روسا و گورنمنٹ کی اولوالعزمی قابل تحسین ہے کہ دستکاریکو ترقی دینے کے خیال سے انہوں نے عمدہ عمدہ چیزوں پر معقول انعام بھی دیئے تاکہ لوگوں کو اپنی ملکی حرفت پر توجہ کرنیکا خیال قوی ہوجائے۔ اکثر اہل حرفہ و ہندوستانی ملازم ہونے نمایش دیکھنے کی امداد دیگئی تھی اور عوام کو اس سے ایک خاص حظ حاصل ہوا تھا۔ اڑتالیس ہزار آدمیوں نے نمایشگاہ کی سیر کی ۱۰ ربکری سے تین لاکھ باسٹھ ہزار تین سو تیس روپے کی آمدنی ہوئی۔

دربار کو پس انداز کرکے جسکا تذکرہ آیندہ کیا جائیگا ہم اس ضروری واقعہ کا تذکرہ کرتے ہیں جو ۳۱ جنوری کی رات کو شاہجہانی قلعہ کے دربار عام میں سٹار آف انڈیا اور انڈین امپائر کے ہندوستانی طبقوں کا بڑا جلسہ تھا۔ بلا کسی رد و بدل کے اس عالیشان عمارت میں اس درجہ عارضی ایزادیں کی گئی تھیں کہ اصل حالت سے تنگی ہوگئی تھی اور اس موقع کیلئے اسکو دربار خاص کی سنگ مرمر کی عمارت سے بذریعہ ایک ڈھکے ہوئے راستہ کے ملحق کرلیا تھا۔ کرنل جے ڈبلیو تھربرن آر۔ ای سکرٹری گورنمنٹ محکمہ عمارات اور رائے بہادر گنگارام کی نگرانی میں یہ عارضی عمارت اس ہشیاری سے بنائی گئی تھی کہ اجنبی آدمی بجلی کی روشنی میں بھی رات کے وقت نئی و پرانی عمارت میں تمیز نہ کرسکتا تھا۔

وممبران کونسل وایسرائے و لفٹنٹ جنرل بنگال و بلوچستان و آسام اور شمال مغربی سرحد
ہندوستان کے رئیس تھے اس طریقہ پر یہ جلوس صاف آسمان اور سرسبز گھنے اشجار و درختوں
کے بیچ میں سے ہو کے نکلا۔ والیان ریاست جو اس جلوس کے ساتھ نہ تھے انھیں اُن
کے سامنے باعزاز بٹھایا تھا۔ جامع مسجد کے قلعہ کے رخ کی مچانوں میں وایسرائے کے
ولایت کے دیگر انگریز مہمان بٹھائے گئے تھے اور اس جامع کی سیڑھیوں پر مسجد کے منتظمان
نے جانب جامع کے بائیں کی غرض سے تماشائیوں کے بیٹھنے کا انتظام کیا تھا۔ جس سے مسجد کو
ایک معقول بائیں ہوا۔ اسٹیشن سے لیکر چھاؤنی تک جہاں وایسرائے کے رہنے کا مقام تھا
سڑک پر دو رویہ گوروں اور کالوں کا پہرہ تھا کوئی شخص سڑک عبور نہ کر سکتا تھا۔ سڑک
کے عقب میں شہر کے اور ہندوستان کے بڑے بڑے اور دور کے شہروں کے تماشائی
کھڑے تھے سیکڑوں و ہزاروں نے اس جلوس کی نظارہ بازی کے لئے سیکڑوں روپے
خرچ کر کے بالاخانے کرایہ پر لئے تھے۔ غرض یہ ہے کہ اس موقع پر دہلی میں اس قدر مجمع تھا کہ
احاطۂ قیاس سے باہر ہے۔ تجارتی کاروبار صبح سے بند تھے اور کوئی چار میل تک بازار
و سڑکیں و بازار سب علاوہ مقامات جو اس غرض کے لئے بنائے گئے تھے اور چھتیں و برآمدے
آدمیوں سے پٹے پڑے تھے۔ شہنشاہ و شہنشاہ بیگم کی تصویریں اور دعائیہ فقرے جابجا ہیڈ
کوارٹر میں آویزاں تھے۔ جلوس کی شان و شوکت جس قدر تھی اسی قدر ترتیب و خوشنما
شاہزادے شاہزادی پر سوار کنارو کی بہار رہی اور ان قائم مقام خاندان شاہی کے
بیشتر ہندوستان میں رہا ایک وجہ سے ماتندگان کہ اس موقع پر ان کے ساتھ ادھم وغیرہ دیکھی
تھی۔ دینا و گھنٹے کے بعد جلوس شہر کے باہر پہنچا اور وہاں سے منتشر ہو کر اپنے اپنے کیموں
میں جا پہنچا۔

کئی کئی مرتبہ صاف کر لئے گئے تہے صرف سین پر مخصوص ایکٹروں اور خوش آیندہ
موسم کی آمد کی ضرورت باقی رہگئی تہی۔
۲۷۔ دسمبر میں ہندوستان کے بڑے بڑے والیان ریاست غیر قوموں کے سفید
اور گورنمنٹ کے جلیل القدر افسر آنے شروع ہو گئے تہے اور کثیر تعداد فوج (۰۰۰،۴۰)
دہلی میں جمع ہو گئی تہی۔ ۲۹۔ دسمبر کو ویسرائے ہند و ڈیوک ڈچز اوف کناٹ کی
سرپرستی میں دربار شاہی کا جلوس نکلا وائسرائے ہند شاہزادے صاحب سے
کچھہ قبل دہلی کے اسٹیشن پر آکر اترے اور والیان ریاست و سفرا دول خارجہ اور
جلیل القدر حکام جو استقبال کی غرض سے اسٹیشن پر موجود تہے اُنسے ملاقات کرکے
شاہزادے و شاہزادی صاحبہ کا استقبال کیا جو بالا بالا بمبئی سے اسپیشل گاڑی
میں آئے تہے۔ جلوس کے واسطے شہر کے بڑے بڑے بازار مخصوص کر دئے گئے تہے
مثلاً کنوئین روڈ تو تہین روڈ گرد جامع مسجد و بازار چاندنی چوک و فتح پوری و احمد باغ۔
سڑک سے ہوتی ہوئی موری دروازہ حضور وائسرائے و لیڈی کرزن صاحبہ ایک
ہاتہی پر اور ڈیوک آف کناٹ حضور ڈچز صاحبہ دوسرے ہاتہی پر یہ دونوں ہاتہی
نہایت عالیشان قیمتی طلائی جہولوں سے آراستہ تہے۔ اِن دونوں ہاتہیوں کے آگے
وائسرائے و شاہزادہ صاحب کے ہاتہی نشین مصاحب اور پہر شاہی بحیرہ پلٹن اور
ویسرائے کا باڈی گارڈ ان بعد اِن دونو صاحبان کا خاص اسٹاف۔ وائسرائے
اور حضور ڈیوک کے ہاتہیوں کے بعد اکیاون رؤساء کے ہاتہی دو دو ایک قطار میں
یکے بعد دیگرے تہے ہاتہیوں کے پیچہے ڈیوک آف ہیسی مہمان وائسرائے و گورنران
ولفٹننٹ گورنران و چیف کمشنران صوبہ جات ہندوستان اور کمانڈر انچیف معہ مصاحبان

چھٹا باب

شاہنشاہی دربار دہلی

سنہ ۱۹۰۳ء

دربار شاہی کی رسم ادا کرنے کا ارادہ نومبر سنہ ۱۹۰۱ء میں ظاہر کیا گیا تھا۔ اس موقع پر مخصوص والیان ریاست کے نام نویدی اشتہار ولایت کے جلسہ تاجپوشی میں شرکت کی غرض سے شائع ہوئے تھے اور ساتھ ہی یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ جو رئیس ولایت کی تاجپوشی کے جلسہ میں شریک ہو سکیں گے انکی وفاداری کی تکمیل کے لیے ولایت کے جلسہ کے بعد ہندوستان میں بھی رسم تاجپوشی ادا کیجاے گی فروری سنہ ۱۹۰۲ء کے گزٹ اوف انڈیا میں اس جلسہ کے لیے دہلی منتخب ہوئی یکم جنوری سنہ ۱۹۰۳ء انعقاد کی تاریخ قرار پائی۔ اسکے بعد نواب گورنر جنرل بہادر نے مقامی گورنمنٹوں کے افسروں اور رؤسا با اختیار کے نام نوید جاری کیں۔ ستمبر سنہ ۱۹۰۲ء کو یہ بات شہرت پذیر ہوئی کہ حضور شہنشاہ ہند نے ڈیوک اوف کناٹ کو مزاحم خسروانہ میں شاہی خاندان کا قائمقام بنا کر اس جلسہ تاجپوشی میں شرکت کی اجازت دی ہے اس خبر سے کہ حضور ممدوح کو اس آینوالے موقع کے ساتھ خاص دلچسپی ہے اور ہندوستان پر خاص نوازش ہے ہر مقام پر اطمینان پہیل گیا۔

تمام موسم گرما اور بالخصوص لندن میں ۹ اگست سنہ ۱۹۰۲ء کو رسم تاجپوشی کے ادا ہونے کے بعد ہندوستان میں آینوالے موقع کی تیاریاں اس عجلت و سرگرمی سے ہوئیں کہ ختم سال سے بیشتر اسقدر کام انجام ہو چکا تہا کہ نہایت ضروری کرتب

یا خانقاہ ہو اور مغلوں کے حملوں سے محفوظ رکہنے کے لیے اِسکے گرد فصیلین بنا دی گئی ہوں۔

عادل آباد سے ڈہائی میل پر جنوب و مشرق کی طرف ایک نہایت عمدہ پختہ حوض ہے اور اُسکے پاس ایک پختہ بند ہے۔ اِس حوض کو سورج کنڈ کہتے ہیں اور اِس بند کا نام ارنگ پور بند ہے۔ یہہ دونوں عمارتین ہندوانی ہیں اور آٹہوین صدی عیسوی کی ہین انسے زیادہ پُرانی ہندوانی عمارت دہلی کے قرب و جوار مین نہیں ہے۔ حوض کے مغربی کنارہ پر ایک مندر تہا اور بند تین سو فٹ لمبا اور بیچ میں ساٹ فٹ اونچا ہے

یہان سے تین میل کے فاصلہ پر موضع بدرپور ہے یہہ موضع ایک پُرانی شاہی سرا کے اندر آباد ہے موضع بدرپور نظام الدین سے آٹہہ میل کے فاصلہ پر ہے اِس سبب سے دہلی کا اِدہر سے سیدہا راستہ ہے۔

عادل آباد سے تہوڑی دور پر کالکا کا مندر ہے جہاں کالی جی کی پرستش ہوتی ہے اور چیتے مہینہ بڑا میلا ہوتا ہے اِس مندر کا اکاس مرزا راجہ کدارناتہہ کا بنوایا ہوا ہے اور درگا سنگہہ نامی نے اِس سے پہلے سمت ۱۸۲۱ مین سنگ سرخ اور سنگ مرمر کا کٹہرا بنوا دیا تہا جسکے بائین طرف یہہ عبارت شاستری اور فارسی مین کندہ ہے

سری درگا سنگہہ پرسوار سمت ۱۸۲۱

گئے اس سبب سے یہہ ٹہیک نہیں ہیئت مقبرہ باہر سے ساٹھے اکسٹھہ فٹ
مربع ہے اور اندر سے ساڑھے اڑتیس فٹ ہے اور دیواروں کا آثار ساڑھے
اکیس فٹ کا ہے اور نیچے سے اوپر تک دیواروں کی ڈہلان اندر کے رخ ساڑہے
سات فٹ کی ہے کل بلندی گنبد کی چوٹی تک ستتر فٹ کی ہے اور دس فٹ کا
اسپر کلس ہے۔ مقبرہ کے چاروں طرف چار محراب دار خوبصورت دروازہ ہیں جمیں
کسیقدر سنگ مرمر اس طرح لگا ہوا ہے کہ دروازوں کی محراب پر ہوتا ہوا ایک پٹی
سی سنگ مرمر کی چاروں طرف پہر گئی ہے۔ شمالی مغربی کونے میں ایک چھوٹا گنبد
ہے جمیں چند قبریں ہیں جنکے گرد چاروں طرف دالان سے ہوئے ہیں جسطرح یہہ مقبرہ
جھیل کے مشرقی کونہ پر واقع ہے اسی طرح اسکے مقابل میں عادل آباد یا محمد آباد کے
قلعہ کے کہنڈرات میں جسکو عمارت ہزار ستون بھی کہتے ہیں۔ یہہ عمارت جونا خان
پسر غیاث الدین تغلق کی بنوائی ہوئی ہے چونکہ بعد میں اسکا لقب سلطان محمد عادل
تغلق شاہ رکہا گیا تہا اسلیئے عادل آباد کے نام سے مشہور ہوا مگر جب بعد میں اسنے
بہت ظلم کیے تو لفظ عادل اسکے نام سے ساقط ہوا اور محمد آباد نام رہگیا سنہ ۷۲۵ھ
میں شروع ہوئی سنہ ۷۲۷ھ میں ختم ہوئی جسکی تاریخ تعمیر بدر ساچی شاعر نے فادخلوہا لکہی
ہے کہتے ہیں کہ پہلے اس میں سنگ خارا کے ہزار ستون لگے ہوئے تہے اسی لیے اسکو
عمارت ہزار ستون بھی کہتے ہیں۔ اسکی مغربی دیوار میں اندر جانے کا نہایت خوبصورت
دروازہ ہے غالبًا یہہ کوئی محل لب آب جو ہوگا۔ اسکی مشرقی دیوار چالیس فٹ بلند
ہے اور تغلق آباد کے بیچ میں ایک نالہ پہاڑ میں کٹا ہوا ہے یہاں سے میل بہر کے
فاصلہ پر ایک اور چہوٹا سا قلعہ ہے جسکو نامی کا قلعہ کہتے ہیں غالبًا یہہ کوئی مدرسہ

باولی ہے جو محافظین قلعہ کے استعمال کے لیے بنوائی گئی ہوگی اسکے پاس ملازمین شاہی کے رہنے کیلئے تہخانے بنے ہوئے ہیں مگراب چیتے اور تیندوے اور گل بکھے اور کبھی کوئی شیر بھی ان تہخانوں ملجاتے ہیں۔ قلعہ کی فصیلوں سے تغلق شاہ کا مقبرہ بہت بلند ہے ایسا خوش منظر موقع دہلی کے بیرونجات میں دوسرا نہیں ہے یہ مقبرہ ایک مصنوعی جھیل کے وسط میں مضبوط فصیلوں سے گھرا ہوا بڑے دروازہ کے سامنے تین سوگز کے فاصلہ سے بنایا گیا تہا اسکے اور قلعہ کے بیچ میں چھہ سو فٹ لمبا پل تہا جسکی ستائیس محرابیں تہیں۔ یہ پل شاید فیروز شاہ کا بنوایا ہوا ہے اسکی بھی دیواریں ڈہلوان اور نہایت مضبوط ہیں اور اسی طرح فصیلوں کے بروج نہایت مستحکم اور عظیم الشان ہیں دنیا میں بھی کسی سپاہی بادشاہ کی ایسی قبر نظر نہیں آتی اس بادشاہ نے ایک مقبرہ اپنے لیے قلعہ ملتان میں اسی طرح کا بنوایا تہا اس مقبرہ کی قطع بھی ایسی ہے جب جھیل میں پانی بہرا ہوا ہوگا اور اسکا سایہ اسمیں پڑتا ہوگا تو عجب تماشا نظر آتا ہوگا مقبرہ کا دروازہ سنگ سرخ کا پہلوان بنا ہوا ہے جسمیں سنگ مرمر جا بجا لگا ہوا ہے اور اسکے گرد سیاہ دیواریں اور گول بروج فصیلون کے ہیں جو مقابلہ سے عجب کیفیت دکہاتے ہیں۔ اندر سے مقبرہ سلطان بلبن کے مقبرہ سے زیادہ بڑا ہے مگر بالکل سادہ ہے جس سے دلپر بہت اثر پڑتا ہے۔ اس میں تین قبریں ہیں۔ بیچ کی قبر تغلق شاہ کی اور دوسری قبر اسکے خونی بیٹے محمد تغلق کی اور تیسری قبر اسکی بیوی کی ہے جسکا خطاب مخدومہ جہان تہا۔ گنبد میں سنگ مرمر کے پتھر ٹھیک نہیں بیٹھے ہیں کہتے ہیں کہ ۵۷ء کے غدر کے بعد ان پتھروں کو اکھاڑ کر فروخت کرنے کا حکم ہوا تہا مگر بعد میں وہ حکم منسوخ ہوا اور پتھر وہیں لگا دیئے

نظر آتا ہے اور دلپر عجب اثر ڈالتا ہے - اس شہر اور قلعہ کو ۱۳۲۱ء میں محمد غیاث الدین تغلق بادشاہ نے بسایا تہا۔ (۷۲۱ھ) اسکو چہوڑ کر محمد تغلق نے دولت آباد بسایا اور اسکے بعد فیروز شاہ نے فیروز آباد تعمیر کرایا اس سب سے اس میں آبادی نہیں رہی یا شاید یہ سبب ہو کہ یہاں کی آب وہوا بہت خراب ہے اور شاید سب میں بڑا سبب یہہ ہے کہ حضرت نظام الدین نے بد دعا کی تہی کہ یا بسے گوجر یا رہے اوجڑ چنانچہ علاوہ کہنڈرات کے وہاں دو چہوٹے چہوٹے گاؤں گوجروں کے ہیں۔ اس عمارت میں بہت بڑے بڑے پتہر لگے ہوے ہیں جنکو دیکہکر یہہ معلوم ہوتا ہے کہ انہی جگہ سے کہودے گئے ہونگے کسی اور مقام سے نہ لائے گئے ہونگے اسکے برج سہ منزلہ تہے بہت اونچی فصیل بڑے اونچے دروازے تہے جنکے کہنڈرات کو دیکہنے سے ہی دلپر ایک عجیب عظمت پیدا ہوتی ہے یہہ قلعہ نیم دائرہ ہے جسکے تین پہل ہیں ہر پہل نصف میل کا ہے۔ قلعہ ایک پہاڑ پر واقع ہے اسکے گرد بہت گہری خندق ہے جو جنوب کی طرف بہت جنگلی ہے قلعہ کے تیرہ دروازے ہیں اور تین دروازہ اندر قلعہ کے ہیں۔ اسمیں سات باولیاں ہیں اور جامع مسجد اور برج مندر اور دیگر عمارات کے کہنڈرات ہیں۔ دروازہ میں داخل ہوکر ایک بڑی باولی دکہائی دیتی ہے جو پہاڑ میں کاٹ کر بنائی گئی ہے یہاں سے شمال مغرب کی سمت محل اور اصطبل اور ایک عمدہ مسجد کے کہنڈرات ہیں باولی سے راستہ ایک دوسرے دروازہ کو جاتا ہے جسکے کہنڈرات کو دیکہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں نہایت عظیم الشان ہوگا۔ یہاں سے راستہ پہیر کہاتا ہوا اسے بلند مقام پر پہونچتا ہے جہاں غالبا کوئی شاہی محل بنا ہوا ہوگا اسکے نیچے ایک بہت گہری باولی

اُسکو محمد شاہ نے سنہ ۱۷۲۹ء میں بنوایا تہا۔ مغربی دیوار میں ایک نہایت خوبصورت دروازہ
ہے وہاں سے راستہ درگاہ کا ہے۔ درگاہ کا مشرقی دروازہ فیروز شاہ کا
بنوایا ہوا ہے (سنہ ۱۳۷۳ء) (یعنی ۷۷۵ھ) اُس دروازہ پر بہت بڑا گنبذ ہے اسپر کتبہ
سلطان فیروز شاہ کا اور سنہ کندہ ہے ۔ مزار پر ایک سنگ سُرخ کا
گنبذ ہے۔ وقتاً فوقتاً اسکی بہت مرمت ہوتی رہی ہے۔ نظام الدین کی مسجد کیطرح
یہان بہی ایک سنہری کٹورا لٹکا ہوا ہے۔ شمالی مغربی کونہ میں ایک مجلس خانہ ہے۔
ایک طرف فرخ سیر کی بنوائی ہوئی مسجد ہے۔ گنبد کے پاس دو اور برج ہیں۔ ایک
حضرت شیخ فرید کی پوتی کا مزار ہے اور دوسرے مین مخدوم زین الدین حضرت کے
بہانجے کی قبر ہے اسی کے قریب مخدوم کمال الدین اور فیض طلب خان
بنگش کی بہی قبرین ہین۔ ہر سال رمضان کی سترہوین کو درگاہ میں عرس ہوتا ہے
درگاہ کے پچہواڑے سلطان بہلول لودہی کا مقبرہ ہے جو سنگ سُرخ اُسمین
لگا ہوا ہے اُسمین ہندوانی کام کیا ہوا ہے اِس مقبرہ میں درگاہ کے خادم رہتے ہین
اِس مقبرہ کے نیچے کی منزل مین بارہ در ہین اور اوپر پانچ برج ہین سلطان بہلول
لودہی نے سنہ ۸۹۲ یعنی ۱۴۸۸ء میں قریب نواح قصبہ شکیت مین انتقال کیا تہا اور
یہان مدفون ہوا۔ اِسکے سامنے جنوب کی طرف ایک نہایت خوبصورت سنگ سُرخ
کا مجہر ہے اور جسمین سنگ سُرخ کی جالیان نہایت عمدہ لگی ہوی ہین اوپر کے درختوں
کی سبزی میں مجہر کی سُرخی عجب کیفیت دکہاتی ہے قطب صاحب سے پانچ میل
پر مشرق کی طرف تغلق آباد کا شہر اور قلعہ ہے قطب صاحب سے تین میل پر سڑک
موڑ کہا کر تغلق آباد جاتی ہے یہان سے تغلق آباد کے قلعہ کا مغربی حصہ بہت اچہی طرح

تھا۔ سنہ ۱۸۵۷ء سے پہلے اِس میں گوجروں نے گھر بنا لیئے تھے غدر کے بعد اُنکو شہر
سے نکالدیا گیا۔

کھڑکی کی مسجد سے دو سو گز کے فاصلہ پر شمال کی طرف ایک نہایت خوبصورت
برج سنگ سُرخ کا ہے جسمیں حضرت یوسف قتال کا مزار ہے اور چار طرف
اُسکے خوبصورت جالیاں لگی ہوئی ہیں درگاہ سنہ ۹۰۳ء میں سلطان سکندر بہلول
لودہی کے عہد میں بنی ہے اور حضرت شیخ فرید شکر گنج کے نواسہ نے بنوائی ہے
یہہ اندر سے اٹھائیس فٹ اور باہر سے اکسٹھ فٹ مربع ہے۔ ایک طرف پتھر اور چونے
کی مسجد بنی ہوئی ہے جو بہت شکستہ ہے یہاں سے آدھ میل پر شمال کی طرف
اور بیگم پور کی مسجد سے پانچسو گز پر مشرق کی طرف لال گنبد کی عمارت ہے جسمیں
کبیر الدین اولیا یعنے یوسف قتال کے صاحبزادہ کا اور شیخ فرید الدین شکر گنج کے
نواسہ کا مزار ہے۔ یہہ درگاہ سلطان محمد تغلق نے بنوائی تھی۔ حضرت یوسف قتال
کی درگاہ سے بہت چھوٹی ہے اندر سے ستائیس فٹ اور باہر سے سینتالیس فٹ
مربع ہے اندر سے برج سنگ سُرخ کا ہے اُسمیں نور یعنی جھاڑوں کے
لٹکانے کیلئے آنکڑی ہوئی ہیں۔ مزار کے سرہانے چراغ کے رکھنے کا نہایت عمدہ منقش
ستون ہے اور جنوبی دیواروں میں سنگ سُرخ کی جالیاں نہایت عمدہ ہیں۔

موضع کھڑکی سے مشرق کی طرف ست پلہ ہے جسکو محمد تغلق نے سنہ ۱۳۲۶ء میں بنایا
تھا اس ست پلہ کے نیچے جو مریض چراغ دہلی جاتے ہیں شفا پانے کے لیے نہایا
کرتے ہیں ست پلہ سے آدھ میل کے فاصلہ پر شمال کیطرف حضرت شیخ نصیر الدین
محمود چراغ دہلی کی درگاہ ہے جو دیوار درگاہ اور گاؤں کے گرد بنی ہوئی ہے

کی طرف پانچ میل پر تغلق آباد کا قلعہ اور شہر ہے اور وہاں وہ عمدہ مقبرہ ہے
جسمین تغلق شاہ اور اُسکا قاتل بیٹا مدفون ہیں اگر قطب صاحب سے تغلق آباد
جاؤ تو سڑک لال کوٹ کی دیوار سے یکایک نیچے اُترتی ہے۔ ایک میل کے بعد
مٹی کے ٹیلے ملتے ہیں۔ یہہ قلعہ رائے پتھورا کی مشرقی فصیل کے آثار ہین اسجگہ
سڑک سے شمال کی طرف ایک پُرانے پُل کے کھنڈرات ہین جسپر سے شہر کے بداؤں
دروازہ کا راستہ تہا۔ اِسی طرف آدہ میل کے فاصلہ پر آنبہ کے درختوں کی باغیچی
ہے یہان حوض رانی تہا اِسکے پاس موضع کہڑکی ہے جسکی کالی دیوارین درختوں
ہیں سے دکہائی دیتی ہیں۔ یہہ مسجد دو منزلہ ہے۔ نیچے کی منزل میں ایک سو چار
کوٹھریان ہیں جنکی چھتوں مین ڈاٹ لگی ہوئی ہے ہر کوٹھری نو فٹ مربع ہے
علاوہ اِن کوٹھریون کے ہر دروازہ کے نیچے کوٹھری ہے اور چاروں کونون
کے برجوں کے نیچے چار کوٹھریاں ہیں اِس طرح سب ملاکر ایک سو بارہ کوٹھریان نیچے
کے درجہ میں ہین۔ اوپر کی منزل میں جانے کے تین دروازہ ہین۔ چاروں کونوں
کے بُرج زمین سے پچاس فٹ بلند چلے گئے ہین۔ ساری مسجد پتھر اور چونے
کی بنی ہوئی ہے اور کالی استرکاری ہے۔ اوپر کی منزل مین سامنے کے بُرج
داہنی طرف اور بائین طرف تین تین گنبد ہین جنمین اکہرے دوہرے اور چوہرے
سجے کو رسادے سنگ خارا کے ستونوں پر کالی مسجد کی طرح چھوٹے چھوٹے گنبد ہین
جو تعداد مین ۹ ہین۔ کالی مسجد کی طرح یہہ مسجد بہی نہایت مضبوط بنی ہوئی ہے اور
ابہی تک مسلم ہے۔ باہر سے اِسکی پیمایش اکیوبانوے فٹ لنبی اور اتنی ہی چوڑی ہے
کالی مسجد اور بیگم پور کی مسجد کی طرح اِس مسجد کو بہی جہان خاں نے سنہ ۱۳۸۰ع مین بنوایا

لیسے ڈہاکہ کے صوبہ دار تھے اور اِس سب سے مقبرہ کے دروازہ پر مالک ملوک
الشرق کا لقب کندہ ہے اِس مقبرہ کا احاطہ سنگ خارا کا ہے اور کونے کے
برجوں کی دیوار باہر سے اندر کی طرف اِس طرح ڈھلوان ہے جیسے کالی مسجد وغیرہ
پٹھانوں کی عمارتوں کی دیواریں ہیں۔ کیا تعجب ہے کہ فیروز شاہ نے اسکی مرمت کے
وقت اپنے زمانہ کی طرز کے بُرج سوا دیے ہوں دروازہ نہایت خوبصورت ہے
اور اُسی طرح کا سا ہوا ہے جیسے کہ مسجد قوت اسلام کی محرابیں سی ہیں۔ مقبرہ کا گنبد
سنگ مرمر کا ہے زمین سے اوپر صرف گنبد اور دیواریں ہیں باقی کل مقبرہ زمین
سے نیچے بنا ہوا ہے اور اِسی طرز عمارت کی وجہ سے شہزادہ کا لقب سلطان غاری
مشہور ہوا ہے۔ مقبرہ کے چھت کے نیچے پتھر کے ہیں اور اُسی طرح سے چھت پٹی ہوئی
ہے جیسے مسجد قوت اسلام میں بھی مندر کے ستونوں پر پائی گئی ہے۔ مقبرہ کے حجرہ
میں نیچے اُترنے کی سیڑھیاں سی ہوئی ہیں۔ درگاہ کے دروازہ پر یہ کتبہ ہے
امر بیادہ البقعۃ المبارکۃ السلطان المعظم شاہنشاہ الاعظم مالک رقاب الامم ۔ ۔ ۔
فی العالمین سلطان السلاطین شمس الدنیا والدین المخصوص بعنایت رب العالمین ابی المظفر
التمش السلطان ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ فی سنہ تسع وعشرین وستماۃ غرضکہ
یہ درگاہ بھی بہت نفیس ولطیف سی ہوئی ہے اور احاطہ کے جنوبی و
مشرقی کونے پر سلطان رکن الدین اور سلطان معز الدین کی قبروں پر دو خوبصورت
برجیاں سی ہوئی ہیں جن میں سے ایک گر گئی ہے اور دوسری بھی عنقریب گرجائیگی
اگر جلدی مرمت نہ کیجئیگی مقبرہ کے سامنے بہت سی خوبصورت عمارتیں پٹھانوں کے
وقت کی ہیں جن میں سے ایک مسجد بہت خوبصورت ہے قطب صاحب سے مشرق

اختصاص یافت وعلاوہ آن تکمیل فن حدیث نمودہ ببرکات فراوان بموطن مالوف مراجعت فرمود ومدت پنجاہ و دو سال بجمعیت ظاہر و باطن تمکن یافت تکمیل فرزندان وطالبان بجا آوردہ بیشتر علوم سیما علم شریف حدیث پرداختہ بہنجے کہ در دیار عجم احدی از علمائی متقدمین ومتاخرین دست ندادہ است ممتاز ومستثنے گردیدہ در فنون علمیہ خاصہ فن حدیث کتب معتبرہ تصنیف کرد چنانچہ علمائے زمان اختیار بدان ورزیدہ دستور العمل خود دارند واہل درس در خواص وعوام بجان خریداری می نمایند تصانیف این فیاض والا از صغیر وکبیر بصد جلد وبحسب شمار ابیات بپانصد ہزار رسیدہ است در محرم ۹۵۸ھ این نور اتم پرتو ظہور بعالم عنصری دادہ ودر ۱۰۵۲ھ تمام آگہی وکشادہ رحمانی بعالم قدس ۔ تاریخ ولادت شیخ اولیا ۔ وتاریخ وفات فخر العالم ۔ است ۔

بہادوں کی نوچندی کو قطب صاحب میں بہت بڑا میلا ہوتا ہے جسکو پہول والوں کی سیر کہتے ہیں ۔ علاوہ ازین یون بہی دلّی سے بہت لوگ آب و ہوا کی عمدگی کے سبب سے تندرستی کے لیے اکثر قطب صاحب کو جایا کرتے ہین اور تندرست ہو جاتے ہیں ۔

مہرولی کے بازار کے شمالی و مغربی سرے پر ادہم خان کے ایک اور بہائی کا مقبرہ ہے وہاں سے سیدہا راستہ موضع ملک پور کو گیا ہے جو مہرولی سے مغرب کی طرف تین میل پر واقع ہے ملک پور میں سلطان غازی کا مقبرہ ہے ۔ یہہ مقبرہ نصیر الدین محمود شاہ ابو الفتح محمد کا ہے جو سلطان التمش کے بڑے بیٹے تہے اور ۶۲۸ھ میں اپنے باپ کے سامنے مر گئے تہے انتقال کے زمانہ میں وہ لکہنوتی

ہیں کہ ۱۸۰۷ء میں دہلی کے فتح ہونے کے شکرانے کی نماز یہاں پڑھی گئی تھی اور اسکو حضرت خواجہ قطب الدین اور دیگر بزرگوں نے چلہ کھینچا تھا۔ اسکے پاس سڑک کی دوسری طرف جھرنے کا باغ ہے جسمیں حوض شمسی کا پانی موری کی راہ بہت خوبصورتی سے گرتا ہے اور جھرنے سے نکلکر امریوں میں ہوکر تغلق آباد کی طرف نکل جاتا ہے پہلے بیل فیروز شاہ نے سد باندھا تھا جسکو جھرنہ کی ایک دیوار دہنی ہاتھی اس سد سے پانی رک کر کھی بالہ میں ڈالا تھا۔ اسکے بعد نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ نے اس سد کے آگے حوض اور نہریں اور چادریں بنوادیں۔ اسکے چاروں طرف وقتاً فوقتاً دالان بنائے گئے شمال کیطرف معین الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ نے دالان بنوائے اور جانب جنوب کا دالان شاہ جی کے بھائی سید محمد نے شاہ عالم کے عہد میں بنوایا تھا جانب مشرق محمد شاہ بادشاہ نے پہلواں پتھر بنوادیا ہے تالاب کے کنارے ایک عمارت مولانا شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی کا مقبرہ ہے اور مقبرہ کے گنبد کے اندر چوبیں پر یہ عبارت لکھی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علیٰ از احوال کرامت مآل مقتدائے وقت صاحب المفاخر ابو المجد عبد الحق رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ آنکہ از مبادی شعور بطاعت حق و طلب علم کمر بستہ بر دیک باوان طبع اکثر علوم دینیہ تحصیل کرد و درس بست و دو سالگی از ہمہ آں فارغ شدہ بکام جیدہ اللہ در کرمتہ بر مسند نشست و بم در عنفوان جوانی جاذبہ الٰہی در رسید و مکار دل ربا رد نزرگ و متوجہ حرمین محترمین گشت مدت مدید آں مقامات شریفہ اقامت در زیدہ با مشائخ زمان و اولیائے کبار صحبتہا داشتہ بوطن آمد و صحبت ارشاد طالبان

ملا ہوا ہے اِس سے تہوڑے سے فاصلہ پر ناظر کا باغ ہے جسکو ناظر روز افزون نے
محمد شاہ کے عہد میں تعمیر کیا تہا کتبہ

بفرمان محمد شاہ عادل — کہ بر فرقش بود تاج تبارک
بنا سے گلشنے در قطب گردید — کہ گلہا بیش زند رضوان تبارک
بود سرسبز دائم روز افزون — بحق سورہ صاد و تبارک
پئے تاریخ سالش گفت ہاتف — خدایا سے بود باسد مبارک

اِس باغ کی بارہ دری سنگ سُرخ کی بنی ہوی ہے درگاہ سے ملا ہوا جنوب کیطرف
مہرولی کا بازار ہے اور مہرولی کے مغربی کنارہ پر حوض شمسی ہے جسکو سلطان شمس الدین
التمش نے بنوایا تہا۔ یہہ ایک بہت وسیع حوض ہے جو کسی زمانہ میں نہایت خوبصورت
ہوگا مگر اب اُس کا بہت بڑا حصہ مٹی سے بہر گیا ہے صرف تہوڑے سے حصہ میں
پانی رہتا ہے یہ سنگ سُرخ کا بنا ہوا تہا اور اسکے وسط میں ایک بُرجی ہے جسمیں ایک
کہر کا نشان ہے اسکے گرد بہت سے عمارات اور باغات تہے یعنی شہزادہ کا باغ
زین الدین زمردین کا مزار شیخ وجیہ الدین کا مزار۔ شادی کا باغ۔ چاندنی چبوترہ
ساختہ محمد شاہ۔ اندہیریا باغ۔ مزار خواجہ سماء الدین جو مولانا جمالی کے پیر تہے سو
برس۔ جہل تن جہل من بارانی چبوترہ تکیہ دین علی شاہ۔ خانقاہ عنایت اللہ خان
خانقاہ نواب حفیظ الدین ولی مسجد منجملہ انکی ایک عمارت جہاز ہے۔ یعنے ایک پرانی مسجد
کا جدید صحن بنایا گیا ہے یہ کل عمارت سنگ سُرخ کی بنی ہوی ہے اسلیے اُسکو
لال محل بہی کہتے ہیں۔ دوسرا مقام اِسی تالاب کے کنارہ اولیا مسجد ہے یہاں کوئی
عمارت نہین بنی ہے ایک بڑ کے درخت کے نیچے صرف چبوترہ بنا ہوا ہے کہتے

اگرچہ درخور قہریم از گنہگاری	بود بہ لطف تو چشم امیدواری ما
بعزت جبروت و بحرمت ملکوت	رسیم گر بزاری بخاکساری ما
اگر بہ پردۂ راز تو پردہ دار شویم	فرشتہ را بسزد جائے پردہ داری ما
ز یک ترشح ابر کرم فرو شوئی	غبار جرم ز رخسار شرمساری ما
نظر سوی جمالی فگن ز روی عطا	ببین بجانب سستی و خامکاری ما

قطعہ

اے رحمت تو از غضب رو گردان	وے قہر ترا لطف تو فرمودہ درد
جائے کہ ستدار جرم عفو تو بس	آنجا گنہ خلق بشمرد بجو

آپ کی وفات ۹۴۲ھ میں ہمایوں بادشاہ کے عہد میں ہوئی ہے اور خسرو ہند تاریخ وفات ہے۔

جمالی کمالی کی مسجد سے دو گز کے فاصلہ پر مشرق کیطرف بہت وسیع کھنڈرات میں سلطان غیاث الدین بلبن کے مقبرہ کی شکستہ دیواریں دکھائی دیتی ہیں جنہوں نے ۶۸۶ھ میں انتقال کیا تھا

سلطان التمش کے مقبرہ کی طرح یہہ بھی مربع عمارت تھی۔ مقبرہ کے دو طرف دو نشیم کمرے تھے جو شاید اُس دارالامان کے مکانات ہوں جو اِس بادشاہ نے قایم کی تھی ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ میں بادشاہ کی قبر کو دیکھنے مقبرہ میں گیا تھا اس مقبرہ میں انکا بیٹا سیر محمد خان یعنی خان شہید بادشاہ سے دو برس پہلے مدفون ہوا تھا یہہ شہزادہ لاہور میں مغلوں کی لڑائی میں شہید ہوا تھا اور بیٹے کے غم میں دو برس بعد بادشاہ نے بھی انتقال کیا خان شہید کا چھوٹا سا مقبرہ سلطان بلبن کے مقبرہ سے

درگاہ شریف سے مشرق کی طرف ایک پُرانا مقبرہ ہے جسکو ٹمٹکاف صاحب نے اپنے رہنے کے لیے انگریزی طور پر درست کرلیا تہا یہہ مقبرہ لال کوٹ کی فصیل پر واقع ہے اور علی قلی خان برادر ادہم خاں کا ہے جو اکبر بادشاہ کے کوکا تہے کسی زمانہ مین اس کی رنگ آمیزی نہایت خوبصورت ہوگی۔

اِس مقبرہ سے پانسو گز فاصلہ پر جنوب کی طرف جمالی کمالی کی درگاہ اور مسجد ہے۔ یہ خوبصورت عمارت ۹۴۲ھ کی ہے۔ گورنمنٹ انگریزی نے اِسکی عمدہ مرمت کردی ہے مولانا شیخ فضل اللہ جمالی کی قبر مسجد کے صحن مین شمالی طرف ہے۔ اِس عمارت مین چینی کا نہایت عمدہ کام ہوا ہے اور بہت اشعار کندہ ہیں۔

غزل

اگر بکفر کشد سر سیاہ کاری ما	بود بعفو تو چشم اُمیدواری ما
بہ آستان تو شرمندۂ سگان توئیم	کہ شب قرار ندارد ز آہ و زاری ما
اگر بہ پردۂ رازے تو محرمے یابم	ضرر نعجز نماید بہ پردہ داری ما
بخاک کوے تو در چشم مردمان خواریم	بہ نزد اہل نظر عزت است خواری ما
ز ابر لطف تو شد نا پدید گرد گناہ	ولیک شیشہ نشد داغ شرمساری ما
سرو نیم ہجر تو در بیکسی و تنہائی	بجز غمت نرسد کس بہ غمگساری ما
جمالیا بدر یار التجا مے آرد	کہ ہست بر در دلدار رستگاری ما

غزل ثانی

ز حد گذشت بعشق تو بیقراری ما	اُمید ہست کہ رحم آوری بزاری ما
جمال عفو تو کے آمدی بروں ز نقاب	اگر نہ روے نمودے گناہگاری ما

مسجد کے آگے حافظ داؤد کی بنوائی ہوئی باؤلی ہے جو سنہ ۱۱۲۳ھ میں مرتب ہوئی
مسجد کے پیچھے مولانا فخر الدین صاحب کی سنگ مرمر کی بنی ہوئی قبر ہے جس پر یہ کتبہ ہے

نگذاشت فخر دیں چوں جہاں سرائے فانی — رہ بستہ جا داد القطب جاودانی
سال وصال آں ماہ از غیب چوں بجستم — تاریخ گفت ہاتف خورشید دو جہانی

مسجد کے سامنے باؤلی کے کنارہ پر ایک خوبصورت سنگ مرمر کی قبر ہے جسکو داجی جی کی قبر کہتے ہیں۔ یہ باؤلی نہایت عمدہ بنی ہوئی ہے مگر افسوس ہے کہ اب اس میں پانی نہیں ٹھہرتا باؤلی کے سرے پر ضابطہ خان روہیلہ کی قبر ہے جسکے سامنے اس کا بنایا ہوا مجلس خانہ ہے اسکے برابر میں ایک قبر ہے جسکی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ غلام قادر خاں کی قبر ہے اس قبر کا یہ ماجرا ہے غلام قادر کو اس طرح قتل کیا گیا تھا کہ اسکا ہر عضو جدا کیا گیا تھا اور ایک عرصہ تک اسکی نعش لٹکی رہی تھی ایک شخص نے چشم دید یہہ حال لکھا ہے کہ ایک سیاہ کتا جسکی آنکھوں کے گرد سفیدی تھی ایکایک ظاہر ہوا اور جو خون غلام قادر کی نعش سے ٹپکتا تھا وہ اسکو چاٹنے لگا ہر چند لوگوں نے اسکو ڈھیلے مارے مگر وہ اٹھائیس دن کے اندر نعش ملٹ ہوگئی کتا بھی غائب ہوگیا کیا تعجب ہے جو غلام قادر کے رشتہ داروں نے اسکو چھپا کر یہاں دفن کر دیا ہو اور دھوکہ کے لیے یا جلدی میں زنانہ تعویذ لگا دیا ہو
اس جنوبی صحن کے شمالی مغربی کونہ میں نواب لوہارو کا قبرستان ہے اور شمالی صحن کے باہر نواب جھجر کا قبرستان ہے اور اندرونی دروازہ کے باہر شمال کیطرف ایک اور بڑا دروازہ ہے جسمیں ہندوانی مسالہ ہے جو شیر شاہ کا بنوایا ہوا ہے۔ اسی زمانہ کا ناتمام نوبت خانہ بھی اسی طرف ہے۔

ملاموج کے احاطہ کیجانب دروازہ پر یہ اشعار کندہ ہیں۔

اشعار دروازہ جانب احاطہ ملاموج

در زمان شہ جہاں سلام
لیس باب مثل ہذا الباب

شد بلند در شہر جناب
کرد شخصے بنا کہ در بابش

گرچہ صد ہست باب جنت را
یوسف ثانی از حق ست منطاب

چوں ز تاریخ نام کردم عرض
گفت درگاہ خواجۂ اقطاب

دروازہ متصل مجلس خانہ پر یہ اشعار ہیں۔

ا دروازہ مجلس خانہ پر یہ اشعار ہیں

در زمان آفتاب چرخ دولت شیر شاہ
این عظیم القدر درگاہے کہ اندر باب او
بود بست و چار و نہصد سال از ہجرت کہ شد

شاہ را بر باب کوکب موکب گردوں غلام
صادق آمد قول ہذا الباب من دار السلام
ز اہتمام شیخ دین پرور خلیل الحق تمام

احاطہ کے جنوب و مشرقی کونہ میں حضرت کی مسجد ہے جسکی مرمت وقتاً فوقتاً بہت لوگوں نے کی ہے۔ اِس مسجد کے تین درجے ہیں پہلا درجہ کچا ہے جسکو کہتے ہیں کہ خود حضرت قطب الاقطاب نے معہ اپنے مریدوں کے بنایا تہا۔ اِسکے بعد اسلام شاہ نے اِسکے آگے دوسرا درجہ پختہ بنوایا اور درگاہ کی چار دیواری بنوائی پہر فرخ سیر نے جب سنگ مرمر کی جالیاں بنوائیں تو ایک درجہ آگے اور بنوا دیا اور اُسپر یہ کتبہ تحریر ہے۔

تاریخ

مورد لطف و عنایات شہ والا جناب
خسرو فرخ سیر شاہنشہ مالک رقاب
با سروش غیب ہاتف گفت در گوش خرد

ساخت از روی ارادت وز رسوخ اعتقاد
مسجد زیبا بنا و سجدہ گاہے شیخ و شاب
سال تاریخ بنایش بیت ربی مستجاب

اس صحن میں بائیں ہاتھ معتمد خاں کی قبر اور مسجد ہے معتمد خاں نے عالمگیر کے عہد کی کتاب لکھی ہے صحن کے دست راست کی طرف گلی سی ہے جسکے دونوں طرف سنگ مرمر کی دیواریں اور صحن ہے گلی کی ابتدا پر سنگ مرمر کا دروازہ ہے جہاں سے مزار شریف کے پاس سے ہوکر حویلی شرقی صحن میں پہنچتے ہیں مزار شریف کے گرد سنگ مرمر کی جالیاں اور دروازہ فرخ سیر بادشاہ کا بنوایا ہوا ہے وہاں یہ اشعار کندہ ہیں۔

اشعار دروازہ اندرون

از سعی مکرمین غلاماں شہریار	با اعتقاد معتقد کامل العیار
مرقد مقدسیاں مدار بہشت عدل	تاریخ یافتند حصار بہشت عدل

باہتمام مکرمین غلامان معتقدان سنہ جلوس فرخ شاہی تمام یافت سنہ ۱۱۳۱ھ راقم عبدہ شیریں رقم

اشعار دروازہ بیرون

از حکم بادشاہ جہاں خسرو امام	گرد مزار خواجہ دیں قطب ملک
تعمیر شد محجر زیبا و منتظم	فرخ سیر شہنشہ آسماں غلام
گردون گرد روضہ او آدم و ملک	مانند قبلہ اثر بیرون کعبہ محترم

مزار شریف کچا ہے گرد اسکے سنگ مرمر کا کٹہرا لگا ہوا ہے چار سنگ مرمر کے ستونوں پر شامیانہ تنا ہوا ہے مزار شریف کے آس پاس بہت بزرگوں کی قبریں ہیں احاطہ مزار شریف کی شرقی دیوار پر اندر کی طرف جیسی کا کام ہے جسکی بابت بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف شمس الدین التمش کا بنوایا ہوا ہے اور بعض کے نزدیک اورنگزیب کا بنوایا ہوا ہے اور درگاہ کی چار دیواری کے غربی دروازہ پر یہ کتبہ ہے۔

ملتے کہ درین گنج سعادت میرست	آخر گہر نثار کرفاں سفت
گفتم بہ نویسم رقم تاریخش	رضواں بدر اسرار در جنت گفت

راجونکی بائیں

کسی زمانہ میں یہاں راجوں کی بستی تھی اس سبب سے راجوں کی بائیں مشہور ہوگئی
اسکے مغربی کنارہ پر ایک بہت خوبصورت مسجد بنی ہوئی ہے اور اُسکے صحن میں
ایک گنبد ہے جسمیں دو قبریں ہیں ۔

ادہم خان کے مقبرہ سے جنوب و مشرق میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی
کی درگاہ ہے جو مسلمان فاتح ہندوستان میں سب سے پہلے آئے تھے بلکہ اُنسے
بھی پہلے خواجہ صاحب ترکستان سے یہاں آکر تشریف فرما ہوئے تھے اور سلطان
التمش کے عہد میں چودھویں ربیع الاول ۶۳۳ھ کو وفات پائی درگاہ کے مغربی دروازہ
کے پاس احسن اللہ خاں کی مسجد اور مکان ہے۔ اُسکے پاس شاہی محل سراے کا بہت
عمدہ دروازہ ہے۔ درگاہ کے مغربی دروازہ کے اندر داخل ہوکر صحن میں پہونچتے
ہیں جسمیں ایک مسجد اور مراد بخت شاہ عالم ثانی کی قبر بائیں جانب ہے اور داہنی
طرف موتی مسجد اور آخری شاہان دہلی کی قبریں ہیں موتی مسجد کو شاہ عالم بہادر شاہ
اول نے جو اورنگ زیب کے جانشین تھے بنوایا تھا کل عمارت معہ فرش کے سنگ
مرمر کی ہے یہ مسجد اگرچہ خوبصورت ہے لیکن شاندار نہیں ہے۔ بادشاہوں میں سے
یہاں اکبر بادشاہ ثانی (۱۸۳۷ء) اور شاہ عالم ثانی (۱۸۰۶ء) کی قبریں ہیں اُنکے
بیچ جگہ خالی ہے جہاں بہادر شاہ دفن ہوتے مگر اُنکی قسمت میں رنگون میں دفن
ہونا تھا۔ اسکے آگے شاہ عالم بہادر شاہ کی قبر ہے جسپر ہری گھاس اُگی ہوئی ہے
نہایت قبر مرزا فخرو کی ہے جو بہادر شاہ کے ولیعہد تھے صحن کے آگے اندرونی دروازہ
درگاہ کا ہے اس کے آگے پھر صحن ہے جسکے جنوب میں خواجہ صاحب کا مزار ہے

درگاہ حضرت قطب الاقطاب علیہ الرحمۃ
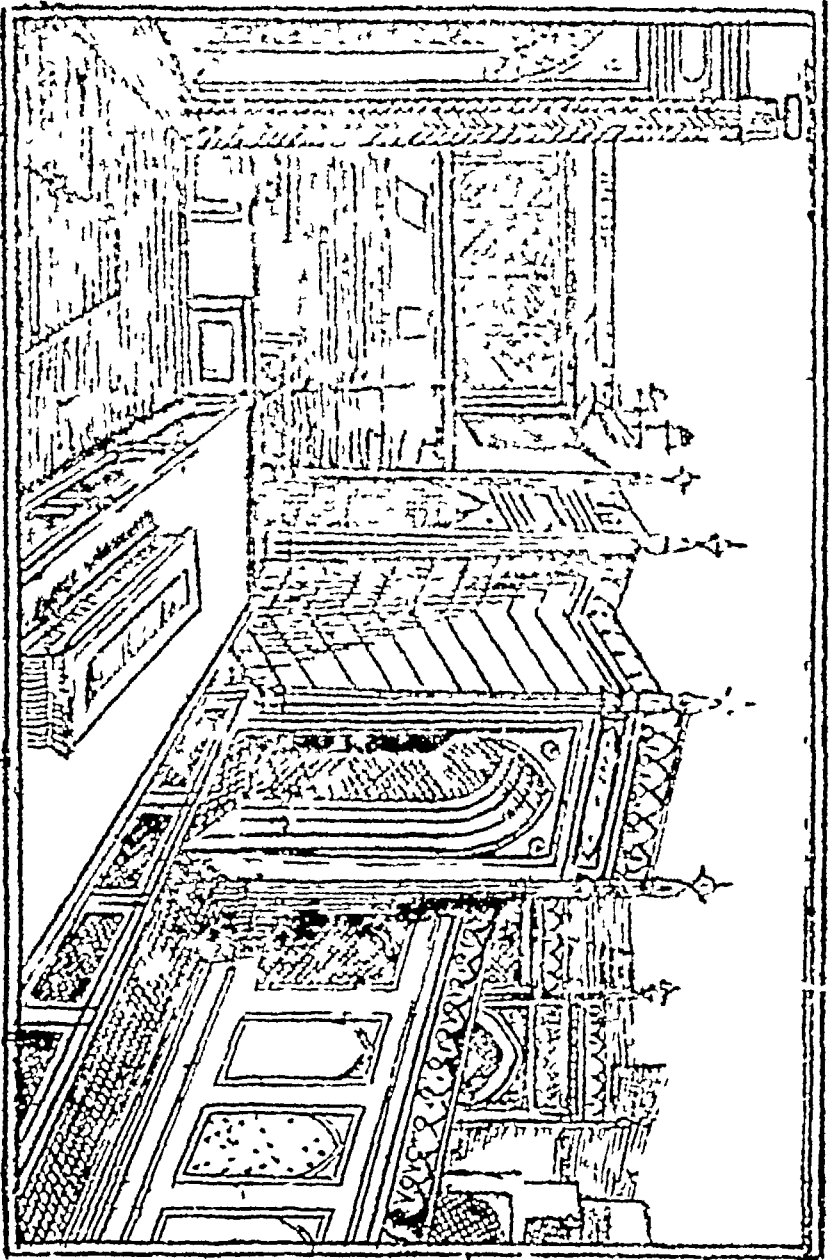
سنہ ۱۵۶۶ء کی تعمیر ہے مگر وضع اور ساخت میں پٹھانوں کے زمانہ سے ملتا ہے۔
کیا تعجب ہے جو کسی پٹھان مقبرہ کو توڑ کر اُسی طرح اُٹھا لائے ہوں۔ اندر سے گنبد
بہت عمدہ ہے۔

ادہم خاں کی ماں کی قبر کا حوالہ ہے بیٹے کے قتل کئے جانے کے چالیس دن بعد رنج
میں مر گئی تھی اس کا نشان باقی نہیں رہا۔ دونوں ماں بیٹے اسی مقبرہ میں دفن کئے گئے
تھے جب ادہم خاں نے مانڈو کا قلعہ گجرات کے بادشاہ کے کسی متعلق سے جسکا نام باز بہادر
تھا چھین لیا۔ اور اسکی خوبصورت بی بی روپ متی کو جبراً اپنے تصرف میں لانا چاہا
تو روپ متی نے بناؤ سنگار کر کے زہر کھا لیا اور ادہم خاں کو بلوایا ادہم خاں نہایت
خوش وخرم روپ متی کے محل میں پہنچے اور چاہتے تھے کہ شوق دو دوں میں اُس
سے بغل گیر ہوں مگر اسکو مردہ پایا۔ روپ متی کا مقبرہ مانڈو میں نہایت خوبصورت
اور خوش منظر موقع پر ہے۔ جب اکبر کو خبر پہنچی اُسنے ادہم خاں کو معزول کر کے
آگرہ کو بلوا لیا اور جب بادشاہ نے یہ سنا کہ دو عورتیں باز بہادر کے رشتہ داروں میں
سے ادہم خاں کے پاس موجود ہیں حکم دیا کہ وہ عورتیں بادشاہ کے پاس بھیجدی جائیں
لکھے ہیں کہ جب وہ دونوں بادشاہ کی محلسرا میں پہنچیں ادہم خاں کی ماں نے ان دونوں
کو زہر دیدیا کہ بادشاہ سے ادہم خاں کی شکایت نہ کر سکیں اس مقبرہ کے جنوب مشرق
میں سو گز کے فاصلہ پر گندھک کی باؤلی ہے جس میں بڑے جیسی مسجد کے ستون لگے
ہوئے ہیں۔ اس باؤلی میں لوگ کودتے ہیں اور بلندی اراس کے لے جاتے ہیں
اس باؤلی سے مشرق کی طرف ایک اور نہایت عمدہ باؤلی سنہ ۱۵۱۶ء کی بنی ہوئی ہے
جو راجوں کی باؤلی کہلاتی ہے۔ اسکو سکندر شاہ بہلول کے عہد میں دولت خاں نے بنایا ہے

علاؤالدین نے مقبرہ کی مرمت کرائی اور صندل کے دروازہ لگائے۔ میں نے
آبدارخانہ کی اور مسجد کی دیواروں کی مرمت کرائی اور فرش درست کرایا۔
سلطان قطب الدین کے مقبرہ کی مرمت کرائی اور سلطان علاؤالدین کے اور انکے
بیٹوں کے مقبروں کو بھی درست کرایا یعنی خضر خاں شادی خاں فرید خاں سلطان
شہاب الدین سکندر خاں محمد خاں عثمان خاں اور اسکے پوتے اور اسکے پوتوں کے
بیٹوں کے مقبروں کو (ان سب کا نشان بھی نہیں رہا) میں نے شیخ الاسلام نظام الحق کے
والدین کے مقبرہ کے دروازہ کی اور قبر کی جالیوں کی مرمت کی۔ میں نے گنبد کے
چاروں کونوں سونے کے جھاڑ سونے کی زنجیروں سے لٹکوائے اور وہاں ایک
مجلس خانہ بنوایا۔ میں نے ملک تاج الملوک کافور کے مقبرہ کو جو بالکل منہدم ہو گیا تھا
ازسرنو بنوایا کیونکہ وہ بہت وفادار اور نمک حلال سردار تھا اور نہایت عقلمند وزیر
تھا اور اس نے ان ملکوں کو فتح کیا جہاں کوئی بادشاہ نہ پہنچا تھا اور وہاں سلطان
علاؤالدین کے نام کا خطبہ جاری کیا تھا (اس مقبرہ کا اب نشان باقی نہیں رہا)
میں نے دارالامان کے نئے دروازہ بنائے جہاں سلطان بلبن اور خان شہید کے
مزار ہیں۔ میں نے اپنے مربی سلطان محمد شاہ کی جہاں پناہ کی مرمت کرائی۔
غرضکہ اسی نیک اور دریا دل بادشاہ کے سبب سے آجتک بہت عمدہ عمارتیں دلّی
میں باقی ہیں جنکو ہم دیکھتے ہیں اور قدیم زمانہ کو یاد کرتے ہیں۔
مسجد قوۃ الاسلام کے جنوب و مغرب میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی عیدگاہ
ہے۔ راہ میں ادہم خاں کا مقبرہ پڑتا ہے جو لال کوٹ کی فصیل پر بنایا گیا ہے اور اس
سبب سے بہت دور سے معلوم ہوتا ہے اسکو بھول بھلیاں بھی کہتے ہیں۔ یہ مقبرہ اگرچہ

کام بنوایا۔ سلطان معز الدین کا مدرسہ جسے قطب مبارک خلجی کے صدمہ سے گر گیا
تھا میں نے اس کی مرمت کی اور پہلے کی نسبت اسکو زیادہ بلند کیا [١]

حوض شمسی یعنی سلطان التمش کا حوض بے آب ہو گیا تھا کیونکہ بعض لوگوں نے اسکے
پانی کا رستہ بند کر دیا تھا میں نے ان لوگوں کو سزا دی اور اسکے رستے صاف کرائے

حوض علائی یعنی علاء الدین کا حوض بھر گیا تھا اور اس میں زراعت ہوتی تھی میں نے
اسکو صاف کرایا۔

سلطان شمس الدین التمش کا مدرسہ بھی برباد ہو گیا تھا میں نے اسکو از سر نو بنوایا
اور صندل کے دروازے لگائے۔ مقبرہ کے ستون گر پڑے تھے میں نے انکو پہلے سے
بھی بہتر بنوایا اسکے صحن کے گرد دالان نہ تھے میں نے دالان بنوائے۔ میں نے تہ
کے ترشے ہوئے زینہ کو بڑھایا اور میں نے چاروں برجوں کے گرے ہوئے ستونوں
کو تعمیر کرایا۔

درمیان سلطان التمش کے مقبرہ پر صادق نہیں آتا بلکہ سلطان غازی کے مقبرہ
پر صادق آتا ہے اور اس مقبرہ میں آثار موجود ہیں کہ اس طرح کی مرمت ہوئی ہو
ملک پور میں سلطان معز الدین بن التمش کا مقبرہ ہے وہ اسقدر شکستہ ہو گیا تھا کہ قبر میں
سے نکلی تھی میں نے برج اور چبوترہ اور گرد کی دیوار از سر نو بنوائی۔ اسی موضع
میں سلطان رکن الدین بن التمش کا مقبرہ تھا میں نے اسکا نیا برج بنایا ایک جماعتخانہ
بنوائی اور احاطہ کی دیوار کی مرمت کرائی میں نے سلطان جلال الدین کے مقبرہ
کی مرمت کرائی اور نیا دروازہ بنوایا جس کا اب نشان بھی نہیں ہے۔ سلطان

---

[١] معلوم نہیں ہوتا کہ سلطان معز الدین سام کا مقبرہ دلی میں کہاں آیا کیونکہ وہ غزنی میں گڑا ہے

کیطرف امام ضامن کی قبر ہے جو سنگ سرخ اور سنگ مرمر کی بنی ہوی ہے یہ قبر امام مشہدی کی ہے یہ مقبرہ امام محمد علی مشہدی عرف امام ضامن کا ہے یہہ مقبرہ سنہ ۹۴۳ میں بنا تہا۔ اسمیں بہت ہی عمدہ منبت کاری کی ہوی ہے۔

مسجد قوت الاسلام کے مغربی جنوبی کونے پر علاء الدین خلجی کے مقبرہ کے کہنڈرات ہیں۔ بیچ کا درجہ باولن یعنے ۵۲ فٹ ہے اسکے دونو جانب کے درجے بہی قبروں کے لیے بنائے گئے تہے۔ اِس مقبرہ کے متعلق مدرسہ بہی تہا اور جنوبی مشرقی کونہ میں ایک مسجد کے کہنڈر ہیں فیروز شاہ نے اِس عمارت کی بہی مرمت کی تہی فیروز شاہ تحریر کرتے ہیں کہ منجملہ اون نعمات کے جو خدائے تعالےٰ نے مجہکو عطا فرمایئں تہیں ایک یہ بہی تہی کہ میں نے بہت مساجد مدارس اور درگاہین بنوائیں تاکہ علما اور درویش اِن عمارات میں خدا کی عبادت کریں اور اپنی دعاؤں سے مجہکو یاد کریں۔ نہروں کا کہودنا درختوں کا لگانا اور مکانات کے لیئے زمینوں کا وقف کرنا شرع کے موافق ہے۔ میں نے اِن لوگوں کے اخراجات کے لیے سالانہ رقوم مقرر کین تاکہ اُن کو خرچ کی تکلیف نہ ہو۔

علاوہ ازین مین نے پہلے بادشاہوں کی عمارتوں کی مرمت کی جو خراب ہوگئی تہین اور اِن کی مرمت کو میں نے جدید عمارتوں سے مقدم سمجہا۔ پرانی دہلی کی مسجد جامع یعنی مسجد قوت الاسلام جسکو سلطان معزالدین سام نے بنایا تہا امتداد زمانہ کے سبب سے خراب و شکستہ ہوگئی تہی۔ میں نے اِسکی پوری مرمت کی سلطان معزالدین سام کے مقبرہ کی مغربی دیوار ٹوٹ گئی تہی اور دروازہ کے تختے گل گئے تہے میں نے اِنکی مرمت کی اور آفتابی کی جگہ میں نے محرابین دروازے اور صندل کا

آثار موجود ہیں۔ قبر بھی بہت ہی خوبصورت اور اونچی سی ہوئی ہے اور آیات قرآنی
کھدی ہوئی ہیں۔ حوض کی دیوار کے سرے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس
چاردیواری پر گنبد بنانے کا ارادہ تھا کیونکہ گنبد کے نیچے کے سرے کا ایک
حصہ دیوار پر موجود ہے۔ اگر یہ مقبرہ رضیہ سلطان نے اپنے باپ کا بنوایا
تھا تو یقیناً اسکو پورا کرنیکا موقع نہ ملا ہوگا یہ مقبرہ اگرچہ چھوٹا ہے مگر نہایت خوبصورت ہے
اور پرانی دلّی میں بھی عمدہ ترین مثال اس بات کی ہے کہ ہندو معماروں نے مسلمانوں کی قسم
کی عمارت انکے طرز کی بنائی حالانکہ اسمیں بھی کسیقدر نقص پایا جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے
کہ ابھی تک ہندو معمار مسلمانوں کی عمارت سے پورے پورے واقف نہیں ہوئے تھے۔
یہ دروازہ اسی مسجد کا سلطان علاء الدین نے بنوایا تھا اور یہی دنیا میں بے مثال ہے
اسپر جو نقش و نگار اور رنگ آمیزی ہوئی ہے وہ نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیا میں بےنظیر
ہے۔ بڑے بڑے معماروں کے وقت کی کوئی عمارت اسقدر عمدہ نقش و نگار کی نظر نہیں آتی باہر کی
طرف میں نے اندر کی طرف اور شمالی محراب کا کام بےنظیر ہے یہ دروازہ باہر سے پچپن فٹ
مربع ہے اور گیارہ فٹ کا اتار ہے دروازہ کی عمارت بہت سہل ہے اوپر کا گنبد
ٹھیک نصف دائرہ ہے اور بہت بلند نہیں ہے گنبد کے نیچے کا کمرہ ساڑھے
چونتیس فٹ کا ہے افسوس ہے کہ اوپر کا حصہ شمالی محراب کا کنگورہ اسکا تھمبہ نے
اُتروا ڈالا کیونکہ وہ بہت شکستہ ہوگیا تھا۔ اس سے ناہمواری دروازہ کی
وضع میں بہت فرق پڑگیا ہے۔ دروازہ پر تاریخ تعمیر اس طرح لکھی ہے
فی التاریخ الخامس عشر من شوال سنہ عشر و سبعمائۃ۔ لسٹیپر صاحب لکھتے ہیں یہ پٹھان دیووں کی
طرح مکان بناتے ہیں اور جوہریوں کی طرح پورا کرتے ہیں علائی دروازہ سے مشرق کی

سیدھ میں جامع مسجد کے برج اور منارے دکھائی دیتے ہیں۔ صفدر جنگ سے مشرق کی طرف پرانے قلعہ کی فصیلیں اور نظام الدینؒ کی درگاہ اور ہمایوں کے مقبرہ کا سفید سنگ مرمر کا گنبد دکھائی دیتا ہے۔ اس کے جنوب کی طرف کالکا مندر اونچی زمین پر واقع ہے۔ پیچھے قطب سے ٹھیک مشرق کی طرف تغلق آباد اور عادل آباد نظر آتے ہیں اور دونوں کے بیچ میں تغلق شاہ کے مقبرہ کا پست سفید گنبد دکھائی دیتا ہے تغلق آباد کی سڑک کے شمال میں حوض رانی اور کھڑکی کی مسجد اور سڑک کے جنوب کی طرف جمالی کمالی درگاہ اور سلطان بلبن کے مقبرہ کی بلند کھنڈرات نظر آتے ہیں لاٹ کے نیچے جوگ مایا کا مندر ہے جہاں ہندوؤں کا پنکھا پھولوالوں کی سیر میں چڑھتا ہے اس مندر کے مکانات سب نئے بنے ہوئے ہیں اور قابل تعریف نہیں ہیں جس پتھر کی یہاں پرستش کی جاتی ہے وہ ایک سنگ مرمر کے تھیلے میں رکھا ہوا ہے۔ جو دلچسپ کہانی اس مندر کے متعلق بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ جب رائے پتھورا کی بیٹی بابا حج روز بہ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئی اور اپنے گھر لوٹ کر نہ گئی تو سب سہیلیاں راجہ کے خوف سے کوئیں میں گر پڑیں۔ راجہ نے انکو نکلوا کر اس جگہہ جہاں اب مندر ہے پھنکوا دیا تھا۔ مسجد قوت الاسلام کے شمال و مغرب میں سلطان شمس الدین التمش کا مقبرہ سنگ سرخ کا نہایت خوبصورت بنا ہوا ہے۔ باہر سے تقریباً چالیس فٹ مربع اور اندر سے ۳۰ فٹ مربع ہے۔ مقبرہ کے اندر بہت صنعت کاری کی ہوئی ہے صرف مغربی کونے کی طرف اور مشرقی دروازہ کے داہنی اور بائیں طرف دیوار کے نیچے کے حصہ میں صنعت کاری نہیں ہے بلکہ رنگ آمیزی تھی جس کا ایک حصہ اب تک جنوبی دیوار میں نظر آتا ہے اور پیش طاق میں بھی رنگ آمیزی کے

ہیں دونوں مینار اسکے پاسنگ میں بھی نہیں آسکتے جسطرح آگرہ کو تاج سے ناز
ہے اسیطرح لاٹ سے دلی کو فخر ہے دونوں شہروں کی دونوں عمارتیں دنیا
میں عدیم المثل ہیں اور عجائبات روزگار میں سے ہیں جو لکڑ نیچے سے گئی ہے وہ
برابر سیدھی خط مستقیم میں اوپر تک چلی گئی ہے ذرہ سا بھی ٹیڑھا پن نظر نہیں آتا
اس میں شک نہیں کہ اوپر کے دو گول سادے کھنڈ جو فیروز شاہ نے بنوا دئے ہیں
وہ پہلے منقش کھنڈوں سے میل نہیں کھاتے مگر پھر بھی بے جوڑ نہیں معلوم ہوتے
بلکہ ایک قسم کی خوشنمائی پیدا کرتے ہیں لاٹ میں کل ۲۷۹ سیڑھیاں ہیں۔
جب اوپر چڑھ جاؤ تو عجب سماں نظر آتا ہے لاٹ کے نیچے مسجد قوت الاسلام اور
اسکی مختلف عمارتیں نظر آتی ہیں اسکے آگے لال کوٹ اور قلعہ رائے پتھورا کی
فصیلیں بحر مغرب کی طرف دور پھیلی گئی ہیں اور جنکے حلقے میں بابا حاجی روزبہ کا
مزار ہے جو دلی میں مسلمانوں کے آنے سے پہلے یہاں تشریف لائے
تھے اور راجہ پتھورا کی بیٹی نے عام روایت کے موافق آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی
چنانچہ جو عورت کی قبر آپکے مزار کے پاس موجود ہے وہ اُسی لڑکی کی بتائی جاتی
ہے۔ کہتے ہیں بہت ہندوؤں نے آپ کے ذریعہ سے اسلام قبول کیا تھا۔ اس فصیل
کے پرے پرانی دلی کی عیدگاہ کی سیاہ دیوار نظر آتی ہے۔ رائے پتھورا کے قلعہ
کے شمال کی طرف جہاں پناہ کی دیواروں کے آثار نظر آتے ہیں جو سیری کی شکستہ
فصیلوں تک چلے گئے ہیں سیری میں بیگم پور کی بڑی مسجد کی سیاہ عمارت نظر آتی
ہے جہاں پناہ سے شمال و مغرب میں حوض خاص پر فیروز شاہ کے مقبرہ کا پست گنبد
نظر آتا ہے اور اسکے پار صفدر جنگ کے مقبرہ کا گنبد صرف دکھائی دیتا ہے اور اُسی

بنا ہی جواب بھی لاٹ کے نیچے رکھی ہوی ہے اور جسکی بابت کرنیل سلیمان نے
لکھا ہے کہ اگر اصلی کھنڈ ایسا ہی تھا جیسا کہ کپتان اسمتھ نے بنوایا تھا تو بجلی نے
اچھا کیا جو اُسکو گرا دیا جن انگریزی سیاحوں نے اِس لاٹ کو ۱۷۹۴ء میں دیکھا تھا
وہ لکھتے ہیں کہ لاٹ پر ایک نہایت شاندار سنگ سرخ کی برجی تھی۔ موجودہ کٹہرا
نہایت ہی بدزیب ہے اور اُسنے لاٹ کو کارخانہ کی چمنی بنا دیا ہے اگر اسکے اوپر چار
محراب دار دروں کا کھنڈ اور بنا دیا جاوے تو بہت خوشنما ہو جائے۔ لاٹ کے سات
کھنڈ مشہور ہیں اور یقیناً اسکے سات ہی کھنڈ بنے تھے غرضکہ یہ تحقیق معلوم ہوتا ہے
کہ پہلا کھنڈ خواجہ قطب الدین کے وقت میں تیار ہوا اور باقی منار التمش کے زمانہ میں بنایا
گیا مگر ڈیڑھ سو برس بعد فیروزشاہ کے زمانہ میں اوپر کے دو کھنڈ بجلی سے یا زلزلہ سے
گر پڑے تھے اور اُس مشہور تعمیرات بنانے والے بادشاہ نے از سر نو دونوں اوپر کے
کھنڈ بنوائے جسمیں چوتھا کھنڈ بالکل سنگ مرمر کا ہے اور پانچویں کا بہت حصہ سنگ
مرمر کا ہے۔ نیچے کے کھنڈ سب سنگ سرخ کے ہیں۔ نیچے کا کھنڈ ۹۴ فٹ گیارہ
انچہ ہے اور اوپر کا کھنڈ بائیس فٹ چار انچہ کا اور یہ دونوں ملکر کل منار کی آدھی
بلندی کے برابر ہے دوسرا کھنڈ پچاس فٹ ساڑھے آٹھ انچہ کا اور تیسرا چالیس
فٹ ساڑھے نو انچہ اور چوتھا پچیس فٹ ۴ انچہ ہے یعنے دوسرے کھنڈ کا ٹھیک نصف
ہے۔ پہلا کھنڈ دو قطر بلند ہے اور چھہ کھنڈوں کے قطروں کو جمع کرو تو ساڑھے
منار کی بلندی ہوتی ہے معہ اُس برجی کے جو ابتدا میں چوٹی پر بنی ہوی تھی اور بغیر
برجی کے پانچ قطر بلند ہے قاہرہ میں جامع حسن کا منار اور اٹلی میں شہر فلورنس کا
منار اس منار سے زیادہ بلند ہیں مگر تعمیر کی خوبی میں اور نقش و نگار میں اور حسن و موزونیت

سنائی ہے کہ یہ تخانہ کی عمارت اسکی مسجد کے صوبی ضلع میں آگئی ہے - یہ دلی محقیں کی متفق رائے ہے کہ جیسی مسجد کے سامنے کو قطب الدین نے اپنی مرضی کے موافق جس جگہ اور جس طرح مناسب سمجھا استعمال کیا تخانہ کا کوئی حصہ اصلی ہیئت پر باقی نہیں رہا - اسمیں کوئی شک نہیں کہ ان منقش ستونوں پر ایک زمانہ میں نہایت عمدہ استرکاری کی ہوئی تھی جن تصاویر کے اعضا استرکاری میں نہ چھپ سکے وہ تراش دیئے گئے تھے اور خراب کر دیئے گئے تھے اور جو چھپ گئے تھے وہ سلم رہ گئے جیسے کہ اب بھی دکھائی دیتا ہے کہ بعض سلم ہیں اور بعض کے اعضا خراب کر دے گئے ہیں مگر جنرل کننگہم کہ اس مسجد کی بڑی خوبی ان ہندوانی باقیات سے نہیں ہے بلکہ ان عظیم الشان محرابوں سے ہے جنکا نظیر دنیا میں نہیں ہے اور جس میں زیادہ خوبی لاٹ سے ہے جو مسجد قوۃ الاسلام کا منارہ ہے جیسا کہ دوسرے کھنڈوں پر سورۃ الجمعہ کے کندہ ہونے سے ثابت ہے - پہلے کھنڈ پر قطب الدین ایبک اور اُس کے آقا محمد بن سام یعنی محمد غوری کا نام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد غوری کے زمانہ حیات میں قطب الدین نے یہ کھنڈ بنایا تھا - دوسرے تیسرے اور چوتھے کھنڈوں پر سلطان التمش کا نام ہے اور یقیناً باقی کل منارہ اُن ہی کا بنوایا ہوا ہے یا آخریں کھنڈ پر فیروز شاہ کی مرمت کا ذکر ہے اور یقیناً فیروز شاہ نے اصلی ساخت سے دونوں کے اوپر کے کھنڈ از سر نو بنوائے ہیں (۱۳۶۸ء) جس دروازہ سے اوپر چڑھتے ہیں زمانہ حال کا ہی اور اوپر ۱۵۰۳ء کا کتبہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سکندر شاہ لودی نے اس کی مرمت کی تھی جس سے یہ منارہ قریں سو برس تک اور قائم رہا اسکے بعد انگریزی گورنمنٹ نے اسکی پوری مرمت کرادی اور کپتان اسمتھ برایل انجینیر نے ایک نہ ہو

آمدہ در وے ز سپہر کبود	فیض بیک خواندن قرآن فرود
غلغل تسبیح بہ گنبد درون	رفت زنہ گنبد والا برون
گنبذ او سلسلہ پیوند را	سلسلہ چون کعبہ شدہ حلقہ رسا
خواندہ ام کعبہ دیں خود وش	پیش نشستہ حجر الاسود وش
بندہ سنگش در و لعل و عقیق	زدہمہ آزادی بیت العتیق
ہر کہ سعادت بودش رہنمائے	بر در او سر بنہد انگاہ پائے
در سقفش زسما تا زمیں	نصب شدہ جملہ ستونہائے دیں
قامت نمود کردہ موذن دراز	دادہ اقامت بستون نماز

ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ "مسجد بہت بڑی ہے اور خوبصورتی اور وسعت میں اپنا نظیر نہیں رکھتی دہلی کے فتح ہونے سے پہلے وہ ہندوؤں کا مندر تھا اس کے صحن میں ایک لاٹ ہے جسکی بابت کہا جاتا ہے کہ سات کہانو نکے پتھر سے بنائی گئی ہے" اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہندوؤں کے زمانہ میں اس مقام پر کوئی بڑا بتخانہ تھا اور اسکی جگہہ یہ مسجد بنائی گئی کیونکہ آجتک ہندو اسجگہ کو ٹھاکر دوارہ اور چونسٹھ کھمبا کہتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بتخانہ کے چونسٹھ ستون تھے اور کچھ تعجب نہیں کہ چونسٹھ کھمبے کے نام سے مشہور ہو۔ یہ بھی یقین کرنا بجا ہے کہ اس مسجد میں نہ صرف اس بتخانہ کا مسالا لگا ہے بلکہ جو ستائیس مندر شہر میں تھے اور وہ سب منہدم کئے گئے تھے اسکا بھی مسالا اس عمارت میں خرچ ہوا لیکن یہ نہیں کہسکتے کہ قطب الدین کی مسجد میں جس جگہہ منقش ستون جس طرح لگے ہوئے ہیں اسیطرح اور اسی جگہہ اصلی بتخانہ میں لگے ہوئے تھے اور قطب الدین نے مسجد قوۃ الاسلام اس طرح

اسی طرح کے ستون شمال کی طرف بھی تھے جو بالکل ٹوٹ گئے ہیں اس طرف بھی کئی
در دار دقایم کیا گیا تھا جو مشرقی ضلع لاٹ تک پہونچا دیا گیا۔ اس طرح سے سلطان
التمش نے قطب الدین کی مسجد کو شمالاً اور جنوباً پیچ میں لے لیا اور مشرق میں مناک
تک بڑہا دیا سلطان شمس الدین التمش سنہ ۶۰۷ھ میں تخت پر بیٹھے تھے اور سنہ ۶۳۳ھ
میں انتقال کیا۔ رحمہ ان کا مقبرہ انکی بڑہائی ہوئی مسجد کے غربی و شمالی کونے پر واقع
ہے۔ اسکے بعد سلطان علاء الدین خلجی نے التمش کی مسجد کو اور بھی بڑہایا اُسنے
التمش کے جنوبی ستونوں کو لاٹ سے بہت آگے تک بڑہا دیا اور لاٹ سے تھوڑی
دور پر نہایت خوبصورت دروازہ بنایا جو حقیقت میں عدیم المثل اور بے نظیر ہے قبلہ
کی طرف کی محرابوں کو شمال کی طرف اسقدر بڑہایا کہ جتنی قطب الدین اور التمش کی
محرابیں تھیں اُنکو دوگنا کر دیا اور علاء الدین نے قطب منار کی سیدھ میں جنوب کی طرف
یعنی توسیع کے وسط میں ایک دوسرا منار بنانا شروع کیا تھا جو ناتمام رہگیا جیسا
قطب الدین کے منار سے ہر طرح دوگنا بڑا ہوتا۔ مگر علاء الدین نے عمارت پوری
نہیں ہونے پائی تھی کہ وہ مر گیا اور اسکی توسیع کے ناتمام آثار موجود ہیں جسطرح کہ منار ناتمام
ہے جو کچھہ حصہ مسجد کا موجود ہے اُسکی بابت متفق رائے یہ ہے کہ جب یہہ تیار
ہوگی دنیا میں لاجواب ہوگی قطب الدین اور التمش نے جو محرابیں قبلہ کی طرف بنائی
تھیں اُنکا دنیا میں نظیر نہیں ہے علاء الدین کی مسجد کی امیر خسرو نے قران السعدین
میں یہہ تعریف لکھی ہے ؎

مسجد او جامع فیض اله	؎	زمزمۂ خطبۂ او تا بماه
بر سر ہو تعمہ گرفتہ شہی	؎	مسرت ار خطبۂ السی

ہیں ایک لاٹ لوہے کی گڑی ہوئی ہے یہہ لاٹ زمین سے ۲۲ فٹ بلند ہے اور
صرف تین فٹ زمین سے نیچے ہے۔ کھودنے سے معلوم ہوا کہ سرے پر لاٹ
گول ہے اور اُہنی سلاخون سے جو بڑے بڑے پتہروں میں جمی ہوی ہین اسطرح
رُکی ہوئی ہے جیسے درخت جڑون سے رُکا ہوا ہوتا ہے۔ واقف کاروں کی
رائے ہیں یہہ لاٹ ڈہلے ہوے لوہے کی نہیں ہے بلکہ ہتوڑوں سے پیٹ کر بنائی
گئی ہے جو چہہ سنسکرت کی سطرین اِس پر کہدی ہوی ہین اُنسے معلوم ہوتا ہے کہ
یہہ راجہ دہاوا یا راجہ بہاو کے عہد حکومت میں وشنو کے نام کی بنی ہے جسکی بابت
یقین کیا جاتا ہے کہ وہ تیسری یا چوتہی عیسوی صدی میں گزرا ہے اور بعض کے
نزدیک چہٹی صدی میں ہوا ہے کچہہ عبارت انیگ پال دوم کیطرف سے بنی ہے
راجہ نے ۱۰۵۲ء میں دہلی کو دوبارہ آباد کیا تھا۔ اور یہہ عبارت لاٹ پر کندہ کرادی
تہی کچہہ کتبہ ایک چوہان راجہ کی طرف سے ہے قطب الدین کے بعد سلطان التمش
نے اِس مسجد کو اِس طرح وسعت دی کہ قبلہ کیطرف کی محرابوں ہیں شمال اور جنوب
کی طرف تین تین در بڑہا دئے جنمیں سے بیچ کا در بڑا اور بغلی در چہوٹے ہیں اُنکی بلندی
قطب الدین کے دروں کے برابر ہے انپر بہی کام ویسا ہی ہے جیسا قطب الدین کے
دروں پر [illegible] کیا ہوا ہے مگر انمیں سے کوئی در باقی نہیں ہے صرف بازو باقی رہگئے
ہیں محرابین گر پڑی ہیں جنوب کیطرف رائے پتہورا کے بتخانہ کے ستون موجود ہین اور وہ
قطب صاحب کی لاٹ سے ملا دیئے گئے یہہ ستون سنگ خارا کے ہین جنپر نہایت
عمدہ نقاشی سے پہول جانور اور بتوں کی مورتین کہدی ہوی ہین جو قابل دید ہین
اور اُنکی چہت پتہر سے پٹی ہوئی ہے اور یہی ایک دروازہ تہا جسکا نشان باقی ہے

کی محرب بریسی میں نے یہی تاریخ پڑہی آنکھوں نے مجھسے بیان کیا کہ امیر قطب الدین ایک نے دہلی فتح کی تہی جو شہاب الدین محمد سام غوری شاہ غزنی کے سپہ سالار تھے امیر تیمور نے دہلی کا حال اِس طرح لکھا ہے جو ابن بطوطہ کے بیان سے بہت مطابق تھا وہ کہتے ہیں جب مجھکو دہلی کے لوگوں کے قتل سے فرصت ہوئی میں شہروں کے گرد پہرا سیری ایک گول شہر ہے۔ اسکی عمارات بلند ہیں اسکے گرد قلعہ پتہر اور اینٹ کا بنا ہوا ہے اور بہت مضبوط ہے پرانی دہلی کا بھی ایسا ہی قلعہ ہے مگر سیری سے بڑا ہے سیری کے قلعہ سے پرانی دہلی کے قلعہ تک ایک دیوار ہے جو پتہر اور چونے کی بنی ہوئی ہے جس حصہ کا نام جہاں پناہ ہے وہ آباد شہر کے بیچ میں ہے اِن تینوں شہروں کی فصیل ہے اور تیس دروازے ہیں جہاں پناہ کے تیرہ دروازے ہیں سیری کے دس دروازے ہیں اور پرانی دہلی کے دس دروازے ہیں بعض میں سے شہر کے باہر کو راستہ ہے اور بعض کا شہر کے اندر ہے جب میں شہر کے معائنہ سے تھک گیا تو میں مسجد جامع میں گیا وہاں سید اور فقہا اور شیخ اور رؤسائے شہر جمع تھے اور اُنکے ساتھ اُنکے حصہ شہر کے باشندے تھے۔ میں نے اُنکو بلایا اور اُنکی تسلی کی اور بہت عزت کی اور بہت خلعت اور انعام دئے اور ایک فوج اُنکے ساتھ کر دیا کہ اُنکے حصہ شہر کی حفاظت کرے اسکے بعد میں سوار ہوکر اپنے خیمہ کو چلا گیا۔

جہاں پناہ کی فصیل کے اندر پہونچکر جو سڑک سے جنوب مغرب کی طرف بحری کہاتی ہے موضع کالا سرائے میں ایک شکستہ گنبددار مسجد نظر آتی ہے اسکے بعد وہ بیٹی میں سے گزر کر داہنے ہاتھ کیطرف ست سے پرانے مکانات اور قبریں نظر آتی ہیں

جب سڑک کو نو میل طے کرلیں تو وہاں جہاں پناہ کی فصیل کا وہ سرا ملتا ہے جس سے
قلعہ سیری اور قطب صاحب کی پرانی دہلی ملادی گئی تہی اور سب شہر ملکر ایک شہر
کردیا گیا تہا ابن لبطوطہ جو تیمور سے میتس برس پہلے دہلی میں آیا تہا اُسکا حال اسطرح
لکہتا ہے کہ دہلی کا شہر بہت وسیع ہے اِس میں چار شہر ملے ہوے ہیں پرانی
دہلی جسکو مسلمانوں نے ۵۸۴ھ میں فتح کیا تہا۔ (۲) سیری جسکو دارالخلافہ بہی کہتے ہیں
(۳) تغلق آباد جسکو سلطان تغلق نے آباد کیا تہا (۴) جہاں پناہ جسمیں موجودہ سلطان
محمد شاہ رہتے ہیں اور خاص اپنی سکونت کے لیے بنایا ہے اُسکا ارادہ تہا کہ ایک
فصیل ان سب شہروں کے گرد بنادی جاے اور اِس فصیل کا ایک حصہ اُنہوں نے
بنایا بہی مگر آخر میں اُس ارادہ سے باز رہا کیونکہ بہت بڑا صرف پڑتا تہا۔ دہلی کی فصیل
کے برابر کوئی فصیل دنیا میں نہیں وہ دس گز عریض تہی اسمیں پہرہ والوں کے لیے
اور سامان رسد اور میگزین کے لیے کمرے بنے ہوے ہیں بعض کمروں میں ایسے نشان ہیں
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی قسم کی توپیں تہیں، ان کمروں میں غلہ مدتوں تک اچہی
حالت میں رہتا ہے بالکل نہیں بگڑتا میرے سامنے کچہہ چانول نکالے گئے تہے۔
اُنکا رنگ سیاہ ہوگیا تہا مگر ذائقہ اچھا تھا۔ اِسیطرح کچہہ باجرہ بہی میرے سامنے نکالا
گیا تہا نوے برس ہوے کہ غلہ سلطان بلبن نے بہروایا تہا۔

فصیل کا نیچے کا حصہ پتہر کا ہے اوپر کا حصہ اینٹ کا بنا ہے فصیل میں اٹہائیس
دروازے ہیں جسمیں سے سب میں بڑا بدایونی دروازہ ہے ۔

ہندوستان کے قاضی کمال الدین محمد ابن برہان الدین غزنوی نے مفصل کیفیت
مجہسے بیان کی کہ کس طرح ۵۸۴ھ میں کفار سے دہلی فتح کی گئی تہی۔ شہر کی بڑی مسجد

کنارے پر آکر ٹھہرا تھا اور وہاں اُسکے امرانے فتح کی سالگرہ منائی تھی۔ حوض خاص کی بات امیر تیمور لکھتے ہیں کہ یہہ حوض فیروز شاہ کا بنوایا ہوا ہے اِس حوض کی چوڑائی ایک تیر کے پلہ سے زیادہ ہے اور چاروں طرف اِسکے عمارات بنی ہوئی ہیں۔

اسمیں اب پانی نہیں ہے مگر نیچے سے اُتر کر دیکھنے سے بہت ہی بہار معلوم ہوتی ہے اسکے وسط میں حوض شمسی کیطرح ایک بُرج تھا۔ اسکے مشرقی اور جنوبی شرقی حصہ میں سیڑھیاں اور دیواروں میں کھڑکیاں سی ہوئی تھیں جو ٹوٹ گئی ہیں یہہ حوض ایک کئی بیگہہ کا ہے اسکے دروازہ پر جو سے کچھ کتبہ لکھا تھا جو عرصے پہلے ہی اُڑ گیا تھا اور صرف اتنا پڑھا جاتا تھا۔ . . . . . . درب گرداسد سلطان السلاطین سلطان فیروز شاہ خلد اللہ ملکہ . - . + ن سلطان فیروز شاہ طاب ثراہ وجعل الجنة مثواہ اِس کتبہ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حوض خاص کو سلطان فیروز شاہ نے تعمیر کیا تھا جو ابوبکر شاہ کے بعد ۷۹۱ھ میں بادشاہ ہوا تھا فیروز شاہ کا انتقال ۷۹۰ھ میں ہوا اب بھی مقبرہ کے اندر بُرج میں کچھ رنگ آمیزی باقی ہے سکندر شاہ لودہی نے مقبرہ کی مرمت کی تھی اور حال میں پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے اِسکی خاص مرمت ہوئی ہے جو مقبرہ میں تین سنگ مرمر کی قبریں ہیں کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ کی ہے دوسرے ناصرالدین تغلق شاہ کی ہے اور تیسری اُسکے پوتے کی ہے اسکے پاس چھوٹے حرم میں سمٹلہ اُسکے ایک پر یہ کتبہ لکھا ہوا ہے۔

این عمارت در عہد دولت سلطان الاعظم سکندر شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ ولطانہ و بوسیلہ این کمترین بندہ شیخ شہاب الدین تاجخان وسلطان ابوسعید بتاریخ سوم رمضان سنہ تسعا

ایک سنگین خوشنما بارہ دری بنی ہوئی تہی جسکے کچہہ آثار ابتک باقی ہین بعض کے نزدیک یہہ بارہ دری فیروز شاہ کی بنائی ہوی ہے کہتے ہین کہ اس مکان سے حوض خاص تک ایک نقب گئی تہی۔

بیگم پور کی مسجد

بیگم پور کی مسجد دہلی کے گرد و نواح کی کل مسجدوں سے سوائے جامع مسجد شاہجہان آباد کے بڑی ہے ۱۳۸۷ء کی تعمیر ہے خان جہان خاں کی کل مسجدوں سے تعمیر مین بہترین ہے اور قابل دید ہے۔ باہر سے کوئی تین سو فٹ مربع ہے اور اندر سے ۲۴۷ فٹ طویل اور ۲۳۲ فٹ عریض ہے۔ اس مسجد مین چند اگر پر غدر مین چہپے رہے تہے۔ سڑک کے اور اس عمارت کے بیچ مین ایک نہایت عمدہ عیدگاہ ہے جسکے سروں پر گول برج ہین جو خاص پٹہانوں کی طرز کے ہین۔ یقیناً یہہ وہی عیدگاہ ہے جہاں دہلی کی لڑائی کے بعد تیمور نے اپنے خیمے ڈالے کہتے ہیں کہ تیمور کی بیگمات عیدگاہ کو دیکہنے آئی تہیں اور لوگوں نے اُنکی کچہہ توہین کی تہی اسی سبب سے دہلی میں قتل عام ہوا تہا جب سلطان محمود اور ملو خاں میدان جنگ سے بہاگ گیے تو امیر تیمور لکہتے ہین کہ مین گہوڑے پر سوار ہوکر میدان کے دروازہ کیطرف روانہ ہوا اور عیدگاہ کے دروازہ پر جا اُترا یہہ ایک وسیع اور بلند مکان ہے اور مین نے حکم دیا کہ میرے خیمے یہاں نصب کیے جائین اور عیدگاہ میں میرا تخت رکہا جاے۔ اس مقام پر دہلی کے لوگوں نے آکر متابعت قبول کی تہی۔

سڑک کی داہنی طرف ایک میل پر فیروز شاہ کے مقبرہ کا برج دکہائی دیتا ہے جو حوض خاص کے مشرقی جنوبی گوشہ پر واقع ہے لڑائی کے بعد امیر تیمور حوض خاص کے

کنارہ پر آکر ٹھیرا تھا اور وہاں اُسکے امرا نے فتح کی مبارکباد دی تہی۔ حوض خا
مات امیر تیمور لکھتے ہیں کہ یہہ حوض فیروز شاہ کا بنوایا ہوا ہے اِس حوض
ایک تیر کے پلہ سے زیادہ ہیں اور چاروں طرف اِسکے عمارات بنی ہوئی ہیں۔
اسمیں اب پانی نہیں ہے مگر نیچے سے اُترکر دیکھنے سے بہت ہی بہار معلوم
ہے اِسکے وسط میں حوض شمسی کیطرح ایک برج تہا اِسکے مشرقی اور جنوبی
حصہ میں سیڑھیاں اور دیواروں میں چھجیاں بنی ہوئی تہیں جو ٹوٹ گئی ہیں
حوض ایک کی سنگ بحیہ کا ہے اسکے دروازہ پر چونہ سے کچھہ کتبہ لکھا تہا جو عدر
پہلے ہی اُڑ گیا تہا اور صرف اتنا پڑہا جاتا تہا . . . . . مرتب گردانید
السلاطین سلطان فیروز شاہ خلد اللہ ملکہ . . . . . ن سلطان فیرو
شاہ ثراہ جعل الجنۃ مثواہ اِس کتبہ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حوض
کو سلطان فیروز شاہ نے تعمیر کیا تہا جو ابوبکر شاہ کے بعد ۷۹۱ھ میں باد
تہا فیروز شاہ کا انتقال ۷۹۰ھ میں ہوا اسی مقبرہ کے اندر برج میں کو
امیری ماتی ہے سکندر شاہ لودہی نے مقبرہ کی مرمت کی تہی اور حال میں
گورنمنٹ کی طرف سے ایک خاص مرمت ہوئی ہے جو مقبرہ میں تین سنگ م
قبریں ہیں کہتے ہیں کہ ایک باد شاہ کی ہے دوسرے ناصرالدین تغلق شاہ کی
اور تیسری اُسکے پوتے کی ہے اِسکے پاس چھوٹے حرم میں سکملہ اُ
پر یہ کتبہ لکھا ہوا ہے۔

این عمارت در عہد دولت سلطان الاعظم سکندر شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ ولد
بوشاہ این گنبد ہای شیخ شہاب الدین تاجان و سلطان ابو سعید تاریخ بسم مصار

ایک سنگین خوشنما بارہ دری بنی ہوئی تھی جسکے کچھہ آثار ابتک باقی ہین بعض کے نزدیک یہہ بارہ دری فیروز شاہ کی بنائی ہوی ہے کہتے ہیں کہ اِس مکان سے حوض خاص تک ایک نقب گئی تھی۔

بیگم پور کی مسجد

بیگم پور کی مسجد دہلی کے گرد و نواح کی کل مسجدوں سے سوائے جامع مسجد شاہجہان آباد کے بڑی ہے ۱۳۸۷ء کی تعمیر ہے خان جہان خان کی کل مسجدوں سے تعمیر میں بہترین ہے اور قابل دید ہے۔ باہر سے کوئی تین سو فٹ مربع ہے اور اندر سے ۲۴۷ فٹ طویل اور ۲۲۳ فٹ عریض ہے۔ اِس مسجد میں چند اگر زیادہ دار ہیں چھپے رہے تھے۔ سڑک کے اور اُس عمارت کے بیچ مین ایک نہایت عمدہ عیدگاہ ہے جسکے سروں پر گول بُرج ہین جو خاص پٹھانوں کی طرز کے ہین۔ یقیناً یہہ وہی عیدگاہ ہے جہاں دہلی کی لڑائی کے بعد تیمور نے اپنے خیمے ڈالے کہتے ہیں کہ تیمور کی بیگمات عیدگاہ کو دیکھنے آئی تھیں اور لوگوں نے اُنکی کچھہ توہین کی تھی اسی سبب سے دہلی میں قتل عام ہوا تہا۔ جب سلطان محمود اور ملو خاں میدان جنگ سے بھاگ گیے تو امیر تیمور لکھتے ہیں کہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر میدان کے دروازہ کیطرف روانہ ہوا اور عیدگاہ کے دروازہ پر جا اُترا یہہ ایک وسیع اور بلند مکان ہے اور میں نے حکم دیا کہ میرے خیمے یہاں نصب کیے جائین اور عیدگاہ میں میرا تخت رکھا جاے۔ اِس مقام پر دہلی کے لوگوں نے آکر متابعت قبول کی تھی۔

سڑک کی داہنی طرف ایک میل پر فیروز شاہ کے مقبرہ کا بُرج دکھائی دیتا ہے جو حوض خاص کے مشرقی جنوبی گوشہ پر واقع ہے لڑائی کے بعد امیر تیمور حوض خاص کے

اِس بُرج کے پاس ایک دالان ہے جسکا نام جہار ہے کہتے ہیں کہ کسی سوداگر
کی منت پوری ہوئی تہی تو اُسنے یہ دالان بنوایا تہا۔ اِس کے پاس دالان در دالان
سا ہوا ہے جو مجلس خانہ کہلاتا ہے یہہ حضرت سلیمان کا بنوایا ہوا ہے۔ ایک طرف
سنگ مرمر کی لوح پر یہہ تاریخ کندہ ہے۔

قال محمد حبیب اللہ انا مدینۃ العلم و علی بابہا ۔ سنہ ۱۱۶۲ ہجری در عہد مبارک احمد شاہ
بہادر بادشاہ غازی بموجب ارشاد نواب قدسیہ حضرت صاحبہ زمانیہ باہتمام نواب
بہادر جاوید خان صاحب بہ سربراہی خاکسار لطف علی خان تعمیر قلعہ مجلس خانہ و مسجد
و حوض در یک سال مرتب شد ۔

جس میدان میں سے یہ سڑک گزری ہے اسی میدان میں سلطان محمود شاہ اور امیر تیمور کے
لشکر سے ۱۲۔ دسمبر ۱۳۹۸ع کو ایک خونریز لڑائی ہوی تہی جس میں سلطان محمود کو کامل
شکست ہوی امیر تیمور جہان نما سے بڑہکر دہلی کے سامنے پہونچا تہا۔ اِس بڑے میدان
میں دہلی کی فوج اِسقدر بہادری سے جان توڑ کر لڑی کہ خود امیر تیمور نے انکی تعریف لکہی ہے
بدیع منزل اسکے بعد سڑک کی داہنی طرف جہان پناہ پور ہے اور موضع کریہ بائیں ہاتہ
کی طرف ہے اِسکے سامنے سڑک کے نزدیک ایک مقبرہ پٹہانوں کے وقت کا ہے
اور اُسکے پیچھے موضع حوض خاص کے قریب دوسرا مقبرہ ہے بائیں ہاتہ جنوب
کیطرف بدیع منزل کی بلند تعمیر نظر آتی ہے اور اُسکے پاس بیگم پور کی مسجد کی
سیاہ دیواریں دکہائی دیتی ہیں بدیع منزل بہت بلند ہے کیا تعجب ہے کہ یہہ
مکان محمد تغلق کے قصر ہزار ستوں کا ایک حصہ ہو ایک بلند برج ہر چار دروازوں
کا گرو سا ہوا ہے اور اُسکی دیواریں سے اوپر جانے کا راستہ ہے جہاں لگے بانہ میں

جسپر وقایق و مدارج بنے ہوے تہے لوگ اُکہیڑ کے لے گئے اور جنتر دوائر الظل کے دونوں بروج ہی شکستہ حال باقی ہیں۔ یہاں سے مشرق کیطرف ایک میل پر ماوہو گنج کا موضع ہے جو ابتک ریاست جے پور کی جاگیر ہے یہاں ایک زمانہ میں راجہ جے پور کا محل اور اصطبل بنا ہوا تہا۔ یہاں سے مشرق کی جانب نصف میل پر اوگر اسین کی باولی نہایت عمدہ بنی ہوی ہے

کربلا

منصور کے مقبرہ سے سیدہی سڑک قطب صاحب کو گئی ہے جو یہاں سے پانچ میل پر ہے راہ میں بائیں طرف علی گنج کا احاطہ ہے جہاں نجف خاں کا مقبرہ ہے اور تربت نجف اُنکی وفات کا مادہ تاریخ ہے اُنھوں نے مغلیہ سلطنت کو بہت دن تک مرہٹوں کے ہاتہہ سے بچایا انکے مقبرہ کے پاس کربلا ہے جہاں تعزیے دفن ہوتے ہیں۔ یہہ احاطہ مرزا اشرف بیگ کا بنوایا ہوا ہے۔

کربلا کے برابر میں شاہِ مرداں کا احاطہ ہے اُسکے شمالی دروازہ پر ایک کتبہ کندہ ہے

اِس احاطہ میں ایک سنگ مرمر کا مجر ہے مجر کے اندر سنگ مرمر کا فرش ہے بیچ میں سنگ مرمر کا حوض ہے اور اِس حوض میں ایک پتہر سنگ مرمر کا لگا ہوا ہے جسکو حضرت علی کا نقش قدم بیان کیا جاتا ہے اسکے کناروں پر یہہ شعر کندہ ہے

ہر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود ۔۔۔ سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

اِسی سبب سے اِس مقام کو علی جی بہی کہتے ہیں۔ اِس مجر کے پاس ایک برج ہے جسمیں کسی مرد کو نہیں جانے دیتے اور وہ برج کا سہ حضرت فاطمہ کا کہلاتا ہے۔

سیدی ملال محمد خاں کے اہتمام میں تین لاکھ روپیہ کی لاگت سے یہہ مقبرہ
تیار ہوا۔ مقبرہ کے اندر یہہ تاریخ کندہ ہے۔

حواں صفدر ز عرصہ حرمی | رو دار فنا گشت رحلت گزین
چین سال تاریخ اوست رقم | کہ بادا مقیم بہشت برین

یہہ مقبرہ مسلمانوں کی سب سے آخری شاہی عمارت ہے۔ معماروں نے آگرہ
کے تاج کی نقل اُتاری ہے مگر بہت کچھ اختلاف بھی ہے۔ گنبدوں کے برجوں کا
کام بہت عمدہ نہیں ہاں مگر بیچ میں جو سنگ مرمر کی پچی کاری ہے وہ
بہت ہی خوبصورت ہے جو منبت کاری اندر کی استر کاری میں کی گئی ہے وہ
خراب ہے مگر قبر کی پچی کاری نہایت خوبصورت ہے مقبرہ کے باغ کا دروازہ
اور شمال کی طرف سنگ سرخ کی مسجد بہت ہی خوبصورت عمارتیں ہیں۔ جنوب کیطرف
احاطہ میں ایک مکان بنا ہوا ہے جسکو موتی محل کہتے ہیں اور غرب کیطرف ایک دوسرا
مکان ہے جسکا نام جنگلی محل ہے مشرق کا مکان بادشاہ پسند کہلاتا ہے۔ مقبرہ کے
چاروں طرف چار نہریں ہیں اور باغ بہت آراستہ کیا گیا ہے یہاں دہلی کے
اکثر لوگ سیر تماشہ کو آیا کرتے ہیں

جنتر منتر

صفدر جنگ کے مقبرہ سے تہوڑی دور پر دہلی کی طرف جنتر منتر کی عمارت قابل دید ہے
یہہ رصدگاہ راجہ جے سنگہ والی جے پور کی بنائی ہوئی ہے جو سنہ ۱۷۲۴ء میں بنائی
گئی تہی اسکے تیار ہونے کے پچاس برس بعد جاٹ رہزنوں نے اس عمارت کو
بہت خراب کر دیا تہا مقیاس یعنی قوس معدل النہار اب تک باقی ہے مگر اسکا سنگ مرمر

کی مسجد ہے - یہہ مسجد سکندر خاں لودہی نے ۱۴۸۸ء میں بنوائی تہی - اسی مسجد کی
نقل پر شیر شاہ نے پرانے قلعہ میں ایک مسجد تعمیر کی تہی جسکا نمونہ یہ ہے اور قطب صاحب
میں جمال کمال کی درگاہ کی مسجد بنائی گئی تہی مسجد کے دروازے کی محراب ہندی
قطع کی ہے اور نہایت خوبصورت ہے - جو کام مسجد کی رنگا رنگ ہوا ہے شاید اسکی
نقل ہمایوں کے مقبرہ میں اُتاری گئی ہے اِس مسجد سے

موضع شاہ پور

اِس مسجد سے جنوب کی طرف نصف میل پر قلعہ سیری کے کہنڈرات ہیں جہاں اب
موضع شاہ پور آباد ہے راہ میں ایک بہت عمدہ باولی ہے جو سکندر لودہی کی
بنائی ہوی ہے اور سیری کے کہنڈرات کے پاس ایک بڑی مسجد ہے جسکو محمدی مسجد
کہتے ہیں جسکا ایک برج ہے یہاں سے وہ شمالی مغربی حصہ فصیل کا جو جہاں
پناہ اور پرانی دہلی کو سیری سے ملاتا تھا بخوبی نظر آتا ہے -
قلعہ سیری کی فصیل سے مغرب کیطرف تین سو گز پر ایک احاطہ ہے جو مخدوم سبزواری
کے نام سے مشہور ہے اسکا دروازہ ہندوانی وضع کا ہے - احاطہ کے اندر
ایک خوبصورت مسجد ہے جسکی عمارت کی وضع پٹہانوں کے زمانہ کی ہے یہاں
ایک قبر ہے اور ایک دالان ہے - یہاں پہلے سنگ سرخ کی عمدہ جالیاں لگی
ہوی تہیں - اِس احاطہ پر درختوں کا گہرا سایہ ہے اور نہایت خوش منظر مقام ہے
جو سڑک ہمایوں کے مقبرہ سے خیر پور اور مبارکپور ہوتی ہوی آئی ہے اُس کی
انتہا پر منصور کا مقبرہ ہے نواب منصور علیخاں صفدر جنگ اودہ کے اول نواب وزیر
کے بہتیجے اور جانشین تہے اور احمد شاہ کے وزیر تہے انکا انتقال ۱۷۵۳ء میں ہوا

مجلس خانہ ہے یہہ عمارت ۱۵۱۰ء کی بنی ہوی ہے - اس مسجد کی استرکاری
میں بہت عمدہ کام بنا ہوا تہا جسکا نمونہ اب بہی بہت کچہہ باقی ہے - موضع کے
شمال کی طرف ایک برج ہے جسپر بیل چینی کا خوبصورت کام اب تک کچہہ کچہہ
موجود ہے معلوم نہیں کہ کسکی قبر ہے اِس سے چار سو گز آگے سکندر لودی بہلول
کا مقبرہ ہے جسکا انتقال ۱۵۱۷ء میں ہوا تہا اور اُس کے نو برس بعد مغلی سلطنت
ہندوستان میں قایم ہوی اِس مقبرہ کے احاطہ کے پیچے چراغ دہلی کی طرح نالہ بہتا ہے
جسپر سات محرابوں کا ایک پل بنا ہوا تہا اور اس پل پر وہ سڑک تہی جس سے فیروز آباد
سیری اور پرانی دہلی سے ملی ہوا تہا یہہ عمارت نہایت عمدہ ہے اور اُسکا سلسلہ بہت
ہی اچہا ہے اِس مقبرہ میں جس ستون پر قبر کے سرہانے چراغ روشن ہوتا ہے وہ
کسی جینی مندر کا ستون ہے۔

موضع مبارک پور

سڑک سے نصف میل کے فاصلہ پر موضع مبارکپور میں مبارک شاہ کا مقبرہ اور
مسجد ہے سیدوں کے خاندان میں یہ دوسرا بادشاہ تہا اور ۱۴۳۴ء میں یعنی ۹
رمضان ۸۳۷ھ کو مار ڈالا گیا تہا مقبرہ ہشت پہل ہے اور گرد میں محراب دار
غلام گردش ہے مقبرہ سنگ خارا کا بنا ہوا ہے۔ مقبرہ کے گرد ایک فصیل ہے احاطہ
کے باہر ایک مسجد ہے جسکے تین گنبد ہیں گاؤں کے باہر مشرق کی جانب ترجہ
کی عمارت ہے - ایس جو بڑا برج ہے اُسکو لوگ سیدوں کے خاندان کے اول بادشاہ
خضر خاں کا مقبرہ بتاتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہہ تین برج بڑے خاں چہوٹے
خاں اور کالے خاں کے ہیں - مبارکپور سے جنوب کیطرف میل بہر کے فاصلہ پر موٹہ

نظام الدین کی باولی بناتے ہیں تو بادشاہ نے حکم دیا کہ انکے ہاتھ کوئی
تیل نہ فروخت کرے پھر اندہیرے میں کیونکر بنائینگے حضرت کی دعا سے باولی
کے پانی نے تیل کا کام دیا جب یہ خبر بادشاہ کو پہنچی بادشاہ نے بد دعا دی
تو باولی کا پانی کہاری ہوگیا مگر اس کے مقابلہ میں شاہ صاحب کی بد دعا کا یہہ
نتیجہ ہوا کہ تغلق آباد آجتک ویران پڑا ہوا ہے جو کبھی آباد نہیں ہوا۔ مگر باولی کی
تاریخ خیمہ دلکشا ہے جس سے ۷۲۱ھ نکلتے ہیں اور تغلق بادشاہ چار سال کی
سلطنت کے بعد ۷۲۵ھ میں مارا گیا ہے۔ نظام الدین سے مشرق کی طرف مبارکپور
کی سڑک پر پٹھانوں کے وقت کا شکستہ پل ہے جو بہت عمدہ بنا ہوا تھا اور اُسی نالہ
پر ہے جسپر بارہ پلہ تعمیر ہوا ہے نظام الدین سے اگر صفدر جنگ کے مقبرہ کی طرف
جاؤ تو نصف میل پر سڑک کی داہنی طرف موضع خیرپور ہے اور ڈیڑہ
میل پر سڑک کی بائیں طرف مبارکپور ہے۔ سڑک اور موضع خیرپور
کے درمیان میں محمد شاہ کا مقبرہ ہے جو سیدوں کے خاندان
کے تیسرے بادشاہ تھے اور اُنکا انتقال ۱۴۴۵ء میں ہوا تھا یہ عمارت
ہشت پہل ہے اور باہر کی طرف محراب دار دالان ہیں جیسے خان
اور مبارک شاہ کے مقبروں سے قطع بہت ملتی ہے اندر کا کام کسی
زمانہ میں بہت خوبصورت ہوگا موضع خیرپور میں ایک مسجد ہے جو
دور سے مقبرہ معلوم ہوتی ہے اسکا دروازہ نہایت خوبصورت ہے۔ یہہ
دروازہ بہت عالیشان اور اسکی ھلائی دروازہ سے قطع ملتی ہے دروازہ
کے آگے نہایت خوبصورت صحن ہے جسکی ایک جانب مسجد اور ایک جانب

دریں حاجوں بیائے حسر مقدم	دریں حاجوں بیائے حسر مقدم	بخواں تاریخ اہتمام عمارت
مرتبہ ساخت بنا واللہ اعلم	مرتبہ ساخت بنا واللہ اعلم	بہجرت ہمقصد وہشتاد یک بود

باولی کے جنوب و مغرب میں ماہی کوکلدئی ست طلایم خاں کی قبر سے حصیر سنگ مرمر کا ترح ہے اور قبر بھی سنگ مرمر کی سی ہوی ہے اسپر آیات قرآنی اور نود ونہ نام اللہ کے نہایت خوشخط کہدے ہوئے ہیں

اردل صاف ببیر پاک سرشت	سال تاریخ فوت او گفتم
باد ہمدم بحوریان بہشت	آہ سردے کشید وگفت بگو
ست طلایم خاں سالہ ۶	ماہے کوکلدئے ۔ ۔ ۔

باولی کے شمالی سمت پر مغرب کی طرف پٹھانوں کے وقت کا گنبد ہے جسکا حال معلوم نہیں کہ کسکا ہے اور اسکے پاس ایک دو منزلہ مسجد پٹھانوں کے وقت کی ہے درگاہ کی قدیم چار دیواری بہت ٹوٹ پھوٹ گئی تہی اسکی مرمت احمد بخش خاں صاحب نے کرادی تہی اور دروازہ پر یہہ مصرعہ سنہری حرفوں سے لکھوا دیا تہا ۵ شاہاں جبیں گرسباز درگہ ما + باولی میں گرد کے مکانات کی چہت پر سے خادموں کے بچے کودتے ہیں اور بسقدر چالاک ہوتے ہیں کہ پیسہ کوڑی ڈوبی نکال لاتے ہیں دلّی میں یہ روایت زبان زد خلایق ہے کہ جس زمانہ میں یہ باولی تیار ہورہی تہی تغلق شاہ اپنا قلعہ اور شہر تیار کررہے تہے کل معماروں کو وہاں بزردستی کام کرنا پڑتا تہا۔ چونکہ معمار حضرت نظام الدین سے عقیدت رکہتے تہے دن کو بادشاہ کا کام بناتے تہے اور شب کو آپ کی باولی کو مشعلوں کی روشنی میں تیار کرتے تہے جب مخبروں نے بادشاہ کو خبر دی کہ دن کو معماروں سے کام ٹہیک نہیں ہوتا کیونکہ وہ اونگہتے ہیں اور اونگہ کی وجہہ یہ ہے کہ رات بہر وہ شاہ

ز حرف وصل جانان ساده آمد این خاک	طریق ساده لوحی بس نشان عشق پاک
مهدی خواجه سید باجاه و جلال	شد بانی این اساس بے شبهه و مثال
گفتم سعی جمیل مهدی خواجه	تاریخ بنائے این چو گردید سوال

اسی جگہ اخوند میر مورخ کی بہی قبر ہے مگر اسکا نشان نہیں رہا۔

مرزا کے احاطہ کے شمالی دروازہ سے جو فیروز شاہ کا بنوایا ہوا ہے نکلکر مجلس خانہ میں پہونچتے ہیں جسکو اورنگ زیب کا بنوایا ہوا کہتے ہیں ادہر سے باولی کا راستہ ہے جسکو محمد شاہ نے بیڑا کر چہتا بنا دیا ہے۔ باولی نہایت خوشنما بنی ہوی ہے کہتے ہیں کہ آپ کے سامنے ہی باولی تیار ہو گئی تہی۔ باولی کے گرد کے مکانات سب پٹہانوں کے زمانہ کے ہیں جنوبی ضلع کی طرف فیروز شاہ کے عہد کی عمارت کے درے ہیں یہاں ایک پتہر پر یہہ اشعار کندہ ہیں

بعہد دولت شاہ معظم	خجستہ خسرو اولاد آدم
مدار دین احمد شاہ فیروز	شہ صاحب قران سلطان اعظم
موفق گشت از حق بندہ معروف	اساس این عمارت کرد محکم
جوار روضہ شیخ المشائخ	نظام الحق والدین قطب عالم
وحید الدین قریشی والد من	کہ با اہل ارادت بود ہمدم
بحسن اعتقاد و صدق اخلاص	ز اسرار ولی اللہ محرم
مراچوں بر در پیش شیخ عالم	بدست خود گرفت و کرد ناظم
بلفظ خود مرا معروف خواندہ	درین عالم چو شیخ عیسوی دم
بجا دارم کز انفاس مبارک	وراں عالم بود معروف برحم

بارانی چبوترہ کا رستہ ہے جہاں آپ اپنے مریدوں کے ہمراہ تشریف رکھا کرتے تھے اِس چبوترہ پر امیر خسرو کا مزار ہے انکا اصلی نام ابوالحسن تھا اور اُسکے والد کا نام سیف الدین محمود تھا پیر کے چھ مہینے بعد ۷۲۵ہجری میں اُنکا انتقال ہوا پہلے قبر پر کوئی محجر تھا اور نہ گنبد موجودہ محجر اور گنبد سنگ مرمر کا طاہر محمد عماد الدین حسن سبزواری نے ۹۷۶ھ میں تعمیر کرایا تھا گنبد کے گرد سنگ سرخ کی جالیاں لگائی گئی ہیں اور جنوب کی طرف جالام گردش مسقف ہے جس سے گنبد تک روشنی کم پہنچتی ہے سرخ کے اندر کی دیواروں پر یہ کتبہ کندہ ہے

اے خسرو بے نظیر عالم	ما روضۂ تو مرا سیادست
تعمیر بود طاہر آن را	فیض ازلی ہمیشہ بار است
تاریخ بنایش عقل گفتا	ما روضہ بگو کہ جائے رازست

بابر بادشاہ کے زمانہ میں مہدی خواجہ نے ایک سنگ مرمر کی لوح پر یہ تاریخ وفات کہود واکر لگا دی ہے وہ یہ ہے

لاالہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

زہی زار این لوح شد سرفرازی	بدوران بابر شہنشاہ غازی
میر خسرو خسرو ملک سخن	آن محیط فضل و دریائے کمال
نثر او دلکش تر از ماء معین	نظم او صافی تر از آب زلال
بلبل دستان سرائے بیقرین	طوطی شکر مقال بے مثال
از پئے تاریخ سال فوت او	چون نہادم سر بزانوئے خیال
شد عدیم المثل یک تاریخ او	دیگرے شد طوطی شکر مقال

زینت تہیں اور شاہجہان کے سولہ برس بعد اور اپنی بہن روشن آرا بیگم کے دس برس بعد اُنکا انتقال ہوا تہا یہہ مجبر سنگ مرمر کا ہے اور نہایت خوشنما جالیاں سنگ مرمر کی چاروں طرف لگی ہوئی ہیں جہاں آرا بیگم نے اپنی زندگی ہی میں خدام سے اپنے مدفن کے لیے تین کروڑ روپیہ دیکر زمین مول لی تہی مگر اورنگ زیب نے دو کروڑ واپس لے لیئے کہ شرعًا ایک ثلث سے زیادہ وصیت جائز نہیں ہے اور اس مجبر کو بہی اُنھوں نے اپنے سامنے تیار کرایا تہا۔ مجبر میں چار قبریں ہیں ایک چہوٹی تین بڑی جہاں آرا بیگم کے سرہانے مزار کی لوح پر یہ مشہور شعر کندہ ہے ؎ بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا ✽ کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است الفقیرة الفانیہ جہاں آرا مرید ✽ خواجگانِ چشت بنت شاہجہان۔

اِس کے پاس کی قبروں میں بعد کے بادشاہوں کی اولاد مدفون ہے جہاں آرا بیگم کے مجبر کے پاس محمد شاہ بادشاہ کا مجبر ہے یہ بہی نہایت عمدہ سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے اور دروازہ میں قد آدم پٹ سنگ مرمر کے تراشے ہوے ہیں اِس مجبر میں محمد شاہ کی قبر کے پاس نواب صاحبہ محل اُنکی بیوی اور ایک اُسکے پوتے کی قبر ہے اور ایک قبر اُس شہزادی کی ہے جسکا نادر شاہ کے ساتہہ نکاح کیا گیا تہا۔ محمد شاہ کا انتقال سنہ ۱۱۶۱ھ یعنے ۱۷۴۸ع میں ہوا تہا۔

اِس کے پاس مرزا جہانگیر کا مجبر ہے جو محمد شاہ کے مجبر کی طرح عمدہ ہے مرزا جہانگیر اکبر شاہ ثانی کے بیٹے تہے اور انگریزوں نے اُنکو الہ آباد میں نظر بند کر دیا تہا کیونکہ اُنھوں نے سیٹن صاحب رزیڈنٹ کو طپنچہ مارا تہا۔ نواب ممتاز محل اُنکی والدہ نے اِن کا جنازہ الہ آباد سے منگواکے یہاں دفن کرا دیا تہا درگاہ کے صحن کے جنوب کی طرف

حروادی اِس حہت پر یہ کتبہ کندہ ہے۔

بدرگاہ نظام الحق والدین	کہ محبوب + + + + + +
چواِیں سقف مطلا و منقش	سلاے جاں بگش خوشتریں است
وصال ایں سقف براین	کہ آں جا . . . . . .
- - - - - - -	کھا تما ئے کار ریبی ست

اکبر شاہ ثانی نے چونے کے بُرج کی جگہ سنگ مرمر کا بُرج سوادیا اور اُس پر سہری کلس لگا دیا حال میں مسٹر آر کلارک صاحب بہادر نے علام گردش کی چہت ار سر نو درست کرائی ہے۔

درگاہ کی مسجد کی بات مشہور ہے کہ یہ مسجد آپ کے سامنے بنی شروع ہوی تہی اسکی بات یہ روایت مشہور ہے کہ قراتیگ ترک نے سلطان علاء الدین خلجی کے بیٹے خضر خاں کو آپ کا مرید کرایا اور خضر خاں نے اِس مسجد کا بیچ والا درجہ معہ بڑے گنبد کے تیار کرایا یہ گنبد لداو کا ہے اور بہت عظیم الشان ہے بیچ میں چودہ گز کا طول ہے اِس درجہ کی کل عمارت سنگ سرخ کی بنی ہوی ہے یہاں ایک سہری کٹورہ لٹکا ہوا ہے جسپر جاٹوں نے سونے کے لالچ سے گولیاں ماری تہیں مگر وہ کٹورا نہیں گرا اور بدستور لٹکا ہوا ہے سلطان محمد تغلق شاہ جونی نے اس درجہ کے ادہر اُدہر دو درجے اور بنا دیئے اور ادہر چار برج بنوائے جس سے مسجد کے پانچ برج ہو گئے دیوار پر آیات قرآنی کندہ ہیں

درگاہ کا صحن سنگ مرمر کا محمد شاہ کا بنوایا ہوا ہے صحن میں جنوب کی طرف تین محراب ہیں ایک محراب جہاں آرا بیگم کا خرسا جہاں کی بیٹی تہیں اور اپنے باپ کے قید ہے زیادہ ... رہیں اُنکے ساتہ

عرشۂ مرقد مبارک او	بر زمین کار عرش اعلیٰ کرد
عرش در پائے چار قائمہ اش	چار تکیہ بے محابا کرد
ہر کہ رُخ از مقام او تابید	پشت بر کعبۂ معلیٰ کرد
زانکہ رو در سجود او آورد	رُخ چو آئینۂ مصفا کرد
خاک روب مقامش ار باشی	مے تواں کار صد مسیحا کرد
سال تاریخ این بنا جستم	قبۂ شیخ عقل القا کرد
قدر بانی او رفیع کشاد	آنکہ ایں ہفت سقف خضرا کرد

سنہ ۱۰۶۳ھ میں شاہجہاں کے عہد میں خلیل اللہ خاں نے مزار کے گرد سنگ سرخ کی غلام گردش بنوائی جسکے ہر ضلع میں پانچ در ہیں اور دو دروں پر سنہ ۱۱۶۹ ہجری میں عالمگیر ثانی نے ایک سنگ مرمر کی تختی پر یہ اشعار کندہ کرا کے مزار کی پائینتی لگا دئیے۔

جو ہوئے خادم نظام الدین کا دیسے اُسے عز و نصیب	اُسکے تئیں ہوتا ہے تاج خسروی جلدی نصیب
خادمی کی تھی عزیز الدین نے با صدق و یقین	تاج شاہی ہند کا مجھکو دیا ہے عنقریب
مرض دل افگار میرے کا وہ صحت بخش ہے	بے غذا و بے دعا و بے دوا و بے طبیب
بس پریشاں حال ہے اب خلق پر مجبور باحق	فضل کر تقصیر واروں پر تم ہو حق کے حبیب

مولانا فخر الدین نے غلام گردش کے ستونوں کو سنگ مرمر کا بنوانا چاہا اور ستون مول لیے مگر ہنوز لیے ہی تھے کہ انکا انتقال ہو گیا اُنکے ارادہ کو نواب احمد بخش خاں والی فیروزپور جھرکہ نے پورا کیا اور سنگ مرمر کے ستون لگا دیئے مگر چھت اور چھجے بدستور سنگ سرخ کی رہی چونکہ غلام گردش کی چھت میں شور لگ جاتا تھا اس لیے فیض اللہ خاں بنگش رئیس ... نے سنہ ۱۲۲۶ھ میں ... کی چھت بسر نو بنوائی اور لاجوردی کام تھا

نظام الدین کی درگاہ
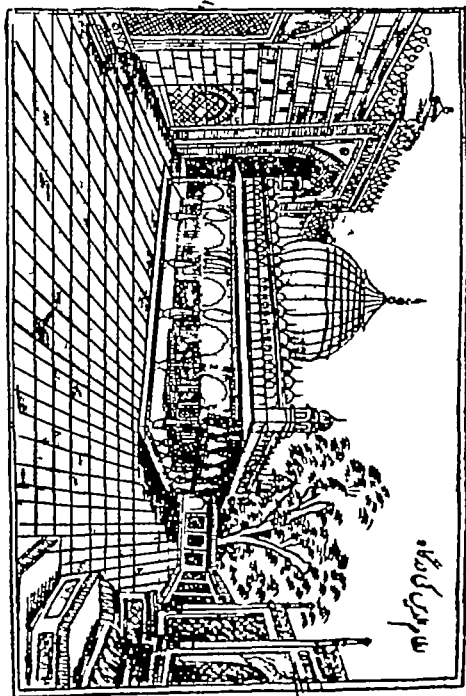
شکر گنج سے جاکر بیعت کی وہاں سے ایس اگر موضع غیاث پور میں سکونت پذیر ہوئے اور ربیع الثانی کی ۱۸ تاریخ ۷۲۵ھ کو وفات پائی وفات کے بعد آپ کے مزار کے گرد خلجی بادشاہ کے زمانہ میں ایک سادہ حجرہ تھا جسکا اب نشان نہیں رہا اکبر بادشاہ کے عہد میں ۹۷۰ھ میں سید فرید و خان نے آپ کے مزار کے گرد بارہ ستون ایستادہ کیے اور اُن پر گنبد بنوایا اور دروں میں سنگ مرمر کی جالیاں لگائیں اور آپ کے سرہانے ایک پتھر پر کلمہ کندہ کرکے یہہ اشعار کندہ کرائے۔

از پے تعمیر شد خان فلک احتشام	مہر نسب راشرف اوج شرف راشہاب
سید عالی نسب میر فلک احترام	بانی او ہاشمے ساعی او ہاشمے
آنکہ بدوران شان ہست سخن رانظام	از پے تاریخ آن چون متفکر شدم
کلک خرد زد رقم قبلہ گہ خاص و عام	رفتے بدرگاہ او آفریدون بصدق

شاید از الطاف پیر کار تو گردد نظام

اسکے بعد ۱۰۱۷ھ میں یعنی جہانگیر کے عہد میں فرید خاں نے جنہوں نے فریدآباد بسایا ہے نہایت عمدہ سیپ کا کام کیا ہوا چوبی چھپر کھٹ چڑھایا اسمیں سیپ کی پچی کاری سے یہ اشعار کندہ ہیں۔

شیخ دہلی نظام را دو فرید	کار دنیا و دین مہیا کرد
یک فریدش مقام فانی داد	یک فریدش مقام احیا کرد
مرتضےٰ خان فراز مرقد او	قبہ چون سپہر برپا کرد
ابر فیروزی از جہان برخاست	در یکدانہ در صدف جا کرد
ہر جہان کعبہ مربع او	چار در از چہار حد وا کرد

سرخ و سنگ مرمر کا ہوا یا جسکی مثبت کاری کا کام ہندوستان میں جواب نہ تہا اور اب بہی
کچہ باقی ہے نہایت وضع خوبصورت سے بہتر کا بیت گہرا سرخ رنگ ہے اور سنگ مرمر کا
رنگ ہاتہی دانت کا سا ہو گیا ہے بیچ کے برج میں تین قبریں ہیں اوسپر یہ کتبہ کندہ ہے
تمت هذه الامارة الشريفة فی اربع ستة سبعين وتسعمائة باهتمام سامرد دهلی۔
احاطہ کی مغربی دیوار پر نہایت عمدہ چینی کا کام کیا ہوا تہا جسکے کچہ آثار اب بہی باقی ہیں۔

چوسٹھہ کھمبا

یہاں سے جنوب مشرق کی طرف چوسٹھہ کھمبہ کی خوبصورت عمارت ہے یہ عمارت سر سے
پاؤں تک سب سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے چوسٹھہ ستونوں پر سنگ مرمر کی محرابیں بہت ہی
خوشنما ہیں یہ مقام اعظم خاں کے خاندان کا قبرستان ہے مرزا عزیز کوکلتاش پسر اعظم خاں
نے اس عمارت کو [illegible] کے بعد بنوایا ہے جہانگیر کے عہد میں بمقام احمد آباد گجرات ۱۰۳۳ھ
میں اونکا انتقال ہوا تہا اور یہاں لاکر دفن ہوئے اسکے بعد آپ کے خاندان کے بہت لوگ
یہاں دفن کیے گئے اب ہم درگاہ شریف کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ

درگاہ کا بیرونی دروازہ ۱۳۷۸ء میں فیروز شاہ نے بنوایا تہا اور یہی بادشاہ کا بنوایا ہوا
اندرونی دروازہ باولی کی اسطرف موجود ہے حضرت نظام الدین قصبہ بدایوں میں ۶۳۴ھ
میں پیدا ہوئے اور پچیس برس کی عمر میں شاہ شمس کے عہد میں دہلی میں سکونت پذیر ہوئے پہلے
یہاں شیخ نجیب الدین متوکل سے فیض صحبت حاصل کیا بعدازاں حضرت شیخ فرید الدین مسعود

فرد کش ہونے کے لیے بنوائی ہو کیونکہ وہ گاہے گاہے آیا کرتے تھے۔ اور پھر اس مکان میں لوگوں کو مدفون کیا گیا ہو۔ عمارت کسی زمانہ میں بہت خوبصورت ہو گی۔ نظام الدین کے جنوب و مشرق میں سنجر کی مسجد ہے جسکو کلاں مسجد یا کالی مسجد کہتے ہیں اسے خان جہان خان وزیر فیروز شاہ نے تعمیر کیا ہے۔ اِس مسجد سے مشرق کی طرف ایک مقبرہ تلنگانوں کا مشہور ہے یہہ بھی اُسی زمانہ کی عمارت ہے۔ اول خان جہاں تلنگانہ کا یعنے ورنگل کا ایک سردار تہا اور پہر مسلمان ہو گیا تہا معلوم ہوتا ہے کہ اِس مقبرہ کا کچھ تعلق اُنسے یا اُنکی نسل میں کسی سے ہے۔

اتگہ خاں کا مقبرہ

درگاہ کی مغربی دیوار کے باہر اتگہ خاں کا مقبرہ ہے انکا نام شمس الدین محمد خان غزنوی ہے اور انکا لقب اعظم خاں تہا اِنکی بی بی نے بھی مثل ماہم انگہ کے اکبر بادشاہ کو دودہ پلایا تہا۔ ہمایوں بادشاہ کو جب شیر شاہ نے شکست دی تہی اور اکبر کے زمانہ میں اُنھوں نے بہرام خان کو جالندہر پر شکست دی تہی۔ ماہم انگہ کے خاندان میں اور اعظم خاں کے خاندان میں رقابت کے سبب سے بہت حسد اور دشمنی ہو گئی تہی جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ ماہم انگہ کے بیٹے ادہم خاں نے اعظم خاں کو آگرہ کے قلعہ میں بارہویں رمضان سنہ ۹۶۹ ہجری مار ڈالا اور اکبر بادشاہ نے اُس خون کے قصاص میں ادہم خاں کو قلعہ کے اوپر سے دو دفعہ گروا کر مروا ڈالا چنانچہ دو خون شد بر بادفی ایک عدد اس واقعہ کی تاریخ ہے دونوں قاتل و مقتول کی نعشیں دفن کے لیے دہلی بہجوا دی گئیں تہیں چنانچہ اعظم خاں یہاں دفن کیے گئے اور ادہم خاں قطب صاحب میں مدفون ہوے جہاں کچھ عرصہ بعد اُنکی شکستہ دل والدہ ماہم انگہ بہی مدفون ہوئیں اعظم خاں کے بیٹے کو کلتاس خاں نے یہہ مقبرہ سنگ

سلیم شاہ کے عہد میں ۹۵۲ھ میں تعمیر کرایا تھا یہہ عیسے خان شیر شاہی امیروں
میں سے تھے اور ان ہی کی کوشش سے سلیم شاہ شیر شاہ کے بعد تخت نشیں ہوئے
تھے۔ مسجد چونے اور پتھر کی بنی ہوئی ہے اور محراب میں سنگ سرخ لگا ہوا ہے
طرز عمارت سیدوں اور لودھیوں کے وقت کی ہے۔ اِس کوٹلہ میں مسجد کے سامنے
عیسے خان کا مقبرہ ہے

عیسے خاں کا مقبرہ

بیچ میں ایک برج ہے اور آس پاس غلام گردش کے مکانات ہیں۔ مقبرہ ہشت پہل
اور خوبصورت ہے کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود عیسے خان نے ۹۵۴ھ میں اسکو
بنوایا تھا۔ وہ یہیں مدفون ہیں علاوہ انکے قبر کے اور بہت سی قبریں ہیں مقبرہ پر یہ کتبہ کندہ ہے

بنا کرد این روضہ جنت بناو در عہد دولت اسلام شاہ بن شیر شاہ خلد ملکہ
سلطان مسند عالی عیسے خان بن نیازی خان حاجب خاص تاریخ ہجری نہصد پنجاہ و چہار ہجرت سنہ

نظام الدین سے شمال کی طرف بارہ کھمبہ کی عمارت پٹھانوں کے وقت کی ہے یہہ بھی ایک
مقبرہ ہے

لال محل

اسکے پیچھے لال محل ہے جو خلجی بادشاہوں کے وقت کی عمارت ہے سلطان علاء الدین
خلجی کے بارے میں جلال الدین کوتوال بانی ہوکر لال محل یا کوشک لال میں تخت نشیں ہوا تھا
اس محل کا نام و نشاں نہیں موجودہ عمارت کو جسے کچھ قرین بھی ہے لوگ لال محل کہتے
ہیں، شاید محل سے متعلق یہ بھی کوئی عمارت ہوگی کہ محل کے ٹوٹنے کے بعد اُس نام
سے مشہور ہوگئی یا ممکن ہے کہ علاء الدین بادشاہ نے یہ عمارت شاہ نظام الدین کے

بارہ پلہ کے پاس مہربان آغا نے ایک منڈی بھی بنائی تھی جسکے آثار باقی ہیں اِس منڈی میں ایک باولی اور ایک مسجد بنی ہوی تھی جسکا اب نشان بھی نہیں ہے۔ بارہ پلہ کے پاس سید محمود بجار کی درگاہ ہے جو بوجہ تقدس کے نہ بوجہہ عمارت کے مشہور ہے احاطہ مقبرہ ہمایوں کے شمال و مشرق کے کونہ میں ایک مکان اور ایک مسجد کے آثار ہیں جسکی طرز عمارت پٹھانوں کے زمانہ کی معلوم ہوتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت نظام الدین کا مکان تھا

عرب سرائے

مقبرہ کے دروازہ کے پاس عرب سرائے ہے جسکو حاجی بیگم ہمایوں بادشاہ کی بیوی نے بنوایا تھا اِس بیگم نے تین سو عرب حرمین شریفین سے لاکر یہاں آباد کیے تھے کہتے ہیں اِن میں سے سو عرب سادات میں سے اور سو مشایخ کبار اور سو عرب عوام الناس سے تھے غدر سے پہلے اِن کی نسل میں سے بندرہ بیس گھر آباد تھے مگر اب اُنمیں سے وہاں کوئی گھر باقی نہیں رہا اِس سرائے کے تین دروازے ہیں مگر شمالی دروازہ سب میں عمدہ ہے اُسکی اوپر کی آفتابی قابل دید ہے شمالی دروازہ سے مشرق کی طرف ایک مسجد اور ایک قبر افسر الدولہ کی مشہور ہے اِسکے بعد عیسٰے خاں کی مسجد اور مقبرہ ہے جسکی چار دیواری ہیں

عیسٰے خان کا کوٹلہ

اور مسجد بنی ہوی ہے وہ عیسٰے خاں کا کوٹلہ کہلاتا ہے جسکو عیسٰے خاں حجاب نے

اصل انھوں نے اپنی بیوی کے لیے بنوایا تہا۔ ۱۰۳۶ھ میں خانخاناں بہتر برس
کی عمر میں مرگئے اور یہاں مدفون ہوے یہہ مقبرہ کسی زمانہ میں بہت عمدہ بنا ہوا
تہا مگر اب بہت خراب و شکستہ ہے کہتے ہیں کہ کل سنگ مرمر آصف الدولہ نے
اکھڑوا کر لکھنؤ میں منگوا لیا اب سنگ سرخ کا ایک کھنڈر رہگیا ہے۔ مگر اب بھی دروازہ
کی عمارت دیکھنے کے قابل ہے۔

بارہ پلہ

اس کے پاس قدیم مغلئی پل بنا ہوا ہے جو بارہ پلہ کے نام سے مشہور ہے لیکن اسکے
صرف گیارہ در ہیں عمارت نہایت خوشنما ہے اور قابل دید ہے مسٹر فنچ نے اپنے
سفرنامہ میں جب وہ شیر شاہ کے زمانہ میں دہلی آئے اس پل کا ذکر کیا ہے یہ
پل مہربان آغا نے ۱۰۲۱ھ میں بنایا تہا۔ جہانگیر بادشاہ کے عہد میں آپ کو آغاے
آغاناں کا لقب ملا تہا جب بڑھاپے میں انھوں نے دہلی میں سکونت اختیار کی تو جہانگیر
نے دہلی کے گورنر کو حکم دیا کہ انکی بہت خاطر داری اور تعظیم کیجاے۔ اس خانہ نشینی
کے زمانہ میں انھوں نے یہ پل بنوایا تہا۔ اس پر یہ کتبہ کندہ ہے۔

[illegible]

یعنے اس کا گنبد گول نہیں ہے بلکہ وہ ایک نہایت خوشنما کلس پر ختم ہوا ہے جس سے
اس برج کا حسن دوبالا ہوگیا ہے جو سنگ مرمر کی جالیاں یہاں لگی ہوئی ہیں وہ
ہندوستان کی عمدہ ترین جالیوں میں سے ہیں۔ مقبرہ کے اندر جانے کا راستہ جنوب
کی طرف سے ہے بیچ کے گنبد میں صرف ہمایوں کی قبر ہے یہ مقبرہ ایک زمانہ تک
شاہی خاندان کا مدفن رہا ہے۔ چنانچہ عالمگیر ثانی اور جہاندار شاہ فرخ سیر دارالشکوہ
سب یہیں مدفون ہیں شمالی مشرقی کونہ میں حاجی بیگم ہمایوں بادشاہ کی بیوی
بانیہ مقبرہ مدفون ہیں حاجی بیگم کا نام حمیدہ بانو بیگم تھا۔ چھت پر گنبد کے گرد کانات
سے ہوئے ہیں جہاں پہلے ایک مدرسہ تھا حاجی بیگم نے ۹۶۲ھ میں اس عمارت کو شروع
کیا اور اکبر بادشاہ نے اسکے بعد پندرہ لاکھ روپیہ کی لاگت سے سولہ برس میں عمارت
کو پورا کیا تھا۔ اس باغ کی کسیقدر درستی کیگئی ہے مگر اب بھی بہت بڑا حصہ باغ کا ویران
پڑا ہے مقبرہ کے احاطہ کے اندر ایک چھوٹا سا مقبرہ سنگ سرخ کا کسی نامعلوم شخص
کا بنوایا ہے اسکی بعض جالیاں بہت خوبصورت اور قابل دید ہیں افسوس ہے کہ اس
پر کوئی کتبہ نہیں ہے جس سے اسکے بانی کا اور زمانہ بنا کا حال معلوم ہوتا مقبرہ کے
باہر جنوب و مشرق کے کونہ میں برج کی عمارت ہے جو نیم خاں کا مقبرہ ہے خانانا
خاں خانان نے ۱۶۲۵ء میں یہ مقبرہ بنایا ہے۔ نیم خاں اسکے رفقا میں سے تھے
اور انہی کی جانب داری میں لڑ کر مارے گئے تھے۔

خانخاناں کا مقبرہ

بند و یلہ کے پاس سے یہ بیرم خاں خانخاناں کے بیٹے تھے کہتے ہیں کہ یہ مقبرہ

ہمایوں کا مقبرہ

مقبرہ کے باغ کے دروازہ کی اسقدر عمدہ کرسی رکھی ہے کہ اُسکی شان بہت بڑھ گئی ہے دروازہ پر بہت مکانات بنے ہوے ہیں جنپر جانے کا راستہ دروازہ کے اندر دونون جانب سے ہے۔ مقبرہ جیسی بے مثال عمارت کے لیے دروازہ نہایت موزوں ہے سنگِ سُرخ ہیں وودیا سنگِ خام اور سنگ مرمر کا کام بنا ہوا ہے ایک دوسرا دروازہ جنوب کی جانب ہے مگر اس دروازہ سے بہت چھوٹا ہے مقبرہ کے گرد چونہ اور پتھر کی فصیل تعمیر ہے جسپر پانی کے بھٹی کا برہہ بنا ہوا ہے مقبرہ کی عمارت ہشت پہل ہے جسکے چار پہل چھوٹے اور چار پہل بڑے ہیں۔ چاروں چھوٹے پہلوں کے لبو نپر چار ہشت پہل برجیاں ہیں۔ مقبرہ کے دروازہ کے دونوں بازو دروازہ سے آگے بڑھے ہوے ہیں بیچ میں ایک عظیم الشان سنگ مرمر کا بُرج بنا ہوا ہے جو از روے پیمایش لندن کے سنٹ پاک گرجا کے برج کا تین چوتہائی ہے۔ یہہ بُرج اسقدر عمدہ اور سدھ بنا ہوا ہے کہ دنیا میں اسکا جواب نہین۔ یہہ عمارت پہلی نظیر اُس طرز عمارت کی ہے جو رفتہ رفتہ آگرہ کے تاج محل کے مقبرہ میں مکمل نظر آتی ہے اگرچہ یہ مقبرہ محض خوبصورتی میں آگرہ کے تاج کی برابری نہیں کرسکتا کیونکہ وہ ازسر تا پا سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے لیکن یہ عمارت تاج سے بہت زیادہ عظیم الشان ہے۔ دیکھنے والے کا دل عمارت کی عظمت سے مرعوب ہو جاتا ہے تاج سے اِس مقبرہ کا بُرج بہت زیادہ خوشنما ہے۔ دہلی کی جامع مسجد کی طرح تاج کا بُرج بھی ایک گرے پڑے شل عبارہ کے اُٹھا ہے مگر ہمایوں کے مقبرہ کے گنبذ کے

پرانہ قلعہ

عمارت بنائی گئی تھی۔ شاہ عالم ثانی کی والدہ لال کنور جب یہاں دفن کی گئیں تو یہ عمارت
بنی اور لال بنگلہ کے نام سے مشہور ہوئی ہیں شاہ عالم کی بیٹی بیگم جان بھی مدفون
ہوئیں شاہ عالم کے بعد یہہ جگہ خاندان تیموریہ کا قبرستان سی بنگئی مرزا سلطان پرویز
مرزا دارا بخت مرزا داود نواب فتح آبادی بیگم اور مرزا بلاقی اور بادشاہ کی بہت سی
حرمیں یہاں مدفون ہیں۔

نیلی چہتری

نواب نوبت خاں کا مقبرہ ہے جو دربار اکبری کے امیر تہے کسی زمانہ
میں اسپر بہت عمدہ چینی کا کام بنا ہوا تہا اور برج پر نیلا چہتر تہا۔ یہ مقبرہ ہشت پہلو
ہے اسکے دروازہ پر یہ کتبہ ہے۔

بہ بین خوش منظر عالی مقامی	درین عالم ندیدہ چشم ایام
چو پر سیدم بگفتا یافت اتمام	پے تاریخ اتمامش خبر دار

نیلی چہتری کے پاس خاص محل بنا ہوا تہا جسکے دروازہ پر یہہ کتبہ تہا۔

بدور شاہجہاں صاحب قران ثانی	کہ در جہانست جہاں پرور و سپہر جناب
بنا نہاد ہمیں زمانہ خاص محل	درین زمین بکرم نیست بہجان در باب
ہمیشہ باد بزیر سپہر بو قلموں	ہی ضمیر منیرش پے صلاح و صواب
اگر ز سال بنایش شود سوالی ترا	حساب کن لسر اے محل خاص جواب

اور اسکے پاس گلال باڑی کی عمارت تہی اب اسکے کچہہ کچہہ کہنڈر رہ گئے ہیں
پرانا قلعہ اور نظام الدین کے بیچ میں سید عابد کا مقبرہ ہے۔ اسپر چینی کاری کا کام
بنا ہوا تہا۔ کہتے ہیں کہ سید عابد خان وعداں خاں کے رفقا میں سے تہے اور کسی لڑائی

تہا جہاں مہابہارت کی مشہور لڑائی واقع ہوئی تہی یہہ پانچوں مشہور موضع
سونی پت باغپت اندرپت اور تلپت ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہمایوں پرانے
قلعہ کی عمارت کو ناتمام چہوڑ گیا تہا اور شیر شاہ نے ہمایوں کے بعد اسکو پورا کیا
ہے۔ اس قلعہ کا نام ہمایوں نے دین پناہ رکہا تہا سنہ ۱۵۴۴ع سے پہلے کی عمارتوں
میں قلعہ کا بلند جنوبی دروازہ اول درجہ کا ہے۔ اس دروازہ سے راستہ شمال کیطرف
شیر شاہ کی مسجد کو گیا ہے یہہ مسجد بہت گہرے رنگ کے سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے
اسکا ایک برج ہے اور مینار نہیں ہیں بعض کے نزدیک یہ مسجد ہمایوں بادشاہ کی
بنائی ہوئی ہے محراب و گوشوں پر آیات قرآنی کندہ ہیں گنبد کے دونوطرف دو چہتریاں
بنی ہوئی تہیں اب وہ باقی نہیں رہیں صحن کے وسط میں ایک مثمن حوض ہے دیوار
کے آلاؤں میں آفتابیاں بنی ہوئی ہیں کوئی کتبہ تعمیر کی بابت نہیں ہے۔
مسجد کے قریب شیر منڈل کی عمارت بنی ہوئی ہے یہہ عمارت شیر شاہ نے بطور سیرگاہ
کے بنائی تہی بیچ میں ایکسکرہ سامنے اور اس کے گرد ایک پتلی سی غلام گردش ہے
جس میں اوپر برج ہے۔ ہمایوں بادشاہ کے زمانہ میں یہاں کتب خانہ بنا ہوا تہا اسکی
سیڑہیوں پر سے ہمایوں بادشاہ گر کر شہید ہوئے تہے۔
پرانے قلعہ سے ہمایوں کے مقبرہ کو چلو تو پہلے بائیں ہاتہہ کو شاہی زمانہ کا بنا
ہوا کوس کا منارہ نظر آتا ہے پیمایش سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ایک
کوس ٹہیک ڈہائی میل کا ہوتا تہا۔ داہنے ہاتہہ کی طرف لال بنگلہ کی عمارت اور
نیلی چہتری کا مقبرہ دکہائی دیتا ہے لال بنگلہ کی بابت کہتے ہیں کہ ہمایوں بادشاہ
کے زمانہ میں ایران جانے سے پہلے یہاں اسکی کوئی حرم دفن کی گئی تہی اور شیر کچہہ

فرید خاں نے سلیم گڑھ ہی کی مرمت کرائی تھی اور شاید سلیم گڑھ ہی کو بنایا تھا
فرید خان کی قبر سرائے شاہ جی میں ہے جو بیگم پور کی مسجد سے چار سو گز کے فاصلہ پر
مشرق میں واقع ہے

اسی سڑک پر کچھہ دور آگے بائیں ہاتھہ پر ایک نہایت عمدہ مسجد اور ایک محل کے کھنڈرات
موجود ہیں جن کو مہابت خاں نامی مشہور امیر نے بنوایا تھا۔ یہہ وہ امیر ہے جسنے شاہجہان
کے ہمراہ ہوکر جہانگیر سے بغاوت کی تھی اور جہانگیر کو قید کر لیا تھا مہابت خاں نسل راجپوت
میں سے تہا اور آخر زندگی میں وہ شیعہ ہوگیا تہا۔ اُس کی قبر کربلا میں موجود ہے
جو منصور کے مقبرہ سے مشرق وجنوب میں واقع ہے۔

اسکے آگے پُرانے قلعہ کی نہایت خوبصورت فصیلیں نظر آتی ہیں۔ قلعہ سے کچھہ فاصلہ
پر ایک چار دیواری ہے جسمیں ایک نہایت خوبصورت دروازہ سنگ سرخ کا اور ایک
بڑی مسجد ہے جسکی خیر المنازل تاریخ ہے۔ ماہم انگہ نے جو اکبر بادشاہ کی انا تہیں
یہاں یہ مسجد اور مدرسہ سنہ ۱۵۶۱ع میں بنوایا تہا۔ ماہم بیگم ادہم خان کی ماں تہیں کتبہ کے
اوپر یہ کتبہ کندہ ہے

بدوران جلال الدین محمد	کہ باشد اکبر شاہان عادل
چو ماہم بیگم عصمت پناہے	بنا کرد این بنا بہر افاضل
ولے شد ساعی این بقعۂ خیر	شہاب الدین احمد خان باذل
پئے خیرات این بقعۂ خیر	کہ شد تاریخ او خیر المنازل

پرانا قلعہ وہ قلعہ ہے جسکو ہمایوں بادشاہ نے اور بعد میں شیر شاہ نے ہندوؤں کے
قدیم قلعہ اندرپت کی جگہ پر تعمیر کیا تہا۔ اندرپت ایک مشہور موضع منجملہ اُن پانچ گاؤں

بادشاہ کا سرتن سے جدا کر ڈالا تہا پیر ور آباد کے اکثر مکانات اُس زمانہ میں برباد کیے گئے جب شاہجہان آباد بسا ہے۔ یہاں کے پتہر نئے شہر میں بہت کام آئے اب دو ایک مکان اُنمیں سے رہگئے ہیں۔ اُنمیں سے ایک جوسٹ کہنا مسجد ہے جو جیل خانہ کے پس پشت اب ہی موجود ہے مگر اسے چند روز ہوے کہ توڑ ڈالی گئی اسکے قریب بائیں ہاتہہ کی طرف لال دروازہ ہے جو سنگ سُرخ کا بنا ہوا ہے حالانکہ یہہ دروازہ شیر شاہ کی دلی کا شمالی یعنی کابلی دروازہ تہا اسکے مقابلہ میں جنوب کی طرف بہی یعنے پُرانے قلعہ کے جنوب و مغرب کے کونہ کے پاس ایک دروازہ بنا ہوا ہے حالانکہ وہ شہر کی جنوبی فصیل کا دروازہ نہ تہا بلکہ کسی شاہی بازار کا دروازہ ہوگا جو قلعہ کے زیر فصیل آباد تہا شیر شاہ کا زمانہ ۹۴۷ھ تہا۔ یہہ دروازہ نہایت عالیشان ہے اسکے سامنے وہ قلعہ تہا جسمیں سے ہمایوں بادشاہ نکالا گیا تہا اور شیر شاہ کے بعد پہر اُسیر ہمایوں کا قبضہ ہوگیا تہا اور آخر کار اُسنے یہیں وفات پائی۔ جنوری ۱۶۱۱ء میں ولیم فنچ سیاح شہر کے اجمیری دروازہ سے شہر میں آیا تہا اور بارہ پل پر سے عبور کیا تہا جو اب تک موجود ہے فنچ سیاح اپنے روزنامچہ میں لکہتا ہے کہ شہر کے چاروں طرف بہت خوشنما باغات ہیں اور اطراف میں گوجروں کی آبادی زیادہ ہے لال دروازہ سے کسیقدر جنوب کیطرف فریدخاں کی کاروانسرائے سے جسکا اب جیلخانہ بنادیا گیا ہے فریدخاں جہانگیر کے عہد میں پنجاب کا صوبہ دار تہا فریدخاں کے سبب سے شہزادہ خسرو کی بغاوت بہت جلد فرو ہوگئی تہی اور جہانگیر بادشاہ تخت نشین ہوئے تہے فریدخاں کا بسایا ہوا قصبہ فریدآباد اب تک آباد ہے اور دہلی سے بارہ میل کے فاصلہ پر قدیم قصبہ تلپت کی جگہ پر واقع ہے

کہ ایک پنڈت نے یہہ پڑہا کہ اسپر یہہ لکہا ہوا ہے کہ اِس لاٹ کو کوئی شخص نہیں اُٹہا سکیگا مگر ایک مسلمان بادشاہ پیدا ہوگا جسکا نام سلطان فیروز ہوگا وہ اُسکو اُکہاڑیگا زمین سے اوپر لاٹ ستّئیس فٹ ہے اور نیچے سے اُسکی مثان کچہہ اوپر نوفٹ دس انچ اور چوٹی پر ساڑہے چہہ فٹ ہے راجہ اسوکا کے چاروں کتبے بہت صاف کندہ ہوئے ہیں اِن کتبوں کی تاریخ تیسری صدی قبل عیسے کی ہی اس کتبہ کے اوپر اور نیچے چوہان راجہ وسالادیوا کے وقت کا کتبہ ہے (۱۱۶۴ء) جب امیر تیمور نے دِلّی کو فتح کیا تو اِس منار کو اور کوشک شکار کے منار کو بھی دیکہا اور بہت پسند کیا اور کہا کہ ایسی یادگار کہیں نظر نہیں آئی۔ چونکہ اِسپر سنہری کلس چڑہایا گیا تہا اِس سبب سے فیروز شاہ کے زمانہ میں منار زرین کے لقب سے مشہور ہوا تہا۔

فیروز آباد کا شہر مغرب کیطرف شاید کلان مسجد تک آباد تہا اور جنوب و شمال میں دو میل طویل فیروز شاہ کے زمانہ کا مورخ لکہتا ہے کہ قصبہ اندرپت سے لیکر کوشک شکار تک چلا گیا تہا۔ شہر کا قلعہ جمنا کے کنارہ واقع تہا اور لاٹ سے ملحق جو کہنڈرات جنوب و جنوب مغرب میں موجود ہیں وہ فیروز شاہ کے قلعہ کے ہیں۔ لاٹ کے متصل فیروز شاہ کی جامع مسجد کے کہنڈر موجود ہیں جنسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی زمانہ میں بہت بڑی عمارت ہوگی اندازہ ہوتا ہے کہ مسجد کے صحن کے چاروں طرف عمدہ دالان بنے ہوئے تھے اور صحن کے وسط میں ایک ہشت پہلو عمارت تہی سطح زمین سے جسکی سطح نیچے تہی جسکے گرد فیروز شاہ کی بنائی ہوئی عمارتوں کا حال کہدا ہوا تہا۔

۱۷۶۰ء میں عالمگیر ثانی کو اُسکے قاتل اسی قلعہ میں بہکا کر لائے تہے کہ وہاں کوئی بہت بڑا درویش صاحب کرامت اُترا ہوا ہے اور یہاں لا کر اُسکے قاتلوں نے

گئیں کہ مضبوط ہے اسکے بعد ایک چھکڑا بیالیس پہیئے کا تیار کیا گیا اور ہر پہیے میں رسّے
باندھے گئے ہزاروں آدمیوں نے رسّوں کے ذریعہ سے لاٹ کو گاڑی پر چڑہایا
ہر رسّے کو دو سو آدمیوں نے کھینچنا شروع کیا اور چھکڑا جمنا کے کنارہ لایا گیا۔ یہاں خود
سلطان اُسے لینے آئے اُنھوں نے پہلے سے بہت سی بڑی بڑی کشتیاں جمع
کر رکھی تہیں جن میں پانچ سات ہزار من غلہ بار ہوسکے اور چھوٹی سے چھوٹی کشتی تہی
وہ ہزار من غلہ اُٹھا سکتی تہی بڑی محنت سے لاٹ چھکڑے سے ان کشتیوں پر لادی
گئی اور جمنا کے اُس پار لائی گئی اور یہاں سے سلطانی محل میں مدت تمام پہنچائی
گئی۔ یہاں جامع مسجد کے قریب اُسکے لیے ایک عمارت تیار کرائی گئی اور نہایت ہنرمند
معمار اس کام کے لیے جمع کیے گئے یہ عمارت چونہ اور پتھر کی کئی منزل اونچی ہی
جب ایک منزل تیار ہوجاتی تہی تو لاٹ اُس پر چڑہا دی جاتی تہی۔ اسی طرح منزل منزل ڈ
عمارت کی چوٹی پر پہنچا دی گئی۔ یہاں اُسکو سیدہا کہڑا کرنے کے لیے تدبیر یہہ کیگئی
کہ لاٹ کے سرے پر مضبوط رسّے باندھے گئے اور رسّوں کے دوسرے سرے چرخیوں
پر لپیٹ دیئے گئے اور بہت سے آدمیوں نے اُن چرخیوں کو پھرایا جب اس طرح لاٹ
دیں سے آدہ گز اونچی ہوگئی تو اُسکے نیچے روئی کے تہیلے اور لٹّے لگا دیے گئے کہ پہر نیچے
نہ گرنے پائے کئی روز میں رفتہ رفتہ لاٹ سیدہی کہڑی کردی گئی اور اُسکے چاروں طرف
پاڑ باندہ دی گئی کہ سیدہی کہڑی رہے۔ چوکور پتہر جسکا پہلے ذکر ہوا اُس کی نیو میں اُتارا
گیا پھر لوٹ کے سر پر سنگ سیاہ وسپید کا کام بنا دیا گیا اور سنہری کلس چڑہا دیا
گیا یہ لاٹ بتیس گز ہے جس سے آٹھ گز میں کے نیچے اور چوبیس گز اوپر ہے اس
لاٹ پر کچہہ ہندی زبان میں لکہا ہوا ہے جسکو کوئی ہندو پنڈت نہیں پڑہ سکا کہتے ہیں

کیا کرتے تہے اور بہت دہوم سے گیارہوین ہوا کرتی تہی۔
اس سے تہوڑے فاصلہ پر شیخ محمد کے بائیں جسیر شاہ صابر بخش کی اولاد قابض ہے اور مہابت خان کی زین مشہور مقامات ہیں۔ یہاں سیر دریا مہابت خاں کی حویلی تہی دہلی دروازہ سے پانسو گز کے فاصلہ پر فیروز شاہ کا کوٹلہ ایک مشہور و معروف عمارت ہے اس قلعہ کو کتب تواریخ میں کوشک فیروز شاہ بہی لکہا ہے یہہ قلعہ جمنا کے کنارہ پر ۱۳۵۴ء میں تعمیر ہوا ہے اس قلعہ میں فیروز شاہ کی لاٹ اور فیروز شاہ کی جامع مسجد بنی ہوئی ہے۔ لاٹ اُن دو پتہر کی لاٹوں میں سے ہے جنکو اسوکا نے ۲۵۰ قبل مسیح بنا کرایا تہا اور فیروز شاہ اس کو مقام ٹوپرا سے جو ضلع انبالہ میں جگادری سے جنوب و غرب میں سات میل پر واقع ہے لایا تہا اور دوسری لاٹ جو پہاڑی پر پیر غیب کی قدیم رصد پر موجود ہے میرٹہہ سے لائی گئی تہی اِن دونوں لاٹہوں کو فیروز شاہ نے اپنے محلات میں ایستادہ کرایا تہا۔
ضیاء الدین برنی نے اِس لاٹ کے لانے کا بہت مفصل حال تحریر کیا ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں ہے اور ہم انگریزی کتاب سے اُسکا ترجمہ کر کے یہان درج کرتے ہین بہت غور و تامل کے بعد اس لاٹ کو نیچے گرانے کے لیے دوآبے کے کل باشندوں کو اور فوج و رسالہ کے سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ حاضر ہوں اور ضروری اوزار ساتہہ لائیں۔ بہت ڈہیر سنبل کی روئی کے منگوائے گئے اور لاٹ کے نیچے رکہدیئے گئے جب زمین کہودی گئی تو لاٹ سنبل کی روئی پر بہت آہستگی کے ساتہہ آپڑی۔ اِسکے بعد رفتہ رفتہ روئی اُسکے نیچے سے نکال لی گئی۔ لاٹ کی نیو میں ایک چوکور پتہر نصب تہا وہ بہی نکال لیا گیا۔ اسکے بعد لاٹ کو سر سے پاؤں تک روئی کے پہل تلذی کہالین پر لپیٹ دین

رہے ۱۸۲۹ء میں نواب فضل علی خاں اعتماد الدولہ وزیر شاہ اودھ نے ایک لاکھ ستر ہزار روپیہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس جمع کردیا کہ اس روپیہ کے محاصل سے مدرسہ کا خرچ چلے۔ سرکار انگریزی کی طرف سے اس مضمون کی عبارت کو پتھر پر کندہ کرکے پیچ کے دروازے میں اسکے رخ نصب کردیا گیا

در لوح نقشے بماند ولیک جزائے عمل نامہ و نام نیک

بیاد حسنات نواب اعتماد الدولہ معیار الملک سید فضل علی خاں بہادر سہراب جنگ کہ یک لاکھ ہفتاد ہزار روپیہ برائے ترقی علوم در مدرسہ ہذا واقع دہلی خاص مولد و موطن خوش بصاحبان کمپنی انگریز بہادر تفویض نمودند منقوش گردیدہ در ۱۸۲۹ء

غدر کے پہلے یہاں سے مدرسہ اٹھا دیا گیا تھا اور یہہ جگہ دار البقا مقرر ہوئی تھی۔ غدر کے بعد یہاں پولس اسٹیشن ہوگیا اور اب چند سال سے عمارت انگلو عربی اسکول کو دیدی گئی ہے

دہلی دروازہ کے سامنے ایک مختصر عمارت مہندیوں کے نام سے مشہور ہے۔ اسکی شہرت زیادہ تر اس سبب سے ہے کہ یہاں سے قریب ایک میدان میں مولانا شاہ ولی اللہ کا خاندان مدفون ہے۔ یہاں شاہ ولی اللہ شاہ عبد العزیز شاہ رفیع الدین شاہ عبد القادر کے مزار موجود ہیں مہندیوں کی عمارت میں سیچے در درسے سے ہوئے ہیں اور اوپر چار برجیاں ہیں چونکہ اس عمارت کی شکل ایسی تھی جیسے کہ حضرت امام غوث الاعظم کی مہندیوں کی ہوا کرتی ہے جو پہلے دہلی میں سا کرتی تہیں اس سبب سے اس عمارت کا نام مہندیاں مشہور ہوگیا یا یہہ سبب ہو جیسا کہ مشہور ہے کہ کسی نواب کی منت پوری ہونے پر مہندیوں کی شکل کی عمارت بنوائی تھی اور وہ یہاں نکلا

درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ

قدم شریف

نکہت بستان سرد ا نبیا	از نہال جعفری خوش گل شگفت
چونکہ بد مشرب فنا اندر بقا	محو حق گشتہ ز اسرار صفت
رخت بستہ زین سرائے بے بقا	چون ندائے ارجعی از حق شنفت
سال تاریخ وصالش خسروی	باقی باللہ نقشبند وقت گفت

یہاں سے تہوڑی دور پر اجمیری دروازہ کے باہر غازی الدین خان کا مدرسہ ہے جسمین مسجد بہی ہے بانی کی قبر بہی ہے اور طلبا کے رہنے کے مکانات بہی ہیں غازی الدین خان نظام الملک کے فرزند تہے جب ۱۷۳۹ء کے واقعات کے بعد اُنکے والد دکن کی صوبہ داری پر چلے گئے تو یہہ دہلی کے دربار میں بہت با اثر وزیر ہوگئے ۱۷۵۲ء میں اُنھوں نے وفات پائی۔

دروازے کے دونو بازو آگے کو بڑہے ہوے ہیں صحن کے تین طرف دوسرے حجرے طالبعلموں کے رہنے کے لیے بنے ہوے ہیں جس طرح سمرقند و بخارا کے مدارس میں ہوتے ہیں مغربی سمت میں ایک خوشنما مسجد سنگ سرخ کی تعمیر ہے۔ جامع مسجد کی طرح مسجد کے دونو پہلوؤں میں کچہہ صحن چہوڑ کر سنگ سُرخ کے دالان اور مسجد کے مابین سنگ باسی کا جالدار مجہر ہے اور اُس مجہر کے اندر دوسرا مجہر سنگ مرمر کا جالدار ہے اور اِس مجہر میں باقی کی قبر اور اُسکے علاوہ دو قبرین اور ہین جنکے تعویذ سنگ مرمر کے ہیں۔

یہہ مدرسہ احمد شاہ اور عالمگیر ثانی کے عہد میں تیار ہوا تہا۔

ایک زمانہ میں انگریزوں نے اِسکو منہدم کرنا چاہا تہا لیکن خدا کا شکر ہے کہ آخر میں صلاح پلٹ گئی اور اُسکے گرد شہر کی طرح فصیل بنا کر اُسکو شہر کی حدود میں لے لیا گیا اور سرکار انگریزی کی طرف سے ایک عرصہ تک یہاں چند مدرس طالب علموں کو پڑہاتے

حسن رسول نما افتخار آل حسن		اولش قرنی ثانی وثالث حسین

درگاہ کے پاس شہر کی طرف پہاڑ گنج کا محلہ آباد ہے اور اس کے پہلو میں قدم شریف کی مشہور درگاہ ہے جہاں پہلے فیروز شاہ کا باغ تھا حسب ۷۷۶ھ یعنی سنہ ۱۳۷۴ء میں فیروز شاہ کے چاہتے بیٹے فتح خاں کا انتقال ہوا فیروز شاہ نے اسکو یہاں دفن کیا اور اسکا مقبرہ بنوایا اور اسکے سینہ پر قدم مبارک رسول مقبول کا نصب کیا جو خلیفہ بغداد نے فیروز شاہ کو تحفۃً بھیجا تھا۔ تغلق کے مقبرہ کی طرح اسکے گرد فصیل بنی ہوئی ہے شاید یہ فصیل مغلوں کے حملہ سے محفوظ رہنے کے لیے بنائی گئی تھی کیونکہ شہر فیروز آباد فصیلوں کے باہر واقع تھا۔ فصیل سے قبر کا راستہ دو نہایت عمدہ بنے ہوئے دروازوں میں سے ہے قبر کے گرد محراب دار دالان ہیں جنکی قطع قابل دید ہے انکے ستون جو کورے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مندر کے ہیں فصیل کے باہر ایک بہت بڑا سنگین حوض ہے یہاں بارہویں ربیع الاول کو بہت بڑا میلا ہوتا ہے اور گیارہویں کی شب کو قوالی ہوتی ہے دروازہ پر یہ کتبہ ہے

	نہایت دہندہ بدای محمد	زہی گم کساں رہنمائے محمد	
	کہ بودے مانند تنہائے محمد	خوش آں مزرعہ سرو بار گاہے	
	ہر آں کو شدہ خاک پائے محمد	عرش گشتہ در زیر پا او مسلم	
	شدہ سیر وال ارکد لے محمد	مسم از سگاں سنگ کوے او	

قدم شریف کے پاس خواجہ باقی باللہ کی درگاہ ہے جہاں اکثر مراد مند جاتے ہیں اس درگاہ کے ستون سنگ مرمر کے ہیں اسپر یہ کتبہ لکھا ہے۔

	عارف باللہ اسرار بصیرت	خواجہ باقی آں امام اولیا	

سرکاری باغ ہے۔ اور کئی باغات ملاکر انگریزی طور پر آراستہ کیا گیا ہے۔
اسکے قریب نہر کے اُس پار قدیم ارمنی عیسائیوں کا قبرستان۔ اور اُرباد خاندان کا
قبرستان کہلاتا ہے جو شاہی ملازم تھے۔
روشن آرا باغ سے ایک راستہ سبزی منڈی ہوتا ہوا کشن گنج کو آیا ہے جہاں ۱۸۵۷ء کی لڑائی کی یادگار
موجود ہے یہاں کپتان بارنٹ مارے گئے تھے یہاں سے سیدہا راستہ لاہوری دروازہ کا
ہے جسکے باہر سرہندی مسجد سنگ سرخ کی بنی ہوی ہے جسکو سرہندی بیگم نے جو شاہجہان
کی بیوی تہین بنایا تہا کل شاہجہانی عمارات کے بہ نسبت یہ عمارت معمولی سی ہے اسکے
برج سنگ سرخ کے بنے ہوے ہیں اور بہت بڑے ہیں پہلے یہاں اکرام کی ایک سرائے
بنی ہوی تہی غدر سے پہلے انگریزوں نے سرائے اور مسجد کی چار دیواری کو توڑ ڈالا سرائے
کی تاریخ کسی نے خوب کہی تہی :۔ امشب کرم کن بسرائے کرام :۔ لاہوری دروازہ سے
جنوب و مغرب میں عیدگاہ کی عمدہ سرائے بنی ہوی ہے جو قابل دید ہے اُور اُس
سے جنوب کی طرف پہاڑ پر عیدگاہ تعمیر ہے اور اس سے جنوب کیطرف بولی بہٹیاری
کے محل کے کہنڈرات پہاڑ پر واقع ہیں جسکو بقول صاحب آثار الصنادید بو لاخاں ٹہپالی
نے تعمیر کیا تہا مگر بعض کے نزدیک اصل نام بو علی بختیاری خدا نما ہے جو کثرت استعمال سے
بہوری بہٹیاری مشہور ہو گیا انکا مزار کہنڈرات کے سامنے میدان میں بنا ہوا ہے اب کہنڈرات
کے پاس ایک باغیچی ہے جسمین متعدد کوئیں تعمیر تہے جو پچکیوں کے نام سے اپنے پانی
کی عمدگی کے لیے مشہور ہیں اکثر شہر کے لوگ صبح کو اس باغیچہ میں ہوا کہانے جاتے
ہیں اور یہاں کا پانی پیتے ہیں جو بہت ہاضم ہے اس سے تہوڑے فاصلہ پر سید حسن
رسول نما کی درگاہ ہے۔ آپ کا مزار کہلا ہوا ہے اور سرہانے یہ شعر کندہ ہے۔

کے قریب جمنا کو عبور کیا تھا دیکھ جوری ۱۷۹۹ء غازی آباد سے مغرب کی جانب وہ میدان ہے جہاں ۱۸۰۳ء میں اور ۱۸۵۷ء میں قیصری دستار ہوے - یہاں سے دو میل مغرب کیطرف بادلی کی سرائے اور موضع میل تھلا ہے جہاں ۸ جون ۱۸۵۷ء کو باغیوں اور سرکاری فوج سے ایک خونریز لڑائی ہوئی تھی -

بادلی کی سرائے سے شمال و مغرب کی طرف ایک میل پر شالامار باغ ہے - اِس باغ کی تعمیر شاہجہان نے ۱۶۵۳ء میں شروع کی تھی - یہہ باغ ویران پڑا ہوا ہے اب بھی یہاں شیش محل کے کھنڈرات موجود ہیں - اِس باغ کا نام شاہجہان نے جائے عیش و عشرت رکھا تھا بریر صاحب سیاح اِس باغ کی بہت تعریف لکھتے ہیں - جنرل اخترلونی ڈاکٹر لونی یہاں گرمیوں میں آکر رہا کرتے تھے -

شالامار سے شہر کیطرف آتے ہوے سڑک کی ایک جانب مبارک باغ یعنی جنرل اخترلونی کا باغ ہے سبزی منڈی کے قریب ترپولیہ کے دروازے ہیں جنکو محلدار خان محمد شاہ رنگیلے کے ناظر نے ۱۷۲۸ء میں تعمیر کیا تھا یہاں ایک بازار بنا ہوا تھا جسکے کئی دروازے تھے اور اُسی کے پاس محلدار خاں کا باغ اب تک موجود ہے یہاں سے آدھ میل پر دہلی کی طرف روشن آرا بیگم کا باغ ہے شاہجہان کی بیٹی روشن آرا بیگم نے یہہ باغ ۱۶۵۰ء میں تیار کرایا تھا روشن آرا بیگم اورنگ زیب کی طرفدار تھیں اور اُنکی بہن جہاں آرا بیگم دارا شکوہ کی اورنگ زیب کی تخت نشینی کے تیرہ برس بعد اُنکا انتقال ہوا اور اِس باغ میں دفن ہیں جس طرح نظام الدین میں اُنکی بہن کی قبر بیچ میں سے خالی ہے اسی طرح اُنکی قبر بھی بیچ میں سے خالی ہوی ہے قبر کے چاروں طرف مختصر سا خوبصورت مکان بنا ہوا ہے - باغ کے مشرقی دروازہ پر ایک بارہ دری میں عمدہ کام بنا ہوا تھا روش کہا

بادشاہ کا پیارا بیٹا فتح خاں مر گیا جس کا بادشاہ کو اِسقدر رنج ہوا کہ اِس نے ملکی کاروبار
بالکل چھوڑ دیے۔ بادشاہ نے فتح خان کو اپنے باغ میں دفن کیا۔ جواب قدم شریف کے
نام سے مشہور ہے وزرائین نے بادشاہ کو بہت کچھہ سمجھایا اور عرض کیا کہ حضور اپنا دل بہلا ئین
اور شکار میں کچھہ دن تک مصروف ہیں۔ بادشاہ نے وزرا کی صلاح قبول کی اور نئی دہلی
کے پاس ایک شکارگاہ تعمیر کی جسکی دیوار دَور میں دو تین فرسنگ تہی اور اِس احاطہ میں سایہ دار
درخت لگوائے اور شکار چھوڑوایا جو لاٹ یہاں استادہ تہی وہ اٹھارہویں صدی کے شروع
میں گر پڑی تہی اور ڈیڑھ سو برس تک زمین پر پڑی رہی تہی اِس سبب سے اِس لاٹ کی سطح کوٹلہ
کی لاٹ کی بہ نسبت کسیقدر ناہموار ہے اور حروف بہی جو اُسپر کندہ ہیں اِسقدر صاف نہیں
ہیں کیونکہ کوٹلہ کی لاٹ ساڑے پانچسو برس سے سیدہی کہڑی ہے اور اِسکے علاوہ جہاں سے
لائی گئی تہی سولہا سو برس سے وہاں بہی سیدہی کہڑی تہی۔

لونی کو فتح کر کے جہاں نما پر تیمور نے ۱۲۹۸ء میں دریائے جمنا کو عبور کیا تہا۔ لونی ایک مختصر گاؤن
کی حیثیت سے اب تک موجود ہے سلطان محمود خاں اور اُسکے وزیر بلو خان نے تیمور
کے لشکر پر حملہ کیا اور یہ حملہ جہاں نما کے مقام پر ہوا تہا لیکن اِس کو کامیابی نہیں ہوئی
غالباً کوشک شکار سے باہر چوبرجی مسجد تہی جو اب تک شکستہ حالت میں موجود ہے
یہہ عمارت فیروزشاہ کے زمانہ کی ہے ۱۳۵۴ء کے بعد جو کچھہ تغیر و تبدل اِسمیں ہوے ہیں
اُس سے اُسکی صورت بالکل بدل گئی ہے۔

پہاڑی کے شمالی سرے پر جہاں وہ دریا کے کنارے پر یکایک ختم ہو گئی ہے موضع وزیر
آباد کی حد میں شاہ عالم نامی درویش کی درگاہ ہے۔

یہہ عمارت فیروزشاہ تغلق کے زمانہ کی تہی یعنے ۱۳۹۸ء تیمور نے دہلی کو تباہ کر کے وزیر آباد

دلی اس بہت صدمہ پہونچ گیا تہا اور جو اس قابل ہرگز نہ رہی تھی کہ دشمن کو روک سکتی
کابلی دروازہ کے باہر قدسیہ باغ کے کھنڈر ہیں جو اسی کا مصداق ہے کسی زمانہ میں یہاں ایک
نہایت پرفضا باغ اور ملکہ زمانی بیگم کی قبر تھی جو محمد شاہ کی والدہ تہیں جنہوں نے بادشاہ
کو سیدوں کے پنجہ سے نجات دی تھی قدسیہ باغ سے آگے پہاڑی ہے جہاں ۱۸۵۷ء کی بڑی
لڑائی ہوئی تھی اور انگریزی فوج کے مورچے بنے ہوئے تھے غدر سے پہلے پہاڑی
سے لیکر میٹکاف صاحب کی کوٹھی تک انگریزی گورنمنٹ کے دفاتر مثل تارگھر وغیرہ کے بنے
ہوئے تھے اور اسکے پاس پرانی چھاؤنی کا بازار تہا اس پہاڑی پر ایام غدر کی مختلف یادگاریں
سرکار انگریزی نے بنوادی ہیں جہاں جو شخص ہلاک ہوا ہے وہاں پتھر پر اسکا نام وغیرہ کھدوا دیا
گیا ہے ان کے علاوہ ایک منارہ بنا ہوا ہے جسکی چاروں طرف ان لوگوں کے نام کھدے ہوئے
ہیں جو اس جگہ لڑائی میں مارے گئے تھے منارہ کے اندر اوپر جانے کی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں
علاوہ ان مقامات کے جنکو صرف ایام غدر سے تعلق ہے پہاڑی پر بعض قدیم مقامات موجود
ہیں اس پہاڑ پر فیروز شاہ کی شکارگاہ تھی جسکو کشک شکار کہتے تھے۔ یہاں فیروز شاہ نے
میرٹھ سے پتھر کی لاٹ لاکر کھڑی کی تھی جو کوٹلہ کی لاٹ سے کسیقدر چھوٹی ہے اور ایک
رصدگاہ پرانی یادگار ہے جو اس زمانہ میں پیر غیب کے نام سے مشہور ہے کہتے ہیں کہ
اس رصد خانہ کے تہ خانوں میں سے نیچے نیچے میلوں کو رستہ چلا جاتا ہے اسی مقام پر
ایک عمدہ باولی ہے جو فیروز شاہ کے وقت کی تھی اور شکارگاہ کے ساتھ تعمیر ہوئی تھی
اس شکارگاہ کو جہاں نما بھی کہتے تھے جس نام سے وہاں کا موضع اب تک مشہور ہے
اس شکارگاہ کی تعمیر کا حال مورخ نے یوں بیان کیا ہے کہ ۷۷۴ ہجری میں وزیر ملک
مقبول خان جہاں کا انتقال ہوگیا اور اسکی جگہ اسکا بیٹا جونہ شاہ وزیر ہوا ۷۷۴ھ

معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت پوری لکہوائی گئی تہی - آخر زمانہ میں مرہٹوں نے بہی اِس نیلی چہتری کی مرمت کرائی تہی

تعمیرات بیرون شہر

کشمیری دروازہ کے باہر قدسیہ باغ ہے پہلے اِس باغ کے مشرق کیطرف دریائے جمنا بہتا تہا مگر اب وہاں سے بہت دور بہتا ہے - اسکے چاروں طرف دیوار تہی وہ بہی توڑ ڈالی گئی ہے صرف باغ کا دروازہ شکستہ حال موجود ہے کسی زمانہ میں نہایت خوبصورت بنا ہوا تہا - قدیم عمارات میں سے اِس باغ میں صرف ایک خوشنما مسجد سنگ سُرخ کی بنی ہوی باقی ہے جسپر غدر کے زمانہ کی گولہ باری کے نشانات موجود ہیں اِس باغ میں اُن توپخانوں کے مقامات بنے ہوے ہیں جہاں سے انگریزوں نے شہر کی فصیل پر گولہ باری کی تہی اور جنوب و مغرب کے کونہ میں جنرل نکلسن کی قبر ہے - باغ کے شمال و مغرب کے کونہ میں لڈلو کیسل ہے جہاں مسٹر سیمن فریزر صاحب کمشنر رہتے تہے اور اب وہاں دہلی کلب ہے - شہر کی موجودہ فصیل اور دمدمے انگریزی گورنمنٹ نے سنہ ۱۸۰۴ء اور سنہ ۱۸۱۱ء کے مابین بنوائے تہے اور اسی زمانہ میں کشمیری دروازہ بہی از سر نو تعمیر کیا گیا تہا تاکہ آیندہ مرہٹوں کے حملوں سے شہر محفوظ رہسکے - کیونکہ جب سنہ ۱۸۰۴ء میں جسونت راؤ ہلکر نے شہر پر حملہ کیا ہے تو انگریزوں کو اُسکی حفاظت میں بہت مشکل پڑی تہی - انگریزوں کی طرف سے کرنیل اختر لونی داو کٹر لونی اور کرنیل برن صاحب شہر کے محافظ تہے مرہٹوں نے ستر ہزار فوج اور ایک سو تیس ضرب توپ سے سات روز تک یعنی ۸ - اکتوبر سے پندرہ اکتوبر تک شہر پر متواتر حملے کیے مگر انگریزوں نے بہت تہوڑی سی فوج سے اُنکے حملوں کو پسپا کر دیا اور وہ بے نیل و مرام واپس گئے ظاہرا شاہی فصیل کبہی مکمل نہیں ہوئی اور جو کچھہ بہی ہوئی اُسکو سنہ ۲۰ ...

جامع مسجد کے پیچھے چاوڑی بازار ہے اس بازار کے وسط میں شاہ بولا کا ٹھ ہے شاہ باقی نہیں ہا یہاں ایک فقیر شاہ بولا نامی رہا کرتے تھے یہاں سے سید ہا راستہ قاضی کے حوض کو گیا ہے۔ یہہ حوض اب باقی نہیں ہے صرف نشان رہگیا ہے۔
قاضی کے حوض سے ایک راستہ لال چاہ کو گیا ہے اس بازار میں ایک چھوٹی سی مسجد سنگ سُرخ کی مبارک بیگم کی بنوائی ہوئی ہے۔ یہہ انگریزی سپاہ سالار اختر لونی کی بیوی تہیں یہ مسجد اب شکستہ حال ہے اور دہلی کے یتیم خانہ کے سپرد ہوگئی ہے لال چاہ سنگ سُرخ کا بنا ہوا ہے اِس سبب سے اسکا نام لال کنواں ہے۔ اِس بازار میں لال دروازہ نواب مدل بیگ خان کی حویلی اور زینت محل کا مکان مشہور مکانات ہیں جہاں اب محلے آباد ہیں قاضی کے حوض سے دوسرا راستہ سید ہا اجمیری دروازہ کو گیا ہے اِس راستہ پر رضیہ بیگم کی حویلی ہے جہاں ایک محلہ آباد ہے اور گلی شاہ تارا جہاں ایک فقیر تارا شاہ رہتے تہے نامی محلہ میں جمنا کے پُل کے راستہ میں سب سے پہلے قابل ذکر نگمبود کا گہاٹ اور دس اسوامیدہ مقام ہے ان مقامات کا تعلق قدیم ہندو تواریخ سے ہے اندرپت کے پانڈوے بادشاہ نے دس اسوہ میدہ یہ یودشٹر کی پوجا کی تہی اور نگمبودہ گہاٹ پر بیوادیوتا کو ویدہ کا دوبارہ علم دیا گیا تہا نگمبود گہاٹ اب دریا کے ہٹ جانے سے خشکی میں ہے اسکے قریب نیلی چہتری کا گنبد یا بنگلہ ہے بعض کا قول ہے کہ یہہ ہندوؤں کے زمانہ کا مندر ہے اور اسکو ہمایوں بادشاہ نے توڑکر از سر نو بنوایا یا اسکی مرمت کی تہی اور جہانگیر نے پہر اسمیں کچہہ مرمت کرکے یہہ عبارت سنگ پر کندہ کرا لکہوادی تہی مدینہ جہانگیر شاہ ابن اکبر شاہ کہ بہ پیش جائے کامرانی نشستن گاہ جنت آشیانی ابن مت چونکہ جہانگیر کا لقب بعد وفات کے جنت آشیانی قرار پایا تہا ان کے

نام ہوا اور شہر فیروزآباد کی یہ جامع مسجد اور کلان ترین مسجد ہو کچھ تعجب نہین کہ فیروزآباد
کا شہر جمنا کے کنارہ تک آباد ہو اور فیروز شاہ کا کوٹلہ اُس کے جنوبی حدود سے باہر
ہو کیونکہ عموماً محل شاہی شہر سے علحدہ ہوا کرتا ہے اِس مسجد کی کرُسی بہت بلند ہے
اِسکی بتیس ۳۲ سیڑھیاں ہیں جو نائشہ جان جہان ابن خان جہاں وزیر نے فیروز شاہ
کے عہد میں ۷۸۹ھ؁ تعمیر کرائی تھی - یہ مسجد گھی ہے ہر گہین پانچ پانچ درہین - اِس مسجد
کا طول ۱۷ فٹ اور عرض ۱۴ فٹ ہے ہر در پر چھوٹے چھوٹے برُج ہین اور بیچ کا
برُج بڑا ہے کل پندرہ برُج ہیں - اِسکی دیوارین سڑک سے ۲۶ فٹ بلند ہین اور اندر
کی طرف پسلواں بنی ہوئی ہیں اور مسجد کا دالان زمین سے ۴۰ فٹ کی کرُسی پر ہے
کسی زمانہ مین اِس کی استرکاری کے نقش و نگار بہت خوبصورت تھے اِسکے صحن
میں کئی قبرین ہیں منجملہ اُنکے ایک جان جہان بانی مسجد کی ہے اور دوسری خان جہان
اُنکے والد کی ہے مسجد پر یہ کتبہ کندہ ہے -

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بفضل و عنایت آفریدگار در عہد دولت بادشاہ دین دار الواثق بتائید الرحمن ابو المظفر فیروز شاہ
السلطان خلد اللہ ملکہ این مسجد بنا کردہ بندہ زادہ درگاہ جو نائشہ مقبول المخاطب خان جہان
خدا برین بندہ رحمت کند ہر کہ درین مسجد بیاید بدعاے خیر بادشاہ مسلماناں و این بندہ
بفاتحہ و اخلاص یاد کند حق تعالےٰ این بندہ را بیامرزد بحرمتہ النبی و آلہ مسجد مرتب شد بتاریخ
دہم ماہ جمادی الآخر سنہ تسع و ثمانین و سبعمأۃ ہجری

خوبصورت حراب حالت میں ہے قبر کا تعویذ بھی باقی نہیں رہا اس احاطہ میں ایک دوسری قبر ہے جو شجیعہ بیگم کی ہے دونوں قبریں رجی جبی کی درگاہ کے نام سے عوام میں مشہور ہیں رضیہ سلطانہ بیگم سلطان شمس الدین التمش کی بیٹی تہیں سلطان شمس الدین کی وفات کے بعد اُنکا بیٹا سلطان رکن الدین تخت نشین ہوا اُسنے اپنی بہن رضیہ سلطانہ بیگم کو قید کرنا چاہا۔ مگر رضیہ سلطان نے اپنے باپ کی فوج کو اپنی طرف کرلیا اور رکن الدین قتل ہوا ساڑھے تین سال تک وہ ہندوستان کے تخت پر متمکن رہی یہ ہندوستان کے اول ملکہ قیصرہ ہند نہایت عقلمند عادل اور سخی ملکہ تہی اور میدان جنگ میں اپنے لشکر کی افسری آپ کرتی تہی چونکہ ملکہ نے اپنے ایک حبشی غلام کو امیرالامرا کا خطاب دیا تہا دربار کے امرا کو یہہ امر ناگوار ہوا اور ملکہ کی جانب بدگمانی پیدا ہوگئی۔ ایک ترکی سردار التونیا نامی نے جو سرہنڈ کا حاکم تہا بغاوت کی۔ اس بغاوت میں حبشی مارا گیا اور رضیہ بیگم رضیہ سلطانہ کو التونیانے قید کرلیا تب رضیہ سلطانہ نے کوئی چارہ نہ دیکہا ناچار اُس ترکی سردار سے نکاح کرلیا اور اُسکی مدد سے اپنے بہائی معزالدین بہرام سے دو خونریز لڑائیاں لڑیں آخر لڑائی میں رضیہ سلطانہ اور اُنکا شوہر قید ہوگئے اور مروا ڈالے گئے سنہ ۶۳۸ ہجری کتب تواریخ میں لکہا ہے کہ وہ فیروزآباد میں مدفون ہوئیں چونکہ یہ تحقیق ہے کہ کالی مسجد ستیک شہر فیروزآباد کی جامع مسجد تہی اسلئے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اس مزار کی بابت عام روایت کو یقین نہ کیا جائے کہ یہہ مزار درحقیقت مزار درحقیقت اول ملکہ ہندستان رضیہ سلطانہ کا ہے

کالی مسجد

بلبلی خانہ اور ترکمان دروازہ کے بیچ میں کالی مسجد ہے شاید اول یہی کلاں مسجد اسکا

مسجد سید رفائی صاحب

اس رستہ میں سید رفائی صاحب کی مسجد ہے جو بہت قدیم زمانہ کی بنی ہوئی ہے مگر چونکہ غدر سے پہلے یہاں سید صاحب سکونت پذیر تھے اور اسکی کچھ مرمت بھی اُنھوں نے کرائی تھی اِس سے اُنکے نام سے مشہور ہوگئی آثار الصنادید میں لکھا ہے کہ اِن سید صاحب کے ہاں ایک مجلس بنام حضرہ ہوا کرتی تھی اور اُس مجلس میں خاص مریدوں کے ہاتھہ میں چھرے ہوتے تھے اور وہ حالت وجد میں ایک دوسرے کو چھرے مارتے تھے مگر کوئی زخمی نہوتا تھا اور اگر ہوتا بھی تھا تو سید صاحب لب لگاکر اُسکو اُسیوقت اچھا کر دیتے تھے مجلس کی بڑی شرط یہ تھی کہ اُسکے گرد وپیش میں کوئی عورت نہو۔ نواب مصطفٰے خان اور محمد امیر خوشنویس کے مکانات بھی اسی سڑک پر واقع تھے اِسکے بعد نواب عزیز آبادی کی حویلی ہے جہاں اب ایک محلہ آباد ہے آگے چلکر شیدی فولاد خاں کا بنگلہ تھا شیدی فولاد محمد شاہ کے وقت میں شہر کے کوتوال تھے اُسکے آگے مفتی صدرالدین خان کی حویلی ہے جو اب تک موجود ہے یہہ حویلی اصل میں لالہ ہزارہ بیگ کی حویلی تھی جو مفتی صاحب نے خرید لی تھی اسکے آگے ٹیا محل کا محلہ ہے جسکی وجہ تسمیہ کسی کتاب سے دریافت نہیں ہوئی یہاں قبر سے ایک راستہ چوڑی والوں کے محلہ کو گیا ہے اور ایک رستہ شاہ کلن کی ڈگڈگی سے بلبلی خانہ محلہ سے ہوتا ہوا استیارام کے بازار کو نکل گیا ہے۔

رضیہ سلطانہ کا مزار

بلبلی خانہ کے پاس رضیہ سلطان بیگم کا مزار ہے آپ کے مزار کے گرد ایک مختصر سا احاطہ

نقشہ درگاہ شاہ ترکمان صاحب
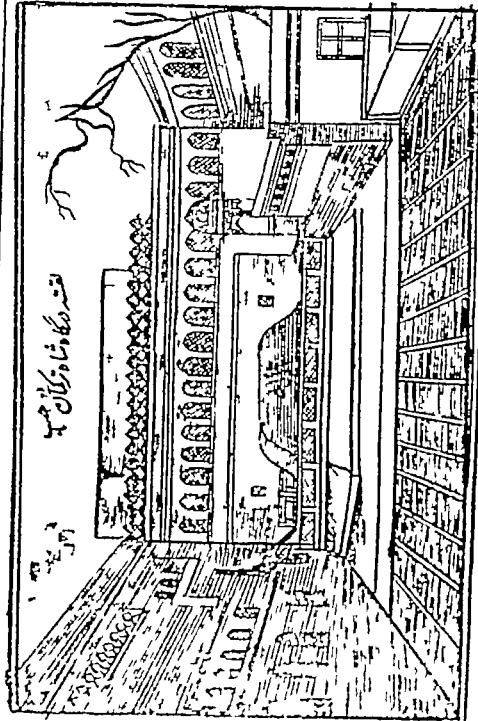
اولیا مسجد

فیض بازار سے جسکے بیچ میں مثل چاندنی چوک کے نہر بہتی ہے اور اس نہر کا نام فیض نہر ہے داہنی طرف رستہ بہرام خاں کے تراہہ کو موڑ جاتا ہے۔ اس راستہ میں اولیا مسجد سنہ ۱۲۶۱ کی بنی ہوئی اور اس کے آگے دری کی مسجد سنہ ۹۴۲ ہجری کی ایک برج کی بنی ہوئی ہے تراہے سے رستہ فیض اللہ خان بنگش کے کمرہ کے نیچے ہوتا ہوا جتلی قبر کو آتا ہے دست راست کیطرف نواب اعظم خاں کی حویلی ہے جہاں اب نمک محلہ آباد ہے اور دست چپ کیطرف ترکمان دروازہ کو راستہ گیا ہے۔ جتلی قبر کی بابت مشہور ہے کہ یہہ سید روشن صاحب شہید کی ہے جس تعمیر کو ساڑے پانسو برس ہوے جو راستہ ترکمان کو گیا ہے اسمیں میر مہدی صاحب کا مزار ہے یہاں مرزا سلیم ابن اکبر شاہ بھی مدفون ہیں اس سے آگے غلام علی صاحب کی خانقاہ ہے۔ علاوہ شاہ صاحب کے یہاں مرزا جان جانان مظہر اور شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار ہیں اور اس سے آگے شاہ کلن کی ڈگڈگی یعنے مزار ہے اور اس سے آگے ترکمان دروازہ کے پاس شاہ ترکمان کا مزار ہے یہہ بیابانی کی درگاہ ہے اور اسی درگاہ کے سبب سے اس دروازہ کا نام ترکمان دروازہ رکھا گیا ہے۔ ایک احاطہ میں آپ کا مزار ہے جسکے گرد سنگ مرمر کا کٹہرا لگا ہوا ہے اور تھوڑی دور تک سنگ مرمر کا فرش ہے باقی سنگ سرخ بچھا ہوا اس درگاہ میں ایک کھرنی کا درخت ہے جسکی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت کا بویا ہوا ہے۔ تاریخ وفات آپ کی ۲۴ رجب سنہ ۶۳۷ھ ہے اس تاریخ پر ہر سال بہت دہوم سے آپ کا عرس ہوتا ہے جتلی قبر سے دوسرا راستہ سیدہا جامع مسجد کو جاتا ہے۔

مسجد روشن الدولہ
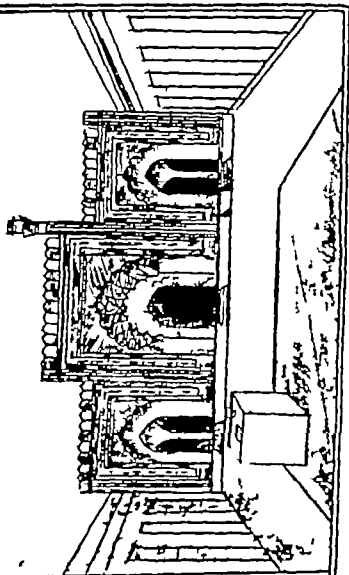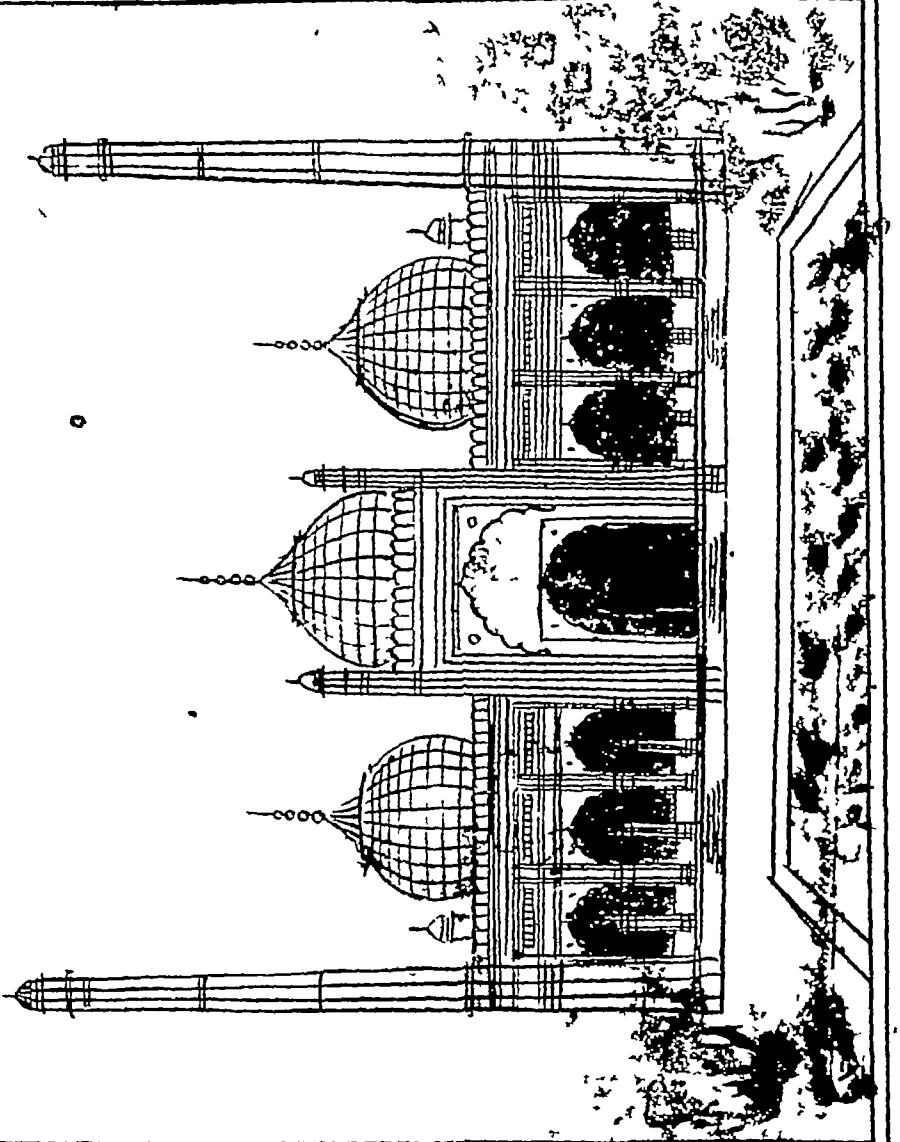
نقشہ زینت المساجد

زینت المساجد

جیراتی دروازہ کے پاس زینت المساجد ہے جسکو سنہ [illegible] میں زینت النساء بیگم اورنگ زیب کی بیٹی نے بنوایا تھا انکا مدفن شمال کی طرف اس مسجد میں ہے غدر کے بعد جب یہ مسجد فوجی قبضہ میں آئی تھی تو تعویذ اکھیڑ ڈالا گیا تھا یہ مسجد سات در کی ہے بیچ کا در بڑا اور آس پاس کے در چھوٹے ہیں اسکے منارے بہت بلند ہیں کل سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے اور بہت خوبصورت ہے اسپر یہ کتبہ کندہ ہے۔

مونس ما در لحد فضل خدا تنہا بس است　　سایۂ از ابر رحمت قبر پوش ما بس است

روشن الدولہ کی سنہری مسجد

فیض بازار میں قاضی واڑہ کے پاس روشن الدولہ کی سنہری مسجد تھی جسکے تین سنہری گنبد تھے اس مسجد کے بنانے سے کوتوالی کے برابر کی سنہری مسجد روشن الدولہ نے بنوائی تھی اسپر یہ کتبہ کندہ تھا

شکر حق کز یمن فیض سید عرفاں پناہ　　شاہ بھیکواں مرشد کامل ولایت دستگاہ
در زمان شاہ اسکندر نشان جمشید قدر　　معدلت گستر محمد شاہ غازی بادشاہ
روشن الدولہ ظفر خاں صاحب جود و کرم　　کرد تعمیر طلائی مسجد عرش اشتباہ
مسجدے کاندر فضائے صحن فیضش تا بحال　　کردہ از نور شعاع مہر روز و شب نگاہ
حوض صاف او نشان از چشمۂ کوثر دہد　　ہر کہ از آتش وضو سازد شود پاک از گناہ
سال تاریخش رسائی یافت از الہام غیب　　مسجد چون بیت اقصیٰ جہت نور اللہ

نقشہ سنہری مسجد نمبر ۲
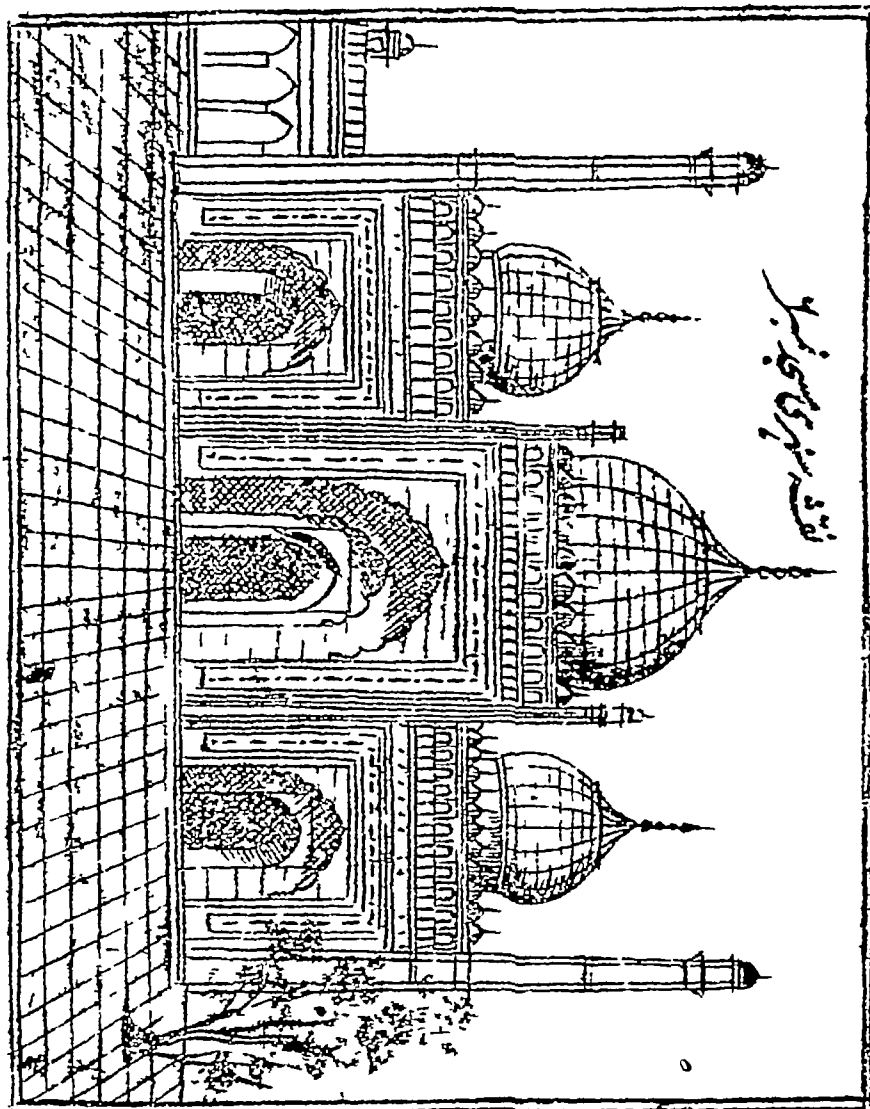
کے مابین خاص بازار واقع تھا قلعہ کے دہلی دروازہ کے سامنے دو پتھر کے ہاتھی کھڑے تھے جن کا ذکر لال قلعہ کے بیان میں ہو چکا ہے جو آگرہ سے لائے گئے تھے اور جن کی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ جیتوڑ کے محافظین کے بت اُن پر سوار کیے گئے تھے ان ہاتھیوں کے کچھہ اجزا قلعہ میں سے دستیاب ہوئے تھے جسے ایک ہاتھی مرتب کیا گیا ہے اور وہ ملکہ کے باغ میں موجود ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا

جوّاد خان کی سنہری مسجد

دہلی دروازہ کے سامنے تھوڑی دور پر جواد خان کی سنہری مسجد ہے جو ۱۷۵۱ء میں تعمیر ہوئی تھی یہ مسجد سنگ خاص کی بنی ہوئی ہے جوّاد خان قدسیہ بیگم والدہ احمد شاہ کا منتہا تھا جب احمد شاہ تخت سے اُتارے گئے اور انکی آنکھیں نکال ڈالی گئیں تو جوّاد خان بھی قتل کرڈالا گیا تھا اسکے دو دو مینار سنگ خاص کے ہیں اسکے تینوں برج کاٹ کے بنے ہوئے تھے جن پر موٹے موٹے تانبے کے پتر اور تانبے پر سونے کے پتر چڑھائے گئے تھے جب کاٹ گل گیا تو برج اُتار ڈالے گئے مسجد کی بائیں طرف کاٹ کے دالان میں کچھہ تبرکات رکھے رہتے تھے اُسپر یہ کتبہ کندہ ہے۔

شکر حق در عہد احمد شاہ غازی بادشا	خلقِ پروردار گرستاں عالم را پناہ
مسجدے کرد و بنا نواب قدسی عز وجاہ	باد دائم فیض عام آں ملائک سجدہ گاہ
سعی نواب بہادر صاحب لطف وکرم	ساحت تعمیر ایں جاوید خانی دستگاہ
باہ دتوس وصاف جعتی آمدے نکہت بہ	ہر کہ از آتش طہارت کرد شد پاک از گناہ
سال تاریخ چہ جرم بات از الہام غیب	مسجد بیت مقدس مطلع نور الٰہ

سرکاری ڈاکخانہ کلاں

نقشہ گرجاگھر متصل دروازہ کشمیری دہلی
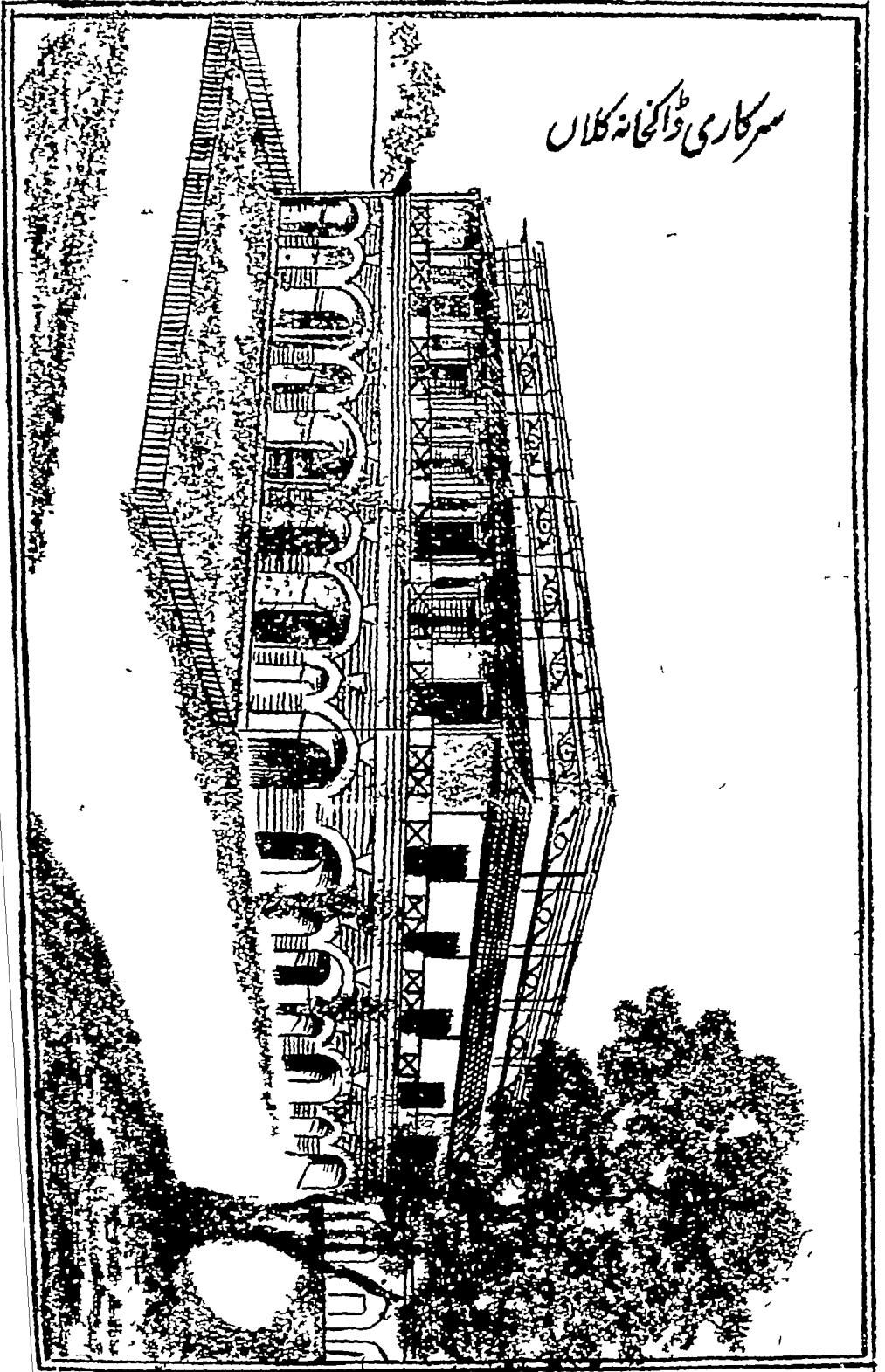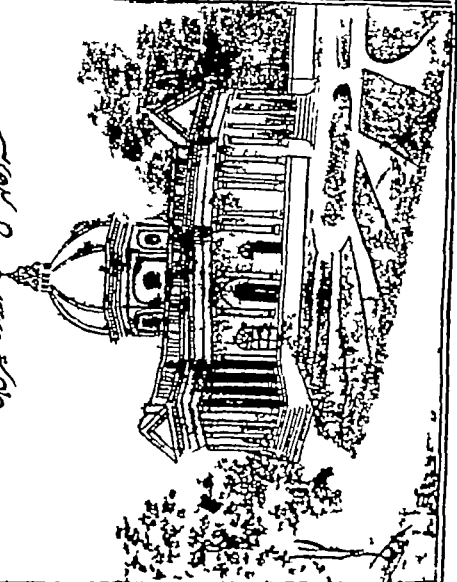
کرنیل جیمس سکنر کا گرجا گھر

اسکے سامنے کرنیل جیمس سکنر کا بنایا ہوا گرجا گھر ہے اسکی عمارت میں اسی ہزار روپیہ صرف ہوا تہا گرجا کے احاطہ میں کرنیل جیمس اسکنر کی اور سمن فریزر کی قبریں ہین جو ۱۸۳۵ء میں دہلی میں مارا گیا تہا یہین سر ٹامس مٹکلف صاحب کی بہی قبر ہے جنہوں نے مٹکلف کیبل کی عمارت بنائی تہی۔

محل مردان علی خان

جو سڑک یہاں سے جامع مسجد اور لال قلعہ کو گئی ہے اُسکے کنارہ پر مردان علی خاں کا محل تہا جہاں ہای اسکول ہے اِسی مکان میں ۱۸۳۰ء کے بعد بہت دن تک دہلی کے رذیڈنٹ رہا کیے اور اسی مکان میں دہلی کالج تہا جو ۱۸۷۳ء میں بند ہوگیا۔

سرکاری ڈاکخانہ

اِسکے بعد سرکاری ڈاکخانہ کی عمارت ہے جہان غدر میں چند اہلکار بہت مردانگی کے ساتھہ اخیر وقت تک کام کرتے رہے تہے اور حال میں اُنکی ایک یادگار وہاں بنائی گئی ہے۔ ڈاکخانہ کے قریب پُرانے میگزین کا دروازہ ہے جسکو ملازمین سرکار نے بہت ہی بہادری کے ساتھہ باغیوں سے بچایا تہا اور آخرکار میگزین کو اُڑادیا تہا یہاں سے سڑک جنوب کو ریل کے پُل کے نیچے سے مُڑکر سیدہی قلعہ کے نیچے ہوتی ہوی قلعہ کے لاہوری دروازہ کے سامنے سے گزرکر فیض بازار میں جاملی ہے جو قلعہ کے دہلی دروازہ کے اور شہر کے دہلی دروازہ کے مابین اِس طرح واقع تہا جیسکہ قلعہ کے لاہوری دروازہ کے اور جامع مسجد
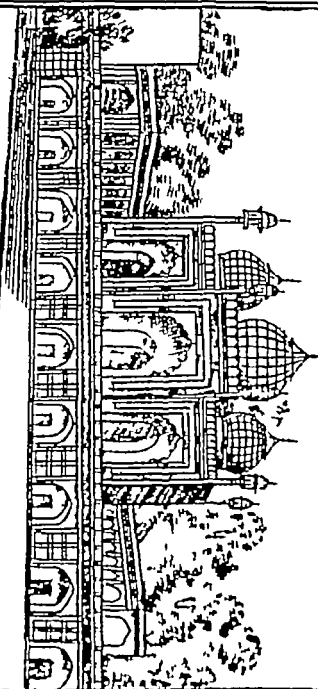
نقشہ فخر المساجد

محل تہا جسجگہ اب ریل کا اسٹیشن ہے وہاں پنجابی کٹڑہ میں نواب اورنگ آبادی بیگم کی بنوائی ہوی بہت بڑی مسجد تہی یہہ خاتون اورنگ زیب بادشاہ کی بیوی تہیں یہ مسجد سرخ رنگ کی بنی ہوی تہی

فخر المساجد

لب سڑک کشمیری دروازہ کے پاس فخر المساجد بنی ہوئی ہے یہہ ایک چھوٹی سی نہایت خوشنما مسجد ہے کرسی میں کئی دوکانین ہین مسجد کی روکار سنگ مرمر کی ہے اور سنگ سرخ کی پچّی کاری ہے مسجد کے اندر اجارہ تک سنگ مرمر ہے اسکے برج سنگ مرمر کے ہین جنمین سنگ موسے کی دہاریان بنی ہوی ہین برجوں پر سنہری کلس ہیں اندر کا فرش سنگ مرمر کا اور باہر کا سنگ سرخ کا ہے جنوبی ضلع میں نہایت خوبصورت دالان سنگ سرخ کے بنے ہوے ہین شمالی کیطرف بہی جواب میں دالان ہے اسی طرف حوض اور فوارہ تھا۔ یہ مسجد فاطمہ فخر النسا بیگم زوجۂ نواب شجاعت خاں نے اپنی یادگار میں ۱۱۴۱ھ میں بنوائی تہی اسپر یہ کتبہ کندہ ہے

کتبہ

خان دین پرور شجاعت خاں بجنت یافت جا	بارضاے حق تعالے از طفیل مرتضے
صدر خاتوناں کنیز فاطمہ فخر جہاں	یادگارش ساخت این مسجد بفضل مصطفے

کتبہ دروازہ

یا اللہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ یا اللہ

کتبہ اندرونی پیشانی چوکھٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ور ماتقی رب لعوت تمام شد ایں مادری وچاہ درماہ رمضان
سنہ سعمد ونجاہ دہست ہجری ر ح محمد مصطفےٰ رسول درگاہ حضرت الٰہ درر مل
عادل اسلام شاہ بن شیر شاہ ساکردہ کارکردیں ازجملہ ہشتی خواجہ عماد الملک عرف عبد اللہ
لاذر قریشی سدہ گاں کر بادرلے امید وار عنایت ومرحمت کردہ مارسری مالیتک

کتبہ دیوار شمالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم درعہد وزماں شاہ سلطان السلاطین والمظفر اسلام شاہ بن شیر شاہ
سلطان خلد اللہ ملکہ وسلطانہ ساکردہ این چاہ بتوفیق اللہ درروح رسول اللہ ملک عماد
الملک عرف خواجہ عبد اللہ لا در قریشی بدار الملک حضرت دہلی بی ستہ اتی وخمسین وتسعمائت

دوسرا دروازہ شرق میں چاندنی چوک کی جانب اور تیسرا جنوب میں باغدار لال چاہ کی
طرف ہے جو کمرہ چاندنی چوک کی جانب ہے اب اُسپر دوسری منزل بنادی گئی ہے
تاکہ کرایہ کی آمدنی بڑھ جاوے طالب علموں کے مکانات کے سامنے باغیچہ تہا جو اب
خراب ہوگیا ہے سنہ ۱۸۵۷ء غدر کے بعد یہہ مسجد ضبط ہوگئی تہی جب ۱۸۷۵ء میں حضور
قیصر ہند دہلی میں بحالت ولیعہدی تشریف لائے تہے تو یہ مسجد از سر نو مسلمانوں کی
عبادت کے لیے واگذاشت کردی گئی تہی اب اسکا انتظام ایک کمیٹی کے سپرد ہے
لیح پوری کے سامنے سے سیدہی سڑک ریل کے اسٹیشن کی سڑک سے جاملی ہے۔
اس سڑک کے بائیں طرف کیپٹن مش کا مکان ہے جو پہلے نواب محمد رحمنگ کا

نقشہ مسجد فتح پوری
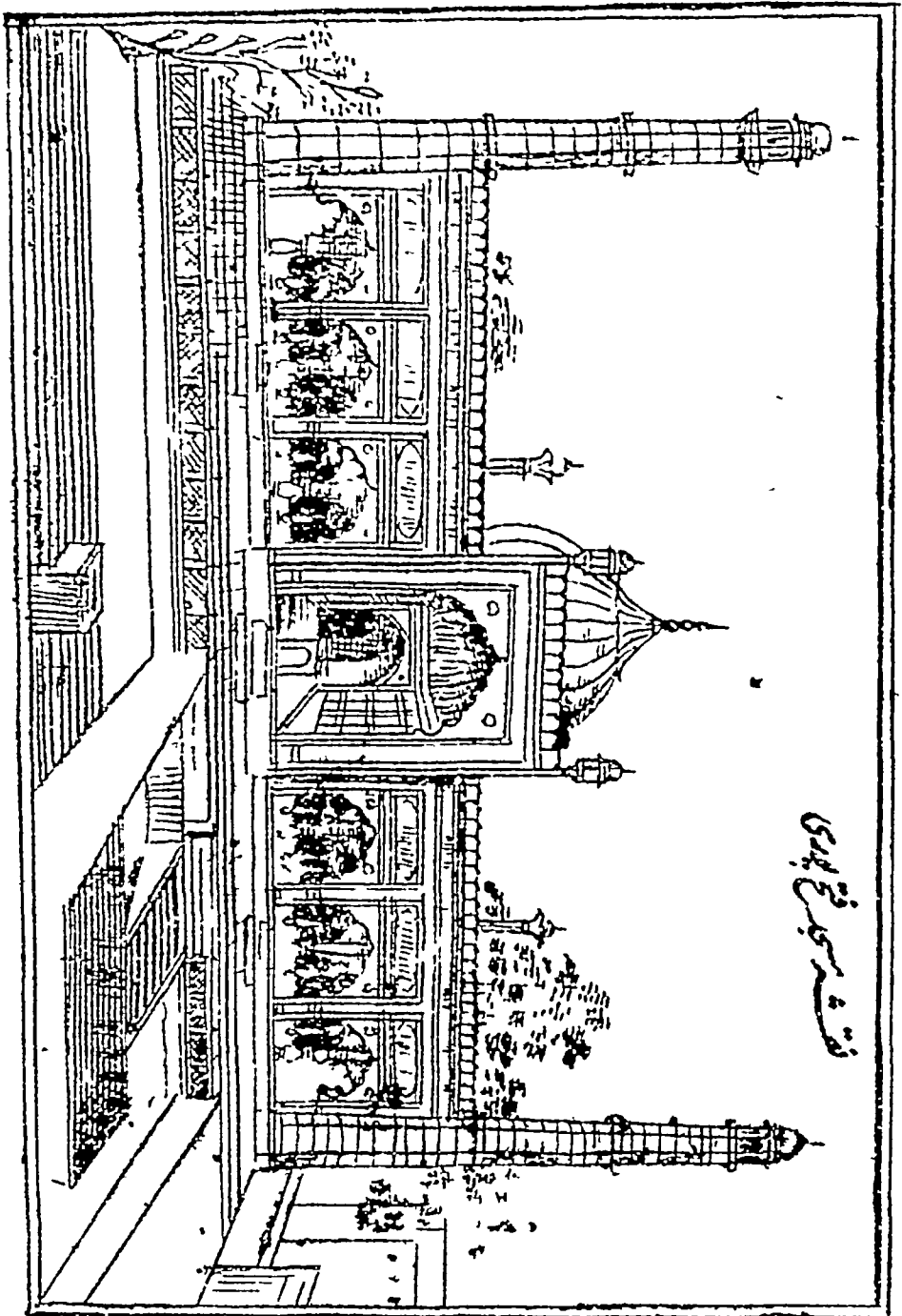
دہلی کی آبادی پارس کی آبادی کے برابر تہی۔ کارواں سرائے کے سامنے شمال کی طرف جہاں آرا بیگم کا باغ تہا جو نو سو ستر گز لمبا اور دو سو چالیس گز چوڑا تہا۔ جو خوبصورت بارہ دریاں وغیرہ اس باغ میں بنی ہوئی تہیں اب انکا نشان بہی نہیں رہا۔ اب اسکی جگہ زیادہ قطعہ میں ملا کر ملکہ کا باغ انگریزی قطع کا بنا ہوا ہے گہنٹا گہر کے سامنے ملکہ وکٹوریا قیصر ہند کا سنگ مرمر کے جو ر و برٹ استادہ کیا گیا ہے اسکے پس پشت ٹاون ہال کی عمارت بنی ہوئی ہے جسمیں میونسپل کمیٹی کے ایک لاکہ چہتیس ہزار چار سو ستاون روپیہ خرچ ہوئے ہیں۔ ٹاون ہال کے پیچہے ریل کے اسٹیشن تک ملکہ کا باغ چلا گیا ہے جس میں شاہ بیگم کے قدیم باغ کی زمین بہی شامل ہے باغ میں ایک ہاتہی سنگ مرمر کا بنا ہوا کہڑا ہے یہہ اُن دو ہاتہیوں میں سے ایک ہاتہی ہے جو کسی زمانہ میں قلعہ کے دلی دروازہ کے سامنے کہڑے تہے گہنٹہ گہر کے آگے فتح پوری بازار ہے جسکی انتہا پر فتح پوری کی مسجد واقع ہے یہہ مسجد شاہجہاں کی بیوی نواب فتحپوری بیگم نے سنہ۱۰۶۰ھ میں تعمیر کی تہی اس مسجد کا طول ۵۲ گز کا اور عرض بائیس گز کا ہے یہہ سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے اسکا ایک برج جو چوٹی کا دہاری دار بنا ہوا ہے اور دو منارے چونتیس گز بلند ہیں مسجد کے سامنے صحن سینتالیس گز لمبا اور چونتیس گز چوڑا سنگ سرخ کا ہے۔ صحن کے آگے ایک چوکہ گز کا حوض ہے اس مسجد کی چاروں طرف طالب علموں کے رہنے کے مکانات بنے ہوئے ہیں اس کے تین دروازے ہیں ایک شمال میں کہاری باؤلی بازار کی طرف ہے یہہ باؤلی اب دوکانوں میں دب گئی ہے یہہ شاہجہاں آباد کی آبادی سے پہلے کی تہی سنہ۹۵۲ھ میں شیر شاہ کے عہد میں بننی شروع ہوئی تہی اور چہہ سال میں تمام ہوئی تہی اسکا کتبہ یہہ تہا۔

ایرانی بادشاہ نے حاجی فولاد خاں کوتوال کو حکم دیا کہ چند ایرانی نقیبوں کو ساتھ لیکر
امان کا اعلان دو کہ قتل عام بند ہو رفتہ رفتہ آتش فرو ہو گئی مگر جو خونریزی بربادی
اور خاندانوں کی بیعزتی ہو گئی وہ ہو گئی ایک عرصہ تک سڑکوں پر نعشیں اِس طرح پڑی
تہیں جیسے باغ کی روش پر مردہ پھول اور پتے پڑے ہوتے ہیں شہر جلکر میدان ہو گیا
ایک ہو کا مقام نظر آرہا تھا۔ کرب و بلا کی صدائیں چاروں طرف سے اُٹھ
رہی تھیں۔ سکرات الموت کی بھیانک آوازوں نے کرہ باد کو بھر دیا تہا۔ آسمان سے
خون برس رہا تھا اور دہلی کی شاہراہیں انسانی گرم گرم خون سے افشان
ہو رہی تھیں۔ ملک الموت کا پنجہ سب پر دراز ہو رہا تھا جس طرف نظر پڑتی تھی مرگ انبوہ
جشنے وارد کا مضمون عمرہ تہا۔ قلعہ کے تمام شاہی زیورات اور سامان اور خزانہ ایرانی
بادشاہ نے لے لیا۔ اِس طرح ہزارہا اشرفیاں اور ساٹھہ لاکھہ روپیہ اور ایک کروڑ
روپیہ کے سونے کے برتن پچاس کروڑ کے جواہرات جنکا ثانی دنیا میں نہ تہا نادر شاہ
کے ہاتھہ لگے صرف تخت طاؤس جو شاہجہان نے بنوایا تہا کئی کروڑ روپیہ کا تھا
ہاتھی گھوڑے کپڑے جو کچھہ اُس کے پسند آیا فاتح نے لے لیئے غرضکہ ۳۴۸
برس کی دولت دم بھر میں اُسکے ہاتھہ آ گئی یہاں سے آگے چلکر نارتھہ و کسر صاحب
کا گھنٹہ گھر ہے جسمیں میونسپل کمیٹی کے پچیس ہزار روپیہ صرف ہوئے تہے اور وہ اکیسو ہاتھ ہیں
فٹ بلند ہے یہاں پہلے جہاں آرا بیگم کی کاروانسرائے بنی ہوئی تھی جن کا لقب شاہ بیگم تھا
اور وہ شاہجہاں کی بیٹی تھیں اور ان کی بہن روشنارا بیگم تھیں جن کے باغ کا ذکر آگے
آئیگا برنیر سیاح اِس سرائے کی عمارت کی بہت تعریف لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
پارس کے شاہی محل کے ہم پلہ تہی۔ برنیر صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ اِس زمانہ میں

پہانسی دی گئی تہی اور یہیں تین شہزادوں کی لاشیں لٹکائی گئی تھیں جنکو میجر ہڈسن
نے ۱۰ ستمبر کو گولیاں ماردی تہیں۔ کوتوالی کے پاس سنہری مسجد میں قتل عام کے وقت
نادرشاہ مارچ ۱۷۳۹ء میں آکے بیٹھا تھا۔

سنہری مسجد

جب مارچ ۱۷۳۹ء میں نادرشاہ نے دہلی میں قتل عام کا حکم دیا تہا تو وہ اسی مسجد
میں آکے بیٹہا تہا ایک شخص نے چشم دید حال اُس قتل عام کا اس طرح لکہا جو ہم
انگریزی کتاب سے ترجمہ کرکے یہاں درج کرتے ہیں ۱۱ کی صبح کو ایرانی بادشاہ کا
حکم جاری ہوا کہ باشندوں کو قتل کیا جائے۔ حکم کے جاری ہوتے ہی ایک لمحہ
میں قتل وغارت شروع ہوگیا چاندنی چوک بازار دریبہ اور مسجد جامع کے گرد کے
مکانات کو آگ لگا دی گئی اور دو دست جلکر خاکستر ہوگئے اور یہاں کے کل باشندے
قتل کیے گئے۔ کہیں کہیں کسی نے کچہہ مقابلہ کیا لیکن اکثر مقامات میں لوگ بے لڑائی
کے ذبح کردیے گئے جو کچہہ اور جو شخص ہاتہہ آیا اُسکو ایرانیوں نے پکڑ لیا قیمتی کپڑے
زیور سونے چاندی کے برتن بہت لوٹے گئے۔ میں اس مصیبت کو وکیل پورہ کے محلہ
میں اپنے محل سے دیکہہ رہا تہا اور مصمم ارادہ کرلیا تہا کہ اگر ضرورت ہوگی تو لڑونگا
دوںگا اور خدا کی مدد سے عزت کے ساتہہ مرونگا۔ حضرت صاحقراں امیر تیمور کے آنے
سے جنہوں نے بڑائی دہلی کو فتح کیا تہا اور باشندوں کو قتل کرایا تہا اس زمانہ تک ۱۱۵۱ھ
جسکو ۳۴۸ برس کا زمانہ گزرا دہلی پر ایسی مصیبت نہیں پڑی۔ برسوں کی محنت کے بعد
کہیں پہر عمارتیں اور بازار درست ہوئے تہے آدہے دن تک قتل عام ہوتا رہا اسکے بعد

نقشہ مسجد روشن الدولہ متصل کوتوالی چبوترہ چاندنی چوک

جامع مسجد کے شمال و مشرق میں لارڈ ڈفرن کا ہسپتال سا ہوا ہے۔ ہسپتال کے سامنے مدرسہ کا بازار ہے جسکی انتہا پر خونی دروازہ تہا جس کے پاس نادر شاہ کے وقت میں قتل عام ہوا تہا اِس طرف ایک انگریزی دستہ فوج کا جامع مسجد تک پہونچ گیا تہا مگر یہاں سے اُسکو لوٹنا پڑا تہا خونی دروازہ سے شرق کی طرف چاندنی چوک کا بازار ہے۔ خونی دروازہ کے مقابل شرق و شمال میں شمرو کی بیگم کی کوٹھی اور باغ ہے جہاں لندن بنک ہے یہاں غدر میں بنک کا مینجر قتل ہوا تہا خونی دروازہ سے کوتوالی تک پھول کی منڈی کا بازار کہلاتا ہے اُسکے بعد جوہری بازار کا حصہ ہے اور جوہری بازار کے بعد اصل چاندنی چوک ہے اب سارا بازار فتح پوری تک چاندنی چوک کہلاتا ہے کوتوالی کے سامنے فوارہ ہے اور مغرب میں روشن الدولہ کی سنہری مسجد ہے روشن الدولہ محمد شاہ کے بخشی تہے اُس پر یہ کتبہ کندہ ہے

در زمان شہ خورشید سریر	ظل حق بادشاہ زمان
ناصر الدین کہ محمد شاہ است	تیغ او کفر شکن در دو جہان
شرف الدولہ بنا فرمود	مسجد و مدرسہ عالیشان
این دو بیت الشرف علم و عمل	ہمچو سعدین فلک کرد قران
سال تاریخ بیا گفت خسرو	قبلۂ ارادت کیشان

کوتوالی کے پس پشت مولانا فخر الدین صاحب کا مکان تہا کوتوالی کے سامنے بازار کے بیچ میں ۱۸۵۷ء میں پہانسیاں گڑی ہوئی ہیں جہاں مفسدوں کو پہانسی ملی پس ازاں جہجر عبدالرحمن خاں اور راجہ بلب گڈہ راجہ ناہر سنگہ کو غدر کے بعد

نقشہ مسجد جامع دروازہ شرقی

نقشہ مسجد جامع دہلی

سنگ مرمر کا ہے اور اُس میں سنگ موسے کی بنت کاری اور پرچین سازی سے مصلے بنادیے ہیں منبر اس مسجد کا سنگ مرمر کا ہے اور ایسا خوش قطع بنا ہوا ہے کہ جسکا بیان ممکن نہیں۔

اسمیں شمالی منار اور سنہ میں جنوبی منار بجلی سے منہدم ہو گئے تھے شمالی منار سرکار انگریزی نے معہ فرش وغیرہ کے مرمت کیا تہا۔ اور جنوبی منار نواب صاحب بہاولپور کے روپیہ سے حال میں درست کیا گیا ہے۔ اب اُنپر بجلی کا تار لگا دیا گیا ہے تاکہ آیندہ بجلی سے محفوظ رہیں۔ مناروں کے بیچ میں تین بُرج سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں منارے کی برجیوں کی طرح انمیں سنگ موسے کی دہاریاں پڑی ہوئی ہیں جس سے اُنکی خوشنمائی بہت بڑھ گئی ہے آگرہ کی مسجد کی طرح یہہ بُرج چہت سے نہیں شروع ہوے بلکہ چہت کے اوپر ایک گولہ ہے اور گولہ پر سے مثل غبارہ کے اُٹہائے گئے ہیں۔

۱۸۵۷ء سے پہلے جامع مسجد کے مغربی مثلثوں میں ایک دار الشفا اور ایک مدرسہ دار البقا بنے ہوے تھے غدر سے پہلے دار البقا میں مفتی صدر الدین صاحب درس دیا کرتے تہے اور اِس مدرسہ کی مرمت بہی اُنھوں نے کی تھی۔ جامع مسجد کا اہتمام اب ایک کمیٹی کی نگرانی میں ہے۔ جامع مسجد کے شمال و مغرب کیطرف دو سو گز کے فاصلہ پر محلہ دہرم پورہ میں جینیوں یعنے سراوگیوں کا بڑا مندر ہے یہ عمارت بہت عمدہ ہے علی الخصوص دروازہ پر جو کام بنا ہوا ہے وہ دیکہنے کے قابل ہے۔ ۱۸۵۸ء میں یہ مندر بننا شروع ہوا اور سات برس میں بنکر تیار ہوا۔ اس کے بنانے میں سراوگیوں کا پانچ لاکھ روپیہ خرچ ہوا لالہ ہرسکھہ رائے اور لالہ موہن لال نے بنوایا ہے۔ اِسکے پاس جینیوں کا ایک اور چہوٹا مندر ہے جسکو سب سراوگیوں نے ملکر بنوایا ہے۔ جامع مسجد کے

کتبہ دریاز دہم

پایدار داشتہ صدای تسبیح مسالش را ہنگامہ آرائی ذاکران مجامع ملکوت و زمزمہ تہلیل
مہلالش را نشاط افزای معتکفان جوامع حضرت دارا دو رونق منار معمورۂ جہان را بدولت
دولت جاوید طراز این بادشاہ دادگر دین پرور کہ میامن ذات مقدس سارکش ابواب امن و
امان بر روی روزگار کشادہ است آراستہ دارا دو بحق الحق و اہلہ کتبہ نوراللہ احمد لاہوری
کے دونوں طرف منار ہیں نہایت بلند اور نہایت خوشنما اور اُنمیں زینے بنے ہوئے ہیں
کہ اُس رستہ سے منار کے اوپر چلے جاتے ہیں مناروں کے اوپر بارہ دری کی برجیاں سنگ مرمر
سے نہایت دلکشا دلربا بنی ہوئی ہیں ان مناروں پر چڑہنے سے شہر کی عجب کیفیت معلوم
ہوتی اور جو سیر دکھائی دیتی ہے تمام شہر مثل کشورہ کے معلوم ہوتا ہے اور درختوں کی رونق
اور مکانوں کی خوشنمائی سے ایک عجیب عالم دکہائی دیتا ہے شمالی منار وسط کلی کے گر پڑا تھا
اور اس عمارت عالی میں چشم زخم پہنچ گیا تھا اور صحن کا فرش بھی کہ تمام سنگ سرخ کا ہے
جابجا سے گر گیا تھا سرکار دولتمدار انگریزی نے معین الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ کے عہد
میں کہ اُسکو آجتک قریب بیس برس کے عرصہ گذرا ہے اس منار کو بنوادیا اور فرش بھی درست
کروادیا کثرت نمازیوں کی ماشاء اللہ اس مسجد میں روز جمعہ کو زیادہ ہوتی ہے اور چونکہ امام کی
آواز تکبیر سب نمازیوں کو نہیں پہونچ سکتی اسواسطے شاہزادہ مغفور مرزا سلیم ابن معین الدین
محمد اکبر بادشاہ عرش آرامگاہ نے بڑے در کے بیچ میں ایک مکبر سنگ مرمر کا بہت خوشنما
بنوادیا ہے کہ اُس مکبر پر مکبر کھڑا ہوکر آواز اللہ اکبر اور ربنا لک الحمد سب کے کان تک پہونچا
کرتا ہے اس مکبر کو بنے ہوئے اٹھارہ برس کے قریب عرصہ گذرا ہے مسجد میں تمام فرش

سال چہارم از دور سوم جلوس میمنت مانوس بساعت خجستہ۔

کتبہ در ہشتم

وطالع شایستہ سرمایۂ ابنیا وپیرایہ تاسیس یافت و در عرض مدت شش سال بحسن سعی کارپردازان کارداں کارگذار وفرط اعتنا واہتمام کارفرمایان صاحب اقتدار وبذل جد وجہد استادان ماہر دانشور ووفور کوشش پیشہ کاراں چابک دست صاحب ہنر بالاتفاق مبلغ دہ لکھ روپیہ صورت انجام وطراز اختتام پذیرفت ومقارن اتمام در روز عید فطر

کتبہ در نہم

بفر قدوم اقدس پادشاہ ظل اللہ صافی نیت خدا آگاہ زیب وزینت گرفت واقامت نماز عید وادای وظائف اسلام چون مسجد الحرام در روز عید الاضحی مرجع طوائف انام گردید ومبانی اسلام وایماں رامتانت ورصانت کرامت سیاحان ربع مسکون ومسالک نورداں کوہ وہاموں راآراستہ عمارتی باین رفعت وحصانت درآئینہ بصر

کتبہ در دہم

ومرآت خیال مرتسم نگشتہ وحقایق گذاران وقائع دہر وفکرت پردازان نظم ونثر راکہ سوانح نگاراں بدائع ارباب ملک ودولت وصنائع شناسان اصحاب مکنت وقدرت اند افراختہ بنای باین شکوہ وعظمت برزبان قلم وقلم زبان نگذشتہ فرازندۂ کاخ ہستی وطرازندۂ بلندی وپستی این بنیان رفیع راکہ قرۃ العین بینش وزینت بخش کارخانہ آفرینش است۔

اس علی التقوی بیان میاں پائدار ادست و منیه والعی فی الارض روامی ان تمیدکم
کتاب ایوان استوار او قمه قبه فلک تناس لرطبقات آسمان گذشته و شرونه طاق
سپهر لسانس ماوح کیوان پیوسته

کتبه در چهارم

گر طاق و قبه مقصوره اش خوانشان ... ہیچ ستوان گفت عرار کهکشان و آسمان
در لودی قبه گر گردون سودے نایتش ... طاق لودی طاق گر حقش سودی کهکشان

دوع شمسه میں طاق جهان نمایش زیتی بحق مصابیح سموات پرتو کلس گنبد عالم آرایش
نور اداے تماویل حیات سپهر سنگ مرمرش جون سحره مسجد اقطے مرقات

کتبه در پنجم

مقام قاب قوسین اودانے محراب میں گسترش ماسد صبح صادق کشاده پیشانی بشارت
رسان ولعد جاهم من ربهم الهدے ابواب رحمت آمایش صلای والله یدعوا الے دار السلام
بسامع خاص وعام رسانیده مسار سپهر مدارش مدلئے و یجرے الدین احسنوا الحسنی آرده
روان گنبد فیروزه فام گذرانیده سقف رفیع ماصعابیش تا تماشاگاه روحانیان کره افلاک
برد ستم گشته یا بادی بخط طغرا پیوسته۔

کتبه در هفتم

صحن وسیع دلکشائش سجده گاه پاک نهادان معموره خاک روح فضائے فیض اساء طیب
هوائے روح افزائش امرر دعهٔ رضوان حکایت کرده و عدیمت ما د مس حرص دلبیش کتابت
آمایش از چشمه سلسبیل خبر داده در روز جمعه دهم شهر شوال سال ہزار و شصت هجری طاق

تھی کہ اس طرح حساب سے عبارت بنائی گئی ہے کہ جتنی جگہ تھی اُسمیں پوری اُتری ہے تحریر سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کشش سے عبارت کو زبردستی اس طرح بڑھایا گیا ہو یا چھوٹا کیا گیا ہو کہ پوری اُترے کتبے حسب ذیل عبارت کے کندہ ہیں۔

کتبہ در اول از طرف شمال

بفرمان شہنشاہ جہان بادشاہ زمین و زمان گیہان خدیو کشور ستان گیتی خداوند گردون توان موسس قوانین عدل و سیاست مشید ارکان ملک و دولت بسیار دان عالی فطرت قضا فرمان قدر قدرت فرخندہ رائے خجستہ منظر فرخ طالع بلند اختر آسمان حشمت انجم سپاہ خورشید عظمت فلک بارگاہ۔

کتبہ در دوم

مظہر قدرت الٰہی مورد کرامت نامتناہی مظہر کلمۃ اللہ العلیا مروج الملۃ الحنفیۃ البیضا ملجاء الملوک والسلاطین خلیفۃ اللہ فی الارضین الخاقان الاعدل الاعظم والقاآن الاجل الاکرم ابو المظفر شہاب الدین محمد صاحب قران ثانی شاہجہان بادشاہ غازی لازالت رایات دولتہ منصورۃ واعداء حضرتہ مقہورۃ کہ دیدہ بصیرت حق بینش از شعشہ انوار ہدایت انما یعمر مساجد اللہ

کتبہ در سوم

من آمن باللہ والیوم الآخر مستنیر است و آئینہ ضمیر صدق گزینش از اشعہ مشکات رویت اجب البلاد الی اللہ مساجدہا فروغ پذیر این مسجد کوہ اساس گردون مماس کہ کریمہ المسجد

گئی ہے چاہیے تہا کہ شکستہ خوردہ پتھر کو نکال کر اُسکی جگہ دوسرا پتھر نصب کر دیا جاتا
مگر افسوس ہے کہ اِس کارروائی کے بدلہ سنگ سُرخ کو کہرچ کر پچی کاری کے کام
کا بالکل ستیاناس کر دیا گیا مشرقی دروازہ پر جو خوشنما آفتابے سے ہوئے تھے
اُسکے نیچے سنگ ماسی کے توڑے لگا کر اُسکو دو کوڑی کا کر دیا ہے آفتابی میں جو
کٹہرا تہا اُسمیں سادے سنگ مرمر کے پتھر لگے ہوئے تھے اُنکی جگہ نہایت بھدی
جالیاں سنگ مرمر کی لگائی گئی ہیں۔

سنگ مرمر کا سرپشتی طاق کے برابر میں کہا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک پتھر کا ہے
بڑے در کی پیشانی پر بابادی کا طغرا سنگ موسئے میں بنا ہوا ہے بیچ اور لعلی کے چھوٹے
دروں کی پیشانی پر سنگ موسئے سے کتبہ شاہجہاں کے نام کا اور تاریخ تعمیر اور تعداد
مصارف کہدا ہوا ہے حال کی مرمت میں یہہ حروف سیاہ مسالے کے سادیئے گئے
ہیں جو دہوپ یا مینہہ سے کسیقدر ہلکے ہو گئے ہیں اور سنگ مرمر پر روشنائی
کی سیاہی دوڑ گئی ہے اور وہ لکہ کے نقطے سے نیچے کی طرف روشنائی اِس طرح بہی
ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ لکہ کے آنسو ٹپک رہے ہیں کہ ہائے شاہجہاں
کی دس لاکہہ کی لاگت اب کی دفع بالکل برباد ہو گئی مسجد کے شمال و جنوب کیطرف
دو مینارے سنگ سُرخ کے بنے ہوئے ہیں جنمیں اِسقدر پاس پاس دہاریاں سنگ
مرمر کی دی ہیں کہ وہ دھاری دار معلوم ہوتے ہیں اُن کے اندر اوپر چڑہنے کے لیے
سیڑہیاں بنی ہوئی ہیں میناروں کی لمبائی ایک سو تیس فٹ کی ہے میناروں پر سے
شہر کا منظر دیکہنے کے قابل ہے میناروں کے اوپر سنگ مرمر کی
برجیاں سی بنی ہیں۔ اکبر شاہ کے زمانہ میں کتبہ کی بڑی حویلی یہہ

برجیاں ہین اُن برجیوں اور مسجد کے مابین اتنی جگہ ہے کہ مسجد کے دونو یعنے شمالی وجنوبی سروں پر پانچ پانچ در کے دالان بنے ہوئے ہیں جو صحن کی طرف کھلے ہوے اور مغرب کی طرف بند ہین۔

اگر صحن میں کھڑے ہوکر اِن دالانوں کے پار دیکھا جاوے تو عجب دلکش منظر نظر آتا ہے مسجد کے گیارہ در ہیں۔ پانچ پانچ در دونوں جانب چھوٹے ہیں اور بیچ میں بہت بڑا در ہے اندر کے در میں سات محرابین ہیں یعلی دروں کے وسط میں اور بیچ کے بڑے در کے سامنے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جنپر چڑہکر صحن سے مسجد کے اندر جاتے ہین بیچ کے بڑے در کے سامنے سیڑہیوں پر مرزا سلیم پسر اکبر شاہ ثانی نے سنگ باسی کا ایک مکبر بنوادیا ہے تاکہ تکبیر کی آواز سب نمازیوں کو بآسانی پہونچے یہ مکبر نہایت بے موقع اور نامناسب ہے اور سنگ باسی کے ہونے سے مسجد کو دہبہ لگ گیا ہے اور مسجد کے بڑے در کی خوبی اور خوشنمائی میں فرق ڈالتا ہے ساری مسجد میں سنگ مرمر کا فرش ہے اور سنگ موسلی کی بچہ کاری سے مصلے بنائے گئے ہیں پیش طاق اسقدر خوشنما اور خوبی کے ساتھ سنگ مرمر کا بنایا گیا ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے ایک پتھر کا تراشا کر بنایا گیا مگر افسوس ہے کہ اب کی دفعہ نواب رامپور کے ایک لاکھ روپیہ کے عطیہ سے جو مرمت ہوئی ہے اُسنے پیش طاق کو بالکل خراب کردیا چھوٹے چھوٹے ٹکڑے سنگ مرمر کے اِس طرح جا بجا لگا دیے ہیں کہ الگ جوڑ معلوم ہوتے ہیں اور جو اصلی خوبی اُسکی تھی وہ بالکل جاتی رہی اِس دفعہ کی مرمت میں اور بھی ایسی ہی خرابیاں تمام جامع مسجد میں پیدا ہوگئی ہین مثلاً سنگ مرمر کی پچی کاری جو کل دیوار میں تھی وہ اِس سبب سے کہ گرد کے سنگ سُرخ کو کھرچ ڈالا ہے بہت اُبھر آئی ہے اور اگر

ان دالانوں کے آخر میں جہاں شمال وجنوب کے محراب دار دالان آکر ملتے ہیں مربع مقام بنگیا ہے جسپر سنگ مرمر کی جوکور رحیاں ہیں ان دالانوں کے آگے صحن میں دو چھوٹے چھوٹے ستون ہیں جس سے ایک پر دائرہ ہندی اور دوسرے پر کرہ زمین سنگ مرمر پر کہدا ہوا ہے مگر یہ شاہجہاں کی وقت کے نہیں ہیں جنوبی مشرقی اون میں کچھ تبرکات رکھے ہیں جنکی زیارت کے لئے دور دور سے لوگ آتے ہیں

دروازہ کے آگے تقریباً چار سو فٹ کا مربع صحن ہے جسمیں کل سنگ سرخ کا فرش ہے اس صحن کے وسط میں پندرہ گز سے بارہ گز کا سنگ مرمر کا حوض ہے اور اسکے وسط میں فوارہ ہے اس حوض کے غربی کنارہ پر ایک چھوٹا سا کٹہرا سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے جسکو محمد بخش بادشاہی محلی نے بنوایا ہے اس پر یہہ کتبہ ہے کوثر محمد رسول اللہ ۱۲۸۳ھ

رسول دیدہ اند آنکہ اولیا اللہ		بجاست گر شود این سنگ ہم زیارتگاہ
بسال تجیس داد این ہاتف		بگفت احاطہ جاے نشست رسول اللہ

شمال اور جنوبی دالانوں کے سلسلہ کے وسط میں جامع مسجد کے شمالی اور جنوبی دروازے ہیں جو مشرقی دروازہ سے بہت چھوٹے ہیں ان دروازوں میں بھی برنجی کواڑ چڑھے ہوے ہیں اور دونو دروازوں میں سے اوپر جانے کا رستہ ہے ان دونوں دروازوں کے آگے بھی مشرقی دروازہ کی طرح سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں انہی دروازوں سے نمازی مسجد میں پانچوں وقت آتے ہیں جنوبی دروازہ کے سامنے پائے والوں کا بازار ہے۔ مشرقی دروازہ کے چبوترہ پر کبوتروں کی خرید و فروخت سے شہر کے کبوتر باز شام کو جمع ہوتے ہیں اور جنوبی دروازہ کے نیچے گدڑی بازار لگتا ہے

شمالی جنوبی دالانوں کے مغربی کنارہ پر بھی مشرقی کناروں کی طرح سنگ مرمر کی

اسکی تعمیر شروع ہوئی اور پانچہزار معماروں اور مزدوروں کی محنت سے چھہ برس میں تیار ہوی سعد اللہ خان دیوان اور فاضل خاں خانساماں اسکے مہتمم تھے - یہہ مسجد ایک پہاڑی پر سنگِ سرخ کی بنی ہوی ہے تینتیس سیڑھیاں چڑھکر اسکے مشرقی دروازہ پر جو سب میں بڑا دروازہ ہے پہنچتے ہیں یہ دروازہ کیسقدر ہشت پہل ہے یعنے یہ کہ چار پہل بڑے اور چار پہل چھوٹے ہیں چھوٹے پہلوں کے سروں پر چھوٹے منارے بنے ہوئے ہین جو دروازہ سے ذرا زیادہ بلند ہیں اور مناروں پر چھوٹی برجیاں سنگ مرمر کی بنی ہوی ہیں جنپر سنگ موسے کی دھاریاں تھیں دروازہ کے کنگورہ پر بھی چھوٹی چھوٹی برجیاں سنگ مرمر کی بنی ہوی ہیں جو نہایت خوشنما معلوم ہوتی ہیں - دروازہ کی دوہری محراب ہے پہلی محراب بہت بلند اور دوسری چھوٹی - چھوٹی محراب مین نہایت خوبصورت اور دبیز برنجی کواڑ چڑھے ہیں - یہہ کواڑ ہمیشہ سے بند رہتے ہیں صرف بادشاہ کے لیے کھولے جاتے تھے - دروازہ کے وسط میں ایک وسیع گنبد ہے اور دونو پہلوؤں میں چھوٹے چھوٹے گنبد ہین ان تینوں گنبدوں سے دروازہ میں ایک وسیع چوک بنگیا ہے اس کے بعد پھر اسی طرح دوہری محرابین ہیں ایک پست اور ایک بلند دروازہ کے اندرونی طرف یعنی مسجد کے صحن کی طرف دونو پہلوؤں میں سے دو طرف اوپر جانے کی سیڑھیاں ہین اندرونی کلاں تر محراب پر سنگ سُرخ کی آفتابی بنی ہوی ہے جسکی برجیان سنگ مرمر کی ہیں - یہہ آفتابی مسجد کا شاہجہانی مکبر ہے - اس آفتابی کی بلندی کچھہ ایسی مناسب رکھی گئی ہے کہ امام کی قرأت اور تکبیرین وہاں سے بہت صاف سنائی دیتی ہین گو بیچ کے وسیع صحن میں نہ سنائی دیں - دروازہ کے شمال و جنوب میں دالان بنے ہوسے ہیں جنکے دونوں طرف محرابین ہیں اور دونو طرف سے کھلے ہوئے

سنگ مرمر کی قلعہ میں موجود ہے وہ اورنگ زیب کی بنوائی ہوئی ہے اور گو بہت خوشنما اور خوبصورت ہے لیکن قلعہ کے لئے بہت ہی چھوٹی اور نامناسب ہے وہ مسجد میں صرف ساٹھ فٹ مربع ہے۔ شاہجہاں کے وقت کی قلعہ میں کوئی مسجد نہیں ہے اور نہ ظاہرا کوئی مسجد بنوانے کا ارادہ تھا شاید اسلئے کہ جامع مسجد قلعہ سے اسقدر قریب تھی کہ گویا وہ قلعہ کے کل نقشہ کا ایک جزو تھی اور اس سبب سے قلعہ کے اندر کسی مسجد کے تعمیر کرنے کی ضرورت نہ تھی"

جامع مسجد کے بارے میں برنیر صاحب فرانسیسی سیاح کی رائے بھی بہت دلچسپ ہے وہ تحریر کرتے ہیں کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ عمارت اُن قواعد فن تعمیرات کے موافق نہیں بنائی گئی جکی موجودگی ہمارے نزدیک ہر عمارت میں ہونی چاہیے لیکن میں کوئی نقص ایسا نہیں دیکھتا جو فن تعمیر کے مذاق کے برخلاف ہو سارے نقشہ کا ہر حصہ بہت خوبصورت نہایت موزون اور بہت مناسب ہے۔

نادر میر صاحب سیاح اور گریب کے زمانہ کا حال اس مسجد کے متعلق یوں تحریر کرتے ہیں کہ ہر جمعہ کو بادشاہ پالکی میں سوار ہوکر قلعہ سے جامع مسجد کو جاتے ہیں انکا بیٹا گھوڑے پر سوار پالکی کے ساتھ ہوتا ہے اور بہت سے امرا پیادہ جلو میں ہوتے ہیں جلوس کے آگے آگے چلتے ہیں پر ساں سے ہوئے اور چار ہاتھی عمدہ ہودوں سے آراستہ ہوتے ہیں۔ ہاتھیوں کے پیچھے پانسو بھالے بردار اور پیادیں چار سو بندوقچی ہوتے ہیں اگر کبھی بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں امرا پیادہ ہوتے ہیں اور اگر وہ ہاتھی پر سوار ہوتے ہیں تو امرا گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔

لال قلعہ کے دو برس بعد دس لاکھ روپیہ کی صرف سے یہ مسجد بنائی گئی سنہ ۱۰۶۰ میں

جامع مسجد دہلی

اِس بڑے میدان کو طے کرکے دہلی کی جامع مسجد پر پہنچتے ہیں جسکا جواب دنیا میں نہیں ہے اگر تمکو جامع مسجد کی پوری خوشنمائی دیکھنی ہو تو صبح کے وقت اُسکو دیکھو جبکہ نکلتے ہوئے سورج کی کرنیں اُسپر پڑتی ہیں یا تم اُسکو چودھویں رات کے چاند کی پوری چاندنی میں دیکھو اور سب سے بہتر منظر اُسوقت نظر آتا ہے کہ برسات میں صبح کو اُسکے پیچھے سیاہ بادلوں کی گہری گھٹا ہو۔

مسٹر فرگسن صاحب اِس جامع مسجد کی بابت تحریر کرتے ہیں کہ یہ مسجد آگرہ کی مسجد سے جسکو بھی شاہجہاں نے تعمیر کرایا ہے ملتی جلتی ہے لیکن یہہ مسجد موتی مسجد سے بہت زیادہ بڑی ہے اور اِس میں دو عالیشان منارے موجود ہیں جو آگرہ کی جامع مسجد میں نہیں ہیں گر چونکہ یہہ مسجد بالکل سنگ سُرخ کی بنی ہوئی ہے جسمیں سنگ مرمر سے پورا پورا کام نہیں لیا گیا ہے اسلیے موتی مسجد کی صفائی اور خوشنمائی جو بالکل سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ دہلی کی مسجد میں پیدا نہیں ہوئی۔ پھر بھی اِسکے تینوں دروازے اور دونو منارے اور چار کونوں کی چاروں برجیاں اور تینوں بُرج اور بیچ کے بڑے در کی بلند محراب سب ملکر بہت خوشنما ہیں اور سب حصوں میں موزونیت اور باہمی تناسب موجود ہے۔ اُسکا بڑا مشرقی دروازہ اگرچہ فتح پور سیکری کے دروازہ کا ہم پلہ نہیں مگر پھر بھی نہایت خوشنما ہے اور مسجد کے لیے زیادہ مناسب ہے تعجب کی بات ہے کہ اکبر نے فتح پور سیکری کے قلعہ میں ایک عالیشان مسجد بنوائی اور خود شاہجہاں نے آگرہ کے قلعہ کو موتی مسجد سے مزین کیا مگر اُنھوں نے دہلی کے قلعہ میں کوئی مسجد نہیں بنوائی۔ جو چھوٹی سی موتی مسجد

نقشہ قلعہ لاہوری دروازہ دہلی
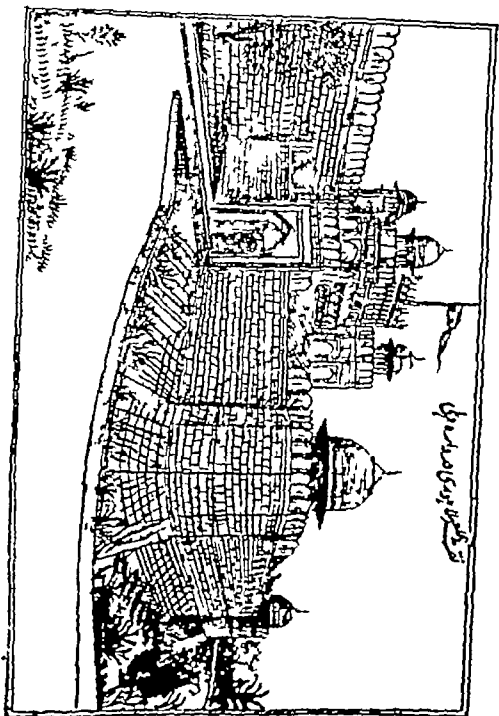
یا اُسکے بعد برباد ہوگیا تہا پہر لارڈ الینبرا کے زمانہ میں یہاں سرکار انگریزی نے ایک حوض سنگ سُرخ کا پچاس ہزار روپیہ کی لاگت سے بنوایا تہا جو لال ڈگی کے نام سے مشہور تہا یہہ حوض پانسو فٹ طویل اور ڈیڑہ سو فٹ عریض تہا اور چاروں کونوں پر چار خوشنما برجیاں بنی ہوی تہیں اور عرض میں دونوں جانب نیچے اُترنے کی سیڑھیاں تعمیر ہوئی تھیں لال ڈگی سے آگے سعداسد خاں کا چوک تہا اور اُسکے آگے فیض بازار تہا جہانسے راستہ خانم کے بازار کو اور خان دوراں خاں کی حویلی کو جاتا تہا۔ جنوب کی طرف آگے بڑھکر اکبر آبادی بیگم کی مسجد تہی جو وسعت میں فتحپوری کی مسجد کے ہم پلہ تھی اور اسی قطعہ پر بنی ہوی تہی۔ اکبر آبادی بیگم شاہجہاں کی بیوی تہیں فتحپوری کی مسجد کی طرح چاروں طرف طالب علموں کے رہنے کے مکانات بنے ہوے تہے اِس مسجد کے پاس بگوا باڑی میں جہاں بگوا بیگم کی قبر تہی۔ اب یہاں سوائے ایک لق ودق میدان کے کچھہ بھی نہیں سچ ہے کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام۔

متعلق سان ختم ہوا لیکن ملا عبدالحمید مورخ شاہجہانی نے بادشاہ نامہ میں اس تخت کی جو کیفیت بیان کی ہے وہ دلچسپی سے خالی نہیں اس لیے اس کا اختصار درج ذیل کیا جاتا ہے وھو ہذا

جب بیش قیمت جواہرات بکثرت اکٹھے ہو گئے تو شاہ جہاں کے دل میں یہ بات آئی کہ ان جواہرات کو اس کام میں لانا چاہیے کہ اور لوگ بھی دیکھ کے طبیعت خوش کریں چنانچہ حکم دیا کہ تخت بنایا جائے اور کل جواہرات جو شاہ عباس والئے ایران اور شاہان دکن وغیرہ نے ہدیۃً بھیجے ہیں نہایت کاریگری سے جڑے جائیں چنانچہ وہ تخت ملکہ اس کے علاوہ چھ تخت اور بن کے تیار ہو گئے۔

قلعہ کے باہر

قلعہ معلی کے لاہوری دروازہ سے نکلکر ایک بہت وسیع میدان پڑا ہوا ہے جو شمال کی جانب چاندنی چوک تک اور جنوب کی جانب فیض بازار اور دریا گنج تک اور مغرب میں جامع مسجد تک چلا گیا ہے کسی زمانہ میں اس میدان میں بڑے بڑے باغ اور بازار اور مسجدیں بنی ہوئی تھیں۔ اب صرف ایک سرا شاہ کریم اللہ جہاں آبادی کا اور زیر جامع مسجد ہرے بھرے صاحب کی اور سرمد کی قبریں باقی ہیں جنکے گرد صرف زمین دور چبوترے اور گرد میں کٹہرے لگے ہوئے ہیں۔ اگر اس میں کوئی بلند عمارت بنی ہوئی ہوتی تو یہ بھی منہدم کر دیے جاتے کیونکہ سرکار انگریزی کو منظور نہیں ہے کہ قلعہ کے سامنے کوئی عمارت رہے شاہجہاں کے وقت میں قلعہ کے لاہوری دروازہ کے باہر ایک تر و تازہ باغ لگا ہوا تھا جو گلابی باغ کہلاتا تھا یہ باغ اورنگ زیب کے زمانہ میں

کہ صدیوں پر صدیاں گزرنے پر بھی چونہ ابھی تک نہیں مرا اور خاندان تغلق کی صدہا
برس کی عمارتوں کا پرانا چونہ نئے چونے میں صرف اِس لیے ملایا جاتا ہے کہ وہ مضبوط
ہوجائے۔ جب یہ یہ مشکلات ہیں تو پھر کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ ویسی عمارتیں بن سکیں

(دربار)

قلعہ کی سیر کے بعد جشن کی کیفیت ملاحظہ ہو جو چشم دید ہے یعنے جس کو ایک یورپی سیاح
نے دیکھہ کے لکھا ہے" جشن کے دِن بادشاہ نہایت ہی عمدہ لباس پہنکے دیوان عام
و خاص کے صدر میں مرصع تخت پر بیٹھا ہوا نظر آیا اُسکی پوشاک نہایت نازک اور پھولدار
ریشمی کپڑے کی تہی جسپر بہت ہی عمدہ زری کا کام ہو رہا تھا اور جواہر نگار مندیل سر پر تھی
جسپر بڑے بڑے اور نہایت قیمتی ہیروں کا طرّہ لگا ہوا تھا اِن کے بیچ میں ایک ایسا
پکھراج جڑا ہوا تھا جو لاثانی کہا جا سکتا تھا۔ اِسکی چمک ایسی تھی کہ اِسپر آنکھ نہیں ٹھرتی تھی
کل جواہرات میں آفتاب کی طرح درخشاں تھا۔ اِسکے علاوہ بڑے بڑے موتیوں کا ایک
کنٹھا گلے میں تھا

جس تخت پر شاہ جلوہ افروز تھے اِس کے چھ پائے ہیں جو بالکل ٹھوس ہیں جن میں یاقوت
زمرد اور ہیرے جڑے ہوے ہیں مگر میں اُنکی تعداد اور قیمت بیان نہیں کرسکتا۔ کیونکہ
کسی کی مجال نہیں کہ پاس جاسکے لیکن یقین کیجے کہ ہیرے اور جواہرات بہت ہی ہیں اور
مجھے خوب یاد ہے کہ اِس کی قیمت کا اندازہ پانچ کروڑ کئی لاکھ کا کیا گیا تھا۔ دو مور جو اس
تخت کے پایوں پر بنائے گئے ہیں اِن کی صنعت کاری اور جواہرات کی کثرت حیرت میں
ڈالتی ہے بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مور موتیوں اور جواہرات کے بنے ہوئے ہیں۔ اِن
موروں کی قیمت کا اندازہ انصاف تو یہ ہے کہ نہیں ہوسکتا" یورپی سیاح کا تخت کے

موقع ملا اور میں خیال کرتا ہوں کہ ایک دفعہ ایک بڑی بیگم کے علاج کے لیے جو شدت مرض کی وجہ سے معمول کے موافق باہر کے دروازہ تک نہیں لائی جا سکتی تھی بہت دور تک اندر جانے کا اتفاق ہوا مگر میرے سر پر ایک کشمیری شال اس طور سے اڑھا دی گئی کہ برقع کی طرح پاؤں تک لٹکی تھی اور خواجہ سرا نے ہاتھ پکڑے ہوئے مجھے اس طرح لیجا رہا تھا جیسے کوئی اندھے کو لیجاتا ہے اس لیے میں نے محلسرا کی کیفیت جو کچھ خواجہ سرا کی زبانی سنی ہے وہ عرض کر دیتا ہوں ان کا بیان ہے کہ محلسرا میں بیگمات کے درجہ حیثیت اور معاشرت کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ بہت خوبصورت اور بڑے بڑے محل بنے ہوئے ہیں جن کے دروازوں کے سامنے حوض ہر طرف باغیچے۔ لطیف پرتیں اور سایہ دار آرام گاہیں۔ نہریں اور فوارے گرمی کے لیے عمیق مصفا اور مزین تہخانے اور رات کو خنکی میں آرام کرنے کے لیے اونچے اونچے تختے اور صحن چبوترے بنے ہوئے ہیں غرض ایسے دلکش مکانات ہیں کہ اس وقت اس ملک کی تکلیف دہ گرمی کو دخل نہیں ہے اور یہ لوگ ایک چھوٹے سے برج کی جو دریا کی طرف ہے حد سے زیادہ تعریف کرتے ہیں جس میں آگرہ کے دونوں برجوں کی طرح طلائی۔ لاجوردی نقش و نگار بنے ہیں اور چاروں طرف سونا ہی سونا پھیرا ہوا ہے اور قد آدم آئینے لگے ہوئے ہیں"

اس وقت ان عمارتوں میں ایک عمارت بھی لال قلعہ میں نہیں ہے اور اگر کوئی شخص ویسی عمارتیں بنانی چاہے تو بن نہیں سکتیں کیونکہ اول تو دو سو برس کے بنے محلات کسی نے دیکھے نہیں اور دوسرے ان کا کوئی صحیح نقشہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے لاکھوں روپیہ صرف کرنے کے بعد بھی وہ عمارتیں بن نہیں سکتیں نہ اس ڈھنگ کے کاریگر ہیں اور نہ ویسا مال مسالہ ہے ابھی تک یہ تو معلوم ہی نہیں ہوا کہ پہلے لوگ چونہ میں کیا چیز ڈالتے تھے کہ

رہتے ہیں۔ اور اِن سے جو جگہ خالی رہتی ہے وہ اور بلکہ تمام صحن سب قسم کے لوگوں اعلے
اور ادنے سے بھرا رہتا ہے کیونکہ یہی مقام ہے جہاں رعایا کا ہر متنفس اپنے عرض حال
کے لیے باریاب ہو سکتا ہے اور کسی شخص کے آنے کی ممانعت نہیں ہے اِسی وجہ سے
اِس کو عام و خاص کہتے ہیں۔ کامل ڈیڑھ دو گھنٹے تک لوگوں کا مجرا اور سلام ہوتا رہتا ہے
اِس موقع پر مستغیث جو عرضیاں پیش کرتے ہیں وہ تمام و کمال بادشاہ کے ملاحظہ اور سماعت
میں آتی ہیں اور بادشاہ بذات خاص مستغیثوں سے دریافت حال کرتا اور اکثر ستم رسیدہ
لوگوں کی فوراً داد دیتا ہے اور ہفتہ میں ایک دن خلوت میں کامل دو گھنٹے تک ایسے دس
غربا کی عرضیاں سُنتا ہے جو مستغیثوں میں سے چن لیے جاتے ہیں اور جن کے پیش کرنے
کا کام ایک نیک۔ دولتمند اور بوڑھے شخص کو سپرد ہے اور ایک دن عدل و انصاف
کے کمرہ میں جسکو عدالت خانہ کہتے ہیں دو بڑے قاضیوں کے ساتھ بیٹھ کے دادرسی
کرتا اور اس میں کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتا۔

عام و خاص کے بڑے دالان کی بغل میں ایک خلوت خانہ ہے جسکو غسلخانہ بھی کہتے ہیں
یہ وسعت میں اگرچہ عام و خاص کے برابر نہیں ہے مگر نہایت خوبصورت۔ وسیع۔ روغنی
اور سنہری کام کا ہے اور ایک بڑے شہ نشین کی طرح چار یا پانچ فٹ کا اونچا ہے جہاں
بادشاہ کرسی پر بیٹھ کے وزراسے جو ادھر اُدھر کھڑے ہوتے ہیں تخلیہ میں امرا اور صوبداروں
کے عرایض سُنتا اور سلطنت کے اہم معاملات پر غور کرتا ہے۔"

پھر یہی سیاح لکھتا ہے "اب میں نہایت خوشی سے آپ کو بادشاہی محلسرائے کی سیر کراتا
ہوں جو سب سے زیادہ دلکش عمارت ہے لیکن کوئی سیاح وہاں کی کیفیت چشم دید نہیں
بیان کر سکتا کیونکہ بادشاہ کے دہلی میں موجود نہونے کے وقت اگرچہ مجھے کئی بار وہاں جانیکا

اس تخت کے آگے ایک تخت سنگ مرمر کا بچھا ہوا ہے امرا میں سے جس کسی کو کچھ عرض کرنا ہوتا تھا اس پر چڑھ کے بادشاہ سے عرض کرتا تھا اگر بادشاہ کے بیٹھنے کا تخت اتنا اونچا ہے کہ اس تخت کے چڑھے پر بھی آدمی کا صرف گلا تخت تک پہنچتا ہے اس تخت کے آگے سہ گوشہ دالان ہے جو تیرہ گز لمبا اور چھ گز چوڑا ہے اور ہر ایک دالان کے دو دو درین اور ان سب کے ستون سنگ سرخ کے ہیں اور ان پر بہت خوبصورت محرابیں بنائی گئی ہیں۔ باہر کے دالان میں بیچ کے در چھوڑ کے سنگ مرمر کا کٹہرا لگا ہوا ہے جس پر بہت خوشنما سنہری کلسیاں چڑھی ہوئی تھیں جن میں سے ایک بھی اب نہیں دکھائی دیتی یہ دالان امرا و ندما و کلا کے حسب مرتبہ کھڑے رہنے کا تھا یہ دربار کا دالان درحقیقت ایک چبوترہ پر بنا ہوا ہے جس کا طول ایک سو چار گز اور عرض ساٹھ گز ہے باقی تین طرف چبوترہ ہے جس کے گرد قد آدم سنگ سرخ کا کٹہرا لگا ہوا ہے اس پر بھی سنہری کلسیاں چڑھی ہوئی تھیں مگر ان کا نشان بھی نہیں ہے یہ جگہ چوبدار اور نقیب اور چپراسی وغیرہ لوگوں کے کھڑے رہنے کی تھی اور اسکو گلال باری کہتے تھے اس کے آگے ۲۰۰ گز لمبا اور ۱۶۰ گز چوڑا صحن ہے اور اس کے چاروں طرف قرینہ اور موقعہ سے مکانات بنے ہوئے ہیں اور شمال کی طرف دیوان خاص میں جانے کا دروازہ ہے۔ پھر برنیر صاحب لکھتا ہے کہ ہزایکسیلنسی ظل الٰہی ہر روز دوپہر کے وقت بادشاہ آکر بیٹھتا ہے دائیں بائیں شہزادے ہوتے ہیں۔ خواجہ سرا مورچھل ہاتھ میں مارے ٹرے پنکھے جھلتے یا ادائے خدمت کے لیے دست بستہ گردنیں جھکائے ہوئے بڑے ادب سے کھڑے رہتے ہیں تخت کے نیچے چاندی کا کٹہرا لگا ہوا ہے جس میں تمام امرا اور راجہ اور غیر ملکوں کے سفیر آنکھیں نیچی کئے ہوئے اور ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے رہتے ہیں اور تخت سے کسی قدر فاصلہ پر اسی طرح منصب دار یعنی چھوٹے چھوٹے امرا حسب مراتب ایستادہ

پانچ وقت بجا کرتے ہیں۔ مجھے پہلے پہل قرنا کی آواز بری معلوم ہوئی لیکن جب کان آشنا ہو گئے تو ایسی بھلی معلوم ہوتی تھی کہ سنے ہی جاؤں جہاں نقار خانہ رکھا ہوا ہے وہ جگہ بھی بلند ہے اور شاہی محل سے اس کا فاصلہ بھی زیادہ ہے تاکہ شاہ کو اس کی آواز سے تکلیف نہ ہو اس دروازہ کے مقابلہ جس پر نقار خانہ ہے صحن سے گزر کر ایک بڑا دالان ہے جس کے ستون اور چھت طلائی گل بوٹوں اور منبت کاری سے لپی ہوئی ہے اور جس پر مشرقی صنعت کو پورے طور پر ختم کیا گیا ہے۔ کرسی بہت اونچی دی ہوئی ہے نہایت ہوا دار ہے اور تین طرف سے کھلا ہوا ہے اور اس دیوار کے وسط میں جو محلسرائے کی حد فاصل ہے قدِ آدم سے بھی اونچا ایک وسیع شہ نشین بنا ہوا ہے" اس یورپی سیاح کو چونکہ فنون تعمیرات سے بالکل مس نہیں تھا اور یہ محض ایک معمولی طبیب تھا اس لیے قلعہ کی حالت اس نے نہایت بھدے اور بھونڈے الفاظ میں بیان کی ہے ناچار جابجا اس کے بے معنے ناموں کی جو یہ ایوان شاہی کے مقامات کے لیتا ہے تشریح کرنی ضرور پڑی۔ جس مقام کو یہ شہ نشین لکھتا ہے اس کا اصلی نام نشیمن ظل اللٰہی ہے اور اس کی اصلی کیفیت یہ ہے جسے یورپی طبیب بیان نہ کر سکا۔ دیوان عام کے مکان کے بیچ میں شرقی دیوار سے ملا ہوا سنگ مرمر کا چار گز کا مربع تخت ہے جس پر چار ستون لگا کے بنگلہ کے طور پر چھت بنائی ہے اور قد آدم سے زاید کرسی دی ہے اور اس کے پیچھے سنگ مرمر کا سات گز لمبا اور ڈھائی گز چوڑا ایک طاق بنا ہوا ہے اس میں ہر قسم کے پرندوں اور چرندوں کی تصویریں رنگین پتھروں سے بنی ہوئی ہیں اور ساتھ ہی ایک آدمی کی تصویر ہے جو ستار بجا کے گا رہا ہے اس طاق کی بغل میں ایک دروازہ ہے اور اندر سے بھی آنے کا رستہ ہے بادشاہ اس تخت پر دربار عام کے دن اجلاس کرتے تھے

میں پر تکلف کھانا آتا ہے جس وقت کہار بیگمات لے کے پہنچتے ہیں امیر سراپا تعظیم
کو کھڑا ہو جاتا ہے اور شاہی محل کی طرف منہ کرکے تین بار سلام کرتا ہے
پھر سرکاری دفاتر کے لیے مختلف مقامات میں ایوان سے ہوئے اور خیمے ایستادہ ہیں
امرا میں سے جن بڑے دالانوں میں کاریگر بیٹھتے ہیں وہ مختلف کارخانوں کے نام سے
موسوم ہیں کسی دالان میں چکن دوزی کارچوب اور زردوزوں کا کارخانہ ہے کسی میں ٹسا
ہی سار بیٹھتے ہیں کسی میں مصور اور نقاش بیٹھے ہوئے ہیں کسی میں رنگ ساز اور کسی
میں بڑھئی اور خرادی کسی میں درزی اور موچی کسی میں دارائی اور جوڑیا کمخواب اور باریک
تن زیب بننے والے جلاہے جو پگڑیاں بنتے اور کمربند مع کے جھل دار زری کا پٹکے تیار
کرتے ہیں ان کی ہنرمندی سے عقل چکر میں آتی ہے کہ یہ زنانے پاجاموں کے لیے ایسا
نازک اور باریک کپڑا بنتے ہیں جو صرف مثل پھولوں کے ہار کے ایک ہی رات کے استعمال میں
بیکار ہو جاتا ہے اور پھر لطف یہ کہ ایسے باریک کپڑے پر سوئی سے زری کا کام ایسی خوبصورتی
سے کیا جاتا ہے کہ دیکھ کے جی عش عش کرنے لگتا ہے یہ کپڑا جس پر زری کے پھول بوٹے ہوں
بیس تیس روپیہ گز آتا ہے اور زری والے کی قیمت اس سے کہیں زیادہ ہے یہ
تمام کاریگر صبح کو آتے اور سارے دن کام کرکے شام کو اپنے اپنے گھر چلے جاتے ہیں
ان شاہی کارخانوں کو طے کرنے کے بعد دیوان عام اور دیوان خاص نظر پڑتے ہیں جن کا
ذکر کبھی دلچسپی سے خالی ہوگا عام و خاص کی عمارتیں بلاشبہ عجیب و غریب خوبصورت اور عالیشان
ہیں عام و خاص ایک بڑا وسیع مربع مکان ہے اس کی محرابیں اس طرح سے بنی ہیں
کہ ایک محراب میں سے دوسری محرابیں جاسکتے ہیں ایک بڑا دروازہ ہو اس کے سامنے ہے
اس پر ایک بالاخانہ بنا ہوا ہے اور یہ نقارخانہ شاہی ہے جہاں پہریان شہنائی اور نقارے بز

ہیں وہ بھی اسی چبوترہ پر کھڑے ہو کے پہرہ دیتے ہیں۔ وہ خوشنما نہر جو دروازہ کے
بیچ میں سے نکالی گئی ہے اس کا پانی اوّل مجلس رائے میں جاتا ہے اور پھر وہاں سے
موقع بموقع کل مکانوں میں پہنچتا ہے اور اس کے بعد قلعہ کی خندق میں جا گرتا ہے
یہ نہر مغل انجینیروں نے دہلی سے ۱۵۔یا ۱۶ میل کے فاصلہ سے دریائے جمنا سے کاٹی ہے
اور بڑی محنت اور انجنیری کی بے مثال قابلیت سے میدان اور پہاڑی سخت زمین
سے لائی گئی ہے۔

قلعہ کے دوسرے دروازہ کے اندر قدم رکھتے ہی ایک صاف اور لمبی سڑک دکھائی
دیتی ہے اس راستہ کے بھی دونو جانب ویسے ہی چبوترے بنے ہوئے ہیں لیکن
بجائے محراب دار دالانوں کے یہاں دکانیں تعمیر ہیں اصل میں قلعہ کا یہ بازار ہے
جس کی بلند چھت لداؤ کی ہے اور جس چھت میں ہوا کے لیے بڑے بڑے
روشن دان ہیں چل چلاتی گرمیوں میں یہاں خوب ٹھنڈک رہتی ہے اور برسات میں
بھی خوب آرام ملتا ہے اِن دونوں راستوں کے سوا دائیں بائیں اور بھی چھوٹے چھوٹے
راستے ہیں اور یہ راستے اِن مکانوں کی طرف جاتے ہیں جہاں باری باری سے ہر
امیر ہفتہ میں ایک بار آ کے پہرہ دیا کرتا ہے۔ یہ مکانات جہاں امرا پہرہ چوکی دیا کرتے
ہیں نہایت خوبصورت اور آراستہ ہیں کیونکہ امرا ان مکانوں کو اپنے خرچ سے آراستہ
رکھتے ہیں۔ یہ مکان کوئی معمولی حیثیت کے نہیں ہیں بلکہ خاصے دیوان خانے ہیں
جن میں چھوٹی چھوٹی نہریں بہ رہی ہیں۔ خوبصورت حوض بنے ہوئے ہیں فوارے اچھل
رہے ہیں اور ایک عجیب روحانی تازگی یہاں بیٹھ کے ہوتی ہے جس امیر کا جس دن پہرہ
ہوتا ہے وہ شب کو بادشاہی مہمان تصور ہوتا ہے اور شاہی مطبخ سے اُس کے لیے خوان

دروازہ کے پتھر کے دو بڑے بڑے ہاتھی کھڑے کیے گئے ہیں ایک ہاتھی پر چتوڑ کے مشہور و معروف راجہ جیمل کی مورت بنی ہوئی ہے اور دوسرے پر اس کے بھائی فتا کی یہ دونوں بڑے بہادر تھے چونکہ یہ شاہی فوجوں سے کٹ کٹ کے لڑے تھے اس لیے شاہان مغلیہ نے محض ان کی بے نظیر شجاعت کی داد دینے کی غرض سے بطور یادگار ان کی مورتیں بنا کے قلعہ کے دروازہ پر کھڑی کر دی تھیں مآثر عالمگیری میں لکھا ہے اورنگ زیب نے اپنے گیارہویں سال جلوس مطابق ۱۰۷۹ھ ہجری میں پتھر کے پورے قد کے ہاتھی جو بہادر صنعت کے بنے ہوئے تھے اور دروازہ قلعہ کے دونوں جانب نصب تھے اور اسی وجہ سے اس دروازہ کو ہتھیا پول کہتے تھے شریعت کے لحاظ سے اٹھوا دیئے کیمت خاں عالی نے اپنی مشہور کتاب وقائع میں ان ہی ہاتھیوں کے متعلق یہ شعر لکھا ہے۔ ؎

آں صورت مہاوت فیلاں ہتھیا پول
مارا بہ فیل بست حساب و کتاب کرد

یہ نہیں معلوم ہوا کہ ہتھیا پول کس دروازہ کا نام ہے بعض نقار خانہ کے دروازہ کو اس نام سے پکارتے ہیں اور بعض کسی دوسرے دروازہ کی نسبت لکھتے ہیں بہرحال یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ عالمگیر کے وقت میں قلعہ کے ایک دروازہ پر ہاتھی ضرور تھے۔ فیرنور بی سیاح لکھتا ہے کہ اس دروازہ سے قلعہ میں داخل ہو کے ایک لمبا، وسیع راستہ ملتا ہے جس کے بیچ میں ایک نہر جاری ہے اور دونوں جانب پانچ پانچ فٹ اونچا اور پانچ فٹ چوڑا ایک چبوترہ سا ہوا ہے جس کے آگے دو طرف برابر برابر محراب دار دالان چلے گئے ہیں جن میں مختلف کارخانہ کے داروغہ اور کم درجہ کے عہدہ دار بیٹھے ہوئے اپنا کام کیا کرتے ہیں اور بعض دار جنت کو پہرہ دیتے ہیں

ہوسکتا ہے کہ اِس قصر کی حالت بربادی سے پہلے کیا تھی۔

موسیو روسلے بیان کرتے ہیں "اس قصر کا اندرونی حصہ ایسا پُر تکلف ہے کہ نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سُنا۔ ستونوں محرابوں اور لداؤ کی چھت کے حاشیوں پر عجیب و غریب عربی حروف کی گلکاریاں رنگ برنگ کے قیمتی پتھروں کی جو سنگ مرمر میں جڑے ہیں بنی ہوئی ہیں۔ آفتاب کی کرنیں جس وقت اِن محرابوں میں سے ہو کے اِس وجد میں لانے والی پچّی کاری پر پڑتی ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پھولوں کے ہار جو سنگ زنگار اور مختلف اقسام کے بلور اور دوسرے پتھروں سے بنے ہوئے ہیں گویا زندہ ہو گئے۔

اس قصر کو اس کے زمانہ عروج میں دو فرانسیسی سیاحوں نے دیکھا ہے ایک اِن میں برنیر طبیب تھا جو سند حاصل کرنے کے بعد دہلی آیا اور شاہجہاں کا طبیب بن گیا اور دوسرا ٹاورنیر جوہری تھا ان کے سفرنامے ۱۶۷۶ء اور ۱۶۷۷ء میں شائع ہوے اور ان سفرناموں میں مشرقی تکلفات کا پورا بیان ہے۔ ٹاورنیر کو تو اجازت مل گئی تھی کہ کل شاہی جواہرات کو جانچے اور ان کا نقشہ کھینچے اِس نے اپنی کتاب میں اِن میں سے بیش بہا جواہرات کی تصاویر اور قیمتیں درج کی ہیں اس قصر میں سات تخت تھے جو ہیروں سے جڑے ہوے تھے ان میں سب سے بڑے تخت کی قیمت کا اندازہ سولہ کروڑ پانچ روپیہ کیا تھا۔

ایک یورپی سیاح جو اول درجہ کا متعصب ہے اور جس نے واقعات کے قلم بند کرنے میں شاہان مغلیہ کی توہین کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا زمانہ عالمگیری کے قلعہ کی حالت حسب ذیل لکھتا ہے "قلعہ کی دروازہ کی عمارت میں کوئی چیز قابل ذکر نہیں بجز اسکے کہ دونوں طرف

پانچواں باب

آثار الصنادید

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ — آثار پدید است صنادید عجم را

لال قلعہ

اس قصر یا لال قلعہ کو شاہ جہاں نے بنایا تھا اور اس کی تعمیر ۱۰۵۸ھ ہجری یعنی ۱۶۴۸ء میں ختم ہوئی۔ اس کی نسبت فی الواقع یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اس سے زیادہ پُرشان کوئی ہندوستانی قصر ہندوستان و ایران میں نہیں ہے۔ اس کے ایوانوں کی مختلف الالوان پتھروں کی پچی کاری ہر ایک میں گنگا جمنی کا لطف دکھاتی ہے اُن کل وحشی اقوام کے ہاتھوں سے جنھوں نے متعدد اوقات میں دہلی کو لوٹا ہے یہ قصر جو فی الواقع عجائبات دنیا میں سے ہے۔ بچ رہا لیکن غدر کے بعد بعض انگریزی حکام کی بے احتیاطیوں نے اس پر مطلق رحم نہ کھایا۔ انھوں نے کل اُن حصوں کو جو کام میں نہ آسکے منہدم کر دیا اور اُن کے مسالے سے گورے کی بارکیں بنائیں۔ انھوں نے فقط اُن ہی دیواروں کو قایم رکھا جو کبھی اُن کے کام میں آئیں چونکہ اُن میں نہایت نازک رنگین پتھر جڑے ہوئے تھے اور جو فوجی طویلے اور گوروں کی خوابگاہیں بنے کے بعد اُن کا صاف کرنا کسی قدر دشوار تھا اسلئے انھوں نے بہت اہتمام کے ساتھ اُن پُرتکلف دیواروں پر چونا پھیر دیا مگر اُن کی اس حرکت پر اس قدر شور و غوغا ہوا اور بعض مزاج انگریزوں اور قدر دانوں نے وہ واویلا کیا کہ آخر اُن جدید ملک گیران ہندوستان کو ضرور ہوا کہ لیے جانے ہوے چونے کو کھرچ ڈالیں اس طرح سے جو کچھ بچ بچا گیا ہے اس سے یہ کافی اندازہ

"مقدمہ کی کارروائی کو ناظر نے سخت افسوس اور تعجب سے پڑھا ہوگا اور کم سے کم اس سے یہ نتیجہ تو ضرور نکالا ہوگا کہ انگریزی فوجوں کی بغاوت کے اسباب خواہ کچھہ ہی کیوں نہوں لیکن یہ تو ضرور پتہ چلتا ہے کہ بغاوت ہونے سے پہلے اہل قلعہ یا خود بہادر شاہ کی کوئی سازش سرکاری فوج سے نہ تھی رہا یہ کہ بہادر شاہ کے کسی ملازم نے کسی انگریزی افسر کو بہادر شاہ کی ملازمت کے لیے ترغیب دی یہ ایسی معمولی بات ہے جو ذرا بھی سازشی کارروائی پر روشنی نہیں ڈالتی۔ ہاں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب بغاوت کو عروج ہوا ہے اور باغی سپاہ جوق جوق دہلی میں چلی آئی ہے تو اہل قلعہ اور خود بہادر شاہ کو محض اس لاعلمی کی وجہ سے جو وہ انگریزی قوت کی رکھتے تھے یہ یقین ہوگیا ہو کہ پھر ہماری حکومت ہندوستان میں قایم ہوجائے گی اور محض اس لغو خیال نے انھیں باغیوں کے ساتھ سازش کرنے کا موقع دیا ہو۔ خاص قلعہ میں عورتوں اور بچوں کا قتل واقعی ایک ایسا ناقابل معافی اور غیر رحمانہ فعل ہے کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی اسی وجہہ سے جج ایڈوکیٹ نے اپنے ایڈرس میں بہادر شاہ اور مسلمانوں کی نسبت نہایت درشت الفاظ کا استعمال کیا اور یہ ایک فطری امر ہے کہ ایسی حالت میں طیش اور غضب کی یہی حالت ہوجاتی ہے۔ غرض جو کچھ خدا کو منظور تھا وہ ہوا ہمیں اس کے متعلق زیادہ تفصیل سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے واقعات سب قلمبند کردیے ہیں ناظرین خود نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ ہاں اتنا ہم ضرور لکھتے ہیں کہ ظلم خدا کو پسند نہیں ہے اور اسکا عملی ثبوت غدر میں پورا پورا ہوگیا۔"

ہ ہ
ہ

(۴)

مرقومۂ دہلی ۹ مارچ ۱۸۵۸ء

دستخط الف سے ۔ ہیریٹ میجر
ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل وکیل سرکار

عدالت اپنی تجویز پر غور کرنے کے لیئے بند ہوئی ۔

تجویز

جو شہادت عدالت کے روبرو ہے اسکی روسے اسکی رائے یہ ہے کہ قیدی محمد بہادر شاہ دہلی کا خارج شدہ بادشاہ اُن کل اور جرو الزامات کا جو اس پر لگائے گئے مجرم ہے ۔

دستخط ۔ ایم ۔ ڈاس ۔ لفٹنٹ جنرل
پریسیڈنٹ

دستخط ۔ الف سے ہیریٹ ۔ میجر
ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل

میں تجویز کو مستحکم کرتا ہوں

دستخط ایس ۔ پنی ۔ میجر جنرل
کمانڈنگ قسمت میرٹھ

مورخہ ۲ ۔ اپریل ۱۸۵۸ء
کمپ سہارن

عیسوی میں سچی تبدیلی نہ تھی۔ اگر یہ بات ہندوستان کی ترغیب کی وجہ سے ہوتی جسکے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے تو اس سے کسی مذہب کے اعتقاد پر حملہ نہیں ہوتا اور نہ کچھ ملکی مخالفت پیدا ہوتی ہے۔ جہانتک مجھے علم ہے عیسائی بنانے کی کوشش پر کسی ہندوستانی نے ناراضگی ظاہر نہیں کی اور اگر اُنکی نظروں میں یہی سمایا ہوا ہو تو کون اس تاریک اور ذلیل غلطی کو دور کرسکتا ہے کہ عیسائی مذہب خود ایسا ہے اور اُس کے ممیز اصول ایسے ہیں کہ ہر شخص اُسکی طرف مائل ہوتا ہے۔

اگر یہ پست خیال اُن کے دلوں سے دور ہو جاتا تو ہندوؤں کا بڑا خوف اُس کے ساتھ ہی جاتا رہتا۔ اُن کو یہ بات جتادینی چاہیئے کہ زبردستی عیسائی کرنا ناممکن ہے اور تم باغیوں کو اُنکی شرارت کے سخت حربہ سے محروم کرتے ہو۔ مذہب عیسائی کی اگر اصل منشاء معلوم ہو جائے تو ہندوستانیوں کے دلوں سے اُسکا خوف جاتا رہے۔ تاریکی ہونے کی وجہ سے اُس کا نام بُرائی کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اگر اس معاملہ میں زیادہ گفتگو کروں تو سلطنت کی پالیسی میں دست اندازی ہوگی۔ اس لیئے اب میں عدالت کا خاموشی کے ساتھ اس بحث کی سماعت کرنیکے عوض اور مسٹر مرفی ترجمان کا اُنکی قابلانہ مدد کے بدلے جو اس معاملہ اور دیگر سرکاری تحقیقات میں دی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ بحیثیت ایشیائی عالم اُسکی قابلیت مشہور ہے۔ وہ بلاتامل اُن زبانوں کو بول سکتا ہے۔ اُس نے ہر قسم کی تحریرات کو آسانی پڑھا اور بلا وقت اُن کا صحیح مطلب سمجھا۔ اور ترجمہ کیا۔ اُسکی اُردو اور فارسی میں کامل واقفیت ثابت ہوئی ہے۔ جو نوٹ اکثر کاغذات پر لگائے گئے ہیں وہ قابل قدر ہیں اور خود اُنکی قابلیت کا اور محنت ترجمہ وغیرہ کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر میں اس طرح اُنکی شکرگزاری نکرتا تو اُنکے نزدیک اور خود اپنے نزدیک مجھ میں نقص ہوتا۔

متعلق نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہو جائیگا کہ اس کل کارروائی میں مسلمان ہی سب کچھ ہے۔ یعنی مسلمانوں کا صاحب مکاشفہ وصاحب معجزہ واعظ۔ مسلمان بادشاہ اور اس کے احمق رفیق۔ مسلمانوں کی نتیجہ خیز خفیہ سفارت ایران اور ٹرکی کی مسلمان قوتوں کے پاس۔ ہمارے زوال کے متعلق مسلمانوں کی پیشین گوئیاں۔ مسلمان سلطنت کا ہمارے بعد ہونا۔ مسلمان قاتلوں کے ہاتھ سے نہایت بیرحمی کا قتل۔ اسلامی عروج کے لیئے مذہبی لڑائی۔ بڑی مدد دینے والے اسلامی مطالع اور بغاوت کی ابتدا کرنیوالے مسلمان سپاہی۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں ہندو مذہب پر نہ کہیں الزام دیا گیا اور نہ اُسکی تائید کی گئی اگر اُنھوں نے کہیں سر بھی اٹھایا ہو تو محض اپنے مفسد ہمسایوں کی حکم برداری کی وجہ سے ہوا ہو۔

مسلمانوں کی سازش کے متعلق جسقدر بحث تھی وہ اب ختم ہو گئی۔ ممکن ہے کہ اس کارروائی میں اور بھی نکات پیدا ہوں مگر میں صرف دو باتیں چھانٹ کر بیان کرتا ہوں جو میرے نزدیک نہایت ضروری معلوم ہوئیں۔ مگر بحث ختم کرنے سے پیشتر میں ایک سوال ور کپتان مارٹینیو کا جواب نقل کرنا چاہتا ہوں۔

"کیا تم نے دیسیوں کو عیسائی کرنے میں انگریزی افسری کی کوشش کے متعلق سپاہیوں کو شکایت کرتے سُنا"

(جواب) "نہیں میں نے اپنی عمر میں نہیں سُنا میرے خیال میں کبھی اُنھوں نے اس امر کی پروا بھی نہیں کی"

میرے نزدیک افسر کو سپاہیوں کے چال وچلن کا تجربہ نہیں ہوا اور نہ اُسکے خیالات اور اعتقادات کا علم ہوا مگر اس بیان کی صداقت بہت جلد ثابت ہو جائیگی۔ ہندوستان میں خالص افسری سے کچھ خوف نہ تھا جس بات سے سپاہیوں یا ہندوستانیوں کو خوف تھا وہ مذہب

کی مزید تصدیق سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوجائیگی کہ مسلمانوں ہی کی نمبر ۳۴ لائٹ کولری نے میدان پریڈ پر کارتوس لینے سے انکار کیا تھا ان میں سے ۷۵ یعنی بیشتر مسلمان تھے ان لوگوں کا کچھ مذہب نہ تھا اور انکے نزدیک سور کی چربی یا گائے کی چربی کا ملا ہوا ہونا یا نہونا برابر تھا کپتان ماٹینو ہم سے بیان کرتا ہے کہ انبالہ ڈپو میں جہانتک کارتوسوں کے معاملہ کا تعلق تھا مسلمان سپاہی اس کا مضحکہ اُڑاتے تھے اور اس طرح ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے بلا کسی بہانہ یا عذر کے کھلم کھلا بغاوت پر کمر باندھ لی تھی۔ اُنکی بناوٹی تکلیفوں میں کچھ کمی نہ آئی اور اُنھوں نے ہمارے خلاف بلوہ کرنے میں فوراً اتفاق کرلیا اور ہندوؤں کو زبردستی مذہب ترک کرانے کے خیال پر ظاہرداری سے جوش دیکر اپنے ساتھ ملجانیکی ترغیب دی۔ اس بارہ میں ہمارے پاس شہادت ہے اور یہ ایسا حیلہ تھا جس میں ہندوؤں کے ساتھ ذرا بھی ہمدردی نہیں پائی جاتی اور نہ ہندوؤں نے اُسکے دریافت کرنے میں کوشش کی کیونکہ جو شہادت ہم نے بار بار نقل کی ہے اُس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے وہ میدان کی لڑائی کے ہی بعد اُنھوں نے معاملات کے پہلو بدل لینے پر بہت افسوس کیا مسلمانوں کو دھوکہ دینے پر لعنت ملامت کی اور اس بات پر مشکوک معلوم ہوتے تھے کہ واقعی انگریزی گورنمنٹ کا یہی منشا تھا کہ ہمارے مذہب میں مداخلت کرے؟ بہت سے ہندو سپاہیوں نے اُس وقت یہ ظاہر کیا کہ اگر ہماری جاں بخشی ہوجائے تو بخوشی سرکاری ملازمت کرنے کے لیئے واپس چلے جائیں۔ مگر مسلمان برخلاف اس کے اسی بات پر جمے ہوئے تھے کہ انگریزوں کی نوکری سے شاہی ملازمت بدرجہا بہتر ہے اور یہ کہ نواب راجہ بادشاہ کو اگر فوجیں مل گئیں وہ ایکدم فتح حاصل کرلیں گے"

اگر ہم مختلف حالات پرجو ہمیں دوران تحقیقات میں معلوم ہوئے ہیں قدیم زمانہ کے

مترشح ہے جو اسی دنیا پر ختم نہیں ہوتی بلکہ آخرت میں بھی ہمارے لیئے دائمی تکالیف ثابت کرتی ہے تو اُسکے نقش کو خیال کرتے ہوئے ہم اپنے آپے میں نہیں رہتے

سامع یہ بات دریافت کیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کیا انگریزوں کے متعلق ایسے خیالات رکھنے والے آدمی ہندوستان میں لاکھوں ہیں؟ میں اُن لوگوں کا تذکرہ نہیں کرتا جو یہ بات سن کر فوراً رائے قائم کریں اور انھیں میری رائے کی ضرورت نہو۔ مگر ہمیں حسن اول سے معلوم ہوا ہے کہ محرم میں اُنھوں نے مسلمانوں کی عورتوں کو اپنے مذہب کی کامیابی اور انگریزوں کے غارت ہونیکی دعائیں مانگتے اور بچوں کو انھیں دعاؤں کی تلقین کرتے سنا تھا۔ بیکس عورتوں اور بچوں کی ظالمانہ موت اور تکالیف سے بھی اُنکے کینے کی آگ دبی اور اُنکے دلوں میں رحم ذرا بھی نہ پیدا ہوا۔ کیونکہ ہمیں مقامی اخبار کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ جس وقت مل ہونے کو تھا کوئی دو سو مسلمان جوش سے لگے ہوئے کھڑے تھے اور قیدیوں کو نہایت فحش گالیاں دے رہے تھے اگر اس بات کی اچھی طرح تصدیق نہ ہوتی تو ایسے سخت کینے کا یقین مشکل آتا۔

اس اڈریس میں میں نے اُن واقعات کو ملحوظ رکھا ہے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عامہ مسلمانوں کے فساد اور سازش کی وجہ سے ۱۸۵۷ء کی دہشتناک آفات واقع ہوئیں میں نے حتی الوسع اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قدیمی ہندوستانیا اسلامی پیشوا ہونے کی حیثیت سے اس سازش کے ترتیب میں خواہ بطور پیشوا یا بطور رفیق مذہب کس قدر تعلق رکھتا تھا۔

ہندوؤں کو بالعموم بلوہ کرنے اور فوج کو بالخصوص بغاوت پر آمادہ کرنے میں ہندوستانی مشائخ اور مسلمانوں نے جو کچھ حصہ لیا ہے اُس کا بھی میں تذکرہ کر چکا ہوں اور ان واقعات

اس وقت بادشاہ کو یقین دلایا تھا کہ اُسے خبر لگی ہے کہ شاہِ فارس نے بوشہر کو فتح کر کے اس پر قبضہ کر لیا ہے اور عیسائیوں کو بالکل خارج باسب کو قتل کر دیا ہے۔ اور بہت سوں کو قید کر لیا ہے اور بے شبہہ ایرانی فوج براہ کابل و قندھار دہلی روانہ ہونے والی ہے۔ اس کے علاوہ اُس نے یہ بھی لکھا تھا کہ قلعہ میں اور بادشاہ کے خاص محلات میں دن رات ایرانیوں کی آمد کے تذکرے ہوتے ہیں۔ حسن عسکری نے بادشاہ کے یہ بھی ذہن نشین کر دیا ہے کہ مجھے مکاشفہ سے معلوم ہوا ہے حکومت ایران لاریب دہلی تک بالکل ہندوستان تک پھیل جائے گی اور سلطنت دہلی کی شان و شوکت پھر تازہ ہو جائیگی کیونکہ شاہ ایران تاجِ شاہی بادشاہ کے سر پر رکھ دینگے۔ محرر یہ بھی لکھتا ہے کہ تمام قلعہ بالکہ خاص کر بادشاہ کو اس گفتگو سے کمال مسرت ہے اور نوبت یہانتک پہنچی ہے کہ دعائیں مانگی اور منتیں مانی جاتی ہیں اور ساتھ ہی حسن عسکری غروب آفتاب سے قبل ڈیڑھ گھنٹہ تک روزانہ ختم پڑھتا ہے کہ ایرانی جلد آ جائیں اور انگریزوں کو نکال باہر کریں۔ ہر جمعرات کو کھانے۔ روٹیاں و تیل و پیسے و روپے و کپڑے تھیلے کے تھیلے بھر بھر کر بادشاہ کے ہاں سے حسن عسکری کے ہاں ختم کی زکوٰۃ میں جاتے ہیں۔"

ہم دیکھتے ہیں کہ اس معاملہ میں واعظین کو کسقدر دلچسپی اور مصروفیت تھی اور مسلمانوں کی سازش کیسی صریح اور کامل تھی۔ اگر ہم پس پردہ ان رسموں کو ہوتے دیکھتے اور دعاؤں اور منتوں کو اپنے کانوں سے سنتے جو ایرانیوں کی آمد اور عیسائیوں کے خروج کے لئے ہوتی تھیں تو ہم بلا شبہہ اُن دہشتناک غموں کے پیش خیموں کی تصویر کھینچ لیتے جنکی وجہ سے گزشتہ سال ہمیشہ کے لئے غم کی یادگار لیگیا۔

جب ہم ان مسلمانوں کی نہ صرف حرکات کو بلکہ اُنکی عام نفرت کو جو اُنکی درخواستوں سے

ہوئے انھیں مسلمانوں کی سازش سے موسوم کرنا چاہیئے۔ اس سے خاص منشا یہ تھا
کہ انگریزی سلطنت کی طرف سے بددلی و الے اشتہار پھیلادیں اور جھوٹی اور بُری خبریں
اُڑاکر گورنمنٹ کی نہایت سچی مہربانی پر افترا پردازی کرکے انقلاب اور بلوہ کے لیئے
لوگوں کو آمادہ کردیں۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اسکی ابتدا قیدی اور اُسکے معتمدوں
سے ہوئی جو اس کے حصہ دار اور اُسکے جلسوں میں شریک ہوتے تھے مثلاً حسن عسکری وغیرہ
میرے خیال میں کوئی آدمی اس بارے میں شبہ نہیں کر سکتا کہ شیدی قمبر کو خطوط دیکر
فارس اور قسطنطنیہ اُس ملک کے بادشاہ کے پاس لطور ایلچی بھیجا اور اس سے مدد اور
تحت نشینی کی التجا کرنا قیدی کی خاص سازش تھی جو ضمناً حال کے جو خناک بلوہ اور اُسکے
ہولناک نتیجوں میں ثابت ہوئی۔

مئی ۱۸۵۷ء سے ٹھیک دو سال پیشتر شیدی قمبر کا روانہ ہونا اور جن دنوں میں بلوہ
ہوا انھیں دنوں میں اُسکے واپس آنیکا وعدہ کرنا قابل لحاظ بات ہے۔ اگر ہم اس بات کو
مسلمانوں کی پیشین گوئی سے مقابلہ کریں کہ جنگ پلاسی واقعہ ۱۷۵۷ء سے ایک صدی
بعد انگریزوں کی حکومت ہندوستان سے جاتی رہیگی تو ہمیں دوبارہ ہندوستان کی
بادشاہت حاصل کرنے کے متعلق اُنکے قصد کا یقین ہو سکتا ہے۔

میں حسن عسکری کے خواب اور اسکی تعبیر کا تذکرہ کر چکا ہوں جو بادشاہ اور اُسکے لواحقین
کی خواہشات کے مطابق تھا۔ شاید یہ واقعہ نہیں ضعیف معلوم ہو مگر مخاطبین کے وہمی دماغوں
پر گہرا اثر کرنے اور اُن باتوں پر یقین کرنے کے لیئے جو سنایا گیا تھا جو ایسے شخص
کی زبان سے نکلیں تھیں جسے صاحب معجزہ اور حکم اللہ مانا گیا تھا نہیں محمد درویش کی
درخواست سے جو اس نے مسٹر کولون لفٹنٹ گورنر کو بھیجی تھی معلوم ہوا تھا کہ حسن عسکری نے

اول نشانہ تیر بنتے ہیں۔ اس کے برعکس یہ دیکھا گیا ہے کہ ہنٹنے اور جاہلوں سے فساد بہت کم کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہندوستان کے پیشتر کے بادشاہوں کے زمانہ میں ہندوں کو زبردستی مسلمان کرنا بھی اُنکو مخالفت پر آمادہ کرنے کے لیئے کافی نہ تھا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کے خلاف جو کچھ کوشش ہوئی وہ سپاہیوں ہی کی طرف سے ہوئی۔ سابق زمانوں میں ملکی یا دیگر اغراض کے لیئے مختلف فرقوں کے آدمیوں کے اتفاق کرنے میں شاید مذہب کی تمیز سخت مانع آتی ہوگی مگر ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ قومی اتحاد کی وجہ سے بہت سی خود مختار معزز سوسائیٹیاں بن گئی ہیں۔ یعنی ہندوستان کے آدمی خفیہ میٹنگ کرنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ جن میٹنگ میں اُنھیں رسم و اتحاد کے ابتدائی سبق پڑہائے جاتے ہیں اور اس میں اُنکو خفیہ اور راز کے معاملوں میں اتفاق کرنے میں سہولت ملتی ہے۔

ایسی حالت میں اتفاق کرنے کے لیئے صرف وسائل اور موقع کی ضرورت ہوتی ہے اور کوئی شخص اس بات کو نہیں جانتا کہ فوج نے ایک بات کی نوجوادث زمانہ نے دوسری بات پیش کردی۔

اس موقع پر برہمن اور مسلمانوں میں بغیر ضانہ اتفاق تھا۔ فوج میں وہ پیشہ۔ لباس اور انعام کے لحاظ سے بھائی بھائی تھے۔ وہ ایک دوسرے کے تہواروں میں اکثر شریک ہوا کرتے تھے اور اس اتفاق پر گورنمنٹ کی چشم پوشی کا یہی نتیجہ ہونا تھا۔ میں وہ کل باتیں جن کے سبب یہ مصیبت پیش آئی اس جگہ بیان نہیں کرنا چاہتا۔ شاید بے محل ہونے کے سبب نامنظور کیجاویں۔ مگر میرا خیال ہے کہ کارتوسوں کے معاملہ میں بات نے طول نہیں پکڑا۔ سپاہیوں میں پیشتر ہی سے اس معاملہ میں تیاریاں ہو رہی تھیں اور تمام ملک اور خاصکر مسلمانوں میں بےچینی پھیلی ہوئی تھی۔ میرے نزدیک جو واقعات اس معاملہ میں ظاہر

متعلق کا ذکر کرتا ہوں مگر مجھے اس بارہ میں لوگوں کی طرف سے معافی پیش کرنے کی ضرورت
نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اُن کا برتاؤ نہایت قابل لعنت رہا ہے وہ غرور میں ایسے بہرے
اور جہالت میں ایسے ڈوبے ہوئے تھے کہ فوج سے مقابلہ کرنے اطاعت سے منکر ہونے
میں اُنھوں نے اپنے کو بہت کافی سمجھا باہمی تعلقات کے تجربہ کی وجہ سے اُنھوں نے
گورنمنٹ سے اپنے خیالی تکلیفات کی شکایت کی تدبیر سوچی مگر کل فوج نے یا یہ کہو سپہ سالار
نے مسٹر ہائٹ کورلی کے سواروں کے مقدمہ میں تجویز سنائی جانے سے پیشتر ہی کھلم
کھلا بغاوت کرنے پر کمر باندھ لی تھی جس کا ثبوت میرے نزدیک کافی طور پر دستیاب
نہیں ہوا ہے۔

کوئی شہر نہیں کہ پہیں کرنے والے خیالات اور پریشاں کن خوف اور غدر کی ہوائیں
اس وقت تک عمائدین کے دماغوں میں چکر لگا رہی تھیں سپاہیوں کا بھی غالباً یہ خیال
تھا کہ اگر ہم ظاہر میں سلامی ادا کرتے اور تابعداری کی صورت بنائے رہیں گے تو فوجی
احکام نہ ماننے میں زیادہ جرم ہوگا۔ اُنھیں اپنی جتھہ بندی اور تعداد پر بھروسہ تھا اسلئے
بعد میں اُنھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ شکایت کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے دیتے
تھے اور یکجائی درخواستیں کر دیتے تھے۔

ایسی صورتوں میں مسلمان اور ہندوؤں میں کچھ تمیز نہ رہی تھی وہ فوراً مل جاتے تھے اور
گستاخانہ تحریریں لکھا کرتے تھے اگر ہم پُرانی تاریخ اُٹھا کر دیکھیں تو ہمیں معلوم ہو جائیگا
کہ مشرقی فوج کی عام عادت رہی ہے اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ جاہلوں و دیوانوں
و بدمذہبوں کو قوت و اختیارات دیئے جاتے ہیں۔ تعلیم و وفاداری و مذہبی اصول کے
بغیر فوجی اختیارات بہت خوفناک ہو جاتے ہیں اور جو لوگ ایسے اختیارات دیتے ہیں وہ

دبانے کا خیال بھی نہ کرینگے۔ ممکن ہے وہ اپنے کو ان سازشوں سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے بری کرینگے۔ مگر یہ ہرگز ظاہر نہیں ہوتا کہ مذہبی یا ملکی خیال سے انھوں نے بلوہ یا قتل کے روکنے کے لیئے فوری کارروائی کی ہو۔ سخت سے سخت جرموں میں بھی اس طرح ڈھیل ملی ہے اور چند آدمیوں کی خرابی کی وجہ سے سب پر یہ بربادی نازل ہوئی۔ انھیں خرابیوں کی وجہ سے بغاوت میں بھی روز افزوں ترقی ہوئی اور میرے خیال میں اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس بارہ میں نہ تو کوئی تحریر اور نہ کوئی شہادت ابتک عدالت میں پیش ہوئی ہے۔ بیشک سپاہیوں کے بارے میں ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی ہمارے ہاتھ نہیں آئی تاہم یہ بات صحیح ہے کہ بلوہ سے ایک یا دو مہینہ پیشتر ہمارے سپاہیوں میں خط و کتابت معمول سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ اس واقعہ سے اور اُن واقعات سے جن کا ہمیں علم ہو چکا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور کوئی نہ کوئی ایسا جوشیلا کام ہو رہا تھا جسکی وجہ سے بددلی اور بے ترتیبی پیدا ہوئی۔ اوپر میں کہہ چکا ہوں کہ جو کچھ ہوا وہ مفسدوں کے زہریلے اثر کی وجہ سے ہوا شاید اس سے یہ سوال پیدا ہو کہ اَور باتوں سے زیادہ اس کا اثر کیوں ہوا۔ بعض اسباب کا میں ذکر کر چکا ہوں مثلاً الحاق اودھ انگریزی تہذیب کی زیادتی اور بیجد ترقی جسکی قدرتی رو میں اُن چھوٹی چھوٹی روکوں کے بہ جانے کا اندیشہ ہوا جو واعظین نے جہالت قائم رکھنے کے لیئے بنائی تھیں اور جو قدرتی علوم کی روشنی سے بے بہرہ رکھنے کے ساتھ مذاہب کی بربادی کا سبب ہوتی ہیں۔

میرا یہ بھی یقین ہے کہ ان بغاوت پیدا کرنے والوں نے مذہبی معاملات میں گورنمنٹ کی آیندہ سخت دست اندازی کا حوالہ دیکر گورنمنٹ کے جدید کاموں پر بےچینی اور پریشانی پھیلائی ہوگی۔ ہندو بیواؤں کا ازدواج ثانی۔ عام ملازمت کے لیئے اندراج اور کارتوسوں کے

مسلمانوں کی سازش کیوجہ سے فوج کے دلوں سے لبے وفاداری حس پر اُسے ناز و غرور تھا جاتی رہی تھی۔ یہ ایسی بات نہیں ہے جسکے لیئے گزشتہ سالوں کا حوالہ دیا جائے اور اُن اسباب کا کھوج لگایا جائے جو اُن لوگوں کا اعتبار کھونے کے لیئے جو اب میوٹنی میں مشہور ہیں جمع ہو گئے تھے۔

ان میں سے بعض اسباب جو مسلسل واعظین کی مخالفت کی وجہ سے ہوئے گورنمنٹ کے اختیار سے باہر ہیں۔ مگر اس موقع پر بلوہ سے کچھ ہی پیشتر کے واقعات کا جب ہندوستانی فوج کی رجمنٹوں کی حالت مشکوک ہونے لگی تھی تذکرہ کر دینا کافی ہوگا۔ یہ حالت نہ صرف انگریزی افسروں ہی کو معلوم ہوئی تھی بلکہ سب کو اس کا حال کھل گیا تھا۔ قاصدوں یا بذریعہ تحریرات کے آپس میں خط و کتابت جاری ہو گئی تھی اور جو نصیحت اس سے حاصل ہوئی وہ جلد نہیں بھولنے کی۔ اس بحث سے میری یہ مراد نہیں ہے کہ ہندوستانی فوج اس وقت سے بحث کر کے اس سوسائٹی بن گئی تھی نہیں ہرگز نہیں میرا یقین ہے کہ اکثر سپاہی اپنے رنگ میں گورنمنٹ کے عمدہ ملازم تھے۔ الفاظ اپنے رنگ میں میں اس وجہ سے استعمال کرتا ہوں کہ میرے نزدیک قدرے استحکام کی اُن میں کمی ہے اور اخلاص اور استواری کا مضبوط حال اُن میں نہیں ہوتا۔ اُنکی وفاداری اصول سے زیادہ عادت پر مبنی ہوتی ہے جس پر توہمات کا زیادہ اثر پڑتا ہے گروہ سچے مذہب کی قوت کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ ایسے گروہ میں کچھ نہ کچھ طامع مفسد ضرور ہونے چاہئیں اور جو شخص ہندوستانی طرز سے واقف ہو وہ جلد اور جانفکر ہندوؤں کے متعلق اس بات کو تسلیم نہ کریگا جن میں سے بہت کم بُرائی کی طرف راغب ہوتے ہیں مگر ہمیشہ نیکی کی طرف۔ آؤ صرف تین یا چار سرگروہوں کو ارکان حرم میں شامل کریں یا انہیں تابوت کی جمعیہ سازشوں میں یکجا کر دیں تو باقاعدہ اگر فوراً پریشان نہوں بھی تو اُنکے نئے اور

جہاں دستیاب ہوئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء سے بہت قبل سے انگریزوں
کے خلاف مسلمانوں میں بڑا جوش اور بد دلی پھیلی ہوئی تھی اور یہ بد دلی اُن چالاک اور
بد معاش آدمیوں کی وجہ سے تھی جنھوں نے اپنے فائدہ کے موقع کو کسی طرح ہاتھ سے
نجانے دیا۔ ان اسباب میں الحاق اودھ بھی ایک سبب ہے۔
مسلمانوں کی ناراضگی تو خاصکر آخری اسلامی سلطنت کے برباد ہوجانے کے خیال سے
تھی اور ہندو سپاہیوں کی اور کسی وجہ سے مگر اس معاملہ میں دونوں برابر تھے۔ اس سے
غالباً اُنکے کمپنی کے مستحق ملازمت ہونے میں کمی ہوئی اور اُنھوں نے زمینداروں کے
جھگڑوں اور معاملوں میں انگریزی گورنمنٹ کے رسوخ اور حکمت عملی پر اعتماد نکیا اور اپنے
کو انگریزوں کے اختیار میں سمجھا۔
جٹمل گواہ نے ہندو سپاہیوں اور ہندو تاجروں کے خیالات کا بیّن فرق بیان کیا
ہے اور ممکن ہے کہ علاوہ اور اسباب کے الحاق اودھ بھی ایک سبب ہوگیا ہو جب اس سے
یہ سوال ہوا کہ اس معاملہ میں مسلمان اور ہندوؤں کے خیالات میں کچھ فرق تھا تو اُس نے
یہ جواب دیا "ہاں مسلمان تو سب انگریزی حکومت کی بیخ کنی پر خوش تھے مگر ہندو بساطی اور
تاجروں کو اس سے خوف ہوا تھا" مگر آگے چلکر اُس نے یہ بھی بیان کیا کہ فوج میں ہندو
و مسلمان دونوں انگریزوں سے کبیدہ خاطر ہو رہے تھے اور یہی بات ہمارے تجربہ سے
بھی ثابت ہوئی۔
اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستانی فوج میں ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ تھی مگر اس سے
وحشیانہ بغاوت میں کوئی روک نہیں پڑی اور جہانتک فوج کا تعلق تھا ہندو اور مسلمان دونو
ایک ہو رہے تھے مگر فوج کے علاوہ سازش میں مسلمان ہی شریک تھے اور میرے خیال میں

بدقسمتی کے سبب جیدوستیت لگر شاید اپنی تکالیف اور اپنی قوم کے مصائب کے سبب مستقیم تھا
ہے آج اپنا آبائی قلعہ یا محل چھوڑ رہا ہوگا۔ یہ شاندار دربار عام کی عمارت۔ یہ انصاف کے اعلیٰ
مدارج کا معبد اس فیصلہ سے اُس درجہ کو حاصل کر چکا جس میں موجودہ وکل زمانوں کی بات
یہ تحریر کیا جائیگا کہ بادشاہ جرم کی وجہ سے قید کیئے جاتے ہیں اور ایک خاندان کی پرسارس
کی شان وشوکت ایک دن میں صفحۂ روزگار سے ناپید کردیجاتی ہے۔
چونکہ قیدی کے خلاف الزامات کی بحث تو ختم ہو گئی اگر میں گزشتہ بلوہ اور سازش کے اسباب
کے متعلق جو شہادت دستیاب ہوئی ہے اُسے عدالت کے روبرو پیش کردوں تو بیجا خیال
کیجائیگی۔ میں اس اڈریس کے ابتدائی حصہ میں اس بات پر بحث کرچکا ہوں کہ اگر کارتوسوں والے
معاملہ میں پیشتر ہندوستانی رجمنٹوں میں باہمی اتفاق اور باقاعدگی ہوتی تو کبھی ایسی خوفناک
اور عالمگیر بغاوت ہوتی اس لیئے یہ بات لازمی ہے کہ کوئی اور زیادہ مضبوط قوت بھی جسکے زور پر
کلکتہ سے پشاور تک مختلف چھاؤنیوں کی متفرق فوج نے اس طرح کام کیا۔ میرے خیال میں
یہ کام پوشیدہ منصوبہ اور پیشتر کی تیاری بغیر تکمیل نہیں پاسکتا تھا اور اس کارروائی کو اگر
سازش کے لفظ سے پکاریں تو نامناسب نہیں ہے۔
میں یہ بھی بیان کرچکا ہوں کہ محض کارتوسوں کے معاملہ کی وجہ سے اسقدر بغاوت اور
خونریزی نہیں ہوئی اگر میں اس معاملہ کے ساتھ ساتھ اُن وسائل کا جو ہمارے خاتمہ کے لیئے
اختیار کیئے گئے تھے ذکر کردوں تو گویا میں نے تمام کارروائی آنکھ بند کرکے کی یہ آگ
یکایک نہیں بھڑکی بلکہ پیشتر ہی سے تیار شدہ سرنگ اڑانے کے لیئے رکھی ہوئی تھی۔
سازش کی بات کرتے وقت میں کسی خاص گروہ کا نام سے ہندوستانی فوج میں بغاوت
کرنے کے لیئے منصوبہ پیدا کیا ہو اس طرح صاف نہیں بتا سکتا جس طرح کہ اُس کا ظہور ہوا مگر جو شہادت

رنجیت سنگھ رئیس جیسلمیر۔

ہمیں یقین ہے کہ تمھارے حدود مملکت میں ان بدشگون کافروں یعنی انگریزوں کا نام و نشان بھی نہ رہا ہوگا اگر باتفاق ان میں سے کچھ چھپ چھپا کر بچ گئے ہوں تو اول انھیں قتل کروا اور بعد میں اپنی ریاست کے انتظام کا بندوبست کرکے اپنی تمام فوج لیکر ہمارے حضور میں حاضر ہو۔ تم پر بیحد نوازش و اکرام ہوگا اور تمھارے مرتبہ و مقام میں وہ وہ ترقیاں کیجائینگی جن کا اندازہ کرنا تمھارے احاطۂ قابلیت سے باہر ہے۔

راجہ گلاب سنگھ والیئے جموں۔

ہمیں تمھاری درخواست سے تمھارے ملک میں بدبخت انگریزوں کے قتل کا حال معلوم ہوا۔ تم قابل ستایش قرار دیئے گئے ہو۔ تم نے اس معاملہ میں وہ کام کیا ہے جو بہادر آدمیوں کے شایاں ہے خدا تمھیں زندہ با اقبال رکھے۔ مگر یہ کہ ہمارے حضور میں آؤ اور بدبخت انگریزوں اور دیگر تمام دشمنوں کو جو ہاتھ لگیں قتل کر دو۔ اس صلہ میں جن مدارج و ترقیوں کا تمکو گمان ہوگا وہ اس سے بدرجہا زیادہ ہونگی اور تمھیں خطاب راجہ سے بھی عزت دیجائیگی"

ایک اور درخواست پر جو نمبر ۴ بیقاعدہ کولیری کے دفعدار نے بادشاہ کو بھیجی تھی۔ اور جس میں اُسنے مظفر نگر میں اپنے افسروں کے قتل کرنیکا حال لکھا تھا۔ اُسکی کارگزاری کے صلہ میں اُسکو ایک عہدہ دیئے جانیکا حکم بھی قیدی ہی کی قلم کا ہے۔

صاحبان! ہیں الزام کے متعلق اپنے مشاہدات کو ختم کرتا ہوں۔ اب آپکا یہ کام رہگیا ہے کہ یا تو آپ فیصلہ آخری سے قیدی کو عزلت و تنہائی میں اُن اعزاز کا جو ایک تخت سے اُترے ہوئے بادشاہ کے لئے زیبا ہیں مستحق قرار دیں یا اُسے صفحۂ تاریخ میں بڑے ملزموں میں جگہ دیں۔ یہ ظاہر کرنا بھی آپ ہی کا کام ہے کہ خاندان تیموریہ کے اس آخری بادشاہ کو جو عمر

اِس موقع پر دربار میں بڑا مجمع تھا اور کل رئیس - افسر - امیر مصنف وغیرہ حاضر تھے اور سکھ درباریاں کا مجمع حاصل ہوا - اسوقت میں ہمارے پاس زبانی اور الزام سے بری تحریری شہادت موجود ہے اور اگر قیدی کا تحریری اقبال ہوتا تو الزام کا زیادہ صریح ثبوت حاصل کرنا ممکن ہوتا - اس تحریر سے اُس کا جواب دعویٰ مراد نہیں ہے جو اس عدالت کے لئے تیار ہوا اور محض جھوٹا انکار ہے جس میں اُس نے اس سخت الزام سے بری ہونیکی دانستہ کوشش نہیں کی - میری مراد اُسکی اُس لمبی چٹھی سے ہے جو اُس نے مرزا مغل کو علیایول کے قتل کے بارے میں تحریر کی تھی اور لکھا تھا کہ سپاہی میرے حکم کی اچھی طرح تعمیل نہیں کرتے اس کے بعد اس مضمون پر مزید بحث کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے -

اب صرف چوتھے الزام کا آخری حصہ بغیر بحث رہ گیا ہے اور اُس کے ثابت کرنیکے لئے ہمارے پاس اُن چٹھیوں کی نقلیں ہیں جو بادشاہ نے راؤ بہادر سنگھ رئیس جیلیر وراجہ نکالا سنگھ والئے جموں کے نام لکھی تھیں - اُنکا مندرجہ ذیل خلاصہ کا بیان کردینا کافی معلوم ہوتا ہے -

راؤ بہادر والئے جھجھر

ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تم نے کل کافروں کو تہ تیغ کرکے اپنے ملک کو اُسکے ناپاک وجود سے بالکل پاک صاف کرلیا ہے - ہمیں تمہارے اس فعل سے کمال درجہ مسرت ہوئی اور تمیں اس شان سے عزت دیجاتی ہے اور امید کیجاتی ہے کہ تم اپنے تمام ممالک میں ایسا انتظام کرسکے کہ کسی بدگو بدکار کا نشان نہ ہوگا اور اس بارے میں تاکیدی ہوگی - مزید براں یہ کہ اگر کوئی کافر تمہارے ملک میں راہ سمجھ پہنچے تم اُسے قتل کردینا - اگر تم ایسا کروگے تو ہماری خوشی کا باعث ہوگا -

سوار مرزا مغل کو لیکر بادشاہ کے خلوۃ خانہ پر گئے اور بادشاہ سے ان لوگوں کے قتل کی اجازت چاہی بادشاہ اُس وقت خلوتخانہ ہی میں تھے۔ مرزا مغل اور نسبت علیخان اندر گئے اور سپاہی باہر کھڑے رہے۔ کوئی بیس منٹ کے بعد اندر سے واپس آئے اور نسبت علیخان نے عام طور پر باواز بلند کہا کہ بادشاہ نے انکے قتل کی اجازت دیدی اور تم انکو لیجا سکتے ہو۔ چنانچہ بادشاہ کے باڈی گارڈ والوں نے جنکی نگرانی میں قیدی تھے انھیں قیدخانہ سے لاکر تھوڑے سے باغیوں کے ساتھ قتل کر دیا"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا مغل اسی وقت بادشاہ کے پاس آئے تھے اور درپردہ اس خونریزی کے کام میں ملے ہوئے تھے۔ اگر اسکے سوا کچھ اور بیان کیا جائے تو بیکار معلوم ہوتا ہے مگر جو ثبوت قیدی کے روزنامچہ سے معلوم ہوا ہے وہ ایسا ضروری اور یقین وہ ہے کہ اسکے نقل کرنے پر میں مجبور ہوں۔

اس بارہ میں حکیم احسن اللہ خاں کی شہادت حسب ذیل ہے "کیا بلوہ کے زمانہ میں ان افعات کا کوئی عدالتی روزنامچہ بادشاہ کے حکم سے لکھا جاتا تھا"

(جواب) بلوہ سے کہیں پیشتر سے دستور کے مطابق عدالتی روزنامچہ تاریخوار رکھا جاتا تھا"

(سوال) اس ورق کو دیکھو تم پہچانتے ہو یہ کسکی تحریر ہے"

(جواب) ہاں یہ روزنامچہ نویس کی تحریر ہے اور یہ ورق روزنامچہ کا ہے"

۱۶ مئی ۱۸۵۷ء کے عدالتی روزنامچہ کا خلاصہ

"بادشاہ نے دربار خاص میں دربار کیا ۴۹۔ انگریز قید تھے اور فوج نے اُنکے قتل کے لئے دینے کی درخواست کی بادشاہ نے اُنکو اُنکے حوالہ کر دیا اور کہا "فوج کا جو دل چاہے اُنکے ساتھ کرے" چنانچہ وہ (قیدی) تہ تیغ کر دیئے گئے"

اُسکے ایک گواہ صاف صاف کہتا ہے کہ بغیر احکام ہونا ممکن نہیں اور ایسے احکام کے صرف دو ذریعہ تھے یعنی اول بادشاہ اور دوسرا اُس کا بیٹا مرزا مغل۔ مگر مجھے معلوم نہیں یہ حکم کس کا تھا۔ اُس نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ انگریزی قیدی میرے سامنے قتل ہوئے اُنھیں بادشاہ کے خاص مسلح ملازم یا باڈی گارڈ کے سپاہی اور کچھ باغی پیدل گھیرے ہوئے تھے اور اگرچہ میں نے کوئی حکم اور اشارہ ہوتے نہیں دیکھا تاہم ایک دفعہ سب نے تلوار کھینچکر قیدیوں پر حملہ کر دیا اور یہاں تک تلواریں ماریں کہ اُن سب کا کام تمام ہو گیا ایک دوسرے گواہ مسمیٰ چنی لال اخبار نویس نے استفسار پر بیان کیا ہے "کہ یہ بادشاہ کے حکم سے ہوا اور اُسکے سوا ایسا حکم دینے والا اور کون تھا" اس گواہ نے اور بعد گواہوں نے بالاتفاق بیان کیا ہے کہ مرزا مغل اپنے مکان کی چھت پر کھڑے ہوئے اس منظر کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔

اُس وقت اختیارات میں بادشاہ کے بعد مرزا مغل ہی کا سر تھا۔ ایسی حالت میں کیا یہ بات قابل پذیرائی ہے کہ بادشاہ کے حکم بغیر یا اُسکی خواہشوں کے خلاف اُسکے باڈی گارڈ والے ایسے خوفناک خونریزی کرنے کی جرأت کرتے۔ اگر اس بارہ میں کچھ شبہ بھی ہو تو وہ اُن تحریرات کے ملاحظہ سے جو قیدی نے سطور کر لی تھیں اور جن میں انگریزوں کے خلاف خونخواری اور خونریزی کا نمایاں تذکرہ ہے یہ خیال بہت جلد دور ہو سکتا ہے۔ اس موقع پر مرزا مغل کی موجودگی اور اس حکم کے خاص بادشاہ کی طرف سے ہونیکے ثبوت میں کمدلال خاص شاہی سکتر کی گواہی نقل کرتا ہوں۔

جب اُس سے سوال کیا گیا کہ میمیں اور بچے جو قلعہ میں تھے کس کے حکم سے قتل ہوئے تو وہ جواب دیتا ہے "ان لوگوں کو قید میں تین دن گزر گئے تھے چوتھے دن پیدل اور

کہ ہمیں گمان ہوتا ہے کہ بادشاہ نے خود یہ قید خانہ پسند کیا تھا اور ان شہادتوں کو ملاحظہ کرنے کے بعد کون اس میں شبہ کرسکتا ہے۔ کیا کوئی ایسی بات بھی اس درمیان میں ہوئی کہ بادشاہ نے تو انھیں بچانا چاہا تھا یا کسی قسم کی مہربانی ہمدردی اُن سے کی تھی؟ نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ جن لوگوں نے قیدیوں کے ساتھ وحشیانہ برتاؤ کیے اُنکی روک ٹوک ذرا نہ ہوئی۔ عیسائیوں کو دانہ پانی دینے کی سخت سزائیں دیگئیں اور مسلمان عورت محض اسی وجہ پر قیدیوں کے ساتھ بند کی گئی۔ کیا کینہ کا اثر اس سے بھی زیادہ ہوسکتا ہے۔ یا یہ ممکن ہے کہ میموں اور بچوں کے مقام و قسم قید کو معمولی خیال کریں اور یہ نتیجہ نہ نکالیں کہ ظالمانہ موت ابتدا سے اُنکے لیے مخصوص کردی تھی؟ بلکہ دلال گواہ کی یہ شہادت ہے کہ وہ محض ایک جگہ جمع کیے گئے تھے۔ کوئی شک نہیں کہ تلوار کی دھار ہی لٹکتی ہوئی موت سے رحیمانہ رہائی تھی۔ ایسے قابل نفرت غار میں ایسے موسم میں قیدیوں پر اس قید میں کیا اثر پڑا ہوگا۔

مجھے اب قیدی کے خلاف عدالت کے فیصلہ کا انتظار کرنا چاہیئے۔ مگر جوں جوں جستجو کیجاتی ہے مزید ثبوت ملتا جاتا ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کامل ثبوت حاصل ہوجائے گلاب چپراسی یا ہرکارہ نے صاف صاف بیان کردیا ہے کہ قتل سے دو روز قبل یہ مشہور ہوگیا تھا کہ دو دن میں انگریز قتل ہونگے اور چنانچہ جسدن قتل ہوا جوق کے جوق آدمی قلعہ کے اندر آئے تھے ہر گواہ نے اس منظر کا تذکرہ کرتے وقت بیان کیا ہے کہ اُس صبح کو بہت سے آدمی بطور تماشائی اور فاعلوں کے جمع ہوئے تھے اور چونکہ صبح کے آٹھ و نو کے درمیان ہوا اس لیے کوئی شبہ نہیں کہ اسکی خبر پہلے سے مشہور ہوگئی تھی۔ کسی بات سے ظاہر نہیں ہوتا کہ عوام یا فوج نے کثرت جوش میں کوئی اور ایسی خوفناک حرکت کی ہو۔ برخلاف

اور اُس کے حامیان کے ساتھ کی یہ بدلا دیا۔ جیسا کہ ایک گواہ نے بیان کیا ہے "اُس کے ملازمین کے زنان خانوں میں اسقدر گنجایش بھی کہ بیبیں اور بچے آسایش رہ سکتے"۔ اور گواہ نے یہی بیان کیا "جہاں ایسے حجرے خانے ہے کہ اگر پانچسو آدمی اُس میں چھپ جاے اور باغی زنان خانوں کی تلاشی بھی لیا جاتے تو اُن کا پتہ نہ چلتا" اور بقول ایک اور گواہ کے کہ "قلعہ میں اسقدر وافر جگہ تھی جس میں اگر عورتیں اور بچے رکھے جاتے تو انکو ہر طرح کی آسایش پہونچتی"۔ مگر اس احسان فراموش نے ان لوگوں کے لیئے وہ جگہ تجویز کی جہاں گنہگار اور مجرم رکھے جاتے تھے اور جہاں اُنھوں نے مجرموں سے بھی بدتر برتاؤ ہے۔ کیونکہ اول تو یہ چھوٹی سی جگہ اُسکی تعداد ہی کے لیئے کافی نہ تھی دوسرے ہر کس و ناکس کے ظلم و گستاخی کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔

شاہی پنشن اور محل کے عوض میں انگریزوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ ہونا چاہیئے تھا۔ احسن اللہ خاں اور مسٹر الول کے بیانات سے یہ بات ظاہر ہو گی کہ یہ دونوں شخص اس بات پر متفق ہیں کہ جو کچھ ہوا بادشاہ کی طرف سے ہوا اور جب ہم یاد کرتے ہیں کہ معمولی سے معمولی بات بھی جب کبھی اُس کے سامنے پیش کی گئی تو جب عدالت کو ثابت ہو چکا ہے اُس پر وہ محض توجہ ہی نہیں کرتا تھا بلکہ اپنی قلم سے اُس پر احکام لکھ دیتا تھا۔ ایسی صورت میں وہ بھی کہہ نہیں کہ اہم معاملات اُس کے اختیار میں ہوں بہت سے گواہوں کی متفقہ شہادت اور پھر اُسکی تحریری شہادت جسے کوئی توڑ نہیں سکتا جو اس واقعہ کو ثابت کرتے ہیں۔ اور بادشاہ کے خاص مسلح ملازموں کا قیدیوں کی نگرانی پر ہونا بادشاہ کا خود جواب اور دو مرتبہ دیا بتیر جو راکھوا تا۔ اور سپاہیوں کا قیدیوں سے یہ کہنا کہ اگر بادشاہ تمہاری جان بخشی کرے تو تم مسلمان ہو جاؤ گے" ایسی باتیں ہیں

ایک وسیع عمارت بتاتا ہے مگر یہ اصطلاح اُسکے لیئے موزوں نہیں ہے اور اگر ایسے ہی الفاظ مختلف باتوں کے لیئے استعمال کیئے جائیں تو اُنکے مطالب میں زمین آسمان کا فرق ہو جائے۔ اس قسم کے غلط خیال دور کرنے کے لیئے احسن اللہ خان کے اظہار کے بعد میں نے خود جا کر اُس جگہ کو دیکھا اور اُسکی پیمایش کی یہ عمارت چالیس فٹ لمبی بارہ فٹ چوڑی اور دس فٹ بلند ہے یہ پُرانی غلیظ اور ویران عمارت ہے اور اسکی دیواروں پر چونہ کا پلاسٹر بھی نہیں ہے اور سب سے بڑھکر نقص یہ ہے کہ بالکل تاریک ہے۔ نہ تو اُس کا فرش ہی درست ہے اور نہ روشنی و ہوا کے لیئے نابدان ہیں۔ اس میں صرف ایک پتلا سا نابدان ہے اور ایک چھوٹا سا لکڑی کا دروازہ۔ مگر اب میں مسس الول کے الفاظ نقل کرتا ہوں۔

وہ ہم سب ایک تاریک کمرہ میں بند کر دیئے گئے تھے اُس میں سوائے ایک دروازہ کے نہ تو کوئی کھڑکی تھی اور نہ روشندان تھا۔ یہ عمارت اس قابل نہ تھی کہ انسان اس میں رہے کجا کہ اس قدر آدمی اُس میں بھر دیئے گئے۔ باوجود کھچا کھچ بھرے ہونیکے سپاہی جب کبھی مذاقاً عورتوں یا بچوں کو ڈراتے تھے تو ہم بارہا اُس ایک دروازہ کو بھی بند کر لیا کرتے تھے جسکی وجہ سے روشنی اور ہوا رہی سہی بھی جاتی رہتی تھی۔ سپاہی بھری ہوئی اور سنگین دار بندوقیں لیکر ہمارے پاس آتے تھے اور ہم سے پوچھا کرتے تھے اگر بادشاہ تمہاری جان بخشی کر دیگا تو کیا تم اسلام قبول کر لوگے یا غلامی تسلیم کر لوگے؟ مگر بادشاہ کے خاص مسلح سپاہی جنکی طرف سے ہم گارد کی تعیناتی تھی سپاہیوں کو منع کرتے تھے کہ انکو جان بخشی کی اُمید نہ دلاؤ ہم تو ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیلوں اور کوّوں کو دینگے غذا بھی بہت خراب ملتی تھی صرف دو مرتبہ بادشاہ نے ہمکو عمدہ کھانا بھجوایا تھا"

اس تکرم نے اُس فیاضی کا جو انگریزی گورنمنٹ نے لاکھوں پونڈ سے اُس کے

کہ قیدی نے اس وحشیانہ بغاوت میں کس حد تک ساتھ دیا۔ اور جبکہ الزام بیان ہوا کیا واقعی وہ
۴۹ آدمیوں کے قتل میں شریک تھا امر کیا یہ قتل اسکی وجہ سے ہوا۔ اس بات کے ثبات
کرنے میں ہرگز اس قانون کی تائید نکرونگا جسکی رو سے کل آدمی جو بلوہ یا بغاوت میں شریک
رہے ہوں ہر ایک زیادتی کے جو اُن لوگوں سے سرزد ہوئی ہو یا جس کا اُنھوں نے ساتھ
دیا ہو خواہ وہ فعل اُنکی مرضی کے خلاف یا اُنکی لاعلمی میں واقع ہوا ہو فرداً فرداً ذمہ دار ہوں
مگر میری یہ مراد ہے کہ ان عورتوں اور لڑکوں کی موت کے متعلق ہر واقعہ جس کا تعلق
قیدی سے ہو جداگانہ غور کے قابل ہے۔ اس لیئے اب پھر میں اُنکی گرفتاری کی شہادت
و مقام قید اور سخت ظالمانہ برتاؤ جو اُنھوں نے اندر گرفتاری کے برداشت کیا اور جو اُنکے
مقدمہ کی بابت کوئی بھی فرداً فرداً تذکرہ کرونگا۔

پہلے پہل میں حکیم احسن اللہ خاں کی شہادت سے اقتباس کروں گا جس نے اس سوال کا
"استعدمیں اور بچے کیونکر قلعہ میں لائے اور قید کیئے گئے" یہ جواب دیا "باغی انھیں
اپنے ہمراہ لائے تھے جب اُنھوں نے قلعہ میں اپنے ٹھکانے درست کر لیئے تو پھر اپنے قیدیوں
کو بھی وہیں لے گئے" آیندہ استفسار پر اس نے یہ بھی کہا کہ "باغیوں نے اپنے قیدیوں کی خود
نگرانی نہیں کی بلکہ جو قیدی آتا تھا اُسکی اطلاع بادشاہ کو کیجاتی تھی جو اسکو باورچیخانہ میں لیجا کر
قید کرنے کا حکم دیتا تھا" جب زیادہ استفسار ہوا تو اُسنے یہ بھی بیان کیا کہ "انگریزوں کے
قید کرنے کیلیئے باورچیخانہ خود بادشاہ ہی نے قرار دیا تھا" اُس وقت خود معائنہ کر لیا تھا
کہ وہ جگہ بہت وسیع ہے" اِس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قیدی نے یہ جگہ صرف اس وجہ سے
مرد و عورتوں اور بچوں کو ایک جگہ بند کرنے کیلیئے مقرر کی تھی۔ وہ قلعہ کے اندر ہے اور اسکی
ہیئت بیان کرنے سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ وہ خود اسکی حالت سے بخوبی واقف تھا۔ دوسرے

وہ انھیں کا ہوگا اور بادشاہ کی طرف سے بھی انعامات دیئے جائیں گے اور اُنکے ساتھ خواطر خواہ رعایتیں ہونگی۔

جو کاغذ میں نے ابھی سنایا ہے وہ دفتر کی کاپی ہے اور مجھے بادشاہ کی کوتوالی کے دفتر میں سے دیگر کاغذات کے ساتھ حال ہی میں دستیاب ہوا ہے۔ اِس پر اُس افسر کی مہر ہے اور بہادر سنگھ کے دستخط سے تصدیق شدہ ہے جو پولیس کے بڑے افسر کا نائب تھا۔ اِس سے زیادہ قابلِ اعتبار تحریر شاید ہی عدالت میں پیش ہو۔ اس سے تیسرا الزام پورے پورے طور سے ثابت ہو جاتا ہے اور آیندہ کسی اور کاغذ کے پیش کرنیکی ضرورت بھی نہیں پائی جاتی اور اس سے چوتھے الزام کا آخری حصہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔

میں اپنی توجہ اب اُس الزام کی طرف پھیرتا ہوں۔ اِس سے قیدی پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ اس نے بمقام ۱۶ مئی یا اُسکے قریب کی تاریخوں میں قلعہ کی چار دیواری کے اندر ۴۹ متنفسوں کو جن میں بالخصوص عورتیں اور بچے تھے قتل کروایا۔ ان غریب قیدیوں کے قتل کے بارے میں میں کچھ بیان نہیں کرتا۔ عدالت کے روبرو واقعات خود اس تفصیل سے بیان ہو گئے ہیں کہ اُن میں زیادہ بیان کی ضرورت نہیں۔ اور دلوں سے جلد دور نہیں ہو سکتے جس سنگدلی سے عورتوں اور بچوں کو ذبح کرنا پھر اس خیالی غلطی یا مذہبی دیوانگی کے غلط جوش کی معافی نہ مانگنی کچھ ایسی بیرحمانہ کارروائی ہے کہ اسکی صداقت کا یقین نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر ایک ہی طرح کے خیالات وصریح شہادت و واقعی ثبوت اور اُن خوفناک واقعات کا متواتر جوش ہمیں یقین کرنے پر مجبور نہ کرتا اور طرہ یہ کہ مندرجۂ بالا واقعات تسلیم نہیں کیئے گئے اور مجبوراً مجھے اسکے ثابت کرنے کے لیئے آنا پڑا۔ مگر واقعات نے ایسی تکلیف دہ اور سخت صورت اختیار کی ہے کہ بغیر مزید ثبوت دیئے چارہ نہیں۔ مگر اب صرف یہ ظاہر کرنا رہگیا ہے کہ

پورے پورے طور سے بحال ہوگئے اور علاوہ موجودہ جاگیر وغیرہ قائم رہے کے ان میعادوں کے (جو موجودہ بلوے کے زمانہ میں غیر موددی رہی ہوگی) پورے معاوضہ دیئے جائیں گے مگر جو شخص اس حکم سے واقف ہوکر بھی انگریزوں کو خبریں پہنچائے گا یا رسد رسانی وغیرہ کریگا تو اسکو سخت سے سخت سزا دیجائیگی جو سلطنت تجویز کریگی۔ شہر کے اعلیٰ افسر پولیس کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ جملہ جاگیرداروں و معافیداروں و پنشن داروں کو اس حکم سے مطلع کرکے اور اطلاع یابی کے دستخط اعلان کی پشت پر کراکر ہمارے پاس واپس کردے۔

دوسری تحریر ایک شاہی حکم ہے جو ستمبر ۱۸۵۷ء کو شہر کے اعلیٰ افسر پولیس کے نام لکھا گیا تھا اور جس کا مضمون یہ ہے۔

"تمکو ہدایت ہوتی ہے کہ شہر میں بذریعہ ڈھنڈورے کے یہ بات مشتہر کرادو کہ یہ لڑائی مذہبی لڑائی ہے اور مذہب کی وجہ سے کیجاتی ہے۔ نیز یہ کہ خواہ شہر والے خواہ دیہات والے ہندو یا مسلمان وغیرہ ہندوستانی جو ہمارے مقابلہ پر پہاڑی پر جمع ہیں یا وہ لوگ جو انگریزوں کی فوج میں ہیں خواہ وہ صوبجات مشرقی کے رہنے والے ہوں یا سکھ یا غیر ملکی یا ہمالیہ والے یا نیپالی اگر انھیں اپنے دین و ملت کی سچائی کا خیال ہے اور انگریزوں کو قتل کرنا چاہتے ہیں ان سب پر اس حکم کا عملدرآمد یکساں ہے۔

اور یہ بھی اعلان کردو کہ جو لوگ اس وقت پہاڑی پر انگریزی فوج کے پاس ہیں خواہ وہ ہندوستانی ہوں یا غیر ملکی پہاڑی ہوں یا سکھ کسی ملک کے ہوں۔ مسلمان ہوں یا ہندو انھیں میں سے دراصل جو حرب کرنا چاہیئے جسوقت وہ ہمارے پاس آئیں گے انکے ساتھ عنایتیں کیجائیں گی اور وہ اپنے ہی دین و ملت میں رہیں گے۔ یہ بات اعلان کردی چاہیئے کہ جو لوگ خواہ ملازم ہوں یا غیر ملازم ہمارے ساتھ غنیم پر حملہ کریں تو مال غنیمت انکو ہاتھ لگے

کہ کچھ نہ کچھ بہتر انتظام ہوا ہے کیونکہ دوسرے دن ۱۸ جولائی کو مرزا مغل اور بخت خان نے ملکر کام کیا جس کا اظہار مرزا مغل کی مندرجۂ ذیل چٹھی میں ہے جو بادشاہ کے نام لکھی یہ ۱۹ جولائی کو تحریر ہوئی۔ "کل سے انتظامات ٹھیک ہو گئے ہیں اور رات دن کام جاری ہے اگر علی پور کی جانب سے رسد بھیجدی جائے تو خدا کے فضل اور حضور کے اقبال سے کامل فتح کی امید ہو سکتی ہے۔ اس لئے ملتجی ہوں کہ حضور بریلی والے جنرل کو حکم دیں کہ وہ فوج لیکر علی پور چلے جائیں اور اُس طرف سے کافروں پر حملہ کر دیں اور حضور کا غلام اس طرف سے حملہ کرتا ہے تاکہ دونوں فوجیں ملکر ایک یا دو دن میں کل نامعقول جہنمی کافروں کو جہنم واصل کر دیں۔ فوج کے علی پور جانے سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ غنیم کی رسد بند ہو جائیگی۔ ضروری ہونیکی وجہ سے گزارش کیا گیا"

اس چٹھی پر بادشاہ کا دستخطی حکم حسب ذیل ہے۔ "مرزا مغل جیسا مناسب سمجھیں ویسا انتظام کر لیں"، اس کے بعد مرزا مغل کا یہ حکم ہے "بریلی کے جنرل کو حکم لکھا جائے" میرے نزدیک یہ تحریریں سازش و مشورہ و اتفاق کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ مگر اس وقت اُن تحریروں کا جو ابتک عدالت میں پیش نہیں ہوئی ہیں درج ہو جانا بھی ضروری ہے۔ ان میں سے ایک بخت خاں کی جانب سے اعلان ہے جو ۱۲ جولائی کو تحریر ہوا اور جو دہلی کے اُردو اخبار کا خلاصہ ہے اور جس کا مطلب حسب ذیل ہے ۔

"جملہ باشندگان شہر و مفصلات خصوصًا جاگیرداران و پنشن داران و معافیداران وغیرہ مطلع ہوں کہ اگر اپنی آمدنی کے اندیشہ سے وہ انگریزوں کے طرفدار ہوں یا اُنکو خبریں دیتے ہوں یا رسد بہم پہنچاتے ہوں تو اُنکے ابتک کے فعل نظرانداز کیے جائیں گے۔ اور اس لیئے اعلان کیا جاتا ہے کہ مشارٌالیہ آگاہ ہو جائیں کہ آخری اور کامل فتح پر اُنکے کاغذات خطاب

میں آگیا ہے۔

الزام کی بات دوسرے فقرے میں شہر کو مفسدانہ لیسے اور اس پر ناجائز قبضہ کرنیکا تذکرہ ہے جس کے ثبوت میں مجھے شہادت پیش کرنیکی ضرورت نہیں۔ بغیر سمجھے ثبوت کے کسی طرف ڈھلنا مشکل کام ہے اس الزام سے ہمیں یقینیات ثابت ہوتا ہے کہ قیدی نے ۱۱ مئی اور یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیانی زمانہ میں مختلف اوقات پر مرزا مغل اپنے بیٹے اور محمد بخت خان صوبیدار رجمنٹ توپخانہ سے مفسدانہ سازش کی اور مشورہ و اتفاق کیا اور دیگر نامعلوم مفسدوں کو گورنمنٹ کے خلاف بلوہ کرنے اور لڑنے کے لیئے آمادہ اور تیار ہونیکی ترغیب دی۔ مرزا مغل کھلے طرز سے سپہ سالار مقرر ہوگیا تھا اور بلوہ کے چند ہی روز بعد اس کا شاہی جلوس نکلا تھا چنی لال گواہ نے یہ واقعہ بیان کیا مگر اسے ٹھیک تاریخ یاد نہیں کہ کس روز جلوس نکلا۔

اس کے بعد مرزا مغل کے اختیارات کل اور خاصکر فوجی معاملات میں بخت خاں کے آنے تک جب وہ گورنر جنرل و کمانڈر انچیف مقرر ہا غیر محدود تھے۔ بخت خاں یکم جولائی کو آیا اور اسکے بعد دو کمانڈر انچیفوں میں اختیارات کی بات حسد پیدا ہوگیا جیسا کہ مرزا مغل کی ۱۷ جولائی کی تحریر سے جو اسنے اپنے باپ کے نام لکھی تھی معلوم ہوتا ہے اس میں اُسنے لکھا ہے کہ "میں آج فوج تیار کر کے انگریزوں پر حملہ کے لیئے باہر نکلا کہ جنرل بخت خاں نے مداخلت کی اور تمام فوج کو عرصہ تک بیکار رکھا اور دریافت کیا کہ کس کے حکم سے تم باہر گئے جو کہ ہمارا کوئی حکم اس کی بات نہیں ہے اس لیئے واپس چلے جاؤ اور سب کو لوٹا دیا۔ کیونکہ اس قسم کی کارروائی سے افسروں کے دل میں شبہ ہونیکا اندیشہ ہے اس سے یہ بات ظاہر ہوجانی چاہیئے کہ فوج پر واقعی اختیارات کسکو حاصل ہیں"

اس چٹھی پر کوئی حکم نہیں ہے اور نہ ہمیں یہ خبر کہ تصفیہ کیا ہوا مگر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے

دیکھو لاکھوں روپیہ کی پنشن اور جاگیریں عطا کیں جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا مگر اُسنے اپنے محسنوں کی سلطنت کی بیخ کنی کی ادنیٰ کی بیخ کنی کا پہلا موقع بھی ہاتھ سے نجانے دیا۔ بلوہ کے اول ہی روز سہ پہر کو اُس نے باغی فوج کی نذریں قبول کیں اور اُنکے سروں پر دست شفقت پھیرا اور اُنکے ساتھ ملکر کھیعۂ بن گیا۔

اس نظارہ کا نقشہ کھینچنا مشکل کام ہے۔ ایک کمزور لرزتے ہوئے آدمی کے لیئے ایک ایسے طاقتور عصار سلطانی کو اپنی کمزور گرفت میں لینے کے لیئے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ پھیلانیکی کوشش کرنا اور باوجود عمر و ضعیفی سے دوہرا ہو جانیکے لباس شاہی زیب تن کر کے نہایت ذلیل سازش و قتل کے وجوہ کو سعید و مبارک خیال کرنا تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے اور اس بدطینت جھریاں پڑے ہوئے شخص کو جسکے دل میں ولولوں کی پیدایش مسدود ہو گئی ہو اپنے کو اُن بدمعاشوں کا جنھوں نے اُسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا مناسب مرکز ہرگز نہ بننا تھا۔

اس امر کے چند گواہ ہیں کہ قیدی نے اپنے کو بادشاہ مشہور کیا اور اس کا اظہار مختلف موقعوں پر مختلف طور سے ہوا اور یہ واقعہ بالکل صحیح ہے۔ دہلی جیسے شہر کے لیئے صرف ایک دو مرتبہ کی شہرت کافی ہے۔ قیدی کا مختار ہی خود کہتا ہے کہ ۱۱ مئی کو بادشاہ کے احکام جاری تھے اور گلاب سنگھ ہرکارہ سے جب یہ سوال کیا گیا "کیا بلوہ کے بعد ہی بادشاہ حکمران مشہور ہوا تھا؟" تو اس نے یہ جواب دیا تھا "ہاں بلوہ ہی والے دن سہ پہر کو یہ ڈھنڈورا پٹ گیا تھا کہ اب شاہی عملداری ہے" اور چنی بساطی ایک اور گواہ اس طرح بیان کرتا ہے "۱۱ مئی کو کوئی آدھی رات گئے قلعہ میں بیس توپیں فیر ہوئی تھیں جس میں نے توپوں کی آواز گھر پر سنی تھی اور دوسرے دن صبح کو یہ ڈھنڈورا پٹ گیا کہ ملک اب بادشاہ کے قبضہ

لڑائی میں ضروری ہیں حضور کی مدد کے ساتھ اس کے فیصلہ پر چھوڑ دی گئیں تو وہ صرف
تین روز میں ان سیہ رنگ اور سیہ تقدیر والے لوگوں کو بالکل جڑ سے اکھیڑ دیگا۔ یہ
ضروری تھا اور اس لیئے میں نے اسے پیش کیا ہے (سلطنت کی بہبودی کے لیئے دعا
اور جو اس سلطنت کا بُرا چاہیں اُن پر لعنت)

آپکے غلام امیر علیخاں ولد نواب سلیمان ولد نواب نجابت خاں نواب جوجہ پورا کی
درخواست۔ (بادشاہ کا اصلی حکم)

مرزا ظہور الدین احسن درخواست کے متعلق تحقیقات کرکے سائل کے لیئے ملازمت کا بندوبست
کردیں۔ (نمبر ۱ الزام یہ ہے)

کہ با وجود رعایائے سلطنت برطانیہ ہند ہونیکے اُس سے حق اطاعت کا لحاظ نہ کیا اور
۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو دہلی اور گرد و نواح میں سلطنت کے خلاف فساد کرکے اپنے کو بادشاہ
و شہنشاہ ہند مشتہر و ظاہر کیا اور شہر دہلی پر ناجائز قبضہ کرلیا اور مزید براں ۱۰ مئی اور یکم
اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیانی زمانہ میں مرزا مغل اپنے لڑکے اور محمد بخت خاں صوبہ دار رجمنٹ
توپخانہ سے دغا و فتنہ تا بمعدودہ سازش رکھی اور متحد و اور اتفاق کیا اور دیگر نامعلوم معتقدین
کو سلطنت کے خلاف چڑھائی کرنے بلوہ کے لئے جمع ہونے اور لڑنے کے لیئے آمادہ کیا اور
گورنمنٹ برطانیہ ہند کو مغلوب اور برباد کرنے کے لیئے اور اپنے منصوبے میں کامیابی حاصل
کرنیکو دہلی میں مسلح فوجوں کو جمع کیا اور سلطنت سے برخلاف جنگ کرنیکے لیئے بھیجا۔
یہ بات پہلے الزام پر بحث کرتے وقت ظاہر ہو چکی ہے کہ قیدی گورنمنٹ برطانیہ ہند کی
منتخب بادشاہ تھا کیونکہ سلطنت برطانیہ نے اُسے یا اُسکے کسی خاندان والے کو
حسب مراتب اعزاز سے محروم نہیں کیا بلکہ برخلاف اسکے اُنکو مصیبت اور مظالم سے نجات

ہو گی۔ مرزا مغل اُس کا لڑکا اور نا معلوم لوگ دہلی اور ممالک مغربی و شمالی کے بغاوت میں مدد پہنچنے کی بابت یہانتک کہ اس درخواست میں جس کا میں ذکر کر رہا ہوں قیدی کے دستخط خاص کا حکم ہے۔ جس میں اُس نے مرزا مغل کو یہ حکم دیا ہے کہ بہت جلد پیادوں کی ایک رجمنٹ علی گڈھ بھیجدے اور یہ اُس نے اپنی خواہش کے مطابق کیا۔ اور جنھوں نے پیادوں اور سواروں کو بھڑکا کے انگریزوں کے خلاف لڑنے کی تدبیر سوچی تھی اُن کو مدد دی۔ اِس کے علاوہ ایک اور درخواست ہے جو ابھی تک عدالت میں پیش نہیں ہوئی ہے جو مدت ہوئی کہ ہاتھ لگی تھی اور جواب شروع کیجاویگی۔

یہ امیر علیخان ولد نواب خرجہ پور اکی طرف سے ہے بتاریخ ۱۲ جولائی بادشاہ کے روبرو پیش ہوئی۔ مضمون مفصلہ ذیل ہے۔

بادشاہ جہاں پناہ کی خدمت میں

مودبانہ عرض کرتا ہے کہ حضور کا درخواست کرنیوالا اُس شاہی دربار میں جس میں دارا دربان ہے اپنا عزت دار گھر چھوڑ کر حضور کے لیئے اپنی جان لڑانے کو آیا ہے اور بہت مغموم ہے کہ وہ اس دن کے دیکھنے کو زندہ ہے جب کہ انگریزوں نے حضور کے محل کے مقابلہ پہ توپیں لگادی ہیں اُس محل کے مقابلے میں جس کے فرشتے نگہبان ہیں۔ اول روز سے آپکے درخواست کرنے والے کو لڑائی کے لیئے شیر کی طرح تربیت دی گئی ہے۔ اور وہ لومڑی کی طرح اپنی جان کا خیال نہیں کرتا ہے"

"چیتے پہاڑوں کی چوٹیوں پر شکار کرتے ہیں"

"اور مگرمچھ اُنکو دریا کے کناروں پر کھا جاتے ہیں"

درخواست کرنیوالا یہ امر پیش کرتا ہے کہ اگر اُسکی درخواست منظور ہوگئی اور وہ تدابیر جو اس

کے وسیلے بھیجے۔

ثبوت حق ہے کہ محمد بخت خاں کو قیدی کے ساتھ شامل کیا اور جو وجود تہمت کے واسطے کافی ہوگا اول سے آخر تک قیدی کے اپنے ہاتھ کی ایک سند ہے۔

حامی حلام۔ گورنر بخت خاں بہادر کو

ہمارا احسان قبول کرو اور سمجھو جبکہ فوج علی پور پہنچ گئی ہے اُس کا اسباب ابھی تک مسموع ہے اور اس لیئے تمکو حکم دیا گیا ہے کہ دو سو تریپ والے پانچ یا سات پیادوں کی کمپنیاں اپنے ساتھ لو اور تمام سامان مثلاً خیمے وغیرہ اور کسر جو علی پور لے گئے تھے وہ بھی لے لو اور تم کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ باغیوں کو عیدگاہ میں آگے بڑھنے کے لیئے کھڑے رہنے کی اجازت دو اور آگے تمکو یہ بھی واضح رہے کہ اگر فوج بغیر فتح کے واپس ہوئی اور لڑائی کے سامان کو حرج کر دیا تو نتیجہ بہت برا ہوگا تمکو پہلے سے آگاہ کر دیا ہے۔ اور تمھیں ان احکامات کو تاکیدی سمجھنا چاہیئے۔

یہ سچ ہے کہ اس بات کی کوئی تاریخ نہیں ہے لیکن اشارات جو کہ اس میں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جب لکھی گئی ہے جبکہ پہلی تہمت کی شرط قبول کی گئی تھی۔ شاید یہ جگہ جید ناقوں کے لیئے جو مجھکو یاد کی بات پیش کرنی ہیں سب سے عمدہ ہوگی۔

قیدی اوروں کی طرح اپنی حالت کا آپ شکار ہوا ہے۔ بیان کرتا ہے کہ مجھکو اس غدر سے پہلے دو امام تھا کہ باغی سپاہیوں نے دفعتہً آکر مجھکو چاروں طرف سے گھیر لیا اور سنتری کھڑے کر دیئے اپنی جان کا خوف کر کے میں چپکا ہو رہا اور اپنے علیحدہ محل میں چلا گیا اور پھر باغیوں نے مرد عورت و بچے قید کر لئے میں نے دو بار سفارش سے اُنکی جان بچائی اور پھر سارا جو کچھ مجھ سے ہو سکا اُنکے بچانے کے لیئے کیا لیکن باغیوں نے ذرا توجہ

اور شاید اس وقت اُنکی بابت سوچنا بھی اچھا ہے اُن تاریخوں کا لحاظ رکھکر جن میں وہ
واقع ہوئے ہیں۔ یہی تہمت بہادر شاہ دہلی کے معزول شاہ کی طرف ہی کیونکہ اُنھوں نے
برٹش گورنمنٹ کا نظر بند ہوکر بہت دفعہ دہلی میں ۱۰ مئی اور اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیان میں
محمد بخت خان رجمنٹ کے صوبہ دار و دیسی افسروں اور اَور نامعلوم فوج کے سپاہیوں کو
اسٹیٹ کے خلاف بغاوت کے جرموں میں مدد دی۔ میں عدالت کو ثبوت کا دسواں حصہ
بھی بیان کرکے تکلیف دینا نہیں چاہتا وہ ثبوت جن کے سبب یہ تہمتیں قائم ہوئیں لیکن
شاید اُن کا ثبوت دینا ضروری ہے۔

مسٹر سنڈر لفٹنٹ گورنر کے ایجنٹ اور کمشنر نے بیان کیا ہے کہ کن شرطوں سے
یہ قیدی برٹش گورنمنٹ کے نظر بند بن گئے۔ یعنی اُن کا دادا شاہ عالم مرہٹوں کے قبضہ
میں تھا جب مرہٹوں نے ۱۸۰۳ء میں انگریزوں سے شکست کھائی تو اُسنے مرہٹوں کے
قبضہ سے نکلکر انگریزوں کی پناہ میں آنیکی درخواست کی۔ اُس وقت سے صرف نام کو دہلی
کے بادشاہ انگریزوں کی پنشن خوار رعایا بن گئے۔ یہ خیال کرنے کی بات ہی اور بغور دیکھنا
چاہیئے کہ اس خاندان کو برٹش گورنمنٹ سے کسی طرح کی شکایت نہ تھی صرف فائدے
ہی فائدے تھے جو یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

قیدی کے دادا شاہ عالم نے صرف اپنے ہاتھ سے تخت ہی نہیں کھویا بلکہ اُن کو اپنی
آنکھیں نکلوانی پڑیں اور طرح طرح کی بے عزتی کا شکار ہونا پڑا۔ اور ابھی وہ قیدی ہی تھے کہ
لارڈ لیک نے اُنھیں اُس سے آکر نجات دی اور اُنکی بدقسمتیوں کے بدلے فیاض ہمدردی
کے ساتھ اُنکو عہدہ اور پنشن دیدی جو اُس کے جانشینوں تک جاری رہی۔ اور جس نے اُنکو
عزت بخشی کہانی کے سانپ کی طرح اُنھوں نے اپنا پھن اُن پر مارا جنکو اُنھوں نے اُنکی زندگی

ہمارے سامنے واقعات کے متعلق ہیں۔ دہلی میں میگزین کے اُڑنے کے ساتھ ہی عادت کے دفع ہونے کی ہر ایک اُمید جاتی رہی اور بہت مدت تک رہی۔ یہ فعل آمری مخالف سے انگریز لوگوں کی طاقت کا نشان رہا۔ اگرچہ علیحدہ علیحدہ جنگلوں میں تھے (دائمی) تک گورنمنٹ دم در رکھتے تھے۔ اُن کا ایک حملہ بازگشت سے اپنی جانیں بچانے کا فرض ہو گیا۔ نتیجہ پیدا کر دہلی بدمعاشوں سے بھر گئی بعض حصوں نے ہم گھنٹے میں بہت قتل کیے اور جو شکل سے تمام پچھلی شرارت کی فہرست میں لگائے جا سکتے ہیں۔

یہ وقت اب ہے کہ بادشاہ سلامت بذات خود ایک بڑے تماشہ کرنے والے کی طرح تماشے میں آتے ہیں جس میں صرف انگریز اور یورپ کے لوگ ہی تماشہ دیکھنے والے نہ تھے بلکہ بہت سے مہذب اور غیر مہذب لوگوں نے بہت بڑے شوق سے دیکھا جو حق ہو اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ ۱۱ مئی کی سہ پہر کو بادشاہ دیوانِ خاص میں گئے اور تخت پر بیٹھ گئے جب کہ سپاہی افسر اور سب لوگ باری باری سامنے آئے اور اُسکے آگے کورنش بجالائے اور اُن اُسکے سایۂ عاطفت میں آنیکی درخواست کی۔ بادشاہ نے یہ بات مان لی اور سب لوگ جو کچھ اُنکے دل میں آیا کہتے ہوئے چلے گئے۔

گواہ یعنی غلام عباس قیدی کے وکیل سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے فوج کے سر پر ہاتھ رکھنے کی تقریب اُنکی نوکری اور فرماں برداری کے ماننے کے برابر ہے اور وہ آگے بیان کرتا ہے کہ اگرچہ بادشاہ کسی باقاعدہ منادی سے نا واقف ہے جو کہ دہلی میں بادشاہ کے عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے کے سبب سے ہوئی ہے تو بھی اُنکو اُسکی خبر ہونیکے متعلق بہتیری باتیں ہو سکتی ہیں۔ لیکن اُسی (۱۱) ای کے دن سے بادشاہ کی حکومت قائم ہوئی اور رات کو لاتوپوں سے بادشاہ کی سلامی ہوئی۔ یہ امر ہمکو قیدی کی تہمت کی طرف لیجاتے ہیں۔

میں تھا۔ شہزادہ جواں بخت کی گفتگو سے کافی طور سے یہ سب باتیں معلوم ہوتی ہیں اسکی خوشی انگریزوں کے قتل کرنے کی پیشقدمی کرنے میں اسقدر رہے کہ وہ اُس کے اظہار کو چُھپا نہیں سکتا۔ مگر میرا بڑا مقصد یہ ہے کہ اُس بات کو صاف کر دوں جو کہ حق ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ یہ منصوبہ شروع ہی سے صرف سپاہیوں ہی پر محدود نہ تھا اور انھیں سے یہ پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ شہر اور قلعہ میں بھی جال بندی تھی اور قاتل جن کا ابھی ذکر ہوا ہے اس بات کا یقین دلاتے ہیں۔ ہمکو یقین ہے کہ میگزین اُڑنے سے پہلے نمبر ۱۱ و نمبر ۱۲ فوج کے باغیوں نے اُس پر حملہ کیا اور جب یہ وقوع ہوا تو بادشاہ کو ہم نے اول اول دیکھا جو باغیوں کے ساتھ حکومت کی بابت صاف عہد و پیمان کر رہا تھا۔ اُس وقت سے پھر کوئی بات نہیں چھپائی گئی اور نہ اس کی کوشش کی گئی۔

خاص طرح بغاوت کی ندی میں گر کر وہ طغیانی کے سبب سے جلدی اُبھر آیا جو کہ اُسکو نہ سنبھال سکی جیسا کہ تخت ہندوستان کو وہ خیال کرتا تھا۔ بلکہ اپنے بہاؤ میں اسکو ایک بیکسی کی حالت میں خاک پر چھوڑ دیا۔

میں ایک لمحہ کو لفٹنٹ ولف بائی اور اُن بہادر لوگوں کے بیان کرنے کے لئے ٹھیرونگا جو کہ اُنکے ماتحت تھے اور جو اتنے عرصہ تک اتنے بیشمار باغیوں کے مقابلے میں ڈٹے رہے میگزین اُن کو دیدیا گیا۔ ہم میں اب ایک بھی مشکل سے نہیں جان سکتا کہ اُن میں کون سب سے زیادہ تعریف کے قابل تھا۔ فراست اور عقلمندی جس نے ایک ہی نظر میں اپنی بربادی کی ممکن ضرورت کو پہلے سے دیکھ لیا اور موافق انتظامات کر لئے یا وہ دلیر تدبیر جسکے ذریعہ سے آخری قتل ختم ہوا۔ ایسی بہادری کا انصاف کرنا تاریخ نویسوں کا عمدہ فرض ہوگا میں اُسکو ایک سرسری نظر سے دیکھ سکتا ہوں کیونکہ مجھے اور باتوں کا تذکرہ کرنا ہی جو کہ

پانی کے طوفان کے ساتھ تمام ملک کو برباد کرتا ہوا اُٹھنے والا تھا اور ضیا حسن عسکری نے
بیان کیا ہے اُس (خواب) سے کاریگریوں کے بربادی کے نشانات بادشاہ فارس کے
ہاتھوں سے ظاہر ہوئے جس نے (یعنی بادشاہ فارس نے) ہندوستان کے فرمانرواؤں
کو دوبارہ اُنکے ملک دے دیئے کیا اس پر بھروسہ کرنے کے سبب ایشیا کی دوسری قوتوں کو
حرکت ہوئی اور وہ ایسے فیصلوں پر دلیر ہو گئے۔ ہم کو معلوم ہے کہ اور حالتوں میں اور ہر ایک
ملک میں سوائے مشرقی ملک کے ایسی دل جوش کن حالت خیال کرنے کے لیئے بہت ہی سے کہا
ہے اور تعریع کرنے کی کوشش کے لیئے بالکل نے دیا ہے لیکن اس مقام پر قومی بغاوت کی
ترقی اور وسعت پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہزاروں پرانی کے
کاموں کا اثر ڈالنے کا دخل رکھتے ہیں۔

غیر معمولی طاقت یا قوت جو کہ میگزین کے ذریعہ حملہ بنانے میں ظاہر کی گئی اُس سے یہ
باتیں نکلتی ہیں مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ باتیں صرف سپاہیوں ہی کے اتفاق پر دلالت
نہیں کرتیں کیونکہ بادشاہ کے اپنے ترپ تھے جنھوں نے اول اول قبضہ کرنا چاہا تو قومی
دستور کے موافق جس طریقہ سے یہ کارروائی ہوئی اُس سے ملکوست ظاہر ہوتی ہے
یہاں کسی قسم کی ابتری یعنی لوٹ کے لیئے کوئی کوشش نہیں کی گئی میگزین کے مختلف
دروازوں پر حفاظت کیواسطے غیر کمیش افسر مقرر کیئے گئے جو سامان اندر سے باہر مزدوروں
کے ذریعہ سے رکھوا رہے تھے اور ذخیرہ اُٹھوا رہے تھے جو باہر پڑا تھا۔ بادشاہ کے ترپ
بغیر کسی قسم کے حکم کے ایسے کام کے لیئے کیونکر تیار ہو سکتے تھے۔ اگرچہ میں خود بادشاہ کو
پیش آنے والے واقعوں کی بات جو کہ بانی کو ہونے والے ہیں پہلے سے خبر دینے میں
کامیاب نہیں ہوا مجھے بھروسہ ہے کہ یہ بُرا ہوا کہ بھید محل کے مقرر رہنے والوں کے قبضہ

ہیں پائی جاتی ہے۔ تجویز کے مقصد اور ترقی سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی منصوبہ پہلے سے باندھا گیا تھا اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سے خیالات چند آدمیوں کی صلاح سے پکائے گئے تھے۔

بیشک یہ خیال کرنا بہت مشکل ہے کہ وہ شخص جو پہلے سے اس راز سے واقف نہ ہوتا وہ اسقدر خوبی اور ستعدی کے ساتھ کیونکر اُن اجزا کو اس کام کے عمل لانے کے واسطے اختیار کرتا۔ ہمکو فیصلہ کی غایت تدبر اور اغراض کی قدر کا پھر خیال آسکتا ہے۔ ایسے بے ترتیب اندازہ کے خلاف بہت سی قوی دلیلیں ہمارے خیال میں آوینگی۔ بیشک بادشاہ کو بدبختوں اور مجرموں کے ساتھ اتفاق کرنیکی ترغیب دی گئی تھی جسکی تہ کو پہنچنا اُسکی سمجھ سے باہر تھا بے شک بادشاہ نے ایسے سخت کام میں مشغول ہوکر ہر چیز۔ اپنی جان اور اُن سب لوگوں کو جو اُس سے تعلق رکھتے تھے معرض خطر میں ڈالدیا اور یہ سب کچھ اُس نے تاج حاصل کرنیکی اُمید پر کیا۔

کیا یہ خیال ہوسکتا ہے کہ اس کمزور اور لاغر بڈھے آدمی نے اس موقع کو غنیمت سمجھکر جبکہ بلوہ وفساد برپا تھا اپنا مطلب حاصل کرنیکی غرض سے میگزین کو قبضہ میں لینے کے لیئے افواج کو فوراً روانہ کردیا ہو۔ اور کیا ہمارا خیال صحیح ہے کہ فوج پہلے سے اِس غرض کے لیئے آمادہ تھی اور جو رجمنٹیں پیچھے سے آرہی تھیں وہ اسی کا حصہ تھیں اگر یہ مان لیا جائے کہ بادشاہ اور قرب وجوار کے آدمیوں میں پہلے سے سازباز نہیں ہوئی تو کیا ہم ان باتوں کو ضعیف اعتقادی اور خواب کی تعبیر پر محمول کریں۔

یہ ایسی باتیں ہیں جو کسی زیادہ سنجیدہ طریقہ سے دل کو تسکین نہیں دے سکتیں اس حالت میں ہم نے ایک طوفان کی بابت جو خواب میں دکھائی دیا تھا سنا ہے جو مغرب سے بہت سے

یا الرم ٹھیرانے کے لیئے اعلیٰ قانون ہے جسے ہر سلسلے والا عمل میں لاسکتا ہے اور جس کا فیصلہ
قانونی مجموعہ یا قومی قانون سے زیادہ سخت ہے۔ یہ قانون ملکی ضوابط۔ انسانی فطرت یا مذہبی
فرقوں کا پابند نہیں ہے یہ قانون خالق نے ہر شخص کے دل میں ودیعت کیا ہے۔
اور کیا اس موقع پر اسے بالائے طاق رکھا جاسکتا ہے۔

اگر اس وقت ہم میگزین کا کچھ حال بیان کریں اور دیکھیں کہ وہاں باغیوں نے کیا
کیا کارروائی کی تو شاید کچھ بیجا ہو۔ کپتان ورسیٹ نے بیان کیا ہے کہ صبح کے نو بجے
ہندوستانی رسالوں کا ایک حصہ سنگین چڑھائے اور ہتھیار آراستہ کئے قومی ترتیب سے
پل پر سے اُترا۔ اس میں سوار آگے تھے۔ اس بات کو ایک گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ اڑتیسویں
ہندوستانی پیدل کے صوبہ دار نے جو میگزین گارڈ کا کمانڈنٹ تھا کپتان ورسٹ وغیرہ
سے کہا کہ بادشاہ نے میگزین پر قبضہ کرنے اور انگریزوں کو گرفتار کر کے قلعہ میں لے آنے کو
گارد بھیجے ہیں اور انکو یہ ہدایت کردی ہے کہ اگر وہ نہ آئیں تو انھیں میگزین سے باہر نکال
دیا۔ کپتان ورسیٹ نے اسوقت تو گارد کو نہیں دیکھا مگر جو شخص یہ پیغام لایا تھا اُسے
اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔ وہ خوش لباس مسلمان تھا مگر اس کے کچھ ہی بعد ایک بادشاہی
افسر گارد کو لیکر پہنچا اور صوبہ دار کو اور غیر کمیشن افسروں نے کہا کہ مجھے بادشاہ نے
تم لوگوں کی سبکدوشی کے لیئے بھیجا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ میگزین پر قبضہ کرنے کے لیئے کس قدر عجلت اور پھرتی کیگئی اس سے
یقین ہوتا ہے کہ یہ فوری اور محرک معاملہ یا تو خود بادشاہ کی طرف سے تھا یا عدالت کیطرف
سے۔ اس قسم کی کوئی بات اُن پر محمول کرنی گویا انکو اُسکے اندازہ کی بے اعتنائی کی
شناسی وہی سے موصوف سے ملی ہوئی ہے اور جو نسل انسانی کے زیادہ اعلیٰ درجہ میں

سب صاحب لوگوں کو آپ ہی نے تو مارا ہے لیکن جب میں کپتان ڈگلس کے کمرہ میں گیا تو میں نے وہاں اُسے سسکتا ہوا پایا ممدو نے یہ دیکھکر اُس کے ماتھے پر سونٹا مارا اور وہ فوراً مر گیا۔" چونکہ اب یہ ثابت ہو گیا کہ میموں کے قاتل قیدی کے خاص ملازم تھے اس لیئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حکیم احسن اللہ خان کی شہادت پھر دیکھیں اور معلوم کریں کہ قیدی نے ان قتلوں کی اطلاع پر کیا کارروائی کی۔

اس موقع پر جو کچھ اُسنے حکم دیا وہ محل کے دروازے بند کرنے کا تھا جس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ قاتلوں کے بچانے کی غرض سے تھا مگر شہادت اسکے خلاف ہے حکیم صاحب نے آیندہ استفسار پر بمجبوری یہ اقرار کیا کہ قیدی نے مجرموں کے دریافت کرنے یا سزا دینے کے لیئے یا گرفتار کرنے کے لیئے کوئی کارروائی نہیں کی اور اسکی وجہ اُسوقت کی پریشانی بتائی۔

اگر بادشاہ کے اختیارات واقعی اُس کے ملازموں نے بالائے طاق رکھدیئے تھے تو دوبارہ بااختیار ہونیکے لیئے سب سے قوی دلیل یہ تھی کہ اُسکو فوراً ملزموں کو سزا دینا تھا یہ تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ کارروائی نہیں کی گئی اور ہم اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اگر اُسنے ان افعال پر اپنے ملازموں کو ترغیب نہیں دی تھی تو بھی اسکی پہلے سے یہی خواہش تھی۔ اور اس کے ثبوت میں ہم یہ کہتے ہیں کہ کوئی ملازم نہ تو برخاست ہوا اور نہ اسکی کوئی تحقیقات یا تفتیش کبھی ہوئی۔ گواہ کا بیان ہے کہ بادشاہ قاتلوں کو برابر تنخواہ دیتا رہا اور اُنکو اپنی ملازمت میں رکھا اور واقعی یہی خبر ہمنے اُس وقت ایک اخبار میں بھی پڑھی۔ اس کے بعد کیا یہ سوال کرنا ضروری ہے کہ یہ فعل خاص اُسکے نہیں تھے یا تھے۔ مجھے یہ بتانیکی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ اس بارہ میں قانون ملکی کیا تھا کیونکہ عقل و تمیز کا قانون اُسکو بری کرنے

حبلاستہ اس بارہ میں کل ضروری حصوں سے واقف تھا۔ قاتلوں کے نام تو عام طور پر مشہور ہوئے ہی تھے مگر اسقدر عرصہ کے بعد بھی ہمسے ہر شخص اور اس کا نام دریافت کر لیا یہ تو مشہور تھا ہی ہیں کہ بادشاہ کے خاص ملازم ہی قاتل تھے مگر اسی وقت شہر کے اُردو اخبار نے اس واقعہ کو بالخصوص چھاپا تھا۔

اسکے بعد مجھے اُن لوگوں کی شہادت کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں حصوں سے صاف صاف بیان کر دیا ہے کہ بادشاہ کے ملازم ہی قاتل تھے اور اُنکی شہادت مستحکم اور اٹل ہے۔ یہ کافی ہوگا اگر میں اُن میں سے ایک کا بیان نقل کروں جو حسب ذیل ہے۔

"اسوقت مسٹر فریزر بلوہ کے دفع کرنے کے لئے نیچے رہے اور جب وہ اس میں مشغول تھے میں نے غور سے دیکھا کہ حاجی اور جوہری نے اُسکو تلوار سے قتل کیا اور تقریباً اسی وقت بادشاہ کے چند ملازموں نے اُسکی طرف تلوار چلائی اور اُس کا کام تمام کر دیا۔ مسٹر فریزر کے دربانوں میں سے ایک حبشی تھا۔ اس کے بعد وہ اوپر کے درجہ میں گھس پڑے اور میں فوراً دوسرے دروازے سے دوڑتا اور زینے کا سے اوپر کا دروازہ بند کر دیا۔ میں تمام زینے کے دروازے بند کرنے میں مشغول تھا کہ یہ جو لوگ دروازے سے آگئے اور اُس طرف کا ایک دروازہ بحر کھولکر وہ لوگ اندر آگئے اور جن لوگوں نے مسٹر فریزر کے قتل کرنے میں مدد کی تھی اُنکو اندر کر دیا۔ یہ لوگ فوراً اُن کمروں میں گھس پڑے جن میں کپتان ڈگلس مسٹر جیننگس اور مسٹر ... آرام کر رہے تھے اور تلوار سے حملہ کرکے اُنکو اور دو جوان لیڈیوں کو مار ڈالا۔ اِس کے میں زینے سے نیچے اُترا جب میں نیچے آگیا تو مجھے بادشاہ کے ملازم نے پکڑ لیا اور مجھسے پوچھا کہ بتاؤ کپتان ڈگلس کہاں ہیں؟ تم نے اُسکو پناہ دی ہے وہ مجھکو زبردستی زینے کے اوپر لے گیا۔ میں نے اُس سے کہا تم نے

ہم اُن مصنوعی اثرات کے کچھ حصہ کو جو مسلمانوں میں جبلّا ہوتے ہیں ظاہر کرنے پر مجبور ہیں۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ باوصف تعلیم و شاہی خاندان اور متین و مہذب ہونیکے اس بڈھے اور سفید سر آدمی نے انسانیت سے گزرے ہوئے اور غیر مانوس جنگلیوں کے وحشیانہ فعلوں میں کس طرح ساتھ دیا۔

ہم اسباب کے دریافت کرنے کے لیئے جو برسوں بعد دوہرائی جائیگی ذرا تامل کرتے ہیں کہ کیا عدالت کو یہ ثابت ہو گیا کہ خاندان تیموریہ کا آخری بادشاہ اس بدمعاشی میں شریک تھا یہ حالات مفصل بیان کیئے جائیں گے۔ قتل کھلم کھلا دن کے وقت درجنوں شاہدوں کے روبرو ہوئے جیسا کہ خاص قیدی کے ملازموں نے بیان کیا یہ قتل قلعہ کے حدود کے اندر ہوئے جہاں باوجود کمپنی کی حکومت کے قیدی کے اختیارات سب سے بڑھے ہوئے تھے ہیں اس سے ہرگز یہ تاویل نکرونگا کہ اُنکے قتل کے لیئے پہلے سے قیدی کی منظوری حاصل کر لی گئی تھی کیونکہ ایسی تاویلات کو منصف عدالت کبھی تسلیم نہ کریگی۔ بلکہ شہادتیں پیش کیجائینگی حکیم احسن اللہ خاں کا بیان ہے کہ جسوقت یہ خبر لگی کہ رسالہ والوں نے مسٹر فریزر کو قتل کر دیا اور کپتان ڈگلس کے قتل کرنے کے لیئے اُوپر گئے ہیں اور جسکی صداقت پالکی والوں نے واپس آکر کی کہ فریزر صاحب ہمارے سامنے ہی قتل ہوئے اُنکی لعش دروازے میں پڑی ہے اور سوار بالاخانہ والوں کے قتل کرنے کے لیئے اُوپر چڑھے ہیں۔ میں اور غلام عباس وکیل قیدی اُس وقت بادشاہ ہی کے پاس تھے۔ یہ بات بسہولت خیال میں آسکتی ہے کہ جن بادشاہی ملازموں نے اس قتل میں شرکت کی اُنکے نام گواہ نے کیوں نہ ظاہر کیئے۔ گواہی کے آخری حصہ میں اُس نے یہ کہا ہے کہ شاہی ملازموں کی شرکت کی مجھے خبر نہیں بلکہ اس سے بڑھکر یہ کہ عام طور پر یہ مشہور نہیں ہوا کہ قاتل کون تھے۔ خاص شاہی طبیب کا یہ بیان ہے

اور اس سے تیاریاں کر لیں یہ اُن سب کو حیرت تھی کیونکہ شورش ساڑھے چھ سے شروع ہوئی تھی اس لیئے اُنھوں نے اندھیرے ہی اندھیرے میں سب کارروائی کر لی۔ اور یہی دوراصل ہوا تھی جب انگریزی افسر ہندوستانی فوج کی لین میں پہنچے۔ ابھی اندھیرا ہی تھا پھر بھی کوئی سپاہی دکھائی نہیں دیا اور نہ کوئی یہ کہنے والا تھا کہ وہ کہاں گئے۔

بعد کی تحقیقات سے ظاہر ہوا کہ باغیوں نے بڑی ہوشیاری یہ کی تھی کہ جب میرٹھ سے دہلی روانہ ہوئے تو نہ سیدھی اور خاص سڑک اختیار کی اور نہ فوجی ترتیب قائم رکھی بلکہ اندھیرا ہوتے ہی دس دس پانچ پانچ منزل مقصود کیطرف چل پڑے۔

میرٹھ سے اُنکی روانگی تو مدبرانہ تھی مگر دہلی میں داخل ہونا جہاں مخالفت کے لیئے انگریزی رسالہ کوئی نہ تھا خلاف مصلحت تھی اس موقع پر اُنھیں ضابطہ اور سمجھ سے کام لینا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُنھوں نے جوق کے جوق اور مکمل فوجی ترتیب میں پل عبور کیا اور ایک حصہ کو تری کو باقاعدہ آگے بھیجا۔

اب ہم پہلے پہل یہ ثابت کرتے ہیں کہ باغی اس قیدی سے جو اس وقت عدالت میں موجود ہے ملے ہوئے تھے۔ پہلا نقطہ جسکی طرف وہ رجوع کرتے ہیں اور پہلا شخص جسکو وہ اپنا مخاطب بناتے ہیں دہلی کا خطابی بادشاہ ہے جو یہ واقعہ مطلب خیز ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں پہلے سے سازباز تھی قیدی کا طرز روش فوراً ہی ظاہر ہونے لگا۔ بغاوت ابھی بہیب صورت اختیار بھی نکرنے پائی تھی کہ اسکے خاص ملازموں نے قلعہ کے حدود کے اندر ہی اسکے آنکھوں کے سامنے جو انگریز اُسکے سامنے پڑے اُنکے خون میں اپنے ہاتھ رنگنے کے لیئے دوڑے۔ جب ہم مقتولین میں دو خواتین اور نازک اندام مَیموں کا خیال کرتے ہیں جن کا کوئی قصور نہ تھا اور جن پر سوائے اُن انسانی صورتوں کے جنھوں نے اُنھیں برباد کیا ہر شخص رحم کھاتا۔

جیساکہ ہونا چاہئے تھا۔ اور یہ حالت جبتک کہ سازش پک نہ گئی اور کھلم کھلا بغاوت کا وقت نہ پہنچ گیا اسیطرح قائم رہی۔

۹ مئی کی رات کو نمبر ۳ کولری کے باغیوں کے قید ہونیکے ۱۲ گھنٹہ بعد بھی ایسی ہی قابل اطمینان رہی جیسی کہ قریب ہی کے میگزین پر کوچ کرنے کے وقت پیشتر کی رات رہی تھی مگر ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا کہ دہلی کے سپاہی اس حرکت کی تیاریاں کرتے جس کا اظہار میرٹھ کے واقعات نے انکی امیدوں سے پیشتر کردیا۔ اس لیئے دہلی سے ازسرنو خط و کتابت کرنی اور سپاہیوں کو اس سوانگ کی خبر دینی جو ۱۱ مئی کو پیر کے دن ہونیوالا تھا ضروری معلوم ہوئی اس کا ثبوت کپتان ٹائلر کے اظہار سے بخوبی ہوتا ہے کیونکہ اتوار کی سہ پہر کو سپاہیوں کا گاڑی میں بیٹھکر میرٹھ سے دہلی آنا اور سیدھے اڑتیسویں ہندوستانی پیدل کی لین میں جانا کسی اور بات کا یقین نہیں دلاتا۔

مکرر یہ کہ جو وقت میرٹھ میں بلوہ کرنے کے لیئے مقرر کیا گیا تھا اُس سے بھی اس مکاری اور حرمزدگی کا ثبوت ہوتا ہے۔ میرٹھ کی چھاونیوں کی تجویز سے بھی اس سازش میں بہت سہولت ملی۔ ہندوستانی فوج کی لینیں انگریزی رسالوں سے اسقدر فاصلہ پر ہیں کہ کھلم کھلا بے چینی اور بغاوت کے غل غپاڑے کی آواز بھی سنائی نہیں دسکیتی یا اُسوقت تک اُسکی خبر نہیں ہوسکتی جبتک کہ اسکی اطلاع نہ دیجائے۔

افسر غالباً اپنے ماتحتوں کے دلوں سے بغاوت کے دور کرنے میں ایسے سرگرم رہے ہوں کہ اُنھیں یقین ہو کہ ہمیں فوراً اسکی اطلاع ملی گی۔ کچھ ہی ہو کارتوسوں کے نکالنے اور انگریزوں کو ڈینے اور افسروں کو جمع کرنے اور کم از کم دو میل کوچ کرلینے میں توقف ہوا۔ اور توقف اور توقف در توقف کا اندازہ باغی ہی خوب کرسکتے ہیں کیونکہ ڈیڑھ گھنٹہ تک بلا مزاحمت

صاحبان! میرے خیال میں ہر شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر ہمیں اس منصوبے کی کوئی شہادت نہ ملتی اور اس سازش کی پہلے سے خبر نہ لگتی تو اس بلوہ سے یہ نتیجہ ہوتا کہ ہم میں سے ایک شخص بھی نہ بچتا۔

اخلاقی اور مادی دنیا میں ہر ایک بات کا سبب اور نتیجہ ضرور ہوتا ہے اور اگر ہم گزشتہ سال کے ہولناک قتل کی سراغ رسانی صرف کارتوسوں ہی پر محدود کر دیں اور مضر اور پوشیدہ اسباب کو نہ تلاش کریں تو یہ واقعہ ہمیشہ کے لیے بیفائدہ اور مبہم رہ جائیگا یہ بات قابل مشاہدہ ہے کہ کارتوسوں والا معاملہ مئی سے قبل میرٹھ اور دیگر مقامات پر کھلم کھلا اور بار بار اصرار تھا سازش کے مضبوط اور پختہ ہونے کے ساتھ غیر مبہم ہوتا گیا اور جس وقت باغیوں نے دہلی میں اول لڑائی کا شور و غل کیا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے جو مشار کہا گیا تھا وہ پورا ہو گیا اور اس کے بعد ہی دلوں سے یہ خیال بھلا دیا گیا۔ کیونکہ یہ خیال بہت ہی کمزور یا یوں ہی سا تھا اس لیے جلدی سے جاتا رہا اور اس سے مشار اور پختہ ارادہ ظاہر ہو گیا۔

اگر ہم ان باغیوں کے افعال و حرکات کو بغور سے دیکھیں تو ہمکو فوراً معلوم ہو جائیگا کہ اس معاملہ میں ابتدا ہی سے مکاری اور سازش سے کام لیا گیا تھا مثلاً اُن کے ۸۵ ساتھیوں کو اُنکے سامنے ہتکڑیاں ڈالکر مئی کی صبح کر حیلیاء بھیجا مگر اس سے کوئی جوش پیدا ہوا۔ ان آدمیوں نے نہ تو کوئی بے اطمینانی ظاہر کی جو اُس وقت یا عرصہ سے اُنکے دلوں میں بغاوت کی آگ بھڑکا رہی ہو اور نہ کوئی ایسی حرکت نمایاں ہوئی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ اُنھیں ملزموں سے ہمدردی ہے۔ اور در واقعی اُنکے چہروں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ میرٹھ کی پیدل رجمنٹ اور نمبر ۳ کو لری کا باقی ماندہ حصہ لیاہی وفا دار اور تابعدار ہے

تو ہی کچھ اور ہی چیز تھی جس پر یہ کارروائی ہوئی۔

وہ منتری جس نے اتنی بڑی بغاوت اور قتل کو حرکت دی اور جسکی حرکت ایک ہی وقت میں ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک محسوس ہوئی اگرچہ دوراندیشانہ دانائی کے ساتھ نہیں تاہم ہولناک حرمزدگی اور نہایت کامیاب ہونیوالی مکاری پر مبنی تھی۔

اس مضمون پر غور کرتے وقت ہمیں یہ بات بھی یاد کر لینی چاہیئے کہ بہت سے مقامات پر جہاں ہندوستانی فوج نے اپنے انگریزی افسروں کے ساتھ زیادتی کی کارتوسوں کا بہانہ بالکل نہ تھا۔ اکثروں نے تو بغاوت کرنیکے لیئے اس موقع کو اچھا سمجھا کیونکہ اُنکی تعداد ایک کے مقابلہ میں سو تھی۔ اُنھوں نے خیال کیا انھیں تاخت وتاراج کرنے ولوٹنے اور قتل کرنے سے نہ صرف نجات ہی پائیں گے بلکہ کچھ فائدہ بھی ہوگا۔

کارتوسوں کے سوال پیدا ہونے سے پیشتر اگر ہندوستانی فوج میں ربط واتحاد نہ ہوتا تو کیا یہ خوفناک نتیجے بیکدم تکمیل پا جاتے ہیں؟ کیا کوئی شخص یہ خیال کرسکتا ہے کہ یہ کینہ ورعالمگیر دشمنی جسکے مہیب ثبوت حال میں ہمارے ہاتھ لگے ہیں اُن خیالات کا نتیجہ ہے جو یکایک و ناگہانی طور پر افروختہ کیئے گئے ہوں۔ کیا حوادث زمانہ کا یہی اثر ہے کہ صرف ذراسے اشتعال طبع پر اسقدر سخت عداوت پیدا ہوجائے؟ یا ہندوستانیوں کی عقل حیوانی یا روایات یا طبیعتوں کا یہی خاصہ ہے کہ بے احتیاطی و بلا تحقیقات اور بلا خیال کسی امر کے انسان کے خون میں اپنے ہاتھ آلودہ کرلیں اور اُس آمدنی و فائدے کو جسکے سبب وہ ترتیب رکھنے اور گورنمنٹ کی خیرخواہی کرنے کے پابند ہوں نظرانداز کردیں۔ یا سب سے بڑھ کر یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ میرٹھ کی تین رجمنٹوں نے دہلی کی رجمنٹ سے ملکر اپنی ہی قوت پر سلطنت برطانیہ ہند کو نکالدینے کا یقین کرلیا ہو۔

کارتوس اُس وقت ہمیشہ ہر رات پرپوش کیے جاتے تھے۔ اُنکے استعمال سے سپاہیوں کی برہمی کا مسلسل خوف پیدا کرد یا تھا۔ اگر ہم فکر و غور کریں اگر ہم یاد کریں کہ اُن تینوں رجمنٹوں میں جنھوں نے پہلے پہل غدر کیا اور صرف مردوں ہی کو قتل کیا بلکہ عورتوں اور بچوں پر بھی دستِ ظلم دراز کیا ایک بھی چربی دار کارتوس نہ تھا اور اس سے وہ خود بھی بخوبی واقف تھے توجب ہم خیال کرتے ہیں کہ اگر چربی دار کارتوس ہوتے بھی اور انھیں مردودوں کے ہاتھ سے چھولنے بھی جاتے تو کسی مسلمان کو بھی قومی تعصب کے سبب تکلیف پونہچی ممکن نہ تھی۔ یا مذہبی عقیدے کے مطابق انھیں دقت ہوتی اور جب ہم وہ بات بھی کہیں جو ہندوستان میں خواہ ہندو خواہ مسلمان خواہ انگریز سب کو معلوم ہے یعنی ہندوستانی سپاہی نے زمانہ امن میں ان ہی کارتوسوں کے چھوڑنے کی بلا کسی تحقیق کے پینے کے خواہش کی خوبوری کی تھی تو کسی واقعی یا فرضی رنج کے سبب اُسکے ایسے سخت بغاوت کرنیکی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی۔ یہ مان لیا جائے کہ توہمات و مذہبی جوش و شرارت یا حماقت کے بہیں کرنے والے خواب ایسے ہی تھے جیسا کہ خیال کیا گیا۔ یہ مان لیا جائے کہ بُرائی کی تحریکیں ایسی ہی سخت تھیں جو ممکن ہوسکتی ہوں اور سپاہی جن پر اُن کا اثر تھا جہالت کی وجہ سے سریع الاعتقاد ہورہے تھے تو بھی اگر چربی دار کارتوس اُنکے ترکش کا ایک زہریلا تیر اُن کارندوں میں ان مجرموں کا ہتھیار ہوتا تو علاج کسقدر آسان تھا۔ اُنھیں یہ جانے کے لیے۔ زیادہ علم کی ضرورت تھی اور نہ کسی جلسے کی کہ صرف برطرفی کی درخواست کردینے سے ہی وہ ان سب پریشانیوں سے نجات پالیں گے۔

ای صاحبان! مجھے نہیں معلوم کہ آپ اس تکلیف دہ سوال کا کیا نتیجہ نکالیں مگر ہر پہلو پر غور کرکے بعد میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ چربی دار کارتوسوں کے استعمال سے زیادہ تمیں اور

جو اس وقت عدالت میں حاضر ہے اُس سلطنت کے خلاف جسکی وفاداری اور اطاعت کا اقرار وہ خود کر چکے تھے لڑنے آئے تھے اُس وقت اُنکے عذرات کہاں گئے تھے۔

اُن بیشمار درخواستوں میں سے جو دوران کارروائی میں عدالت کے روبروپیش ہوئی ہیں عدالت کو تعجب ہو گا کہ اُن میں سے شاید کسی میں بھی سپاہیوں نے کسی خاص اور شدید ظلم کا اشارہ تک نہیں کیا جس سے یہ الزام عائد ہوتا ہو۔

ہم نے عدالت کے روبرو ایک سو اسّی سے بھی زیادہ درخواستیں پیش کی ہیں جو ادنی سے ادنی اور اعلی سے اعلی مضمون کی ہیں جو سائلوں کی نمک حلالی کا نمونہ ہیں مگر باوجود آزادانہ تحریرات کے جن میں اُنھوں نے اپنے خیالات کو اپنے فرضی بادشاہ کے روبروپیش کیا۔ اور اپنے قدیم آقاؤں کے خلاف اپنی مخالفت ظاہر کرنے میں اپنی طلاقت لطق وخیالات پر قابو نہیں رکھا ہمیں نہ تو اصل قصور کا پتہ چلتا ہے اور نہ چادر نمکحرامی پر چکنے دھبے نظر آتے ہیں۔ مگر عبرت انگریز تو یہ واقعہ ہے کہ باوجود ہماری نسبت الفاظ "ملعون۔ناری۔کافر" استعمال کرنیکے وہ اس مصرحہ ابتدائی جرم سے دست بردار ہوتے ہیں جسکے سبب اُنھوں نے غدرو بغاوت کے ایسے جرائم کا ارتکاب کیا جس کا خیال کرنیسے بدن کانپتا ہے۔

باوجود اس خیال کے کہ انگریزی افسر اُنکی وفاداری اور اطاعت کی بابت کسی قسم کی مداخلت و تفتیش نکرینگے اُنھوں نے چربی دار کارتوسوں کے معاملہ میں اسکی بھی پروا نکی۔ ہم نے کوئی شکایت ایسی نہیں سنی جو واقعی ہوتی اور ہر وقت اُنکے ذہن نشین ہو کر اُنکے خیالات خراب کرنیوالی اور اُنکے دماغوں میں تسبیح ہوتی اور ہمارے خون کا پیاسا بناتی اور اُن کے لیے تخفیف سزا کا باعث ہوتی جو اس وقت انھیں رحم سے دور کرتی ہے۔

جو تقریریں اُنھوں نے انگریزوں کو سنانے کی غرض سے کیں اُسکا کیا علاج۔ چربی دار

مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہب پر اثر پڑتا ہرگز رجمنٹوں کے میگزین میں تیار ہوتے کیونکہ اول تو مزدور ہی اسکے بنانے سے انکار کرتے علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہو کہ مسلمانوں کا مذہب کچا نہیں ہے کیونکہ وسط ہندوستان کے آدمی جو آدھے مسلمان اور آدھے ہندو ہیں سور کا گوشت تک چھو لیتے ہیں اور مذہب میں نقص واقع ہونیکا بہانہ نہیں کرتے۔

ہم میں سے کون ایسا ہے جو اس کا روز مشاہدہ نہیں کرتا کہ یہی مسلمان بحیثیت خانساماں اس چیز کی قابیں اور رکابیاں بھری ہوئی اُٹھاتے ہیں جس کا بہانہ اُنہوں نے کارتوسوں کے معاملہ میں کیا تھا۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ کارتوسوں میں اول سے آخر تک سور اور گائے کی چربی لگی ہوئی بھی تو بھی مسلمانوں کو اُسکے استعمال کرنے میں مذہبی لحاظ سے بھی عذر نہ ہو سکتا تھا۔ اُنکے بھائی بندوں کو امیروں کی نوکری کی ملازمت میں ہر قسم کے کھانے پکانے اور اُنہیں میزوں پر چننے میں کبھی دریغ نہیں ہوتا۔ اس بارہ میں مسلمان سپاہیوں کے حالات صریحًا ایسے لغو ہیں کہ اگر اُن میں سے کوئی معزز اور سمجھدار آدمی اُن کارتوسوں کی اصلیت خواہ سچ یا جھوٹ دریافت کرنیکی کوشش کرے جنکو وہ اپنے مذہب کی خرابی کا ذریعہ سمجھتے تھے تو ہنسی معلوم ہوتی ہے۔

کم بلکہ بہت کم معزز آدمیوں نے اپنے بھائیوں کے چال وچلن سے پہلو تہی اور رُکشی اختیار کی مگر ایسے آدمیوں کو اس معاملہ میں جو سب پر ظاہر تھا۔ فصاحت اور بیان کی ضرورت ہوئی بلکہ اُنہوں نے اس مضمون پر جس میں جھوٹ کی گنجایش اور غلطی کا موقع رہا ہو نتیجے نکال لیئے میرٹھ یا دہلی کے مسلمان اور ہندو جنکہ انگریزوں کے قتل کے لیئے کارتوس ذوق وشوق سے لیا اور استعمال کرنا چاہتے تھے یا قیدی کے جھڑے کے پیچھے

ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں عموماً پانچ گھنٹے صرف ہوتے ہیں اور باغیوں کو ایک
دوسرے کی ملاقات کے لیئے جو سہولت حاصل تھی وہ کپتان ٹائلر کے اظہار سے ظاہر ہے
اُس اظہار میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ اتوار کی شام کو میرٹھ کے باغی ایک گاڑی میں بیٹھکر
اڑتیسویں ہندوستانی پیدل کی لین میں بظاہر اس غرض سے گئے تھے کہ اُن لوگوں سے
کہہ آئیں کہ اپنے باغی ساتھیوں کے لیئے پیر کی صبح کو مناسب انتظام کرلیں۔ اگرچہ کوئی
پختہ شہادت اسکی نہیں ہے کہ اُسی اتوار کو یہ کارروائی ہوئی بلکہ یہ مان لینا چاہیئے کہ ہر
اتوار کو مفسدوں کے خفیہ جلسے ہوا کرتے تھے۔ یہ بات تحریر میں آچکی ہے کہ جس عدالت نے
میرٹھ کے باغی سواروں کا مقدمہ کیا تھا اُس نے اس کا اندازہ کرلیا تھا کہ اگر کارتوسوں کے
استعمال پر زور دیا گیا تو دہلی اور میرٹھ کے رسالوں میں اتفاق کر لینے اور ایکدم بغاوت
کر دینے کا معاہدہ ہو لیا ہے۔ اس انتظام کی یہانتک تکمیل اور موافقت ہوئی تھی کہ قلعہ
کے دروازہ کے گارد نے اتوار کی شام ہی کو اپنے ارادوں کو خفیہ نہ رکھا بلکہ جو کچھ کل ہونیوالا
تھا اُس کا آپس میں تذکرہ کر دیا۔ اس معاملہ کے واقعات وخلاف واقعات کے سمجھتے وقت
یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جس وقت اِن منصوبوں کی تکمیل ظہور پذیر ہوئی اُسوقت نہ تو میرٹھ
کی رجمٹوں کے کسی میگزین میں اور نہ دہلی کے میگزین میں چربی دار کارتوس تھے۔ یہ بھی
یاد رکھنا چاہیئے کہ ہندوستانی آدمیوں کے سوا اور دوسرا آدمی ان امور سے بخوبی واقف
نہ تھا کہ جو کارتوس اُنکے استعمال کے لیئے کسی وقت بنے وہ اُنھیں کے ہم رنگ و ہمذہب
آدمیوں نے بنائے۔ یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ ناپاک چیز دھوکے سے اُنکو دیجاتی
رجمٹوں کے خلاصی جو کارتوس بنانے پر تعینات تھے اگر اُن میں کچھ بھی خرابی ہوتی تو
کبھی کا اُس کا تذکرہ کر چکے ہوتے اور قابلِ عذر کارتوس (جن سے میری یہ مراد ہے کہ

شہادت دستیاب نہیں ہوسکتی۔ تاہم ہمیں امید ہے کہ ہماری کوششیں بالکل رائگاں نہیں گئیں اگر ہمیں کامل کامیابی نہیں ہوئی تو اس کے لگ بھگ ضرور پہنچ گئے۔ میرا گمان ہے کہ جو ہی آدمی اس ضخیم کارروائی کو ملاحظہ کرتے وقت یہ نتیجہ نکالیں گے کہ یہ بادشاہ دہلی میں عرصہ سے ایک بیچ و تاب کھاتا ہوا بدخواہ، ظاہری قوت کیسی ہی ضعیف اور قابل حقارت کیوں نہ ہو۔ مسلمان پھر بھی اس فرضی بادشاہ کو اپنے دین کا پیشوا اور سمت الراس خیال کرتے تھے۔ اور لاکھوں آدمیوں کی امیدوں اور آرزوں کا مرکز تھا۔ وہ اسے مدینۂ عرب ملکہ اس سے بھی زیادہ خیال کرتے تھے اور یہ قابل مرجح بات نہ صرف مسلمانوں ہی کے دل پر جمی ہوئی تھی بلکہ ہزاروں اور آدمی بھی اس کے معتقد تھے جن سے کسی موقع پر ساتھ دینے کی امید ممکن تھی۔ اس بات کی تشریح ایک دن کیا ایک مہینہ میں بھی نہیں ہوسکتی۔ زمانہ جو مخفی کا ٹھا افشا کرنے والا ہے لاریب دیر یا جلدی برائی اور بدنصیبی کے چشموں کو ظاہر کردیگا۔ اور اس وقت تک ہمیں اپنی تحقیقات کے نتائج پر قناعت کرنی چاہیئے مجھے یقین ہے کہ جسقدر سازشیں ہم نے توڑی ہیں وہ سب تسلیم کیجائیں گی اور مجھے اسکے بارے میں چپیدگی کرنیکی ضرورت نہیں۔ اسی بنا پر میں چند شہادتیں پیش کرونگا مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں ان واقعات کا ٹھیک حال بھی بیان کردوں۔ مجھے یہ کہدینا ضروری ہے کہ کارتوس۔ لینے کے سبب مئی گزشتہ میں بمقام میرٹھ ۸۵ آدمیوں کا جو نمبر ۳ لائٹ کیولری کے غیر کمیشن افسر اور سپاہی تھے کورٹ مارشل ہوا۔ ۹ مئی کی صبح کو پریڈ میں انھیں حکم سناکر حوالات میں بند کردیا اور ۱۰ مئی کی شام کو ساڑھے چھ بجے میرٹھ کی تین رجمنٹوں نے کھلم کھلا بغاوت کردی۔ چھتیس گھنٹہ کا وقفہ اسقدر کافی تھا کہ میرٹھ والے رسالے اس رسالوں سے جو بعد میں ان سے میرٹھ میں آکر ملے بخوبی خط وکتابت ہوسکتی تھی۔ گھوڑا گاڑی میں

اگر مشکل کے ساتھ کامیابی بھی ہوئی مگر جو واقعات ہوگئے اُنکے مقابلہ میں ہماری محنت کچھ
بھی نہیں ہے - اِن کے تعلق میں وہ الزامات ہیں جن پر فیصلہ کا انحصار ہوا ہے اور اگرچہ اُس کے
سابق مرتبہ اور بادشاہت کی وجہ سے فیصلہ آخری جو آج آپ کو لکھنا پڑے گا بے شبہہ معمول سے
زیادہ ضروری ہوگا تاہم خواہ وہ بریت پر مبنی ہو یا گرفتاری پر میرے خیال میں اُن بڑے
بڑے اُمور کے مقابلہ میں جنکی طرف استقدر توجہ مبذول ہے اور ابھی جرح تک رہے گی
اصلیت ثابت ہوجائے گی - میں بلاشک اُن اسباب خواہ بعید خواہ قریب کی طرف اشارہ کرتا
ہوں جنکی وجہ سے بغاوت پھیلی جنکی نہ تو سنگدلی میں اور نہ اُس بیخبری کی جو کسی مذہب نے
روا نہیں رکھی صفحۂ تاریخ پر مثال نہیں ہے یہ دونوں باتیں اُس مذہب کے مقابل مشترکہ
جہاد میں جو بلحاظ اِس ملک کے باشندگان کے خواہ مسلمان خواہ ہندو ہرگز مستعد پرداز نہ تھا
ایک جگہ اکٹھی ہوگئی تھیں - مگر مجھے اندیشہ ہے کہ یہ مضمون ابھی تک پورا پورا واضح نہیں ہوا
اور اگر میں دیسیوں کی اُس تحریک کو جو اُنھوں نے اُن لوگوں کو جو مذہب میں - خون میں - رنگ
میں - عادات میں - خیالات میں - غرض ہر ایک بات میں اُن سے غیر ہیں اپنے ملک سے نکالکر
قوت و ملک حاصل کرنے میں کی مذہبی غلبہ سے منسوب کروں جو بعد میں ملکی ثابت ہو تو شاید
اُس میں میں غلطی پر ہوں - اس بارہ میں آخری رائے کچھ ہی ہو مگر وہ سوالات جہاں تک میں
واقف ہوں ابھی تک اطمینان کے قابل صاف نہیں ہوئے ہیں کہ کن واقعات کے باعث
یہ خونخوار بغاوت جس میں مسلسل کشت و خون ہوئے پیدا ہوئی اور کون اس کے اصلی محرک تھے
مجھے یقین ہے کہ ممبران عدالت کی بھی یہی رائے ہوگی کہ ہمارے سوالات کے کامل جوابات
دستیاب نہیں ہوئے اور کیوں نہیں ہوئے اسکی بابت میرا خیال یہ ہے کہ محض مقامی تحقیقات
سے مختلف مقامات اور ذریعوں سے جو بے شبہہ ہیں پورے پورے طور پر معلوم ہوسکتے ہیں

مگر یہ کہ بحوالہ اُس نقل حکم کے جس میں میں نے مرزا مغل سے سپاہیوں کی حرکات کی
شکایت کی ہے اور جو قطب صاحب اور وہاں سے مکہ شریف جانیکا ارادہ ظاہر کیا ہے اور جو
شامل مثل ہے مجھے یاد نہیں کہ ایسا حکم میں نے جاری کیا ہو۔ یہ حکم زبان اُردو ہے اور
میرے سکتر کے دفتر میں کل کام فارسی میں ہوا کرتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کہاں اور
کس طرح تیار ہوا۔ چونکہ فوج سے تنگ آکر میں نے دنیا سے ہاتھ اٹھانے اور فقیری اختیار
کرنے اور مکہ چلے جانیکا ارادہ ظاہر کردیا تھا ممکن ہے کہ مرزا مغل نے یہ حالت دیکھکر اپنے
دفتر میں ایسا حکم لکھوالیا ہو اور میری مہر اُس پر کرالی ہو۔ بہرحال میری ناراضگی اور مایوسی
اس حکم سے بھی ثابت ہے اور اس سے میرے قول کی تائید ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں دیگر کاغذات
یعنی نقول و مراسلات جو راجہ گلاب سنگھ کے نام ہیں وبخت خاں کی درخواست جس پر میری
دستخطی مہر ہے اور اور کاغذات جو شامل مثل ہیں اُنکی بابت میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے کچھ یاد
نہیں۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ امراء فوج نے جن کاغذات پر چاہا لاعلمی میں مجھسے دستخط
کرالئے اور اُن پر مہر ثبت کرائی اور مجھے یقین ہے کہ یہ کاغذات بھی اُسی ذیل سے ہیں اور
جو حکم اُنہوں نے مجھسے بخت خان کی درخواست پر لکھوایا وہ شامل دیگر درخواستوں کے لکھا گیا

دستخط
بہادر شاہ

بحث جج ایڈووکیٹ

صاحبان! اس بحث سے میرا یہ منشا ہے کہ دوران کارروائی میں مختلف واقعات متفرق
طور پر ظہور میں آئے ہیں وہ یکجا ہو جائیں۔ اور جہاں تک ممکن ہو اصل صورت میں آپکے سامنے
پیش ہوں۔ جس وقت کہ اس شہر میں بلوہ کی عملداری تھی ہماری تحقیقات کئی مہینہ تک جاری
رہی اور مجھے بھروسہ ہے کہ ہمیں مذکورۂ بالا زمانہ میں تمام واقعات کے دریافت کرنے میں

میرے نام سے کیا۔ جبکہ اُنھوں نے اپنے افسروں اور با اختیار حاکموں کو قتل کر ڈالا میں بلا فوج و خزانہ اور بغیر گولہ و بارود کیونکر اُن کا انسداد کر سکتا یا مخالفت کر سکتا تھا۔ جب پہلے باغی رسالہ آئے جھروکوں کے دروازے میرے بس میں تھے اُنھیں فوراً میں نے بند کروا دیا تھا۔ قلعہ کے کمانڈنٹ گارڈ کو بلا کر اس معاملہ کی اطلاع کر دی تھی اور اُسے باغیوں میں جانے سے روک دیا تھا۔ میں نے قلعہ کے کمانڈنٹ گارڈ اور ایجنٹ لفٹنٹ گورنر کی تعمیل حکم میں دو پالکیاں میموں کے لیئے اور دو توپیں قلعہ کے دروازوں کی محافظت کے لیئے بھیجدی تھیں۔ ماسوا میں نے اُسی دن اُونٹنی سوار کے ذریعہ سے نواب لفٹنٹ گورنر آگرہ کو اس واقعہ کی اطلاع کرادی تھی۔ جو کچھ میرے اختیار میں تھا وہ میں نے کیا۔ جلوس میں بھی میں اپنی خوشی سے نہیں نکلا۔ میں سپاہیوں کے بس میں تھا جو کچھ چاہا اُنھوں نے مجھ سے کرایا۔ چونکہ باغی رسالوں کی طرف سے مجھے بہت خوف تھا اس لیئے جو چند آدمی میں نے ملازم رکھے وہ اپنی جان کی حفاظت کے لیئے رکھے تھے۔ جب یہ رسالے بھاگنے شروع ہوئے تو میں بھی موقع پاکر کھڑکی کی راہ سے نکلکر ہمایوں کے مقبرہ میں جاکر ٹھیرا وہاں مجھے جب یہ حکم ملا کہ تمھاری جان بخشی کیجاتی ہے تو میں اُسی وقت سرکاری حفاظت میں آگیا۔ باغیوں نے تو مجھے اپنے ہمراہ لیجانا چاہا تھا مگر میں نہیں گیا۔

مندرجۂ بالا جو کچھ میں نے لکھوایا ہے اُس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں ہے اور نہ کوئی بات سچائی کے خلاف ہے۔ اِس بات کو خدا جانتا ہے اور وہی میرا گواہ ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بالکل صحیح ہے اور اس سے زیادہ مجھے معلوم نہیں ہے۔ میں ابتدا میں حلف اُٹھا چکا ہوں کہ جو کچھ کہوں گا بلا کم و کاست سچ سچ کہوں گا اور ایسا ہی میں نے کیا ہے۔

دستخط بہادر شاہ

کہ جو کچھ وہ کہتے تھے کرتا تھا اگر ایسا نہ کرتا تو کبھی کا وہ مجھے مار چکے ہوتے اور یہ حال سب کو معلوم ہے میرے اہلکاروں کو بھی جان بری کی اُمید نہ تھی اور میں تو اپنی جان سے یہاں تک عاجز ہو گیا تھا کہ بادشاہت پر گدائی کو ترجیح دیتا تھا اور ارادہ کر لیا تھا کہ گیروا کپڑے پہن کر پہلے قطب صاحب کے مزار پر جاؤں اور وہاں سے اجمیر شریف اور پھر کعبۃ اللہ چلا جاؤں مگر فوج والوں نے مجھے نہ جانے دیا۔

باغی سپاہیوں نے میگزین اور خزانہ سرکاری لوٹا اور جو چاہا سو کیا نہ تو لوٹ مار میں سے میں نے اُن سے کچھ لیا اور نہ خود انھوں نے ہی مجھے کچھ دیا۔ ایکدن وہ زینت محل کے مکان کے لوٹنے کے ارادے سے بھی گئے تھے مگر کامیاب نہ ہوئے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر وہ میرے اختیار میں ہوتے یا میں اُن سے ملا ہوا ہوتا تو ایسی حرکتیں کیوں ہوتیں اور وہ محل میری بیوی کو قید کرنے کے لیے مانگنے کی جرأت کیسے کرتے۔ چہ جائیکہ ایک غریب آدمی کی بیوی کو بھی کوئی نہیں مانگ سکتا۔

قمر حبشی نے مجھ سے مکہ جانیکی رخصت حاصل کی تھی میں نے اُسے ایران نہیں بھیجا اور نہ کوئی خط شاہ ایران کو اسکی معرفت روانہ کیا۔ جس کسی نے یہ خبر دی ہے غلط ہے۔ محمد درویش والی درخواست میری تحریر نہیں ہے کہ اُس پر اعتبار کیا جائے اگر میرے یا میاں حسن عسکری کے کسی دشمن نے اُس درخواست کو بھیجا ہو تو وہ قابل اعتبار نہیں۔

باغی فوج کی یہ حالت تھی کہ اُس نے کبھی مجھے سلام تک نہیں کیا اور نہ میرا کبھی ادب کیا وہ جوتیاں پہنے دربار خاص اور دار الریاست میں پھرا کرتے تھے۔ جس حالت میں کہ انھوں نے اپنے آقاؤں کو قتل کیا میں کیونکر اُن پر بھروسہ کر سکتا تھا جس طرح انھوں نے انھیں قتل کیا اُسی طرح مجھے قید کیا مجھ پر ظلم کیے اپنی حراست میں رکھا اور میرا نام کرنے کے لیئے جو کچھ چاہا

ملازموں خصوصاً حکیم احسن اللہ خان محبوب علیخاں اور ملکۂ زینت محل کو انگریزوں سے سازش رکھنے کا الزام بھی لگاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم انھیں اس حرکت پر مار ڈالیں گے چنانچہ اُنھوں نے ایک دن حکیم احسن اللہ خان کا مکان لوٹ لیا اور مار ڈالنے کے ارادہ سے قید بھی کر لیا مگر جب اُنھوں نے بہت منت وسماجت کی تو اس ارادے سے باز رہے مگر ابتک قید کر رکھا تھا۔ اسکے بعد اُنھوں نے میرے اور ملازموں مثلاً شمشیر الدولہ ملکۂ زینت محل کے وال کو قید کیا۔ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ مجھے تخت سے اُتار کر مرزا مغل کو تخت نشین کر دیں گے ایسی حالت میں یہ امر غور طلب ہے کہ میرے کسقدر اختیارات تھے اور میں کیونکر اُن سے مطمئن ہو سکتا تھا۔

افسرانِ فوج اسقدر گستاخ ہو گئے تھے کہ اُنھوں نے مجھسے درخواست کی کہ ملکۂ زینت محل کے تعلقات انگریزوں سے دوستانہ ہیں وہ ہمیں دیدیجائیں کہ ہم اُنھیں قید کر لیں۔ اگر اُس وقت میرا اختیار ہوتا تو یہ ممکن تھا کہ حکیم احسن اللہ خاں اور محبوب علیخان قید ہو جاتے اور احسن اللہ خان کی جائداد لٹ جاتی۔

باغی سپاہیوں نے ایک اجلاس قائم کر رکھا تھا جس میں تمام اُمور پر بحث ہوا کرتی تھی اور جو بات بعد بحث قرار پاتی تھی اُس پر عملدرآمد ہوتا تھا مگر میں کبھی انکے ان جلسوں میں شریک نہیں ہوا۔ اسی طرح اُنھوں نے نہ صرف بہت سے آدمیوں ہی کو لوٹا بلکہ چند بازار کے بازار لوٹکر جسکو چاہا مار ڈالا اور جسکو چاہا قید کر لیا اور سوداگروں اور شہر کے معزز اشخاص میں سے جس کا مال اچھا پایا ضبط کر لیا۔

جو کچھ ہوا وہ باغی فوج کی وجہ سے ہوا میں اُنکے ہاتھ میں تھا کیا کر سکتا تھا۔ اُنھوں نے تو مجھے بیخبری میں آکر قید کر لیا تھا۔ میں بالکل بے بس تھا اور مجھپر کچھ ایسا خوف طاری ہو گیا تھا

مقرر ہو گئے۔

میری مُہر اور میرے دستخطی احکام کے متعلق صاف صاف بات تو یہ ہو کہ جس دن سپاہیوں نے انگریزوں کو قتل کیا اُسی دن اُنھوں نے مجھے بھی اپنا قیدی بنا لیا اور جیسا کہ اب تمھارے ناؤمیں ہوں اسیطرح اُس وقت اُنکے بس میں تھا جس طرح کے احکام اُنھوں نے چاہے لکھوائے اور اُن پر مجھسے جبر مہر کرائی۔ کبھی تو وہ احکام کے مسودے میرے پاس لاتے تھے اُنھیں میرے سکتر سے صاف کراتے تھے اور کبھی صاف شدہ حکم لاتے تھے اور مسودے دفتر میں چھوڑ جاتے تھے اسی سبب سے مختلف خطوں کے مسودے اس کارروائی میں شامل ہیں۔ اکثر سادے لفافوں پر اُنھوں نے مہر کرائی جس میں مجھے نہیں معلوم کیا کیا کاغذات کس کس کے نام اُنھوں نے بھیجے۔ اسی کارروائی میں ایک یہ درخواست بھی ہے جو کسی نامعلوم گروہ کے نام مکھن لال نے لکھی تھی اور جس میں فہرست احکام ہے جو اُس دن جاری ہوئے تھے۔ چنانچہ اُس میں تشریح موجود ہے کہ اس قدر احکام فلاں فلاں شخص کی ہدایت سے جاری ہوئے اور اسقدر فلاں شخص کی ہدایت سے اور ایک بھی میرے حکم سے نہیں جاری ہوا جیسا کہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس نے جو احکام چاہے بلا اجازت میرے جاری کیئے اور اُسکے متعلق مجھے بھی آگاہ نہ کیا اور میں اور میرا سکتر اپنی جانوں کے خوف کے مارے کچھ کہہ بھی نہ سکتے تھے۔ جن درخواستوں پر میرے حکم تحریر ہیں اُنکی بھی یہی حالت ہو جب کبھی سپاہی یا مرزا مغل یا مرزا خیر سلطان یا ابوالبکر کوئی حکم میرے پاس لائے تو اپنی مرضی کے احکام بھی علٰحدہ کاغذ پر لکھتے لائے اور اُنکو بجنسہ درخواستوں پر لکھ دینے کے لیئے مجھے مجبور کیا نوبت ایں جا رسید کہ وہ لوگ اس قسم کی دھمکیاں بھی دیا کرتے تھے کہ جو شخص ہماری مرضی پر نہ چلے گا تو پچھتائیگا اور جان کے خوف سے میں کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ ساتھ ہی اُنکے دو میرے

پکڑ لائے (جنکو اُنھوں نے میگزین میں سے گرفتار کیا تھا) اور اُنھیں قتل کرنا چاہا میں نے
اُنکو قتل کرنے سے روکا اور بارے وہ اُس وقت مان گئے۔ مگر اُنھیں اپنی ہی نگرانی میں قید
رکھا اس کے بعد بھی دو مرتبہ اُنھوں نے انگریزوں کو قتل کرنا چاہا مگر میں نے اُنھیں منت
سماجت کرکے قتل سے باز رکھا مگر آخر مرتبہ باوجود میری منت سماجت کے اُنھوں نے کچھ
پروا نکی اور ان بیچاروں کو قید خانہ سے لاکر قتل کرڈالا۔ میں نے اِس قتل کے لیئے خود کوئی
حکم نہیں دیا مرزا مغل اور میرزا خیبر سلطان و مرزا ابو البا قر اور بعض میرے مصاحب نے جو
سپاہیوں سے ملے ہوئے تھے ممکن ہے میرا نام لے دیا ہو مگر جہانتک مجھے علم ہے
اُنھوں نے ایسا نہیں کیا اور نہ مجھے یہ علم ہے کہ میرے مسلح ملازم بغیر میرے حکم کے
اس قتل میں شریک ہوئے ہوں اگر اُنھوں نے ایسا کیا بھی ہوگا تو مرزا مغل کے کہنے سے
شاید کیا ہو؟ بعد قتل کے مجھے نہیں معلوم کیا ہوا۔ باوجود اس امر کی شہادت کرنے کے کہ مسٹر
فریزر اور کمانڈنٹ گارڈ کے قتل میں میرے ملازم شریک تھے میں یہی جواب دونگا کہ میں نے
کوئی ایسا حکم نہیں دیا۔ اگر اُنھوں نے ایسا کیا تو اپنی ہی مرضی سے کیا ہوگا مجھے نہ اس کا
علم ہوا نہ اطلاع ملی۔ میں خدا کو گواہ کرکے حلفیہ کہتا ہوں میں نے فریزر صاحب اور انگریزوں
کے قتل کے لیئے کبھی کوئی حکم نہیں دیا۔ مکند لال وغیرہ گواہوں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ
محض غلط ہے۔ مرزا مغل اور مرزا خیبر سلطان و ابو البا قر باغیوں سے ملے ہوئے تھے۔ اگر
اُنھوں نے کوئی حکم دیا ہو تو تعجب نہیں۔ ان واقعات کے بعد باغی مرزا مغل، مرزا خیبر سلطان
و ابو البا قر کو میرے پاس لائے اور کہا کہ ہم اُنھیں اپنا افسر بنانا چاہتے ہیں۔ اول تو میں نے
اُنکی یہ درخواست نامنظور کی مگر جب اُنھوں نے اصرار کیا اور مرزا مغل بھی بگڑ کر اپنی ماں کے
پاس چلے گئے تو میں خاموش ہو رہا اور پھر طرفین کی رضامندی سے مرزا مغل فوج کے سپہ سالار

بلوہ سے پیشتر بلوہ کے متعلق مجھے اطلاع ۱۱ مئی صبح کو کوئی آٹھ بجے بیجری کی حالت میں باغی سواروں نے میرے محل کے دریچوں کے نیچے کھڑے ہو کر غل مچانا شروع کیا کہ انگریزوں نے کارتوسوں پر گائے اور سور کی چربی ملاکر ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہب میں خلل اندازی کرنی چاہی تھی اس لیئے ہم تمام انگریزوں کو قتل کر کے میرٹھ سے چلے آتے ہیں۔ جس وقت میرے کانوں میں انکی یہ صدا پہنچی تو میں نے حکم دیا کہ دریچوں کے زیریں دروازے فوراً بند کر دیئے جائیں اور اس بات کی خبر قلعہ کے افسر گارڈ کو کر دیجائے یہ پیغام پاکر وہ فوراً میرے پاس آیا اور یہ خواہش کی کہ میں خود نیچے جاکر سواروں سے گفتگو کروں اور اُسنے دروازوں کے کھولنے کے لیئے کہا میں نے صاف اُسے اس حرکت سے باز رکھا تو اُس نے کٹھرے کے پاس جاکر سواروں سے گفتگو کی اور مجھسے یہ کہکر چلا گیا کہ میں ابھی جاکر اس کا بندوبست کرتا ہوں تھوڑی ہی دیر کے بعد فریزر صاحب نے دو توپیں اور افسر گارڈنے دو پالکیاں منگا بھیجیں کہ جو میمیں اُسکے پاس تھیں وہ محلسرا میں چھپا دیجائیں۔ پالکیاں تو میں نے فوراً بھجوا دیں اور توپوں کے لیئے حکم دیدیا پالکیاں روانہ ہی ہوئی تھیں کہ مجھے فریزر صاحب و کمانڈنٹ گارڈ اور اُن میموں کے قتل کی جو کمانڈنٹ کے ساتھ ٹھہری ہوئیں تھیں خبر لگی۔

اس خبر کو کچھ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ باغی دربار خاص میں گھس گئے اور صحن و دربار خاص اور دار الریاست پر قبضہ کر کے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا اور خاص سنتری تعینات کر دیئے میں نے اُن کا مطلب دریافت کیا اور التجا کی تم یہاں سے چلے جاؤ۔

اس کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ تم خاموش تماشا دیکھے جاؤ ہم اپنی جانیں کھیل رہے ہیں جو ہمارے اختیار میں ہے اس کے کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے جان کے خوف سے میں خاموش ہو کر اپنے ر[illegible] میں چلا گیا قریب شام مفسد کچھ انگریزوں اور میموں کو

اس اعلان میں اور بخت خان کے اعلان میں فرق تھا۔

وہابی کئی مقامات سے آئے تھے مثلاً۔ جیپور۔ بھوپال۔ ہانسی حصار اور کچھ ولایتی بھی تھے مگر مجھے کسی خاص مقام کا نام یاد نہیں جہاں سے وہ آئے۔ یہ تمام تفصیل مرزا مغل کے محافظ خانہ میں تھی۔

شہر کے باہر و اندر ہندو بھی انگریزوں کے ایسے ہی دشمن تھے جیسے ابتدا میں مسلمان تھے مگر جب بخت خان نے آکر مسلمانوں کو جمع کیا اور مولویوں کو فتویٰ دینے پر مجبور کیا جسکی رو سے انگریزوں پر مسلمانوں کو جہاد کرنا واجب ہو جائے تو مسلمانوں میں جوش بڑھ گیا اور انگریزوں کے خلاف غول کے غول کھڑے ہو گئے۔

بلند شہر و علیگڈھ و میرٹھ وغیرہ میں ہندو انگریزوں کے ایسے دشمن تھے جیسے کہ مسلمان ایک مرتبہ بخت خان نے بادشاہ سے یہ بھی کہا تھا کہ اخوند سوات کے پاس سے ایک آدمی آیا ہے۔ دوسرے دن پیرزادہ حسن عسکری نے دو آدمیوں کو پیش کیا اُن میں سے ایک نے اخوند کی جانب سے ایک تلوار پیش کی۔

اُنیسویں دن مختلف تحریرات اور اُنکے خلاصے جو متعلق بلوہ تھے ترجمان نے قیدی کے روبرو پڑھے اور ترجمہ کر کے عدالت میں پیش کیے

بیسویں دن قیدی نے بزبانِ اُردو جواب دعویٰ پیش کیا جو ترجمان نے بجلسہ عدالت کو قیدی کے روبرو پڑھکر سنایا اور بعد میں ترجمہ کے لیئے اُسے دیا گیا۔

(اکیسویں دن کی کارروائی)

جج ایڈوکیٹ نے قیدی کا حسب ذیل جواب دعویٰ پڑھا

میں حسب ذیل واقعات پیش کرتا ہوں۔

ہاتھی اختیار کرنے پر راضی ہے۔ بادشاہ نے یہ درخواست بخت خاں کے پاس بھیجدی تھی۔ کہ اس کا کیا جواب دیا جائے۔ اُس نے یہ رائے دی تھی کہ فوج تین ڈویژن میں تقسیم کی جائے پہلے ڈویژن میں دہلی و میرٹھ کی پیادہ رجمنٹیں۔ دوسرے میں بخت خاں کی ہمراہی فوج و نیمچ والی برگیڈ بریلی اور سرسہ کے آدمی۔ اور تیسرے میں باقی کل فوج۔ بادشاہ نے مرزا مغل کو بلایا اور یہ رائے اُنکے سامنے بیان کی۔

بخت خاں کے اس عہدہ پر ممتاز ہونے کی وجہ یہ بھی تھی کہ جب وہ دہلی میں آیا تو اُس نے بادشاہ کو یہ مشورہ دیا کہ اپنے بیٹوں کے ہاتھ میں اسقدر اختیار نہ دو اور سمجھایا کہ اگر کل احکام میرے نام لکھے جائیں تو بادشا کے مقصد کے موافق کارروائی ہوگی۔

بادشاہ پہلے ہی سے اپنے لڑکوں کی عدول حکمی کیوجہ سے غیر مطمئن تھے اس لیئے بخت خاں کی نصیحت بادشاہ کی خواہش کے موافق اُتری اور روز بروز بادشاہ کی نظروں میں اُسکی قدر بڑھتی گئی۔

وہابی

مفسدہ کے زمانے میں ٹونک سے کچھ وہابی آئے اور یہ شکایت کی کہ ہم لوگ بھوکے مرے جاتے ہیں۔ تو ہمیں کچھ روپیہ دیا۔ کسی قسم کی مدد کی۔ یہ لوگ اور مقامات سے بھی آئے تھے۔

بخت خاں و مولوی محمد تقی رسالدار و مولوی امام خاں رسالدار و مولوی عبدالصمد و مولوی سرفراز علی بھی وہابی تھے۔ بخت خاں نے سرفراز علی کو مجاہدین کا پیشوا مقرر کردیا اور اُن کی مدد کرتا رہا۔ ان وہابیوں نے ایک اعلان چھپوا کے شائع کیا اور تمام مسلمانوں کو مذہبی لڑائی لڑنے کے لیئے نوید دی۔ ایک فتویٰ بھی اس بارہ میں شائع ہوا تھا کہ تمام مسلمان تیار کریں اور جو جہاد نہ کریگا اُس کا گھر بار لوٹ لیا جائیگا۔

میرٹھ میں کوئی عامل مقرر نہیں ہوا۔ بلند شہر کی گورنری ولید داد خان کو دی گئی۔ شاکر زمان خاں کے نام بھی اودھ کی گورنری کا پروانہ جاری ہو گیا تھا مگر وہ وہاں نہیں گیا۔ علیگڑھ کے لیے کوئی نامزد نہیں ہوا۔ روہیلکھنڈ میں خان بہادر خان گورنر تھا۔ علاوہ اس کے اور تقرر نہیں ہوئے کوئی شخص راجپوتانہ نہیں گیا۔ اور اگرچہ ایک شخص ضلع گوڑگانوہ کے لیے نامزد ہو گیا تھا مگر وہ ضلع کا چارج لینے کبھی نہیں گیا۔

اصولِ فوج کی بابت میں کوئی تفصیلی خبر نہیں دے سکتا۔ بادشاہ سے کبھی ان معاملات میں مشورہ نہیں ہوتا تھا۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ جو فوج انگریزوں پر حملہ کرنے کی غرض سے لگائی گئی تھی اور لڑنے والی رجمنٹوں کے موافق تین یا چار سیکشن میں تقسیم ہوا کرتی تھی مثلاً نصیر آباد وینیچ سیکشن وغیرہ۔ اور اسی طرح حملہ ہونے کے ایک دن پیشتر افسروں نے مرزا مغل کے مکان پر مشورہ کرکے اس کا انتظام کر لیا تھا۔ باقی رجمنٹوں میں بلا تمیز سپاہی جہاں جی چاہا شامل رہے۔ گوری شنکر نے افسروں کو جمع کرنے اور اُنکو اُس درجہ پر لگانے کی اجازت حاصل کر لی تھی جس درجہ پر وہ انگریزی ملازمت میں تھے۔ مگر یہ بات بھی نہیں چلی۔ ہر شخص اپنے رتبہ پر برقرار رہا۔

فوج میں مناسب قاعدہ جاری رہنا میری رائے میں ناممکن تھا۔ بخت خان کے گورنر جنرل کیے جانے پر فوج بہت ناخوش ہوئی تھی۔ دراصل اُنھوں نے ایک درخواست بادشاہ کو دی تھی اور اس میں بخت خان کی ماتحتی میں رہنے سے ناراضگی ظاہر کی تھی اور یہ لکھا تھا کہ بخت خان محض توپخانہ کا افسر ہے اُسے گورنری سے کیا کام؟ نہ وہ خزانہ اپنے ہمراہ لایا اور نہ بادشاہ کی تعظیم کرتا ہے۔ مرزا مغل بادشاہ کے صاحبزادے جنھیں فوج کے معاملے میں پورے اختیارات حاصل ہیں گورنر جنرل کے عہدے کے شایاں ہیں اور فوج بھی اُن کی

اور فوج میں شاہزادوں کو مداخلت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ انصاف کرنا منتیوں اور صدرصدور کا کام ہے اور فوج اور افسران مال اُس میں مداخلت نہ کریں۔ مگر اس حکم پر کبھی عملدرآمد نہیں ہوا۔ شاہزادے فوج کے معاملات میں برابر دست اندازی کرتے تھے۔
بادشاہ نے وصول مالگزاری کے لیئے خود تو کسی تحصیلدار کو تعینات نہیں کیا مگر بخت خان نے پلول ہوڈل و شاہدرہ میں تحصیلدار مقرر کئے۔ اور گوڑگانوہ میں ایک ضلعدار تعینات کیا مگر مالگزاری دانہ وصول ہوئی۔ شاہزادوں نے بھی وصول مالگزاری کی غرض سے اپنی فوج بھیجنے کا ارادہ کیا مگر یہ ارادہ عمل میں نہیں آیا۔ مولوی حیر احمد آگرہ والے و شاہزادہ مرزا حیر سلطان و مرزا مغل میر عدالت مقرر ہوئے تھے۔ کوتوال و تھانہ دار شہر میں تعینات ہوئے تھے اُن میں سے مجھے ایک کا بھی نام یاد نہیں۔ ابتدا میں معین الدین حسن خان پسر نواب قدرت اللہ خان ساشندہ دہلی کوتوال شہر مقرر ہوئے تھے مگر جب انھوں نے رعایا کو دنانا شروع کیا تو انھیں علحدہ کردیا۔ اُس کے بعد یہ جگہ خواجہ واجب الدین خان کی سفارش پر قاضی فیض اللہ کو دی گئی اور اُسکے بعد میر مبارک شاہ باشندہ علاقہ رامپور کو دیگئی۔ سمت گڈہ و مہرولی و شاہدرہ و پہاڑ گنج و مدد پور پر تھانہ دار مقرر ہوئے تھے۔ مگر مجھے اُن میں سے کسی کا نام یاد نہیں۔ بادشاہ زادوں کے علاوہ بخت خان بھی ان معاملات میں دخل دیا کرتا تھا۔ اُس نے تھانہ داروں کو یہ حکم تحریر کرادیا تھا کہ بخت خاں کے حکموں کی تعمیل کیجائے۔

سپاہی کہا کرتے تھے کہ جب تمام ملک کو فتح کر لینگے تو مختلف صوبے چند شہزادوں کے سپرد کردیئے جائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ انتظام کے لیئے بہت آدمی مقرر نہیں ہوئے تھے اور جسقدر تعینات ہوئے تھے وہ سب یا تو بخت خان کے مقرر کردہ تھے یا شہزادے تھے۔

بندیلکھنڈ - جبلپور - مالوہ - ملک دکن - مجھے یاد نہیں کہ ان مقامات سے بھی آئیں تھیں یا نہیں۔

نظام حیدر آباد دکن - کچھ - گجرات - صوبجات مشرقی - کلکتہ - بارکپور منگیر - دیناپور - نہ تو نظام سے خط و کتابت ہوئی اور نہ کسی اور جگہ سے درخواستیں آئیں **پٹنہ** - نہ نواب پٹنہ ہی کی کوئی درخواست آئی اور نہ کسی اور شخص سے دہلی والوں کی خط و کتابت ہوئی **پنجاب** - نہ تو پنجاب اور نہ دوآب کے زمینداروں کے خط آئے اور نہ یہاں سے وہاں خط گئے۔ میں نے نہیں سُنا کہ فوج نے پنجاب سے کرایہ کے آدمی بلائے تھے۔

اقوام بندیلا کے پاس سے نہ تو خط گئے نہ جواب گئے۔ اور نہ اُن میں سے کوئی آیا۔

بادشاہ اور سوات کے اخوند سے خط و کتابت نہیں ہوئی مگر بخت خاں نے دو آدمیوں کو یہ کہکر کہ اخوند کے پاس سے آئے ہیں بادشاہ سے ملایا تھا اور حسن عسکری اُنھیں بادشاہ کے روبرو لے گیا تھا۔ یہ دونوں ولایتی (افغانی) تھے۔ اُن میں سے ایک نے جو کسیقدر معزز معلوم ہوتا تھا ایک تلوار اخوند کی طرف سے بادشاہ کو نذر کی اور ایک خط اخوند کا مُہری بھی دیا تھا اُس میں تحریر تھا کہ حامل اخوند کا خلیفہ ہے۔ اُس نے التجا کی کہ شہر میں یہ بات مشہور کردیجائے کہ اخوند کے پیرو مذہبی لڑائی میں شریک ہونیکی غرض سے دہلی آرہے ہیں۔ اس بات کو بادشاہ نے مشتہر کردیا۔ مگر دوسرے دن ایک سید نے (جس کا نام مجھے یاد نہیں) بادشاہ سے کہا کہ یہ شخص اخوند کا بھیجا ہوا نہیں اور نہ اُس کا پیرو ہے اور یہ تحریر بھی جعلی ہے۔ بادشاہ نے اس بات کی تحقیق کے لیئے بخت خان کو حکم دیا مگر مجھے یہ نہیں معلوم کہ اِس معاملہ میں بخت خان نے کیا کارروائی کی۔ ہاں اتنا معلوم ہے کہ وہ آدمی تین دن کے بعد دہلی سے چلا گیا۔

بادشاہ کی انتظامی حکمت عملی - ایک دفعہ یہ حکم جاری ہوا تھا کہ عام انتظام ریاست

ہوکر ایک حصہ میں مرگیا بخت خاں کے سائل کے حقوق استمراری کی نسبت ایک پروانہ حاصل
کرلیا تھا مگر چونکہ امراؤ بہادر مرچکا تھا اس لیئے وہ پروانہ عطیہ دار کے پاس نہ پونہچ سکا۔
آگرہ اس ضلع سے کوئی درخواست نہیں آئی مگر میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ وہاں سے مولوی
فیض احمد ڈاکٹر وزیرخاں (سب اسسٹنٹ سرجن) آئے تھے آخر الذکر شخص انگریزی خوب جانتا تھا
بخت خاں نے اُسکی سفارش کرکے گورنر آگرہ مقرر کرادیا تھا جب بخت خاں دہلی سے بھاگا
تو وزیرخاں بھی اُس کے ساتھ ہی بھاگ گیا۔
علیگڈھہ۔ کانپور۔ فتحگڈھہ۔ ان ضلعوں سے بھی خط وکتابت نہیں ہوئی۔
مینپوری۔ راجہ مینپوری نے ایک درخواست میں فوج مانگی تھی۔ بادشاہ نے مرزا مغل کو
حکم دیا کہ فوجی افسروں سے مشورہ کرنے کے بعد وہاں فوج بھیجنے کا بندوبستکرو مگر دوسرے
دن افسروں نے کہا فوج وہاں جانے پر ابھی راضی نہیں ہے جب تک وہ انگریزوں کو یہاں سے
نہ نکالدیگے وہاں نہ جائیں گے۔ چنانچہ اس مضمون کا جواب بھیجدیا گیا۔ وہاں سے اور آدمیوں
کی درخواست آئی۔
گورکھپور۔ فتحپور مسوا۔ جہانتک مجھے یاد ہے نہ توان ضلعوں سے اور نہ ضلع گاؤں
سے کوئی درخواست نہیں آئی۔
الہ آباد میں پہلے بیان کرچکا ہوں کہ الہ آباد سے مولوی لیاقت علی آئے تھے اور انہیں
وہاں کا گورنر مقرر کیا گیا تھا اور کسیکی درخواست نہیں آئی۔
راجہ ریوا۔ نہ کوئی شقہ اُن کو بھیجا گیا اور نہ اُن کے پاس سے کوئی تحریر آئی۔
اعظم گڈھ۔ شاہجہانپور۔ اٹاوہ۔ غازیپور۔ بنارس۔ گیا۔ ان ضلعوں سے
بھی کوئی خط وکتابت نہیں ہوئی۔

زمینداروں کی بھی کوئی درخواست نہیں آئی۔

میرٹھ۔ یہاں سے بھی کوئی درخواست نہیں آئی۔

بلند شہر۔ ولیداد خان کا حال میں بیان کرچکا ہوں اور یہاں سے بھی کوئی درخواست یا تحریر کسی فرقہ کے نام نہیں آئی۔

سہارنپور و مظفر نگر۔ اس ضلع سے کسی سے خط وکتابت نہیں ہوئی۔

بجنور۔ اس ضلع کے زمینداروں کی درخواست تھی کہ اس ضلع کا انتظام بادشاہ اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ انکو جواب دیا گیا تھا کہ فوج جسوقت تمہاری ضلع میں پہنچے گی اُس وقت انتظام اختیار کیا جائیگا۔ غدر سے تین مہینے بعد یہ درخواست آئی تھی۔

مراد آباد۔ نہ تو وہاں سے کوئی درخواست آئی اور نہ دہلی سے کوئی تحریر وہاں گئی۔

بریلی۔ خان بہادر خاں (جسے بخت خان نے وہاں کا حاکم مقرر کیا تھا) نے ایک ایجنٹ کے ہاتھ ایک درخواست بھیجی اور ایک ہاتھی اور ایک گھوڑا اور سو اشرفیاں بادشاہ کے لیئے نذرانہ بھیجیں۔ مجھے ایجنٹ کا نام تو یاد نہیں مگر بخت خان نے اُسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا تھا اس کے جواب میں ایک شقہ گیا کہ ہم تمہارے انتظام سے بہت خوش ہیں اور وصولات سے بعد خرچ کے جو کچھ بچا ہو اُسے فوراً دہلی روانہ کردو۔

بدایوں و پیلی بھیت۔ ان ضلعوں سے بھی کوئی درخواست نہیں آئی۔

متھرا۔ ڈونڈے خان کے بھائی جاگیردار گڑھی نے درخواست کی کہ جو جاگیر گورنمنٹ انگریزی نے میرے ضبط کرلی ہے وہ چھوڑ دیجائے۔ بخت خان نے اس پر سفارش کی۔ یہ درخواست غدر سے کوئی تین مہینے بعد آئی تھی۔ بخت خان نے عامل درخواست کو فوج کے ساتھ انگریزوں پر ایک ہی حملہ میں شریک ہونے کی درخواست کی مگر وہ شخص (رام اور بہادر) اُس موقع پر زخمی

نام مجھے یاد نہیں جو پیشتر انگریزوں کی ملازمت میں گوڑ گانوہ میں تعینات تھا مبعوث کیا جائے چنانچہ یہ شخص ضلعدار یعنی انچارج ضلع مقرر کیا گیا۔ مگر مجھے یہ خبر نہیں کہ وہ گوڑ گانوہ گیا بھی یا نہیں۔ دہلی فتح ہونے سے صرف پندرہ یا بیس روز پیشتر ہی اس شخص کا تقرر ہوا تھا۔ علاوہ ازیں الحق نے چند تحصیلدار بھی ضلعدار کے نیچے مقرر کئے تھے۔

ریواڑی راؤ تلارام ریواڑی کے استمراری بندوبست دار نے بخت خان کی معرفت اپنے ایجنٹ کے ہاتھ ایک درخواست بھیجی اور لکھا کہ میں علاقہ کا انتظام کر رہا ہوں اور جو واصلات متصل حال سے ہوئے تھے وہ فوج میں صرف ہو گئے۔ جاگیر مستقل طور سے ملنے کی امید پر اس نے پینتالیس ہزار روپیہ بطور نذرانہ بھیجے چنانچہ بخت خان نے ایک پروانہ ریواڑی کی مستقل جاگیرداری کا تلارام کے نام حاصل کر لیا۔ یہ کارروائی غدر ہونے سے تین ماہ بعد ہوئی اور دہلی فتح ہونے سے دس روز پیشتر چالیس ہزار روپیہ خزانہ شاہی میں داخل کر دیا۔

بادشاہ پور بادشاہ پور کے زمینداروں نے ایک تحصیلدار کے لئے درخواست کی جس پر ضلع دار کو انتظام کرنے کا حکم دیا گیا۔

دہلی شہر کے باہر سے کسی گروہ نے کسی قسم کی درخواست نہیں کی۔

رہتک یہاں والوں نے کوئی درخواست بادشاہ کو نہیں کی مگر بعضوں نے رسد کا انتظام کیا تھا۔ **حصار** جیتنانہ حصار اور محکمہ پرمٹ کے حکام نے بادشاہ کو درخواستیں بھیجیں اور لکھا کہ ہمیں دہلی آنے کا شوق لگا ہوا ہے۔ درخواست کنندوں کے نام تو مجھے معلوم نہیں مگر یہ درخواستیں غدر سے دو مہینے بعد آئی تھیں۔

کرنال یہاں سے کوئی درخواست نہیں آئی۔

سرسہ شاہزادہ محمد عظیم کے چال چلن کا حال میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں اس ضلع کے

صدر بورڈ نے دہلی آکر شاہی ملازمت اختیار کی۔

نواب رامپور کو بھی شقہ بھیجا گیا تھا مگر وہاں سے بھی کوئی جواب نہیں آیا۔ بخت خان نے وہاں بھی خط لکھنے پر بادشاہ کو مجبور کیا تھا اور کہا کہ جب میں رامپور گیا تو نواب صاحب نے کسی کی طرفداری نہ کرنیکا وعدہ کیا تھا۔

نواب امین الدین خان و ضیاء الدین خان جاگیرداران لوہارو و حسن علیخان برادر نواب جھجھر و نواب حامد علیخان اُس وقت دہلی ہی میں تھے اُنھیں اور راجہ سنگھ مہاراجہ پٹیالہ کے چچا کو بادشاہ سے ملاقات کرنے کے شقے بھیجے گئے تھے اِن میں سے کسی نے شقوں کا تحریری جواب نہیں دیا مگر تعمیلاً بادشاہ سے ملاقات کرنے گئے اور جب فوجوں کے آنے پر اُن سے روپیہ وغیرہ کی امداد مانگی گئی تو سب نے کچھ نہ کچھ بہانہ کر دیا اور کوئی رقم نہ بھیجی۔ اسی وجہ سے سواروں نے انھیں لوٹ لینے کا ارادہ کر لیا تھا اور چنانچہ ایک مرتبہ اپنے اس ارادہ کو پورا بھی کیا۔ مرزا ابوبکر بادشاہ کے پوتے نے جو باقاعدہ فوج کے افسر تھے نواب حامد علیخان کے گھر کو لوٹ لیا اور اُنھیں قید کر کے قلعہ میں لیگئے۔ نواب ضیاء الدین خان اور امین الدین خان نے فوج کا مقابلہ کیا اور اس لیئے وہ اُنکے چنگل سے بچ گئے۔

رئیس بہادر کو بھی شقہ گیا تھا مگر اُس نے بھی جواب نہیں دیا۔ مجھے یاد نہیں کہ رئیس دوجانہ کو بھی کوئی شقہ لکھا گیا تھا مگر وہاں سے کوئی درخواست نہیں آئی تھی۔

اب میں اُن ضلعوں کا تذکرہ کروں گا جہاں کی رعایا کی طرف سے درخواستیں آئیں تھیں گوڑگانوہ۔ یہاں کے خاص زمینداروں نے ایک درخواست میں بادشاہ کو اطلاع دی کہ ضلع کی حالت خراب ہے آپ کسی افسر کو انتظام کے لیئے تعینات کریں۔ اسپر مولوی فیض الحق نے جو الور سے آئے تھے یہ تجویز پیش کی کہ اُنکا بھانجا جس کا۔

معاہدے کے تین ماہ بعد ہوا۔

نانا صاحب کے پاس سے کوئی درخواست نہیں آئی مگر غدر ہونے کے دو ماہ بعد اُس کے ایجنٹ (مرہٹے) دہلی کو مرزا مغل نے بادشاہ کے روبرو پیش کیا مرزا کے کہنے سے بادشاہ نے اُسے ایک شقہ نانا صاحب کو دہلی آنے کے لیے لکھا اور ایجنٹ وہ رقعہ لے کر واپس چلا گیا۔

بنک والوں کی بھی درخواستیں نہیں آئیں البتہ سیٹھ لکھمی چند سے فوجوں کے آنے پر ایک لاکھ روپیہ قرض منگایا گیا تھا اُسے یہ بھی لکھا گیا تھا کہ ایک ایجنٹ خزانہ کی سپردگی کے لیے بھیجو قرضہ کے عوض میں وصولی مالگزاری اُس کے سپرد کر دے اور اُس کے علاوہ سود دینے کا بھی وعدہ کیا تھا مگر سیٹھ نے کچھ جواب نہیں دیا۔

میرے علم میں کسی سرکاری ملازم کی درخواست نہیں آئی البتہ یہ سنا تھا کہ بلند شہر کا ایک مسلمان جو سرکار انگریزی کے ہاں ایک ممتاز افسر تھا ولیداد خاں سے مل گیا تھا مجھے اُس کا نام یاد نہیں۔ مفتی صدر الدین صدر امین اعظم و کرم علی خاں مصنف و مولوی عباس علی صدر امین دہلی اور مرزا محمد علی بیگ تحصیلدار مہرولی کے پاس شقے بھیجے گئے تھے کہ وہ اُن عہدوں پر جن پر وہ سرکار انگریزی کے ہاں ممتاز ہیں بادشاہی ملازمت اختیار کر لیں مگر اُن سب نے انکار کر دیا میں نے سنا ہے کہ جب بخت خاں نے کل دہلی کے مولویوں اور علماء کو جامع مسجد میں جمع کر کے انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ دینے کے لیے مجبور کیا تو بخت خاں نے مفتی صدر الدین کو بھی فتوے پر دستخط کرنے کے لیے مجبور کیا۔ مولوی عباس علی بخت خاں کے آنے سے پیشتر ہی دہلی چھوڑ کر حصار اپنے گھر چلے گئے تھے

آگرہ سے کسی گروہ کی طرف سے درخواست نہیں آئی البتہ مولوی معین جو ملازم

نہیں بھیجے مگر جب جواب انکی ہی تحریروں کے نہ آئے تو کہنے لگے تمام رئیس نمکحرام ہوگئے
انگریزوں کو مغلوب کرکے انکی بھی خبر لیجائیگی۔

باغیوں میں یہ بھی افواہ تھی کہ رئیس یہ دیکھ رہے ہیں کہ اونٹ کس کل بیٹھتا ہے اور
موجودہ حالات سے خائف ہوکر وہ قطعی رائے قائم نہیں کرتے۔ گوری شنکر ایک نہایت
ہوشیار افسر یہ کہا کرتا تھا کہ دہلی کے سامنے پہاڑیوں پر انگریزی فوج ہم لوگوں کے لیئے
سخت کانٹا ہے جس وقت یہ یہاں سے ہٹادیئے جائیں گے تو تمام معاملہ درست ہوجائیگا
سپاہی یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ابتدا میں انگریزوں کی صرف دو رجمٹیں پہاڑی پر تھیں
جن میں سے اب صرف دو یا تین سو سپاہی رہ گئے ہیں جس وقت یہ لوگ بھی مرجائیں گے
تو انگریز اسی وقت پہاڑی خالی کردینگے۔

فوج کے کسی افسر نے بادشاہ کو نواب بہاولپور سے خط و کتابت کرنیکی رائے نہیں دی
اور نواب نے خود بھی کوئی تحریر بادشاہ کے پاس نہیں بھیجی۔ اسکی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ نواب کو
بادشاہ سے دلی رنج تھا جس کا سبب یہ ہے کہ ایک مرتبہ نواب بہاول خان سابق رئیس بہاولپور
دہلی ہوکر گزرا اس وقت بادشاہ نے ممانعت کردی کہ اس کا بیٹا تاوقتیکہ اپنے ہتھیار نہ کھولدے
اور سامان زیبائش اپنے بدن سے دور نہ کردے دیوان خاص میں نہ گھسنے پائے۔

چکلہ دار یا حاکمان اودہ کی بھی کوئی درخواست نہیں آئی۔

الہ آباد کے سرگروہ مولوی لیاقت علی کی بھی درخواست آئی تھی اس میں لکھا تھا کہ
میں دہلی آنے کے لئے تیار بیٹھا ہوں مجھ پر انگریز اس علاقہ کے دباتے چلے آتے ہیں تھوڑی سی
فوج بھیجدیجئے۔ اسکے آنیکی امید پر اس وقت کوئی جواب نہیں دیا مگر جب وہ دہلی آیا۔ تو
بخت خان نے اسے بادشاہ سے ملایا اور اپنے حاکم لکھنو ہونیکی سند لیکر واپس چلا گیا۔

راجہ گلاب سنگھ کی جانب سے یہ لکھا تھا کہ میں عنقریب اپنے رسالوں سمیت دہلی روانہ ہونے والا ہوں اور راستہ میں مہاراجہ پٹیالہ کو تنبیہ کرتا ہوا دہلی پہنچوں گا۔ چونکہ امیر دوست محمد خاں کا اور میرا بہت اخلاص ہے اس لیئے وہ بھی بادشاہ کی مدد کرنے سے منع نہ کریگے اس شقہ میں راجہ کو مع سامان جنگ کے دہلی آنے کے واسطے لکھا گیا تھا۔

رؤسائے جھجر، بلب گڈھ و فرخنگر و خاں بہادر خان وغیرہ نے دہلی کے توشقوں کا جواب دیدیا مگر راجہ قیام دو کا میلان بادشاہ کی طرف نہ تھا اس لیئے انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا جودھپور اور گوالیار انگریزی حکومت کی دوستی میں مستحکم رہے اور اُسکے رسالوں کی بغاوت سے بھی اُن میں تغیر پیدا نہ ہوا۔

بھرتپور اس وجہ سے شقہ نہیں گیا تھا کہ باغی رسالوں نے بادشاہ سے کہدیا تھا کہ وہاں کا راجہ بچہ ہے اور ریاست کا انتظام انگریزی افسروں کے ہاتھ میں ہے۔

نہ نواب درے ہی خط و کتابت ہوئی اور نہ کنور سنگھ شاہ آباد کے باغی سے و راجہ ملاگڑھ راجہ ریواں۔ نواب باندہ و رؤسائے ناگپور و نواب بہاولپور و کپور تھلہ و رؤسائے شملہ ایجنسی و رئیس نیپال سے بھی خط و کتابت نہیں ہوئی۔

باغی فوج کے دہلی میں جمع ہونے کے بعد جن رئیسوں کے نام انھوں نے بتائے اُن کے نام شقے بھیجے گئے اور چونکہ انھوں نے راجہ نیپال کے نام خط لکھنے کی کوئی ضرورت ظاہر نہیں کی اس لیئے اُس کے نام کوئی خط نہیں لکھا گیا۔

رئیسان گجرات و دکن و وسط ہندوستان و راجستان و در کہ حیدر کے رئیسوں سے بھی خط و کتابت نہیں ہوئی۔

ابتداءً باغی یہ کہتے تھے کہ شاہی نامون نے رئیسوں کو خط ہی نہیں بھیجے جو جواب

وہیں سے کوئی خط آیا۔

جھجھر و بلب گڈھ و فرخنگر کے رئیسوں اور دلبر خان رئیس مالاگڈھ ضلع بلند شہر کی درخواستیں بادشاہ کے پاس بدیں مضمون آئی تھیں کہ ہم حضور کے تابعدار ہیں مگر بدانتظامی کے خیال سے اپنی ریاستیں چھوڑ نہیں سکتے۔ نواب جھجھر نے اپنے خسر عبدالصمد خاں کے زیر کمان تین سوار اور رئیس بلب گڈھ نے پندرہ بھیجے تھے۔ فرخ نگر سے کوئی رسالہ نہیں آیا۔ اور ولید خان نے سواروں اور توپوں کی نسبت استفسار کیا تھا مگر غدر کے بہت عرصہ بعد تک بھی اس نے کچھ نہیں بھیجا۔ اسنے حکومت دواب کا فرمان پاتے ہی دہلی کو فوراً چھوڑ دیا۔ خان بہادر خان نے بخت خان کے توسل سے ایک درخواست اور وکیل بھیجا۔ اور ایک ہاتھی اور ایک گھوڑا مع چاندی کے ساز کے اور ایک سو ایک اشرفیاں نذرانہ میں بھیجیں راؤ تلارام نے کئی درخواستیں سواروں کے روانہ کرنے کی بابت بھیجیں اور چالیس ہزار روپیہ نقد بھیجے جو بخت خان کی معرفت خزانۂ شاہی میں داخل ہو گئے۔ باغی رسالوں کے کہنے سے بادشاہ نے مندرجۂ ذیل رئیسوں کو سوار اور سامان جنگ لیکر آنے کے لیئے شقے بھیجے جھجھر۔ بلب گڈھ۔ فرخنگر۔ خان بہادر خان والیئے بریلی۔ و جیپور و الور و جودھپور و بیکانیر و گوالیار۔ بیجا بائی اور جیلیبر۔ بیجا بائی کے پاس دو شقے بھیجے گئے مگر اس نے ان میں سے ایک کا بھی جواب نہیں دیا۔

بخت خان کی معرفت راجہ پٹیالہ کو بھی ایک شقہ بھیجا گیا تھا اس میں بادشاہ نے اس کا قصور معاف کر کے روپیہ طلب کیا تھا اور انگریزوں کے برخلاف لڑنیکی خواہش کی تھی۔

ایک شقہ راجہ جموں کے نام بھی لکھا گیا تھا اور بخت خان کو روانگی کے لیئے دیا گیا تھا اس شخص نے ایک جعلی درخواست مہاراجہ جموں کی طرف سے لکھکر بادشاہ کو دی اور اس میں

تیار بیٹھے ہیں حسب معمول جواب گیا تھا۔

لُدھیانہ

لُدھیانہ سے ایک درخواست آئی تو ضرور تھی مگر یہ معلوم نہیں کہ کسکی معرفت آئی تھی اور اس کا کیا مضمون تھا البتہ اتنا سُنا تھا کہ وہاں سے بھی رسالے آنے والے ہیں یہ درخواست اگر آئی ہوگی تو ملوہ سے کوئی دو مہینہ بعد آئی ہوگی۔ جواب بھی غالبًا دیا گیا تھا۔

نہ تو کوئی درخواست بنارس۔ اعظم گڑہ۔ گورکھپور کانپور۔ میرٹھ۔ سہارنپور۔ مرادآباد۔ علیگڑہ۔ فتحپور۔ بریلی۔ بدایوں۔ آگرہ۔ شاہجہانپور۔ جالندھر کے رسالوں کی آئی اور نہ امرتسر ہوشیارپور کانگڑہ لاہور۔ اٹک۔ پشاور۔ ملتان گوگیرا گجرات ڈیرہ اسمٰعیلخاں۔ ڈیرہ غازیخاں۔ شاہجہاں پور۔ جالندھر یا لیہ کے رسالوں کی۔

اسی طرح کلکتہ یا بارکپور یا مشرقی صوبوں کی دیگر چھاؤنیوں سے کوئی درخواست نہیں آئی۔ بمبئی یا سندھ کے رسالوں نے بھی کوئی درخواست نہیں بھیجی مگر باغیوں نے بادشاہ سے انکی درخواست آنے اور اُن کے دہلی روانہ ہونے کا تذکرہ کیا تھا۔ میں نے ایک یا دو مرتبہ اس کا تذکرہ سُنا تھا میں تحقیق کے ساتھ درخواست کے آنے یا نہ آنے کی نسبت نہیں کہہ سکتا۔

گوالیار کے رسالوں کی درخواست جیل پر سے کسی مقام سے غدر کے دو ماہ بعد آئی تھی اُنھوں نے لکھا تھا کہ ہمارے پاس پچاس توپیں ہیں اور سامان گولا باری اسقدر ہے کہ اُسکی باربرداری کے لیے پانچ ہزار گاڑیاں درکار ہونگی مگر دریا اسوقت طغیانی پر ہے اور ہم اُسے عبور نہیں کر سکتے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ جب دریا اُتر جائے اُس وقت تم لوگ آجانا۔ نہ تو دہلی کے باغی رسالوں نے میگزین و تحصیل و خزانہ ہیرو تالور کو ٹایا لودی خط بھیجے اور نہ

رسالوں کی درخواست لایا تھا سپاہیوں میں سے کوئی اُس کے ساتھ نہ تھا اُس کا مضمون
یہ تھا کہ ہم پھلور میں بادشاہ کی طرف سے لڑنے کے بعد دہلی روانہ ہونگے حسب معمول
جواب بھیجدیا گیا مگر عرصہ کے بعد اُن میں سے دو سو آدمی دہلی آئے تھے۔

جالندہر

چند سپاہی مسافرانہ حیثیت میں جالندہر کے رسالوں کی درخواست لائے اور رنیٹ رجمنٹ
نمبر ۱۱ ہندوستانی پیدل کے کسی افسر نے اُسے پیش کیا تھا مضمون معمولی تھا اور جواب بھی
ویسا ہی دیا گیا تھا۔

سیالکوٹ

سیالکوٹ سے ایک درخواست بلوہ کے دو مہینے کے بعد بذریعۂ ڈاک آئی تھی اور اس کو دہلی
کی باغی رجمنٹوں کے کسی افسر نے پیش کیا تھا جواب اُس کا چلا گیا تھا مجھے یہ یاد نہیں وہاں سے
کوئی آیا بھی تھا یا نہیں۔

جہلم

جہلم سے درخواست بہت بدیر یعنی بلوہ کے تین ماہ بعد آئی تھی اور رڑکی کے سفر مینا کے افسر
قادر بخش نے اُسے پیش کیا تھا اُس کا مضمون بھی مثل اور درخواستوں کے تھا اور معمولی
جواب بھیجا گیا تھا۔

راولپنڈی

دو سپاہی برہمن مسافروں کے بھیس میں راولپنڈی کے رسالوں کی درخواست لائے تھے
یہ درخواست غدر کے کوئی دو مہینے کے بعد میرٹ رجمنٹ کے کسی افسر نے بادشاہ کے سامنے
پیش کی تھی سائلوں نے لکھا تھا کہ ہم دہلی روانہ ہوئے اور بادشاہ کی خدمت کرنے کے لئے

کرنال

کرنال سے کوئی رسالہ نہیں آیا۔

نصیر آباد

دو سپاہی حسب معمول درخواست لائے جس میں سائلوں نے اپنے دہلی سوار ہونیکا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ مرزا مغل نے یہ درخواست بادشاہ کے سامنے پیش کی اور اس کا معمولی جواب بھیجا گیا۔ دو یا ڈھائی ہزار سوار و پیادے مع توپوں کے دہلی آگئے۔

ساگر و جبلپور

ان دونوں مقامات میں سے بھی درخواستیں آئیں تھیں اور اُن کا جواب گیا تھا۔

پنجاب (فیروزپور)

ایک سپاہی ایک فقیر کے بھیس میں ایک درخواست فیروزپور کے رسالوں کی طرف سے لایا مرزا مغل نے اُس درخواست کو مفسدہ کے شروع ہونے کے قریباً چھ ہفتہ بعد بخت خاں کے آنے سے پہلے پیش کی۔ ہرکارہ کو حکم ملا کر کل جواب دیا جائیگا اُس نے مجھ سے تذکرہ کیا کہ میں میرٹھ کے رسالوں کی طرف سے ایک درخواست لایا ہوں مگر میں نے اُس درخواست کو نہیں دیکھا اور نہ مرزا مغل نے مجھ سے اس کا تذکرہ کیا۔ صرف نیمچ اور جھانسی کے رسالے بخت خان کے سامنے آئے باقی کل اُس سے پہلے ہی آچکے تھے۔

انبالہ

ایک سپاہی فقیر کے بھیس میں انبالہ کے رسالوں کی درخواست لایا تھا مگر مجھے اس معاملہ میں تحقیق نہیں ہے اور نہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اُس کا جواب گیا تھا۔

پھلور۔ جہانتک مجھے یاد ہے تیسری رجمنٹ (نمبر ۳ ہندوستانی پیدل) کا ایک افسر پھلور کے

جواب دیا گیا اور قریب قریب تین سو سفر مینا کے آدمی قادر خان کی ماتحتی میں دہلی آگئے۔ اِن
افسر کا مرزا خیر سلطان سے بڑا خلا ملا ہو گیا اور بادشاہ کے مزاج میں بہت دخل حاصل کر لیا
فوجی امور میں بغیر اُسکی صلاح کے کوئی کام نہوتا تھا اور اُس نے بخت خاں کے ساتھ ملکر بادشاہ
سے نبکوں اور دولتمندوں سے روپیہ مانگنے کی اجازت حاصل کر لی۔

فرخ آباد

دہلی آنے سے پیشتر بخت خاں تھوڑی سی فوج فرخ آباد میں چھوڑ آیا تھا۔ بلوہ سے کچھ کم ماہ
بعد اُس نے بادشاہ سے اس کا تذکرہ کیا۔

ہانسی

ہانسی سے ایک سوار درخواست لایا جس میں یہ تحریر تھا کہ ہم بادشاہ کی طرف سے انگریزوں سے لڑے
ہیں اور مذہب کے بیئے لڑنے کی خاطر دہلی آرہے ہیں۔ یہ درخواست شاید گلاب شاہ میرٹھ کے
رسالوں کے کمانڈر نے مفسدہ کے کوئی چھ ہفتہ کے بعد بادشاہ کے روبرو پیش کی تھی۔ ہانسی
سے تین سوار بھی آئے تھے۔

سرسہ

غدر کے قریباً چھ ہفتہ کے بعد دو ہرکارے تین درخواستیں سرسہ سے لائے جن میں سے ایک
گوری شنکر کلکیور رجمنٹ کے افسر کی دوسری کولری کے ایک رسالدار کی طرف سے جس کا نام اس
وقت مجھے یاد نہیں اور تیسری شاہزادہ محمد عظیم کی طرف سے تھی جو محکمہ کمسریٹ میں ملازم تھا۔ اِن
درخواستوں میں یہ درج تھا ہم بادشاہ کی خدمت پہلے بھی کر چکے ہیں اور اب محکمہ محصولات کا کل
روپیہ لیکر دہلی آتے ہیں۔ معمولی جواب بھیجدیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد رسالے مع تیس ہزار روپیہ
اور کوئی دو سو بیل اور پچاس یا ساٹھ بھیڑیں لیکر دہلی آگئے۔

جواب لکھا گیا۔

علی گڈھ

ملوہ کے کوئی ڈہائی ماہ بعد ایک ماعی افسر نے علی گڈھ کے رسالوں کی طرف سے ایک درخواست پیش کی مجھے یہ نہیں معلوم کہ بذریعہ ہرکارہ آئی تھی یا بذریعہ ڈاک مگر مضمون اسا ہی کچھ تھا کہ ہم دہلی روانہ ہوگئے یا روانہ ہونے والے ہیں۔ انہیں جواب میں یہ لکھا گیا کہ تمھیں یہاں آجانا چاہیئے۔

متھرا

عدد کے کوئی بیس دن کے بعد دو ہرکارے متھرا کے رسالوں کی درخواست لائے والینٹر رجمٹ کے افسروں نے اُسے بادشاہ کے روبرو پیش کیا اُس کا مضمون یہ تھا کہ ہم خزانہ لیکر دہلی آتے ہیں جواب حسب معمول دیا گیا اور وہ ایک لاکھ روپیہ لیکر دہلی میں آگئے۔

بلندشہر

مرزا مغل نے بلندشہر کے رسالوں کے ایک سپاہی کو جو ایک درخواست لایا تھا بادشاہ کے سامنے پیش کیا اُس میں لکھا تھا جو کچھ خزانہ یہاں موجود ہے ہم اُسے لیکر دہلی آرہے ہیں چنانچہ تیس ہزار روپیہ اپنے ہمراہ لائے مگر مجھے بعد میں یہ معلوم ہوا کہ اُس کا کچھ حصہ انھوں نے راستہ ہی میں صرف کردیا تھا۔

رڑکی

مسافر کے بعد میں ایک سپاہی رڑکی کے رسالوں کی درخواست لایا تھا جو ملوہ کے قریباً ڈیڑہ ماہ بعد مسمرہ ہندوستانی پیدل رجمٹ کے افسروں نے بادشاہ کے روبرو پیش کی تھی اُس میں دہلی آنے کی خواہش اور وفاداری سے کار گزاری کرنیکا اظہار تھا حسب معمول

نہیں ہیں اس لیئے ہمارا ارادہ دہلی آنیکا ہے کہ وہاں سے بھاری توپیں لاکر قلعہ آگرہ کو فتح کریں۔ یہ درخواست غوث خاں اور ہیرا سنگھ صوبہ دار کی جانب سے تھی اُس میں اُنھوں نے اپنے انگریزی افسروں کے قتل کر ڈالنے کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ شتر سوار کے ذریعہ سے جب یہ درخواست دہلی پہنچی تو بخت خاں آ سے بادشاہ کے روبرو لایا نیمچ کے رسالوں کی بڑی تعریف کی۔ بادشاہ نے کہا انھیں جواب لکھدو کہ وہ سب دہلی چلے آئیں چنانچہ جواب بھیجا گیا۔

جھانسی

جھانسی کے رسالوں نے ایک درخواست ہرکارہ کے ہاتھ بھیجی جسے خواجہ سراؤں نے بادشاہ کے سامنے پیش کیا اُس میں اُنھوں نے لکھا تھا کہ ہم نے اپنے انگریزی افسروں کو قتل کر دیا اور ہم دہلی آنا چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے اُنھیں بھی دہلی آنے کی ہدایت فرمائی تھی۔

داناپور

دہلی کے رسالوں کے ایک افسر نے غدر کے شروع ہونے کے دو یا ڈیڑھ مہینے بعد داناپور والوں کی ایک درخواست پیش کی تھی جس میں سائلوں نے دہلی روانہ ہوجانے کا تذکرہ لکھا تھا۔ بادشاہ نے اُنھیں بھی دہلی آجانے کے لیئے جواب لکھوا دیا تھا مگر میں تحقیق کیا تھا یہ نہیں کہہ سکتا وہاں سے کوئی رسالہ آیا بھی یا نہیں؟

الہ آباد

مسافروں کے بھیس میں دو سپاہی الہ آباد کے رسالوں کی درخواست لائے تھے۔ ولیسٹر رجمنٹ کے افسر نے اُسے غدر کے ڈیڑھ مہینہ بعد پیش کیا تھا اُس میں اُنھوں نے بادشاہ کی اطاعت اور اپنے دہلی روانہ ہونے کے ارادہ سے اطلاع دی تھی اُنھیں بھی یہاں آجانے کے لیئے

ہوئے کیونکہ وہ اودھ جیسے وسیع ملک کے انتظام میں پھنس گئے ہونگے۔ جہانتک میں
خیال کرتا ہوں واجد علیشاہ کے لڑکے کے اختیارات جنے سپاہیوں سے تخت نشین کیا تھا
محض نام کے ہو گئے۔

واجد علیشاہ کے قیام کلکتہ میں کوئی خط و کتابت اُن سے نہیں ہوئی۔ یہ علی نقی خاں سے
سابق میں مرزا حیدر کی معرفت کچھ خط و کتابت ہوئی تھی مگر بعد میں اُس نے لکھنؤ میں اتنا
کا شیعہ ہونا ظاہر کیا اور بادشاہ نے اُس سے انکار کیا اور اُسکو آیندہ خط بھیجنے کی ممانعت
کردی تو اُس کے بعد تو وہ دہلی آیا اور پھر اُسکی معرفت ہر دو بادشاہوں میں خط و کتابت
ہوئی چونکہ بادشاہ اودھ کے ساتھ وہ کلکتہ نہیں گیا تھا اس لیئے واجد علیشاہ اور بادشاہ دہلی
میں کبھی خط و کتابت نہیں ہوئی۔

میں نے کسی سپاہی سے بادشاہ اودھ کی نسبت یہ نہیں سنا کہ اُنھوں نے سپاہیوں کو
بغاوت کے لیئے مشتعل کیا ہو۔ چونکہ اودھ رسالہ دہلی میں نہیں آئے اس لیئے اُنکی بات میں
کچھ بیان نہیں کر سکتا۔ بلوہ کے زمانہ میں میں نے سنا تھا کہ مرزا حیدر لکھنؤ ہی میں تھا مگر
انگریزوں نے ملی گھاٹ پر دیگر با اثر رئیسوں کے ساتھ اُس کا ذکر کیا ہے۔

زمانہ بلوہ میں بادشاہ و مرزا حیدر میں خط و کتابت نہیں ہوئی خط و کتابت تو واقعی اُسی وقت
ترک ہو گئی تھی جب اُس نے بادشاہ کے شیعہ مذہب اختیار کرنیکی شہرت لکھنؤ میں کی تھی۔
میں اب اُن رجمنٹوں اور مقامات کا نام بتاؤنگا جہاں جہاں سے درخواستیں آئی تھیں۔

نیمچ

نیمچ کے رسالوں نے بادشاہ کے پاس ایک درخواست اس مضمون کی بھیجی کہ ہمنے آگرہ آکے
فتح حاصل کی اور انگریزوں کو قلعہ میں بند کرکے اُن کا محاصرہ کر لیا ہے مگر ہمارے پاس ٹی توپیں

قبضہ سے نکل جائیگا خواہ وہ لڑے یا نہ لڑے اور ایک دن دہلی بھی بادشاہ کے ہاتھ سے جاتی رہیگی۔ سپاہی بغاوت کے لیئے آمادہ ہو چکے تھے اودھ اگر نہ بھی لیا جاتا تو بھی غدر ضرور ہوتا۔

تین یا چار باغی رجمنٹوں نے لکھنؤ سے بادشاہ کو درخواست بھیجی تھی اور یہ تحریر کیا تھا کہ ہم اودھ لینے کے بعد دہلی روانہ ہونگے ہم نے اس وقت انگریزوں کو بیلی گھاٹ پر گھیر رکھا ہے۔ قدرت اللہ خاں رسالہ دار جو سپاہیوں کے ساتھ اودھ کے رسالوں کی جانب سے یہ درخواست لایا تھا اُسے بخت خاں نے بادشاہ کے روبرو پیش کیا اُس نے بادشاہ کے نام کا نیا سکہ نذر کیا جس پر یہ عبارت کندہ تھی۔

”سراج الدین بہادر شاہ غازی نے سونے کا سکہ بیادگار فتح تیار کرایا“

سائلوں نے یہ بھی عرض کیا کہ ہم نے واجد علی شاہ کے ایک لڑکے کو اِس شرط پر گدی نشین کر دیا ہے کہ اُسے بہادر شاہ کا وزیر بنا ہوگا اور بادشاہ کی اطاعت قبول کرنی ہوگی۔ اور شاہزادے سے اس مضمون کا ایک اقرار نامہ تحریر کرا لیا ہے اور اس سے یہ کہدیا گیا ہے کہ اگر بادشاہ دہلی تمھاری گدی نشینی منظور کریں گے تو تم تخت نشین کر دیئے جاؤ گے۔

بادشاہ نے بخت خاں کو حکم دیا اس درخواست پر ہماری طرف سے منظوری لکھدو۔ جو اشرفیاں قدرت اللہ رسالدار نے بادشاہ کو نظر دی تھیں وہ صاحب کمشنر دہلی کے پاس ہیں۔ میرے نزدیک واجد علی شاہ شاہ اودھ نے اس کارروائی میں شرکت نہیں کی۔ اگر واجد علیشاہ یا علی نقی خان سے سپاہیوں کی سازباز ہو جاتی تو یہ معاملہ خفیہ نہ رہتا اور سپاہی لکھنؤ ہی جاتے اور واجد علیشاہ اور اُنکے بڑے لڑکے کو محروم کر کے اُنکے چھوٹے بیٹے کو تخت نشین کرتے۔ میری رائے میں اودھ کے رسالہ بیلی گھاٹ پر قبضہ کرنے کے بعد دہلی روانہ نہیں

(۴) بادشاہ دہلی فوج ہنود کی وجہ سے بہتا تھا

(۵) بادشاہ کے پاس خواہ ہندو خواہ مسلمان رئیس جمع ہوئے ہیں اپنا فخر سمجھیں گے
رسالوں سنے نہ تو بادشاہ کو پہلے سے اپنے ارادہ سے آگاہ کیا تھا اور نہ بادشاہ کو یہ
علم تھا کہ والیسٹر رجمنٹ اور میرٹھ کے رسالوں میں ایکا ہو گیا۔

جہاں تک مجھے علم ہے کوئی جاگیر ضبط نہیں ہوئی اس لئے شہر والوں کو انعام یا جاگیر
کی ضبطی کے متعلق شکایت نہ تھی مگر سپاہی یہ کہا کرتے تھے کہ گورنمنٹ تدریج کل انعامات
ضبط کریگی اور کسی کے پاس جاگیر وغیرہ نہ رہیگی۔

الحاق اودھ کی بات دہلی میں بہت کچھ چرچہ ہوا تھا۔ دہلی والے بیشتر مسلمان اور شیعی
ہیں اور چونکہ بادشاہ اودھ کے حکم سے بہت سے سنی اور ایک مولوی مقام ہومان گڑھی
کے اڑا دیئے گئے تھے اس لئے دہلی کے مسلمانوں میں الحاق اودھ پر شورش
پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ برخلاف اسکے وہ سمجھے تھے کہ بادشاہ اودھ کو بیگناہ سنیوں کے
خون بہانے کی یہ سزا ملی ہے دہلی کے ہندو تو کسی طرح اس واقعہ سے مشتعل نہیں ہوئے
تھے بسپاہی یہ تو ضرور کہتے تھے کہ جس طرح انگریزوں نے اودھ لیا ہے اسیطرح ہندوستان
کے تمام علاقات پر قبضہ کرلیں گے۔ الحاق اودھ پر زیادہ کبیدہ خاطر نہیں ہوئے تھے۔
اودھ میں انگریزوں کے انتظام مالگزاری کی شکایت بھی سپاہیوں نے کبھی نہیں کی
میرے خیال میں اودھ کا الحاق غدر کا باعث نہیں ہوا میرے نزدیک اس بارہ میں اُنکے
رنجیدہ ہونے کا کوئی سبب نہ تھا اودھ جانے پر اُنکی گرہ سے کچھ نہیں گیا بلکہ وہ سلطنت
اودھ کے ظالم سے بچ گئے دہلی والی رجمنٹ نے بھی اودھ کے متعلق کوئی بات شکایت
نہیں کی البتہ اتنا کہا کہ جس طرح اودھ لیا گیا ہے اُسی طرح اور ملک بھی لے لیں گے

اُنھیں جواب دیتا کہ جب تک میری مستورات اور بچے قتل نہ ہو گئے میں کا میموں اور بچوں کو تمھارے حوالہ نہ کروں گا تو غالباً سپاہی محلسرا میں عیسائیوں کو قتل کرنے نہ گھستے۔ بادشاہ کو ایسا ہی کہنا اور کرنا تھا اور بارہا اُس نے اسی طرح سپاہیوں سے گفتگو کی۔

اگر بادشاہ ہی کی مرضی نہ ہوتی تو سرکاری تحریرات میں یہ نہ لکھا جاتا کہ بادشاہ سے منظوری حاصل کر لی گئی ہے۔

رسنبت اور الگزنڈر رجمنٹوں کے افسر انگریزوں اور عیسائیوں کے جانی دشمن تھے اور اگر گلاب شاہ اور نسبت اور نصیر خواجہ سرا ہوتے تو شاید وہ عیسائیوں ہی کو مارتے میرے خیال میں اُنکے سوا اور کوئی عیسائیوں کا اسقدر دشمن نہ تھا

سب سے پہلے باقاعدہ سوار اور اُس کے بعد دہلی کی ولنٹیر رجمنٹ قلعہ میں داخل ہوئی سواروں کے ساتھ ولنٹیروں کی دو کمپنیاں تھیں جنھیں اُنھوں نے (سوار) قلعہ کے دروازوں پر تعینات کر دیا تھا۔ ولنٹیر رجمنٹ کے افسر بآواز بلند کہہ رہے تھے۔ میرٹھ سے سوار تو آ گئے ہیں پیدل رجمنٹیں پیچھے آ رہی ہیں"

دہلی کی رجمنٹ کے افسروں کی گفتگو سے میں سمجھ گیا کہ دہلی اور میرٹھ کے رسالوں میں کامل اتفاق ہے۔ چٹھیاں اور حکم جو دیگر چھاؤنیوں کی رجمنٹوں کو بھیجے گئے اُن میں کبھی اُنکے وعدہ کا حوالہ نہیں دیا گیا صرف یہ مضمون ہوتا تھا کہ فلاں رجمنٹیں آ گئی ہیں اور کیا تم بھی آؤ گے" میری رائے میں باغی دہلی میرٹھ سے محض ان وجوہ سے آئے۔

(۱) دہلی میرٹھ سے قریب تھا اور دہلی اور میرٹھ کے رسالہ ہم خیال تھے۔

(۲) دہلی میں میگزین وغیرہ بہت تھا۔

(۳) دہلی میں شہر پناہ تھی اور محافظت خوب ہوسکتی تھی۔

امیروں اور بادشاہی ملازموں میں نصیر خاں اور بست علی شیرہ خواجہ سرا نے پچاس عیسائیوں اور انگریزوں کے قتل کی ترغیب دی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ گلاب شاہ اور اسکے ساتھی حیات بخش والے باغ میں مقیم تھے اور خواجہ سراؤں کے ساتھ شاہی محلات کے دروازوں پر بیٹھا کرتے تھے۔ شاہزادوں میں مرزا ابوالسافر اور مرزا خیر سلطان قتل میں سرگروہ تھے اور باقی شہزادے اُنکی ہاں میں ہاں ملانے والے تھے۔

جب خواجہ سراؤں نے انگریزوں کے قتل کے لئے بادشاہ سے حکم طلب کیا تو میں نے اُنکی موجودگی ہی میں بادشاہ سے کہدیا تھا ہمارے مذہب میں عورتوں اور بچوں کا خون بہانا روا نہیں ہے علاوہ ازیں عقل کا بھی یہی تقاضا ہے اُنکو قتل سے بچایا جائے میں نے بادشاہ کو یہ رائے دی تھی علماء سے ایک فتویٰ لیکر فوجی امیروں کو دکھا دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو محلسرا میں حفاظت کے ساتھ رکھا جائے۔ اس ترکیب سے جو بہتر نتائج پیدا ہوتے وہ میں نے سب سمجھا دیئے تھے اور جتا دیا تھا کہ جنگ افغانستان میں جسقدر انگریزی قیدی تھے سردار محمد اکبر خاں نے اُنکے ساتھ کس طرح سلوک کیا اور اُس برتاؤ کی وجہ سے اُنکے باپ امیر دوست محمد خاں کو جو انگریزوں کے قیدی تھے آزادی ملگئی اور امیر کو پھر تاج وتخت دیدیا گیا۔

یہ باتیں سنکر بادشاہ تو عیسائیوں کے قتل کی منظوری دینے سے باز رہا اور وہ دن ٹل گئے۔ مگر بعد میں سائلوں نے بادشاہ پر رضامندی ظاہر کرنے کے لئے سخت زور دیا اور بست اور شیدی سعید خواجہ سراؤں نے انگریزوں کو گلاب شاہ کے حوالہ کر دیا اُس نے اُن سب کو حوض کے قریب قتل کر ڈالا۔

اگر بادشاہ عورتوں اور بچوں کو اپنی محلسرا میں رکھتا اور سپاہیوں کے استدعا کرنے پر

میں خط وکتابت نہیں ہوئی اگر ایسا ہوا ہوتا تو جو چٹھیاں بعد سپاہیوں کی طرف سے رئیسوں کو گئی تھیں اُن میں اُن کا کچھ نہ کچھ ضرور حوالہ ہوتا۔ اور کچھ باغی سپاہی اُن کے رئیسوں کے پاس ضرور جاتے۔ اور ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں ہوئی۔

فوج نے غدر اپنی مرضی سے کیا کسی رئیس کے بہکانے سے نہیں کیا اگر ایسا ہوتا تو فوج اُنکے پاس چلی جاتی یا وہ فوج سے آکر ملجاتے۔

دیہاتی بھی فوج والوں سے ملے ہوئے نہیں تھے اگر ملے ہوئے ہوتے تو فوج اُنکے ساتھ سلوک کرتی اور ظلم و تعدی اُن پر روا نہ رکھتی۔

غدر ہونیسے پیشتر فوج میں دہلی کے مسلمانوں سے بھی اتحاد نہیں ہوا تھا ورنہ اس صورت میں اُن پر ایسی بیرحمی نہ کرتی۔

شہر کے اور فرقوں کو بھڑکانیکی ضرورت نہ تھی وقت ہی ایسا تھا کہ وہ خود سپاہیوں سے جاملے تھے۔ میرے نزدیک گوجروں اور باغیوں میں کوئی اقرارنامہ نہیں ہوا تھا بعد میں کچھ باغی افسروں نے بادشاہ سے کہکر دہلی کے قرب وجوار کے دو گوجروں کو ایک ڈھول اور ایک لکڑی دلوادی تھی اور وہ انگریزی کیمپ کی رسد لوٹنے میں شریک ہوگئے تھے۔ اسی طرح سکندرہ ضلع بلند شہر کے قرب وجوار میں ایک راؤ کو بھی ایک ڈھول اور ایک لکڑی اسی غرض کے لیے دی گئی تھی۔

بلوہ کے ایام میں انگریزوں کے دیوانی انتظام کے متعلق کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ سپاہیوں نے تو اپنے ہی ظلم کیوجہ شکایت کی اور رعایا اسوجہ سے انتظام کی شاکی تھی کہ حکام بالا کی غفلت سے سپاہیوں کا ظلم بڑھ گیا تھا۔

سوار افسروں میں گلاب شاہ اور پیدل رجمنٹوں میں رسیت اور الگزینڈر رجمنٹ کے

اور اسکی صاف وجہ یہ ہے کہ کارتوسوں کے جھگڑے میں مذہبی پہلو شامل تھا اور جاہل آدمی دھوکے میں یہ سمجھتے رہے کہ وہ (سپاہی) در اصل مذہب کی خاطر لڑ رہے ہیں اور اس لئے اُنکے معصوبے پورے اُترے۔ خود معاش تھے اُنھیں فائدے کے خیال نے اندھا کر دیا تھا سپاہی انگریزوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اُنھیں نصاریٰ اور کافر کہتے تھے۔ مگر کسی نے اُنکی شان میں بد کلمات اپنی زبان سے نہیں نکالے - یہ اُن کا تکیہ کلام تھا کہ گورنمنٹ انگریزی کے عہد میں کوئی رئیس با اختیار نہ رہے گا اور نہ کسی ہندوستانی کی عزت ہوگی- ہندوستانی فوج کے سپاہی خواہ ہندو خواہ مسلمان دونوں گورنمنٹ سے بددل ہو رہے تھے اور ہندوؤں کی تعداد بمقابلہ مسلمانوں کے زیادہ تھی مگر شہر دہلی میں مسلمان ہندوؤں سے زیادہ بددل تھے۔

مسلمانوں کے زیادہ تر مخالف ہونیکی وجہ یہ ہے کہ بقر عید کے موقع پر گاؤکشی کے معاملہ میں اُنکے خلاف فیصلہ ہوا تھا- علاوہ ازیں یہ بھی شہرت تھی کہ گورنمنٹ ہندوستانیوں کو سور کا گوشت کھلا کر عیسائی بنانا چاہتی ہے۔

بعد میں یہ معلوم ہوا کہ سپاہی اپنی حرکات پر نادم ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ بہتوں نے تو پوشیدہ طور سے اپنی اپنی رجمنٹیں چھوڑ دی تھیں- بعض نے اپنے افسروں کو ترقی رتبہ اور اضافہ تنخواہ کے لیئے درخواستیں دیں جب وہ نامنظور ہوئیں تو کھلم کھلا کنارہ کشی کی۔

قلعہ والوں اور شاہزادوں کو گورنمنٹ کے خلاف دہلی کی ولیسٹر رجمنٹ اور میرٹھ کے رسالوں کی سازش کا حال پیشتر سے معلوم تھا صاحب دہلی کے نامی افسروں نے اُن سے تذکرہ کیا تو اُنھیں معلوم ہوا۔

میرے خیال میں بغاوت کے ظاہر ہونے سے پیشتر سپاہیوں اور ہندوستانی رئیسیا

بیان نہیں کرسکتا مگر میرے خیال میں جو کچھ تدابیر اُنھوں نے سوچی تھیں اُنکی تکمیل سے پیشترہی یہ واقعہ پیش آگیا۔ میں نے یہ نہیں سُنا کہ ان تدابیر کے اجراء کے لئے کوئی خاص دن مقرر ہوا تھا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اُن خطوں میں جو دہلی کے باغیوں نے دوسرے رسالوں کو بھیجے کچھ نہ کچھ تذکرہ ہوتا مگر اُن میں مطلقًا اس کا ذکر بھی نہ تھا۔ اگر انھیں اس کا اظہار کرنا ہوتا تو ان الفاظ میں خط لکھے جاتے "وہ تم نے فلاں تاریخ روانہ ہونے کا وعدہ کیا تھا مگر اب تک یہاں نہیں پہنچے اور اس لئے تم نے وعدہ خلافی کی"!

جس واقعہ کا اُوپر تذکرہ کیا ہے کہ تدابیر کے پختہ ہونیسے پیشتر ظہور میں آیا اُس سے میرٹھ کا واقعہ مراد ہے۔

اگر میرٹھ والا واقعہ اس قدر جلد ظاہر نہ ہوتا تو کوئی شبہ نہیں کہ باغیوں کے منصوبے پورے اُترتے اور جسقدر زیادہ زمانہ گزرتا اسیقدر اُن کا اتفاق مستحکم ہوجاتا۔ اس واقعہ کے جلد ہونے کی دو ہی وجہ ہیں یا تو میرٹھ کے رسالوں نے خود جلدی کی یا گورنمنٹ کیطرف سے اُن کے ساتھ زیادہ سختی برتی گئی۔

گلاب شاہ نمبر ۳ کولری کے افسر نے جو میرٹھ سے آیا تھا بیان کیا تھا کہ گورنمنٹ نے رسالوں کے ساتھ اسقدر سختی کی کہ اُن سے ہتھیار رکھولیئے اور سواروں کے ہاتھ میں ہتھکڑیاں ڈالدیں تھیں۔

علاوہ کارتوسوں کے سپاہی گورنمنٹ سے بددل ہوجانے کے یہ بھی سبب بیان کرتے ہیں کہ ہمیں تھوڑی رخصتیں دیجاتی تھیں۔ ہمارا بھتہ بند کردیا تھا۔ ہمیں سمندر میں سفر کرنے کے لئے حکم دیئے جاتے تھے اور بالآخر ہماری پہلی سی قدرومنزلت ہی نہ رہی تھی۔ مگر غدر کے لئے اُنھوں نے کارتوسوں ہی کا بہانہ قوی سمجھا اُنکے دیگر عذرات اسقدر قوی نہ تھے

کیا کرتے تھے کہ اگر ہم میں اتفاق رہا تو ہمیں سرکاری رسالے شکست نہیں دے سکتے اور بالآخر ہم اس ملک کے مالک ہو جائیں گے۔

ہندوستانی رسالوں سے جو کچھ کیا محض دنیاوی فائدے کی امید پر کیا مذہبی ملاؤں سے تو اصل منشا کا چھپانا مطلوب تھا اگر وہ مذہب کی خاطر لڑتے تو لوگوں کے نہ تو مکانات لوٹتے اور نہ انہیں اذیتیں دیتے بلکہ صرف انگریزی گورنمنٹ کے خلاف ہی لڑتے۔ غدر کے ایام میں باغی رسالے کہتے تھے کہ ہم اس ملک کے مالک ہیں اور مختلف شاہزادوں کو مختلف صوبوں کا حاکم بنائیں گے۔

دہلی کی حوالیٹیر رجمنٹ نے یہ کہتے ہیں کہ غدر سے پیشتر میرٹھ والے رسالوں نے ملک اور تمام مقامات کے رسالوں کو خط بھیجکر دہلی میں اکٹھا ہونے پر آمادہ کر لیا تھا۔

جس طرح سے یہ واقعات ہوئے میں سمجھ گیا کہ دہلی میں ضرور خطوط پہلے سے گئے ہیں اور انکے ذریعے سے آپس میں کچھ عہد و پیمان ہو گئے ہیں۔ باغیوں نے دہلی سے اور رجمنٹوں کے نام بھی دہلی آنیکے لئے خط بھیجے۔ بیشک باغی افسروں کی درخواست پر بادشاہ نے نیمچ اور میرور پور وغیرہ کے رسالوں کو بلانے کے خط لکھے ہو نگے جو اس مضمون سے جایا کرتے تھے "تم میں سے اسقدر یہاں آ گئے ہیں تم بھی حسب وعدہ جلد آؤ"

باغی افسروں کی درخواست پر بادشاہ منشیوں کو یہ حکم دیا کرتا تھا کہ جو یہ کہتے ہیں لکھدو جو کچھ میں جانتا تھا میں نے بیان کر دیا اس کے علاوہ ہندوستانی رسالوں کی سازش کے متعلق مجھے معلوم نہیں۔

بلوہ کرنے سے پیشتر ہی ہندوستانی رسالوں نے کل انگریزوں کے خواہ مرد ہو یا عورت یا بچہ قتل کرنیکا ارادہ کر لیا تھا جو جو انتظامات باغیوں نے کئے انہیں میں تفصیل وار

اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جب میں نے اور غلام عباس وکیل نے بادشاہ سے کہا کہ
قلعہ کا کمانڈنٹ گارد اور ایجنٹ لفٹنٹ گورنر نے دو توپیں مع دو توپچیوں کے اور دو پالکیاں
میموں کے واسطے منگائی ہیں تو بادشاہ نے بلا عذر تعمیل کرنیکا حکم دیدیا تھا۔

کوئی شخص یہ نہیں بتا سکتا کہ چپاتیاں کیوں تقسیم ہوئیں تھیں اور نہ یہ معلوم کہ کس کی تجویز
تھی تمام قلعہ والے اس بات پر متحیر تھے کہ ان سے کیا غرض ہے۔ مجکو اس بارے میں خود تو
بادشاہ سے گفتگو کرنیکا موقع ملا نہیں البتہ اور آدمیوں نے اس کا تذکرہ اس سے کیا تھا اور
مطلب دریافت کیا تھا۔

میرے خیال میں چپاتیوں کی ابتدا بھی غالباً ہندوستانی ہی فوج سے ہوئی۔ اولاً
وہ اودھ میں تقسیم ہوئیں تھیں مجھے اس پر تعجب تو ہوا تھا مگر یہ سمجھ گیا تھا کہ کچھ بھید ضرور ہے
بعض کی تو یہ رائے تھی کہ ہندوستانی فوج نے یہ چپاتیاں کسی خاص بات کی علامت مقرر کی
ہیں اور بعض کا یہ عقیدہ تھا کہ ان میں ضرور کچھ اسرار ہے کہ تمام ملک میں تقسیم ہوئیں اور یہ
معلوم نہ ہوا کہ کون موجب ہے اور کہاں سے اسکی ابتدا ہوئی۔ لوگ یہ بھی گمان کرتے تھے
کہ یہ چپاتیاں بعض ضعیف الاعتقاد لوگوں نے اس وجہ سے ایجاد کی ہیں کہ ملک کے مذہب
کو خراب ہونے سے بچائیں جسکی بابت یہ خبر اڑ چکی تھی کہ گورنمنٹ نے دو سال کے اندر تمام
ہندوستان والوں کو عیسائی بنا دینے کا ارادہ کر لیا ہے۔

مجھ سے فوج کے افسروں نے یہ کہا تھا کہ ہم نے اس وجہ سے غدر کیا کہ گورنمنٹ کارتوسوں
پر چربی ملتی ہے اور آٹے میں پسی ہوئی ہڈیاں اس توجہ سے ملاتی ہے کہ ہم سب بیدین
ہو جائیں۔ یہی وجہ گورنمنٹ کے خلاف ان کے ہتھیار اٹھانیکی کہی جاتی ہے مگر مجھے
حیدر حسن سے جس کا فوجی افسروں سے خاص ملا تھا یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ لوگ آپس میں یہ تذکرہ

کہ فوج نے میرٹھ میں بغاوت کردی اور عنقریب سوار و پیادے دہلی میں پہنچا چاہتے ہیں اس خبر کے ایک ہی گھنٹہ کے بعد دہلی کی مقیم رجمنٹ قلعہ میں داخل ہوئی اور پھر میرٹھ کے باغی رسالے بھی قلعہ میں گھس آئے اس سے پہلے اس معاملہ کی کوئی خبر نہ تھی۔

میری موجودگی میں میرٹھ سے اُن سپاہیوں کے کورٹ مارشل کی خبر نہیں آئی جنہوں نے جدید کارتوس لینے سے انکار کیا تھا۔ ممکن ہے یہ خبر پانچ یا چھ روز بعد غدر لیۂ اخبار آئی ہو میرے خیال میں بادشاہ نے کسی کو اس غرض سے میرٹھ نہیں بھیجا کہ وہاں سپاہیوں کے کارتوس نہ لینے پر جو کچھ کارروائی ہوئی ہو اسکی خبر لائے۔

میں نے یہ بھی نہیں سُنا کہ زینت محل نے میرٹھ کسیکو اس غرض کے لئے بھیجا تھا۔ ہاں بادشاہ کو رسالوں کے اس طرح آنے پر حیرت ہوئی تھی کیونکہ اس سے پہلے کسی قسم کی خبر نہ تھی اس لئے مجھے بھی تعجب تھا۔ اگرچہ کارتوسوں کے معاملہ کی خبر یہ یقین تھا کہ ضرور کچھ خرابی پھیلے گی۔ جب رسالے پہنچے اس شام کو میں نے بادشاہ سے کہدیا تھا کہ جن آدمیوں نے اپنے آقاؤں سے بیوفائی کی اُن سے بھلائی کی اُمید کرنا بیکار ہے میں نے بادشاہ کی جانب سے ایک چٹھی جو نام نواب لفٹنٹ گورنر آگرہ کو لکھی اُس میں باغی رسالوں کے شہر میں پہنچنے اور انگریزی افسروں کے قتل کا حال تحریر کردیا تھا اور اس بات کی استدعا کی تھی کہ بادشاہ تو اس قابل نہیں ہیں کہ اُنکی مدافعت کرسکیں آپ انگریزی فوج مدد کے لئے روانہ کریں صبح کو مجھے بادشاہ سے تخلیہ میں گفتگو کرنا تو درکنار رہا باغی رسالوں اور بادشاہی ملازموں کا قلعہ میں اسقدر ہجوم تھا کہ مجھے سرسری طور پر بھی بادشاہ سے گفتگو کرنے کا موقع نہیں ملا۔

بادشاہ نے باغیوں کی آمد کے لئے پہلے سے کچھ تیاری نہیں کی تھی اور جس کا تہمت

کہ ہم پر بہت سختی ہوتی ہے کارتوسوں کا بہانہ انھیں اچھا لگ گیا۔ مفسد اور شریر آدمیوں کو تمام فوج کے بھڑکانے کا اچھا موقع ہاتھ آیا اور مذہبی نمک مرچ چھڑک کر انھیں گورنمنٹ سے برگشتہ کر دیا۔ انھیں یہ وہم سمایا تھا کہ گورنمنٹ انگریزی ہماری ہی وجہ سے قائم ہے۔ انگریز ہمارے مقابلہ کی تاب نہ لا سکیں گے۔ لوگ تو جاہل تھے اُن کا یہ خیال ہوا کہ واقعی گورنمنٹ ہمارے مذہب کو خراب کیا چاہتی ہے اور بیشک یہ بات بھی شہرت پکڑ گئی تھی کہ کمانڈر انچیف نے تمام ہندوستان کو دو سال میں عیسائی بنانے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ ہوشیار اور مکار آدمیوں کے منصوبے پورے اُترے اور جاہل اُن کے ساتھ ہو گئے۔

ہندوستانی فوج کے خیالات گورنمنٹ انگریزی کی طرف سے بہت خراب تھے۔ اگرچہ جدید کارتوس جاری بھی نہ ہوتے تو وہ غدر کرنے کے لیے اور بہانہ نکالتے کیونکہ اگر یہ باتیں صرف مذہبی اُمور کی وجہ سے ہوتیں تو وہ نوکری سے مستعفی ہو جاتے اور اگر انھیں ملازمت کرنی ہی تھی تو کبھی غدر نہ کرتے۔

بادشاہ کی بھی یہی رائے تھی کہ گورنمنٹ دراصل رعایا کے مذہب میں دست اندازی کرنا چاہتی ہے مگر میں نے اکثر انھیں سمجھایا کہ یہ صرف بدمعاشوں کی باتیں ہیں اور کچھ بھی نہیں ہے میں نے یہ بھی کہا کہ انگریز دانشمند ہیں وہ کبھی ایسی بات نہ کریں گے جس سے تمام رعایا کو نقصان پہنچے اور نہ میرا یہ خیال تھا کہ فوج کے ساتھ کچھ زیادتی ہوئی ہوگی۔ میری اس قسم کی گفتگو سے بادشاہ کو اطمینان ہو جاتا تھا مگر خواجہ سراؤں اور بیگمات کی گفتگو سے پھر اُسکے ویسے ہی خیالات ہو جاتے تھے۔

میری موجودگی میں کوئی خبر میرٹھ سے نہیں آئی۔ پیر کی صبح کو بعد طلوع آفتاب ایک ایلنبرا سپاہی نے جو قلعہ کے لاہوری دروازہ پر تعینات تھا دربار خاص کے دربان سے آکر یہ کہا

اُسکی حرص ضرور ہوتی۔ بادشاہ کے مرید صرف مسلمان تھے اور اُنکے سوا اور کوئی نہ تھا۔
بادشاہ نے کبھی ہندوستانی رسالوں سے خط و کتابت نہیں کی البتہ جب کبھی کوئی لڑائی ہوتی تھی تو ہندوستانی فوج کی جیت کے خواہاں رہا کرتے تھے اور چونکہ انگریزی گورنمنٹ سے بددل تھے اس لیئے جب کبھی اُن کے پس پا ہونیکی خبر سنتے بددل ہوتے۔ اُن کا گمان تھا جو سلطنت انگریزوں کو پس پا کریگی وہ بوجہ شاہی خاندان سے ہونے کے میری بہت قدر و منزلت کریگی۔ الغرض اُنہیں یقین تھا کہ انگریزوں کی بربادی پر میری افزا المندی کا دار و مدار ہے۔
مجھے اچھی طرح تو یاد نہیں ہاں میرا خیال ہے کہ پنجاب لے لینے کے بعد بھتہ رُکنے کے سبب بعض ہندوستانی رجمنٹوں میں جو غدر ہوا اُسکی اطلاع بادشاہ کو ہوئی تھی اور بادشاہ نے اُسے بہت اطمینان سے سُنا تھا۔
مجھے ٹھیک ٹھیک مہینہ تو یاد نہیں جس میں کلکتہ کی رجمنٹوں نے جدید کارتوسوں کے لینے سے انکار کیا تھا یہ خبر بذریعہ اخبار کے آئی تھی اور جوں جوں یہ بحث بڑھتی جاتی تھی لوگ اُسے مذہبی پہلو پہنچاتے جاتے تھے یہانتک کہ تمام ملک میں عام جوش پھیل گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیسی فوج نے انگریزی گورنمنٹ کو چھوڑکر اُس کے خاتمہ کی فکر کی۔ بادشاہ نے اس صورت میں یہ خیال کیا کہ میری حالت اس طرح سنبھل جائیگی اور اگر نئی سلطنت سے واسطہ بھی ہوا تو اُس کے نزدیک میری وقعت زیادہ ہوگی۔
شاہزادوں کا یہ خیال تھا کہ دیسی فوج یا تو ایران جائیگی یا نیپال۔ چونکہ بادشاہ کے پاس نہ تو روپیہ تھا نہ فوج اس لیئے اُن کا کبھی یہ خیال نہیں ہوا کہ وہ بادشاہ سے آکر ملجائیگی اگرچہ غدر کی شروع وجہ تو سنئے کارتوس ہی ہیں مگر دراصل صرف یہی وجہ نہیں تھی ہندوستانی فوج کے بہت سے آدمی عرصہ سے انگریزوں سے خائف اور بددل ہو گئے تھے اُنکا خیال تھا

دیا جاتا تھا یہ رواج اس طرح جاری ہوا۔ دہلی کے پیرزادے جو بادشاہ کو روحانی ترجیت دیتے تھے انھوں نے عوام الناس کے دلوں پر یہ نقش کر دیا تھا کہ بادشاہ دنیا کے روحانی معاملات میں نائب خدا ہے اور جو شخص اسکو اپنا پیشوا بنائیگا اُس کے لیئے یہ بات باعث فخر ہے۔

اس طریقہ سے یہ ضرور فائدہ ہے کہ مرید اپنے پیر کے کل دینی یا دنیاوی معاملات میں اپنے ہادی کے حکم کی متابعت کرتے ہیں۔ مرید بنانے کی رسم بہادر شاہ کے والد کے زمانہ میں پڑی مگر بہادر شاہ کے زمانہ میں مریدوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ مرید بنانے میں صرف ایک طریقہ پر عملدرآمد ہوتا تھا۔

میں نے یہ کبھی نہیں سُنا کہ بادشاہ کا ہندوستانی فوج کے مرید کرنے سے یہ منشا ہو کہ اُنھیں انگریزی گورنمنٹ سے برگشتہ کر دیا جائے مگر یہ بات صریح ہے کہ اُس سے پیر کا یہ منشا ضرور ہوتا ہے کہ مرید اسکی ہر حالت کا شریک بن جائے۔

میں نے یہ بھی نہیں سُنا کہ کسی سپاہی نے جو بادشاہ کا مرید ہو کبھی اس بات کا اظہار کیا ہو کہ میں تمھارا (بادشاہ کا) مرید ہونیکی وجہ سے ساتھ دیتا ہوں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اُن میں سے کوئی بھی اس غرض سے نہیں آیا اور نہ اُس نے رومالی نشانی دکھائی۔ علاوہ ازیں انھوں نے اس پانچ ماہ کے عرصہ میں جس میں وہ دہلی پر قابض رہے بادشاہ کو اپنا پیشوا تک نہ سمجھا اور اسکی وجہ مجھے معلوم نہیں۔ غالباً بادشاہ کے مرید سپاہیوں میں سے اسوقت سب چھٹی پر ہوں کیونکہ جہانتک مجھے مرزا مغل کے کاغذات سے جو اس وقت گورنمنٹ کے قبضہ میں ہیں معلوم ہوا میں کہہ سکتا ہوں کہ بادشاہ کے مرید اس بلوہ میں شریک نہیں تھے اور اُن میں سے کسی کی درخواست ان کاغذات میں نہ تھی۔ سکار توسوں کے معاملہ کے بعد پانچ مہینے تک کوئی سپاہی بادشاہ کا مرید نہیں ہوا۔ میں ہر وقت رہا کرتا تھا اگر کوئی مرید ہوتا تو مجھے

حالیہ کے بارے میں بادشاہ کے انتقال ہی پر منحصر تھا۔

جس زمانہ میں ایران سے انگریزوں کی لڑائی ہو رہی تھی بعض بعض شاہزادوں کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں کہ اگر روس نے ایران کو مدد دیدی تو انگریز شکست پائیں گے اور ایرانی تمام ہندوستان پر قابض ہوجائیں گے اور بادشاہ بھی اُنکی ہاں میں ہاں ملادیا کرتے تھے۔

جہانتک میں نے شاہزادوں سے سنا ہے ایران سے کوئی خبر دہلی میں نہیں بھیجی اگر اُس نے بھیجی ہو تو شاید اپنے بھائی مرزا حیدر کے پاس لکھ بھیجی ہو۔

جس زمانہ میں بادشاہ کو ایران سے مدد کی آس لگی ہوئی تھی اُس وقت بھی ہندوستانی شاہزادوں پر قابو پانے کی کوئی تدبیر نہیں ہوئی جسکی وجہ یہ ہے کہ مرزا حیدر لکھنو جانیکے بعد پھر کبھی دہلی میں نہیں آیا یہ شخص بڑا مفسد تھا اُس نے پہلے تو بادشاہ کو شاہ ایران سے خط وکتابت کرنے پر آمادہ کیا اور اگر یہ یہاں ہوتا تو ضرور شاہزادوں کو اپنے بس میں رکھنے کی تدبیر بھی سمجھاتا۔

لارڈ ایلن برو نے فیدین و نور ورام بادشاہ کی سالگرہ کے دن جو پہلے بادشاہ کو نذریں دیا کرتے تھے اُس کو بند کردیا اور اُس سے بادشاہ کی ہتک ہوئی۔ جوان بخت کے ولیعہدی والے معاملہ میں بھی اُسکو بڑی ہتک ہوئی مگر اُسے انگریزی گورنمنٹ سے بالعموم اور کسی انگریزی افسر سے بالخصوص عناد نہ تھا مگر وہ مذہب عیسوی کا دشمن رہا تھا۔

مرید بنانے میں بادشاہ مذہبی اصول کی پابندی کیا کرتا تھا کہ دیسی اور صرف ہندوستانی فوج کے سپاہی ہی اُس کے مرید نہ تھے بلکہ بہت سے آدمی اُسے اپنا پیشوا سمجھتے تھے لوگ سے پیشتر ہی سے یہ رواج جاری تھا بہادر شاہ کے والد بھی پیری مریدی کیا کرتے تھے۔ بہادر شاہ نے البتہ یہ جدت کی تھی کہ جو شخص اُن کا مرید ہوتا تھا اُسے گلابی رنگ کا ایک رومال

مجھے خواجہ سراؤں سے دستنبت اور کالیخاں سے جن سے مجھے شیدی قنبر کی معرفت کاغذات جانیکا حال معلوم ہوا تھا، یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ جب شیدی قنبر کو دستخطی کاغذات دیئے گئے تو بادشاہ نے اُسے ہدایت کی کہ یہ کاغذات مرزا نجف کو دیکر اُنکے جواب اور نیز پہلی تحریرات کا جواب مانگنا۔

میرے خیال میں اس کے سوا کوئی اور خبر اس ضمن میں اخبارات میں شائع نہیں ہوئی اگر میں اُنھیں پڑھتا بھی تو مجھے خواجہ سراؤں سے اُس کا حال معلوم ہو جاتا۔

جب اخباروں میں مرزا نجف کے ایران پہنچنے کی خبر شائع ہو چکی تو شیدی قنبر یہاں سے روانہ ہوا۔ شیدی قنبر کے جانیکے ایک سال بعد صوبہ اودہ انگریزی حدود میں شامل ہوا۔ ہنومان گڑھی کا واقعہ بھی شیدی قنبر کے بعد ہوا۔

جس وقت بوشہر پر لڑائی ہو رہی تھی بادشاہ کی گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا کہ اُسے ایران سے روپیہ اور فوج کی بہت کچھ اُمید تھی اور اُس زمانہ میں اکثر وہاں کے حالات دریافت کرتا رہتا تھا۔ چونکہ ہر ایک بات پوشیدہ رکھی گئی تھی اس لیئے پہلی تحریر کے وقت تو بادشاہ کی امیدوں کا حال نہ کھلا مگر جب مرزا نجف کے ایران پوہنچ جانیکی خبر لگی اور ساتھ ہی بوشہر میں لڑائی کی اطلاع ہوئی تو یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ کو وہاں سے مدد کی اُمید ہے۔

بادشاہ کا یہ خیال تھا کہ میرے بعد سرکار میرے خاندان کو قلعہ سے نکالدیگی کیونکہ سرکار کا یہ خیال مرزا فتح الملک کے حقوق تخت نشینی کے تصفیہ کے بعد ظاہر ہوا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ بادشاہ یہ بات تو بارہا کہا کرتے تھے کہ مرزا فتح الملک کو تخت نشینی کا لطف تو آئیگا نہیں کیونکہ بعد میرے میرے جانشینوں کے اختیارات یا تو ضبط ہو جائینگے یا وہ قلعہ کے باہر نکالدیئے جائیں گے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرکار کا ارادہ قلعہ کے

ظاہر کے بارے میں بادشاہ کے انتقال ہی پر منحصر تھا۔

جس زمانہ میں ایران سے انگریزوں کی لڑائی ہو رہی تھی بعض بعض شاہزادوں کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں کہ اگر روس نے ایران کو مدد دیدی تو انگریز شکست پائیں گے اور ایرانی تمام ہندوستان پر قابض ہو جائیں گے اور بادشاہ بھی اُنکی ہاں میں ہاں ملا دیا کرتے تھے۔

جہانتک میں نے شمار رکھا ہے ایران سے کوئی خبر دہلی میں نہیں بھیجی اگر اُس نے بھیجی ہو تو شاید اپنے بھائی مرزا حیدر کے پاس لکھنو بھیجی ہو۔

جس زمانہ میں بادشاہ کو ایران سے مدد کی آس لگی ہوئی تھی اُس وقت بھی ہندوستانی شاہزادوں پر قابو پانے کی کوئی تدبیر نہیں ہوئی جسکی وجہ یہ ہے کہ مرزا حیدر لکھنو جانیکے بعد پھر کبھی دہلی میں نہیں آیا یہ شخص بڑا مفسد تھا اُس نے پہلے تو بادشاہ کو شاہ ایران سے خط وکتابت کرنے پر آمادہ کیا اور اگر یہ یہاں ہوتا تو ضرور شاہزادوں کو اپنے بس میں رکھنے کی تدبیر بھی سمجھاتا۔

لارڈ ایلن برو نے عیدین و نوروز اور بادشاہ کی سالگرہ کے دن جو وسیلے بادشاہ کو نذریں دیا کرتے تھے اُس کو بند کر دیا اور اُس سے بادشاہ کی ہتک ہوئی۔ جوان بخت کے ولیعہدی والے معاملہ میں بھی اُسکو بڑی ہتک ہوئی۔ اُسے انگریزی گورنمنٹ سے بالعموم اور کسی انگریزی افسر سے بالخصوص عناد نہ تھا مگر وہ مذہب عیسوی کا دشمن نہ تھا۔

مرید بنانے میں بادشاہ مذہبی اصول کی پابندی کیا کرتا تھا۔ کہ دیسی اور صرف ہندوستانی فوج کے سپاہی ہی اُس کے مرید تھے ملکہ بہت سے آدمی اُسے اپنا پیشوا سمجھتے تھے علاوہ سے پیشتر ہی سے یہ رواج جاری تھا بہادر شاہ کے والد بھی پیری مریدی کیا کرتے تھے۔ بہادر شاہ نے البتہ یہ جدت کی تھی کہ جو شخص اُن کا مرید ہوتا تھا اُسے گلابی رنگ کا ایک رومال

مجھے خواجہ سراؤں سے دستبت اور کالیخاں سے جن سے مجھے شیدی قنبر کی معرفت کاغذات جانیکا حال معلوم ہوا تھا) یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ جب شیدی قنبر کو دستخطی کاغذات دیئے گئے تو بادشاہ نے اُسے ہدایت کی کہ یہ کاغذات مرزا نجف کو دیکر اُنکے جواب اور نیز پیشتر کی تحریرات کا جواب مانگنا۔

میرے خیال میں اس کے سوا کوئی اور خبر اس ضمن میں اخبارات میں شائع نہیں ہوئی اگر میں اُنھیں پڑھتا بھی تو مجھے خواجہ سراؤں سے اُس کا حال معلوم ہوجاتا۔

جب اخباروں میں مرزا نجف کے ایران پہنچنے کی خبر شائع ہوچکی تو شیدی قنبر یہاں سے روانہ ہوا۔ شیدی قنبر کے جانیکے ایک سال بعد صوبہ اودہ انگریزی حدود میں شامل ہوا۔ ہنومان گڑھی کا واقعہ بھی شیدی قنبر کے بعد ہوا۔

جس وقت بوشہر پر لڑائی ہورہی تھی بادشاہ کی گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا کہ اُسے ایران سے روپیہ اور فوج کی بہت کچھ اُمید تھی اور اُس زمانہ میں اکثر وہاں کے حالات دریافت کرتا رہتا تھا۔ چونکہ ہر ایک بات پوشیدہ رکھی گئی تھی اس لئیے پہلی تحریر کے وقت تو بادشاہ کی امیدوں کا حال نہ کھلا مگر جب مرزا نجف کے ایران پہونچ جانیکی خبر لگی اور ساتھ ہی بوشہر میں لڑائی کی اطلاع ہوئی تو یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ کو وہاں سے مدد کی اُمید ہے۔

بادشاہ کا یہ خیال تھا کہ میرے بعد سرکار میرے خاندان کو قلعہ سے نکالدیگی کیونکہ سرکار کا یہ خیال مرزا فتح الملک کے حقوق تخت نشینی کے تصفیہ کے بعد ظاہر ہوا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ بادشاہ یہ بات تو بارہا کہا کرتے تھے کہ مرزا فتح الملک کو تخت نشینی کا لطف تو آئیگا نہیں کیونکہ بعد میرے میرے جانشینوں کے اختیارات یا تو ضبط ہوجائینگے یا وہ قلعہ کے باہر نکالدیئے جائیں گے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرکار کا ارادہ قلعہ کے

خط و کتابت کرنیکا خیال سمجھایا ہو اور غالباً اُس نے یہ سمجھایا ہوگا کہ میرے بھائی مرزا
سعد کے ایران بھیجے سے پیشتر شاہ ایران کو بادشاہ کے شیعہ ہو جانے کا حال معلوم
ہو جائیگا اور اس صورت میں میرے بھائی کی بڑی قدر و منزلت ہوگی۔

بہادر شاہ اپنی تدابیر ملکی کے متعلق بہت کم احتیاط کیا کرتے تھے معمولی سے معمولی
ملازم بھی اُن پر حاوی تھا۔ خواجہ سرا ہر وقت اور ہر جگہ موجود رہتے تھے اس لئے اُن سے
کوئی بات پوشیدہ نہ تھی بادشاہ اپنی بیگمات سے بھی مصلحت ملکی میں رائے لیا کرتے
تھے چنانچہ زینت محل بیگم کو خوش کرنے کے لیئے اُس کے بیٹے جواں بخت کے لیئے جو کم
سنی کے سبب ولیعہدی کے قابل بھی نہ تھا اُس کے ولیعہد ہونے کی درخواست کی
ہر بھید کی بات خواجہ سراؤں کو معلوم تھی اور وہ خلوت خانوں تک میں آیا جایا کرتے تھے
اور خواجہ محبوب علی کے ہاتھ میں کل شاہی کاروبار تھے۔

جو خط بادشاہ نے شاہ ایران کو لکھا میں نے نہیں دیکھا۔ جو کچھ مجھے شاہزادہ علی بخت
کی زبانی معلوم ہوا وہ میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں۔ میرے خیال میں بادشاہ دہلی نے
روپے اور فوج سے مدد مانگی ہوگی۔ بادشاہ روپیہ پر جان دیتا تھا جس کا ثبوت یہ ہے کہ
اُس نے بڑھاپے میں جاکر لالچ کیوجہ سے ایمان بدلا۔

میں نے کبھی یہ نہیں سنا کہ اس تحریر سے بادشاہ کا یہ ایماء تھا کہ ہندوستانی فوج کو
سرکار کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ کیا جائے اور میرا خیال ہے کہ اس کا کچھ بھی
اشارہ ہو کیونکہ اس بات کا قلعہ میں کچھ بھی چرچا نہیں ہوا۔

میرے خیال میں جب بادشاہ نے شاہ ایران سے رسم اتحاد پیدا کرنیکا خیال کیا ہے
کسی کو بھی یہ سوجھا ہوگا کہ ہندوستانی فوج کے دلوں پر قابو پائیں۔

میری مدد کرو! میری حالت اس وقت بہت زبون ہے مگر اس کا کوئی جواب نہیں آیا۔ چند مہینے کے بعد شیدی قنبر نے حج کرنے اور مکہ جانے کے لیئے چھٹی کی درخواست کی۔ یہ درخواست حسن عسکری دہلی کے ایک پیرزادہ کی معرفت منظور ہو گئی اور اُس کو کچھ روپیہ بطور زادراہ بھی دیا گیا۔ چند روز کے بعد حنبل نے جو سرکار کی طرف سے قلعہ میں مقرر تھا مجھ سے شیدی قنبر کے جانے کی صداقت چاہی۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ میرے خیال میں شیدی قنبر مکہ تو گیا نہیں وہ ایران گیا ہے۔ میں نے اُس سے کہا کہ مجھے اس معاملہ کی خبر نہیں۔ مگر بعد میں خواجہ سراؤں سے پتہ لینے کے بعد معلوم ہوا کہ واقعی وہ ایران گیا ہے اور پیرزادہ حسن عسکری نے روانگی کے وقت کچھ کاغذات بھی دیئے ہیں جن پر بادشاہ کی مہر ثبت ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیدی قنبر مرزا نجف کے پاس بھیجا گیا تھا کہ بادشاہ کی تحریرات کا کچھ جواب ملنا چاہیئے۔ چونکہ مرزا حیدر نے بادشاہ کے مذہب کی تبدیلی کرائی تھی اس لیئے یہ کل معاملات سنیوں سے (جن میں سے ایک میں بھی ہوں) چھپائے گئے تھے مگر یہ خبریں مجھے اور لوگوں سے معلوم ہوئیں۔ یہ بیان کرنا بھی ضرور ہے کہ جس زمانہ میں بوشہر پر لڑائیاں ہو رہی تھیں اُس وقت بادشاہ کو وہاں کے حالات معلوم ہونیکا بڑا اشتیاق رہتا تھا۔

مرزا حیدر معمولی شخص نہ تھا وہ بادشاہ کا عزیز یعنی بھتیجا تھا اور لکھنؤ میں اُسے ایک ہزار روپیہ تنخواہ بھی ملتی تھی وہ پکا شیعہ تھا اُس کے مذہب کی رو سے جو شخص کسی کو لامذہب کرے وہ عابد اور قابلِ قدر خیال کیا جاتا ہے اُس نے بادشاہ کے مذہب بدلنے پر اپنا ذاتی فائدہ ضرور مدنظر رکھا ہوگا اور نیز یہ کہ بادشاہ کے شیعہ ہو جانے سے تین بادشاہ ایک مذہب کے ہو جائیں گے۔ یعنی شاہ دہلی و لکھنو و ایران۔

کچھ شبہ نہیں کہ مرزا حیدر ہی نے اپنے کثیر فائدے کی اُمید پر بادشاہ کو شاہِ ایران سے

لکھنؤ جاکر مرزا حیدر نے ایک علم تو بادشاہ کی طرف سے شاہ عباس کے مقبرہ پر چڑھایا اور
ایک جعلی نوشتہ جس پر بادشاہ کی مہر ثبت تھی اور جس کا مضمون یہ تھا کہ میں سنی فرقہ کو ہدیں
تبدیل کرنا اور خود شیعہ ہونا چاہتا ہوں مجتہد کو دیا۔ یہ خبر چند اور شاہزادوں کے خطوط سے جو
سنی تھے اور چند سنیوں کی درخواست سے معلوم ہوئی۔ اُن میں سے ایک شخص مسمیٰ عبدالرحمن
خاں کی درخواست تھی جو دہلی کا رہنے والا تھا مگر اُس وقت لکھنؤ میں رہتا تھا اور ایک درخواست
شیخ بلال کی جو پیشتر بادشاہ کا ملازم تھا مگر بعد میں لکھنؤ میں نوکر ہو گیا تھا۔ جب یہ خبر شہر
میں مشہور ہوئی تو خاص خاص علماء بادشاہ کے پاس گئے اور اِسکی اصلیت دریافت کرنی چاہی
بادشاہ نے جواب دیا کہ مرزا حیدر نے بہت سے لکھے ہوئے کاغذوں پر میری مہر ثبت کی تھی
اور اُنکو اپنے ہمراہ لکھنؤ لے گیا تھا اور ایک شقہ میں نے مجتہد کو بھی لکھا تھا جس کا مضمون یہ
تھا کہ مجھے اہلبیت سے محبت ہے اور جس شخص کو اُن سے اُنس ہو وہ مسلمان نہیں ہے۔ بعد
میں بادشاہ کی درخواست پر ایجنٹ لفٹنٹ گورنر نے اس شقہ کی ایک نقل مجتہد سے منگا دی۔
اُس کا مضمون بالکل وہی تھا جو درخواستوں سے معلوم ہوا تھا۔ اس سے یہ یقین ہو گیا
کہ علاوہ شقہ کے بادشاہ نے شاہزادہ کو بھی جو شیعہ تھا کوئی تحریر بھیجی تھی اور مرزا حیدر کو اُس
یہ اُمید ہو گی کہ اگر بادشاہ دہلی اور شاہ اودھ کی ملاقات ہو جائے تو مجھے کچھ فائدہ پہنچ جائیگا

ایک ہی سال بعد مرزا نجف کے ایران جانے کی خبر اُڑی۔ مرزا نجف مرزا حیدر کے بھائی
ہیں اور بادشاہ دہلی کے بھتیجے۔ یہ خبر مولوی باقر کے اخبار میں چھپی تھی اُس میں یہ بھی لکھا
تھا کہ شاہ ایران نے اُسکے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا۔ میں نے مرزا نجف کے بڑے دوست
مرزا علی بخت سے دریافت کیا تھا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے کوئی خط شاہ ایران کے نام لے گئے
ہیں۔ انھوں نے خط کا اقرار کیا اور کہا اُس میں بادشاہ نے یہ لکھوایا کہ میں شیعہ ہو گیا ہوں

روزہیں ہوئی میں یہ خبر سنی سنائی کہتا ہوں کوئی ثبوت نہیں دے سکتا۔

غلام عباس وکیل قیدی کو اُس کا سابق حلف یاد دلایا گیا (جرح جج ایڈوکیٹ)

(سوال) ان ۱۲ کاغذات کو دیکھو آیا یہ قابلِ اعتبار ہیں یا نہیں؟

(جواب) جن پر پنسل سے حکم لکھا ہے وہ قابل اعتبار ہیں کیونکہ پنسلی حکم قیدی ہی کے قلم کے ہیں۔ دیگر کاغذات کی نسبت بھی میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ قابلِ اعتبار نہیں ہیں کیونکہ دستخط خود بادشاہ کے ہاتھ کے ہیں۔

شہادت حکیم احسن اللہ خان

لارڈ ایلن برو کے عہد انتظام میں جسوقت سے گورنر جنرل کا بادشاہ کو نذر دینا بند ہوا ہے بادشاہ ہروقت اداس رہا کرتے تھے اولاً تو انھوں نے اس معاملہ کے لیئے ولایت میں تحریک کی اور بعد میں ہمیشہ اس حکم کے شاکی رہے اُسکے سبب اپنی بددلی ظاہر کرتے رہے۔
بعد میں جب گورنمنٹ نے اُنکی یہ خواہش کہ اُن کا چھوٹا بیٹا جواں بخت باوجودیکہ یہ طے پاچکا تھا کہ سب سے بڑا لڑکا مرزا فتح الملک اُنکے بعد گدی نشین ہوگا ولیعہد بنادیا جائے پوری نکی تو اُن کو اور بھی زیادہ رنج ہوا۔ اُس کے کچھ عرصہ کے بعد مرزا حیدر پسر مرزا خان بخش پسر مرزا سلیمان شکوہ مع اپنے بھائی مرزا مراد کے لکھنو سے دہلی آئے۔ وہ بیشتر بادشاہ سے ملاقات کیا کرتے تھے سب سے پہلے اُنھوں نے بادشاہ کو یہ سمجھایا کہ ایجنٹ کو لکھنا چاہیئے کہ میں (بادشاہ) نے ان شاہزادوں کو گورنمنٹ کے دفتر میں اپنا ایجنٹ مقرر کیا ہے۔
ایجنٹ لفٹنٹ گورنر نے اس انتظام کو ہیں وجہ سے منظور نہ کیا کہ ایسے فرائض پر کبھی شاہزادے مقرر نہیں ہوئے۔ پر یہ شاہزادے بادشاہ کی مہر ثبت کر کے چند کاغذات اپنے ہمراہ لیگئے وہ بلا روک ٹوک محلات شاہی میں بھی آیا جایا کرتے تھے۔

جواب) نمبر ۱۴ رقعاعدہ کولری کے ایک مسلمان افسر مسمی مرزا تقی خان نے مجھسے تذکرہ کیا تھا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ انقلاب ضرور ہوگا اور انگریزی حکومت باقی رہیگی یہ گفتگو پشاور میں ہوئی تھی اور اب مجھے یاد نہیں کہ ۱۸۵۵ء میں ہوئی تھی یا ۱۸۵۶ء میں
سوال) کیا تم نے کبھی کسی ہندوستانی کو یہ کہتے بھی سنا کہ انگریزوں کو یہاں حکومت کرتے کسقدر زمانہ گزر گیا اور انکی حکومت اب زیادہ نہ رہیگی؟ (جواب) نہیں
(سوال) کیا کمپنی کی حکومت کے خلاف ہندو زیادہ تھے یا مسلمان؟ (جواب) مسلمان
(سوال) کیا تم نے شاہ فارس کی فوج ہندوستان آنیکی خبریں سنی تھیں یا ہندوستانیوں کو انگریزوں اور ایرانیوں کی لڑائی کا تذکرہ کرتے سنا تھا؟
(جواب) نہیں مجھے کبھی ہندوستانیوں سے اس بارہ میں گفتگو کرنے کا اتفاق نہیں ہوا جو کچھ مجھے خبریں معلوم ہوتی تھیں انگریزی اخباروں سے ملتی تھیں۔
(سوال) کیا ہندوستانیوں کو روس کے ہندوستان میں آنیکا یقین تھا یا بلوہ سے پیشتر وہ اس کا تذکرہ کیا کرتے تھے؟
(جواب) نہیں میں اس بارہ میں کچھ نہیں کہسکتا۔ مجھے ہندوستانیوں سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا (جرح عدالت)

(سوال) جو کچھ تم نے دہلی میں دیکھا سنا اسکی رو سے تم یہ گمان کرسکتے ہو کہ قیدی باغیوں سے سازش نہیں رکھتا؟
(جواب) جو کچھ میں نے سنا اس قدر میں کہہ سکتا ہوں کہ ابتداءً بادشاہ نے باغیوں سے ناراضگی ظاہر کی تھی مگر جب اس نے اپنے تئیں اُس سے بچتے نہ دیکھا تو بعد میں ملگیا اور بیانات پندرہ

(سوال) کیا مسعود نے روپیہ یا کسی اور چیز سے کمپنی کی ملازمت ترک کرنیکی ترغیب دی؟

(جواب) نہیں۔ (سوال) کیا تمھارا یہ خیال ہے کہ جو کچھ مسعود نے تم سے ملازمت ترک کرنے کے لیئے کہا وہ بادشاہ یا کسی اور اہلکار کی طرف سے کہا۔ یا خود

(جواب) میں ایسا خیال نہیں کرتا مجھے تو یہ اُسی کی بیوقوفی معلوم ہوتی ہے

(سوال) کیا تمھیں معلوم ہے کہ کسی اور سے بھی کمپنی کی ملازمت ترک کرنیکی اور شاہی ملازمت اختیار کرنے کے لیئے کہا تھا؟ (جواب) مجھے نہیں معلوم

(سوال) جو چپاتیاں غدر سے پیشتر گاؤں گاؤں تقسیم ہوئیں اُنکی نسبت بھی تمکو کچھ معلوم ہے

(جواب) نہیں۔ میں اُس وقت اپنے گاؤں میں چھٹی پر تھا میں نے صرف اُنکے تقسیم ہونیکی خبر سُنی تھی کسی نے اُسکی وجہ مجھسے نہیں بیان کی۔

(سوال) ۱۱ مئی سے کتنے پیشتر سے تم دہلی میں تھے؟

(جواب) تیرہ یا چودہ روز پہلے سے۔

(سوال) کیا اُن دنوں میں لوگوں کو کہتے سُنا کہ عنقریب فساد ہونیوالا ہے؟

(جواب) میں بیمار تھا شہر والوں سے بات کرنیکا مجھے موقع نہیں ملا۔

(سوال) تم بیان کر چکے ہو کہ مسعود نے تم سے بعد بلوہ کے روسیوں کے تمام ملک لے لینے کا تذکرہ کیا تھا۔ کیا تمھارے نزدیک شہر والوں کا بھی یہی یقین تھا؟

(جواب) ہاں میں تو ایسا ہی خیال کرتا ہوں مسلمانوں میں جن سے مجھے ملنے کا موقع ملا تھا اس کا عام تذکرہ ہوتا تھا۔ اُن کا گمان تھا کہ آیندہ موسم گرما میں روس یہاں آئیگا۔

(سوال) بلوہ سے پیشتر تمھیں اپنی رجمنٹ کے ہندوستانی افسروں سے کمپنی کی ملازمت پر گفتگو کرنیکا موقع ملا تھا؟

(جواب) نمبر ۹ رسالہ کوری کے ایک مسلمان افسر مسمی مرزا تقی خان نے مجھسے تذکرہ کیا تھا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ انقلاب ضرور ہوگا اور انگریزی حکومت جاتی رہیگی یہ گفتگو پشاور میں ہوئی تھی اور اب مجھے یاد نہیں کہ ۱۸۵۵ء میں ہوئی تھی یا ۱۸۵۶ء میں

(سوال) کیا تم نے کبھی کسی ہندوستانی کو یہ کہتے بھی سنا کہ انگریزوں کو یہاں حکومت کرتے کسقدر زمانہ گزر گیا اور انکی حکومت اب زیادہ نہ رہیگی؟ (جواب) نہیں

(سوال) کیا کمپنی کی حکومت کے خلاف ہندو زیادہ تھے یا مسلمان؟ (جواب) مسلمان

(سوال) کیا تمسے شاہ فارس کی مع فوج ہندوستان آنیکی خبریں سنی تھیں یا ہندوستانیوں کو انگریزوں اور ایرانیوں کی لڑائی کا تذکرہ کرتے سنا تھا؟

(جواب) نہیں مجھے کبھی ہندوستانیوں سے اس بارہ میں گفتگو کرنے کا اتفاق نہیں ہوا جو کچھ مجھے خبریں معلوم ہوتی تھیں انگریزی اخباروں سے ملتی تھیں۔

(سوال) کیا ہندوستانیوں کو روس کے ہندوستان میں آنیکا یقین تھا یا بلوہ سے پیشتر وہ اس کا تذکرہ کیا کرتے تھے؟

(جواب) نہیں میں اس بارہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مجھے ہندوستانیوں سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا (جرح عدالت)

(سوال) جو کچھ تم نے دہلی رہکر سنا اسکی روسے تم یہ گمان کر سکتے ہو کہ قیدی باغیوں سے کبھی نہیں ملا؟

(جواب) جو کچھ میں نے سنا اس قدر میں کہہ سکتا ہوں ابتداءً بادشاہ نے ناراضگی ظاہر کی تھی مگر جب اُس نے اپنے تئیں اُس سے بچتے نہ دیکھا تو بعد میں ملگیا اور یہ بات پندرہ

(سوال) کیا مسعود نے روپیہ یا کسی اور چیز سے کمپنی کی ملازمت ترک کرنیکی ترغیب دی؟

(جواب) نہیں۔ (سوال) کیا تمھارا یہ خیال ہے کہ جو کچھ مسعود نے تم سے ملازمت ترک کرنے کے لیئے کہا وہ بادشاہ یا کسی اور اہلکار کی طرف سے کہا۔ یا خود

(جواب) میں ایسا خیال نہیں کرتا مجھے تو یہ اُسی کی بیوقوفی معلوم ہوتی ہے

(سوال) کیا تمھیں معلوم ہے کہ کسی اور سے بھی کمپنی کی ملازمت ترک کرنیکی اور شاہی ملازمت اختیار کرنے کے لیئے کہا تھا؟ (جواب) مجھے نہیں معلوم

(سوال) جو چپاتیاں غدر سے پیشتر گاؤں گاؤں تقسیم ہوئیں اُنکی نسبت بھی تمکو کچھ معلوم ہے

(جواب) نہیں۔ میں اُس وقت اپنے گاؤں میں چھٹی پر تھا میں نے صرف اُنکے تقسیم ہونیکی خبر سُنی تھی کسی نے اُسکی وجہ مجھسے نہیں بیان کی۔

(سوال) ۱۱ مئی سے کتنے پیشتر سے تم دہلی میں تھے؟

(جواب) تیرہ یا چودہ روز پہلے سے۔

(سوال) کیا اُن دنوں میں لوگوں کو کہتے سُنا کہ عنقریب فساد ہونیوالا ہے؟

(جواب) میں بیمار تھا شہر والوں سے بات کرنیکا مجھے موقع نہیں ملا۔

(سوال) تم بیان کرچکے ہو کہ مسعود نے تم سے بعد بلوہ کے روسیوں کے تمام ملک لے لینے کا تذکرہ کیا تھا۔ کیا تمھارے نزدیک شہر والوں کا بھی یہی یقین تھا؟

(جواب) ہاں میں تو ایسا ہی خیال کرتا ہوں مسلمانوں میں جن سے مجھے ملنے کا موقع ملا تھا اس کا عام تذکرہ ہوتا تھا۔ اُن کا گمان تھا کہ آیندہ موسم گرما میں روس یہاں آئیگا۔

(سوال) بلوہ سے پیشتر تمھیں اپنی رجمنٹ کے ہندوستانی افسروں سے کمپنی کی ملازمت پر گفتگو کرنیکا موقع ملا تھا؟

مشہور ہوتا ہوں۔ میں نے اُسکی وجہ پوچھی تو اُس نے جواب دیا کہ موسم گرما میں روسی تمام
مقامات پر قبضہ کر لینگے میں نے اُس کے ان خیالات پر قہقہہ مارا اور اس سے کہا
کہ اس وقت تو جاؤ مجھے فرصت نہیں ہے میں تم سے کسی اور وقت ملونگا۔ یہ گفتگو ۹ مئی ۱۸۵۷ء
کو بوقت ۱۱ بجے دن کے ہوئی اسکے بعد وہ پھر نہ آیا اور جب میں کوتوالی سے رہا ہو کر اُسکے
ہاں گیا تو اُس نے کہا کیوں میں نہ کہتا تھا کہ تم وہاں سے چلے آؤ۔ اُس نے مجھ سے
یہ بھی کہا کہ ایک حبشی قیصر نامی ملوہ سے دو سال پیشتر یہاں سے قسطنطنیہ روانہ ہوا تھا
اور اُسکی روانگی کے وقت اُسکے مکہ جانیکا بہانہ کیا گیا تھا مگر وہ در اصل بادشاہ کی طرف
سے بطور ایلچی روسیہ سے مدد لینے گیا ہے اور قیصر نے روانگی کے وقت یہ کہا تھا کہ میں
دو سال میں واپس آؤنگا۔

(سوال) کیا تمہارے وہاں قیام کے زمانہ میں مسودے ملوہ کے متعلق تم سے کچھ اور بھی
کہا ہے (جواب) نہیں ملوہ کے متعلق تو کچھ اور نہیں کہا البتہ وہ رات کو مکان پر واپس آیا
کرتا تھا اور جو کچھ دن میں گذرتا تھا وہ کل حرف مجھے سنایا کرتا تھا اُس نے ایک موقعہ پر
مجھے یہ بھی خبر دی تھی کہ بادشاہ نے اپنے تمام بیٹوں اور عمائدین کو ایک دن دربار عام میں
جمع کر کے کہا کہ جب سے غازی الدین نگر کی لڑائی ہوئی ہے تم لوگ میری طرف سے توجہ
اُٹھاتے جاتے ہو جس کا سبب فاتنا لڑائی ہے۔ بادشاہ نے یہ بھی کہا کہ اس وقت تم سب کو
اتفاق کر کے انگریزوں کو پہاڑی پر سے نکال دینا چاہیئے اگر تم ایسا نہ کروگے تو یاد رہے
انگریز تیمور شاہ کا بیج دنیا سے نیست و نابود کر دینگے۔ مسعود دس یا بارہ شاہی حبشی ملازموں
کا افسر تھا وہ بادشاہ کے خاص ملازموں میں تھا اور ہر وقت اُسکے ساتھ رہتا تھا اور جو کچھ
اُس نے کہا وہ سب صحیح ہوگا۔

نے مسٹر جارج سکنر کے بال پکڑ کر کوتوالی سے پچاس قدم کے فاصلہ پر بٹھا کے اپنے پستول سے اُنکے گولی ماری پھر اور گولیاں بھی چھوٹیں اور اُنکا وہیں کام تمام ہو گیا۔ میں کھڑا سوچ رہا تھا کہ سوار آکر اب میرا بھی یہی حشر کرینگے مگر مسٹر سکنر کو مار کر وہ فوراً قلعہ کی طرف دوڑ کر گئے پر مجھے کوتوالی کے ایک حوالدار نے حکم دیا کہ اور قیدیوں کے پاس جا کر بیٹھو اور میں ہاں چالیس اور قیدیوں کے ساتھ جن میں مرد عورتیں اور بچے تھے کوئی پچیس روز رہا اسکے بعد مولوی اسمٰعیل نے یہ شہادت دیکر کہ ہم مسلمان ہیں اور اگر مسلمان نہیں ہیں تو اب مسلمان ہو جائیں گے اور جو شخص مسلمان ہو جائے اُسے قتل کرنا چاہیے چھوڑوا دیا۔ مگر ہم کو شہر سے نکلنے کی اجازت نہ دی اور میں پھر ایک حبشی کے ہاں جس کا نام مسعود تھا رہا

(سوال) کیا تمہاری اس شخص سے پہلے سے ملاقات تھی؟

(جواب) میں اس شخص سے خوب واقف تھا یہ پہلے کرنیل سکنر کے ہاں ملازم تھا جہاں سے وہ ۱۸۴۲ء میں خود علیحدہ ہو گیا تھا۔

(سوال) بلوہ کے زمانہ میں یہ حبشی کس کے ہاں ملازم تھا؟

(جواب) بادشاہ کے ہاں اور کئی سال سے وہاں تھا۔

(سوال) کیا اُس نے تمھیں کبھی کمپنی کی ملازمت ترک کرنے اور بادشاہی ملازمت اختیار کرنیکی ترغیب دی؟

(جواب) ہاں اُس نے مجھ سے اِس کا تذکرہ کیا تھا۔ بلوہ ہونے سے تین روز قبل میرے مکان پر گیا تھا میں اُس وقت اپنے رسالہ کے گھوڑے دیکھ رہا تھا اُس نے مجھ سے کہا کہ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے جب میں اُسکے ... تخلیہ میں گیا تو اُس نے مجھ سے کہا کہ کیا اچھا ہو اگر تم مع اپنے رسالہ کے کمپنی کی ملازمت چھوڑ کر شاہی ملازمت کر لو۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ میں تمکو دو نشان

اس سے کہا کہ دن بھر مجھے چھپا لو اور کسی نہ کسی طرح مجھے شہر سے نکال دو میں ایک شاہ زادہ
اُسکے مکان پر رہا دوسرے دن اُنھوں نے مجھ سے کہا کہ میرے پڑوسیوں کو تمھارے
یہاں چھپنے کی خبر ہے اس لیے میں قلعہ جاتا ہوں کہ بادشاہ سے تمھاری محافظت
کے لیے کچھ گارد لے آؤں۔ مسٹر جارج سکنر بھی اُسی کے مکان میں چھپے ہوئے تھے۔
ایک گھنٹہ کے بعد اُس نے مجھے کہلا بھیجا کہ بادشاہی طبیب حکیم احسن اللہ خاں مجھ پر سخت
ناراض ہوا کہ تم نے عیسائیوں کو اپنے مکان میں کیوں چھپا رکھا ہے (حکیم احسن اللہ خاں کو مرزا
عظیم بیگ میں رشتہ داری تھی) اور کہلا بھیجا کہ فوراً مکان خالی کر دو چنانچہ میں تو خبر پاتے
ہی وہاں سے چلا گیا مگر مسٹر جارج سکنر اُسکے ملازموں کے زنان خانے میں بدستور چھپے
رہے۔ میں سوار بہادر کے مکان سے کوئی دو سو گز گیا ہونگا کہ میں نے باغی سپاہیوں کو آتے
دیکھا ایک مسجد قریب ہی تھی میں اُس میں چلا گیا اور خیال کیا کہ اگر چپکا یہاں بیٹھ گیا تو شاید
باغی یہاں سے مجھے دیکھے بغیر چلے جائیں مگر جب وہ مسجد کے پاس آگئے تو اُن میں سے ایک
نے مجھے پہچان لیا اور پکارا کہ ایک انگریز مسجد میں چھپا ہوا ہے اُنھوں نے مجھے پکڑ لیا اور
مرزا عظیم بیگ کے مکان پر پہنچکر مسٹر جارج سکنر کو بھی گرفتار کر لیا۔ وہ ہم دونوں کو لیکر کوتوالی
کی طرف چلے کہ راستہ میں مسٹر لائٹ کولری کے گیارہ سوار اور بھی ملے اور للکار کر پوچھا
تم کون ہو اور ان قیدیوں کو کہاں لیے جاتے ہو کیا یہ عیسائی ہیں اُنھوں نے جواب دیا
کہ ہاں ہم انھیں کو کوتوالی لیے جاتے ہیں اس پر اُنھوں نے کہا کہ کوتوالی لے جانے سے
کیا فائدہ لاؤ انھیں ہمیں بندوق سے مار دیں۔ سپاہیوں نے کہا کہ کوتوالی یہاں سے
قریب ہے انھیں وہاں جانے دو مسجد میں تمھارا حوالہ دیا ہے نکال کر لایا کو کوتوالی پہنچکر اُنھوں نے
کوتوال سے رپورٹ کی کہ ہم دو شکار لائے ہیں کوتوال نے کچھ جواب نہ دیا البتہ ایک سوار

مذاق کرتا ہوں۔ میں نے کہا "اگر جیسا کہ تم کہتے ہو ایسی صورت ہو تو سب سے پہلے تمھارا ہی سر کچلا جائیگا" اُس نے کہا کہ ایرانی دہلی کی طرف آرہے ہیں اور جب وہ دہلی پہنچ جائینگے تو اول تم دونوں ہی گرفتار ہوگی اور میں تمھیں بچا کر لاؤنگا۔ اس کے بعد وہ ہمارے پاس سے چلا گیا میرے خیال میں یہ گفتگو اپریل ۱۸۵۶ء میں ہوئی۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا اور شاہد کو عدالت سے جانیکا حکم ملا۔

(سترہویں دن کی کارروائی)

صادق الاخبار کی اصل و ترجمہ قیدی کے روبرو پڑھا گیا جس میں بلوہ کے متعلق خبریں تھیں

(اٹھارھویں دن کی کارروائی)

جان اریوریٹ بیقاعدہ کولری کی چودہویں رجمنٹ کا سابق سارجنٹ اور پولیس کا موجودہ رسالدار عدالت میں طلب ہوا اور اُسے حلف دیا گیا۔ (جرح جج ایڈوکیٹ)

(سوال) کیا ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو تم دہلی میں تھے؟

(جواب) میں دہلی ہی میں تھا۔

(سوال) بلوہ کے متعلق جو تم نے دیکھا ہو بیان کرو؟

(جواب) ۹ بجے کے قریب میرٹھ سے آئے ہوئے باغی شہر میں داخل ہوئے اور آتے ہی انگریزوں اور عیسائیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا آٹھ گھنٹے کے بعد میگزین کے قریب بندوقیں چھٹنے کی آوازیں آئیں۔ میں دہلی میں بیماری کی چھٹی پر تھا بیماری کیوجہ سے چپ چاپ گھر میں بیٹھا رہا۔ چونکہ کرایہ کے مکان میں رہ کر مجھے اپنی جان کا خوف تھا اس لیئے اندھیرا ہونے پر میں وہاں سے نکل کر کرنیل سکنر کے مکان پر پہنچا اور وہ رات وہاں بسر کی۔ صبح ہونے پر مرزا عظیم بیگ (نمبر ا بیقاعدہ کولری کا پنشن یافتہ سردار بہادر) کے مکان پر گیا۔ ادھر

یا تم کو اطلاع ملی کہ کیا ہونے والا ہے۔

(جواب) ہاں اُنھوں نے صاف الفاظ میں کہدیا تھا کہ بلوہ ہوگا اور انبالہ کی رات کی آتشزدگی اس کا ثبوت ہے۔ پہلی آگ تو جس دن این فیلڈ والے کارتوس چھوڑے اُسوقت لگی اور اُس دن سے اسی تک برابر رات کو آگ لگتی رہی۔ ہم نے این فیلڈ والے کارتوس پہلے پہل ۱۷ اپریل کو چھوڑے تھے باوجودیکہ گورنمنٹ سے اُس شخص کو جو ملزم کی اطلاع دے بڑا انعام دیے کا لالچ بھی دیا تھا مگر کسی نے آتشزدگی کی بات کبھی کوئی اطلاع نہیں دی یہ بھی ایک خاص بات عام بددلی اور بلوہ ہونیکی خبر دیتی تھی۔ میں نے کل فوجی ہیڈ کوارٹروں میں جو اُس وقت انبالہ میں تھے اس بات کی رپورٹ کی اور میں مضمون کی ایک حصہ تحریر کپتان سیٹیمس کو جو فوج کا اسسٹنٹ ایڈجوٹینٹ جنرل تھا بھی۔ گواہ کو واپسی کا حکم دیا گیا۔
اظہار مسس فلیمنگ یعنی سارجنٹ فلیمنگ کی بیم عدالت میں طلب ہوئی اور اُسکو حلف دیا گیا

جرح جج ایڈوکیٹ

(سوال) گزشتہ اپریل کی آخری تاریخوں میں کیا تم ریت محل قیدی کے مکان میں رہتی تھیں اور کیا تم نے جواں بخت کو وہاں دیکھا تھا۔ (جواب) ہاں

(سوال) اچھا جو کچھ اُس موقع پر گزرا بیان کرو ۔

(جواب) میں جواں بخت کی سالی کے پاس بیٹھی تھی اور وہ اپنی بیوی کے پاس کھڑا تھا۔ میری اکلوتی لڑکی مسمی سگلی بھی میرے ساتھ تھی۔ میں جواں بخت کی سالی سے باتیں کر رہی تھی کہ میری بیٹی نے مجھ سے کہا۔ اماں تم سنتی ہو یہ تیرا آ می کیا کہہ رہا ہے؟ یہ کہتا ہے میں چند ہی روز میں انگریزوں کو مار کر دونگا اور پھر ہندوؤں کو قتل کر دونگا۔ یہ سن کر میں جواں بخت سے مخاطب ہوئی اور اُس سے پوچھا تم کیا کہہ رہے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ میں ر

(جواب) انبالے والے تو اس بات کو کبھی کبھی اس طرح ظاہر کیا کرتے تھے گویا اُنھیں یہ بات ناپسند معلوم ہوتی تھی مگر جب غدر کے ایک ہفتہ بعد میں کرنال میں نمبر ۳ کولری کے سپاہیوں سے اس کا تذکرہ کیا تو اُنھوں نے یہ کہا کہ تم نے کل ہندوستان فتح کرکے اپنے قبضہ میں کر لیا اب کوئی ایسا ملک نہیں رہا جو تمھیں لینا ہو اور تمھارا یہ ارادہ ہے کہ ہمارے دین وملت پر بھی حملہ کرو۔ میں اُسوقت کرنال میں کمسریٹ افسر تھا اور وہ سپاہی ہمارے وفادار تھے۔

(سوال) کیا سپاہیوں نے انگریزی واعظوں کو دیسیوں کے عیسائی بنانیکی بھی تم سے شکایت کی تھی؟

(جواب) نہیں میں نے اپنی زندگی میں نہیں سُنا۔ اِسکی تو انھیں ذرا بھی پروا نہ تھی۔

(سوال) کیا جو کارتوس ڈپو میں سپاہیوں کو استعمال کے لیئے دیئے جاتے تھے اُن میں چربی ملی ہوئی تھی۔

(جواب) نہیں۔ میگزین سے نکلنے کے وقت اُن میں چربی ملی ہوئی نہیں ہوتی تھی۔ اور جن کارتوسوں پر تقسیم سے پہلے چربی ملی ہوتی تھی وہ اُنھیں نہیں دیئے جاتے تھے بلکہ اُنھیں سادے کارتوس دیدیئے جاتے تھے اور وہ خود موم روغن ملا کر کاٹتے تھے جو بازار سے خود لایا کرتے تھے۔ (سوال) زبردستی بیدین کرنیکی بابت کیا ہندو مسلمانوں کی شکایت میں کچھ امتیاز تھا

(جواب) ہاں کارتوسوں کے مسئلہ پر تو مسلمان ہنسا کرتے تھے اور ہندو بے دین ہو جانے کے خیال سے سخت شاکی تھے مگر الحاقِ اودھ کی بابت میں نہیں کہہ سکتا کہ مسلمان رنجیدہ ہوئے یا نہیں؟ قیدی نے جرح سے انکار کیا۔

(جرح عدالت)

(سوال) کیا بلوہ سے پیشتر تم نے اپنے سپاہیوں کے طرزِ عمل میں کوئی نئی بات محسوس کی

ہیں جس کا منشا یہ ہے کہ ہمیں (ہندوستانیوں کو) زبردستی کھانی پڑیگی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم سے ایک دن جبراً دین بدلنے کے لیئے کہا جاویگا - اور وہ یہ کہا کرتے تھے حلیا کھانا دیا دیں -

(سوال) کیا تمہارے خیال میں ٹروپوں میں جس قدر سپاہیوں کے دستے تھے اُن سکا یہی خیال تھا

(جواب) ہاں میرے نزدیک تو سب کا یہی خیال تھا

(سوال) کیا اُس میں یہ بھی چرچا تھا کہ گورنمنٹ انکو بے دین کرنے کے لیئے آٹے میں پسی ہوئی ہڈیاں ملوا رہی ہے -

(جواب) پہلے یہ خبر مَیں نے ماہ مارچ میں سُنی تھی - مجھسے یہ شکایت ہوئی تھی کہ جس قدر آٹا ڈپو سے سپاہیوں کو دیا جاتا ہے اُس سب میں پسی ہوئی ہڈیاں ملی ہوئی ہیں -

(سوال) کیا تمہارے نزدیک کل سپاہی اسی خیال پر جمے ہوئے تھے ؟

(جواب) مَیں نے مختلف اور سپاہیوں کے خط دیکھے جو مجھے سپاہیوں نے ثبوت میں کھائے کہ اس آٹے میں پسی ہڈی ملی ہوئی ہے -

(سوال) کیا تم سے سپاہیوں نے اور بات کی بھی شکایت کی جسکی وہ تلافی چاہتے ہوں

(جواب) اُنھیں صرف اس بات کی شکایت تھی اور یہی اندیشہ تھا کہ گورنمنٹ زبردستی ہمیں دین سے بے دین کرنا چاہتی ہے -

(سوال) کیا اُنھوں نے تم سے گورنمنٹ کے ہندو بیواؤں کے اور دواج ثانی کے بارہ میں دست اندازی کرنے کا بھی تذکرہ کیا ؟

(جواب) ہاں اشارہ میں اُنھوں نے یہ اشارہ کیا تھا کہ گورنمنٹ ہمارے اخلاق پر بھی حملہ کرتی ہے

(سوال) کیا اُنھوں نے اودھ کے لے لینے پر کبھی یہ خیال ظاہر کیا کہ وہ کل ہندوستانی ریاستوں کو برباد کرویگی ؟

اس حرکت کی شکایت فریزر صاحب سے کی مگر انھوں نے یہ کہکر کہ وہ بیوقوف ہے بات کو ٹالدیا۔ اسکے بعد ۲ مئی کو وزیر اعظم نے میرے لڑکے کو۔ اپنے پاس بیباقی حساب کے لیے بلایا اس موقع پر بھی جواں بخت نے اُسے بہت کچھ بُرا بھلا کہا اور کہا کہ چند ہی دن میں تیری گردن اتروائے دیتا ہوں۔ چنانچہ میرا لڑکا بھی بلوہ میں قتل ہوا۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا اور گواہ کو واپسی کا حکم دیا گیا۔

سولھویں دن کی کارروائی

دسویں ہندوستانی پیدل کا کپتان مارٹینو عدالت میں طلب ہوا اور اُسکو باضابطہ حلف دیا گیا۔ (جرح جج ایڈوکیٹ)

(سوال) کیا جنوری لغایت مئی ۱۸۵۷ء تم انبالہ میں ڈپو کے بندوقچیوں کے معلم رہے۔

(جواب) ہاں۔ اُس زمانہ میں میں وہاں معلم بندوقچیاں تھا۔

(سوال) کیا ہندوستان کی ہر دیسی رجمنٹ کے سپاہیوں کا دستہ وہاں بندوق چلانے کی تعلیم کے لیئے آیا کرتا تھا؟

(جواب) نہیں ہر رجمنٹ میں سے نہیں بلکہ ہندوستانی رجمنٹ میں سے ہر چوالیس آدمیوں میں سے پانچ سپاہی آیا کرتے تھے۔

(سوال) کیا تم نے ان آدمیوں سے اُن چپاتیوں کے متعلق جو اُن اضلاع کے مختلف دیہاتوں میں بلوہ سے پیشتر تقسیم ہوئی تھیں کچھ استفسار کیا تھا؟

(جواب) میں مختلف سپاہیوں سے اکثر اس معاملہ پر گفتگو کیا کرتا تھا۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ تم ان چپاتیوں سے کیا مطلب نکالتے ہو اور یہ کس نے تقسیم کرائی تھیں اُنھوں نے جواب دیا چونکہ وہ جہازی بسکٹوں کی مانند ہیں ہمارا تو یہ یقین ہے کہ سرکار کی طرف سے تقسیم ہوئی

(جواب) ہاں میرے ایک قدیم ملازم نے جو عرصہ ۴۰ سال سے میرے خاندان کا نوکر تھا اُس زمانہ میں چھٹی کی درخواست کی میں نے اُس سے واپس آنے پر اصرار کیا تو اُس نے بار بار افسوس سے یہ جواب دیا کہ بشرطیکہ حضور کا چولھا گرم رہا تو انشاء اللہ ضرور حاضر ہونگا جس سے اُسکی یہ مراد تھی کہ اگر میں اور میرے خاندان کی حالت اُسکے نوکر رکھنے کی رہی تو وہ آئیگا۔ یہ الفاظ اُسنے بلوہ سے بہت ماعشرہ پیشتر کہے تھے۔ وہ اسی زمانہ میں میرے پاس سے چلا گیا تھا اُسکے بعد میں نے اُسکی کچھ خبر نہیں سنی۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا اور گواہ کو عدالت سے جانیکی اجازت دیگئی۔

سارجنٹ فلیمنگ (بازار سارجنٹ دہلی) عدالت میں طلب ہوا اور اُسکو باضابطہ حلف دیا گیا

جرح ج ایڈوکیٹ

(سوال) کیا گذشتہ مئی میں بلوہ سے پیشتر تمہارا لڑکا قیدی کے صاحبزادے جواں بخت کے گھوڑوں کو پھرایا کرتا تھا۔؟

(جواب) ہاں اُس نے کوئی پانچ یا چھ سال تک گھوڑے پھیرے۔

(سوال) تمہارے لڑکے کی کیا عمر ہوگی؟ (جواب) کوئی انیس سال کی۔

(سوال) کیا بلوہ سے کچھ پیشتر اُس نے تم سے کبھی جواں بخت کی بدمالی کی شکایت کی؟

(جواب) اپریل ۱۸۵۷ء کے آخری دنوں میں اُس نے ایکدن وزیر صاحب کے دفتر سے جہاں وہ کچھ لکھنے کا کام کرتا تھا آکر کہا کہ آج میں حسب معمول وزیر اعظم کے مکان پر گیا تھا وہاں قیدی کے لڑکے جواں بخت بھی تھے اُنہوں نے مجھے کہا دو ماہ و بیاں مرگر۔ آتا میں کافر انگریزوں کی صورت دیکھنا پسند نہیں کرتا اور کچھ زمانہ جاتا ہے کہ تم سب کو قتل کراکر اپنے پاؤں سے روندونگا جواں بخت نے اُس کے منہ پر تھوک بھی دیا۔ اُس نے

باقیماندہ کو جب اُنھوں نے اپنے ہتھیار رلا کر کھڑے کر دیئے تو ہم اُنکو مکان کے اندر لے آئے اُس دن سخت گرمی تھی اُن میں سے کچھ آدمی تربوز اور مٹھائی اپنے ہمراہ لائے تھے مجھسے اور کپتان کارڈنر سے اُسکے چکھنے کے لیے بہت اصرار کیا یہ بات بھی ہمیں نئی معلوم ہوئی۔ اس اثنا میں وقتاً فوقتاً شہر میں جو روشنی دکھائی دیتی تھی دیکھنے کے لیئے بلائے گئے۔ اِس کے بعد ہی ایک توپ کی آواز سنی اس کا سبب ہم نہیں سمجھے کہ کیا تھا۔ جب ہمیں انبالہ اور دیگر مقامات کی آتش زدگی یاد آئی تو ہمیں گمان ہوا کہ شہر میں کچھ نہ کچھ اندیشہ ناک حالت ہے مگر کپتان کارڈنر نے مجھسے کہا کہ خدا کا شکر ہے ہمارے سپاہی اس وقت بہت نیک معلوم ہوتے ہیں۔ ہم نے اُنھیں دہوپ میں چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بناتے دیکھکر منع کیا اور اندر آنیکے لیئے حکم دیا اُنھوں نے جوابدیا وہ ہمیں دہوپ اچھی معلوم ہوتی ہے" مگر میں نے اُنھیں مکرر اندر آنیکی تاکید کی جب میں ایک کمرہ کے اندر گیا تو وہاں ایک آدمی کو جو صورت سے سپاہی معلوم ہوتا تھا کمپنی والوں سے اس طرح پکار پکار کر باتیں کرتے دیکھا کہ مذہبی کتابوں میں لکھا ہے کہ ہر قوت یا سلطنت کے لیئے ایک وقت مقرر ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ انگریزوں کے زمانہ کا خاتمہ آلگا ہو۔ میرا ارادہ ہوا کہ اُسے قید کرلوں کہ اتنے میں شہر والا میگزین اڑا اور دونوں کمپنی کے آدمی پرتھی راج کی جے پکارتے ہوئے ہتھیار اُٹھا شہر کی طرف دوڑ پڑے۔

(سوال) کیا کسی سبب سے تمکو اسی سے پیشتر اپنی رجمنٹ کے سپاہیوں کی بزدلی کا گمان ہوا تھا۔؟ (جواب) نہیں

(سوال) کیا بلوہ سے پیشتر کوئی ایسا واقعہ تمھارے پیش نظر ہوا جس سے دہلی میں فساد ہونیکا گمان ہوتا؟

لفٹنٹ گمیر اینڈ جوڈونٹ موج کے ہاں گئے وہاں کرنیل نیوبٹ رجمنٹ کے کمانڈنٹ کپتان
گاڈ ڈر اور برگیڈیر میجر کپتان نیکل موجود تھے انھوں نے مجھے حکم دیا کہ تم فوراً جا کر اپنی اور
کپتان گاڈڈر کی کمپنی کو لے آؤ مجھے یہ بھی حکم ملا تھا کہ دو سو آدمی پورے کر کے انھیں
کارتوس وغیرہ دیکر شہر کے باہر بارود والے میگزین کے اوپر کے ٹیلہ پر جا کر کھڑا ہوں
اور کسی کو اس طرف سے دریا عبور نہ کرنے دوں۔ میں اور کپتان گارڈر فوراً لین گئے، وہاں
جا کر دیکھا تو ہماری کمپنیوں کے آدمی جوش میں بھرے بیٹھے ہیں انکو وقت، مہیا کر کے
سو سو آدمیوں کی دو کمپنیاں پوری کیں۔ کارتوس وغیرہ لینے میں جب دیر ہوئی تو میں نے
دیر کی وجہ دریافت کی پھر خود جا کر سب پوچھا تو خلاصیوں نے کہا، ہم کیا کریں سپاہی ہم سے
کارتوس و ٹوپیاں لینے میں جھگڑتے ہیں اور ہر کسی کو کارتوس و ٹوپیاں دے نہیں سکتے
ہیں جلدی کر کے کمپنی میں واپس آیا جب کارتوس وغیرہ دیئے جا رہے تھے تو بہت سے
آدمیوں نے تعداد سے زائد لیلئے مگر عجلت کی وجہ سے اس وقت تو میں نے کچھ نہ کہا مگر
ہاں دھیان کر لیا کہ بعد میں ان سب کو سزا دونگا۔ کپتان گاڈڈر نے بھی مجھ سے یہی شکایت
کی کہ میری کمپنی والوں نے بھی مقدار سے زیادہ کارتوس وغیرہ لیئے ہیں۔ اسکے بعد کمپنیوں
کو روانگی کا حکم دیا گیا جس وقت لین چھوڑنے لگے تو اس میں عجیب جوش تھا، وقتاً
وقتاً نعرہ بھی کرتے تھے کہ ہم اسکو نہ روک سکے۔ میں نہ سیاں کر ملول گیا کہ اس سے پہلے
ایک عام ہڑتال بارکپور میں الینور پانڈے کے کورٹ مارشل کا نتیجہ سنانے کے لیئے ہوئی
تھی جس پر تمام رجمنٹ نے ناخوشی ظاہر کی۔ مجھے سخت تعجب ہوا کہ آج کیا بات ہے پیشتر
کبھی ایسا نہیں ہوا۔ میگزین کے اوپر کے مکان پر ٹھیکر میں نے دریا کے مختلف موقعوں پر
سنتری مقرر کر دیئے۔

(جواب) مجھے معلوم نہیں۔ گواہ کو واپسی کا حکم دیا گیا۔

کپتان ٹائیلر نمبر ۳۸ ہندوستانی پیدل عدالت میں طلب ہوا اور اس کو حلف دیا گیا

جرح جج ایڈوکیٹ

(سوال) کیا ۱۰ مئی گزشتہ کو تم دہلی میں تھے؟ (جواب) ہاں

(سوال) کیا تم نے اس دن کسی گاڑی کو جس میں ڈاک جاتی ہے اپنی رجمنٹ کی لینوں میں جاتے سُنا یا اپنی آنکھ سے دیکھا اگر تمہیں کچھ معلوم ہو تو بیان کرو؟

(جواب) ہاں ۱۰ مئی یوم یکشنبہ کو دوپہر کے ۳ بجے میں نے بگل کی آواز سُنی اور گاڑی میرے دروازے کے پاس سے گزری جہاں میں رہتا تھا وہاں عام طور سے گاڑیاں نہیں گزرتی تھیں یہ آواز سنکر میں نے اپنے ملازم کو حکم دیا کہ باہر جاکر دیکھ کون آیا ہے۔ اُسنے آکر جواب دیا کہ ایک گاڑی میں چند ہندوستانی لین میں آئے ہیں۔ چونکہ میرا مکان ایک گوشہ پر تھا اور گاڑی مکان کے تین طرف ہو کر جاتی تھی یہ گاڑی ابھی دوسری ہی طرف مڑی تھی کہ میں نے اُس ملازم کو حکم دیا کہ صوبہ دار میجر کو میری طرف سے سلام کہو اور یہ کہو کہ صاحب بلاتے ہیں اس گاڑی کے آنے سے میرا یہ خیال ہوا تھا کہ صوبہ دار میجر اور رجمنٹ کے اور ہندوستانی افسر جو کورٹ مارشل میں میرٹھ گئے تھے شاید آگئے ہیں ملازم نے تھوڑی ہی دیر میں آکر کہا کہ اُس گاڑی میں تو اور بہت سے ہندوستانی میرٹھ سے آئے ہیں اُن میں سے کوئی بھی ہماری رجمنٹ کا نہیں ہے اس گفتگو سے میں فوراً یہ سمجھ گیا کہ یہ باغی سپاہی ہیں۔ (سوال) اچھا گیارہ مئی کو کیا واقعہ پیش آیا؟

(جواب) گیارہ مئی کی صبح کو کوئی ۹ بجے میرا کا ملازم دوڑا ہوا آیا اور کہا کہ لفٹنٹ ایلڈ نے اطلاع بھیجی ہے کہ سوار دہلی آرہے ہیں۔ میں کپڑے پہن کر اُنکے پاس گیا۔ پھر میں اور وہ

ملا ہوا۔ یہ دونوں لڑکیاں حسن عسکری کی مرید تو نہ تھیں مگر انہیں حسن عقیدت بہت تھی

(سوال) کیا کبھی قیدی فوج کی ہمت بڑھانے کے لیئے قلعہ کے باہر نکلا تھا؟

(جواب) ہاں حملہ کے دو دن بعد یعنی ۱۲ ستمبر کو بادشاہ کھلی پالکی میں بیٹھکر فوج کے ہمراہ میگزین جانیکے لیئے قلعہ سے نکلے تھے مگر قلعہ سے دو سو گز کے فاصلہ پر کوئی گھنٹہ بھر ٹھہر کر واپس آ گئے اور فوج برخاست ہوئی۔

(سوال) بادشاہ کس وجہ سے ٹھہر گئے اور اُس کے متعلق کیا خیالات تھے؟

(جواب) وہ فوج بالکل انگریزوں کے شہر سے نکالنے کے لیئے گئے تھے مگر جب وہ سالار لڑائی میں مصروف تھے تو انکی ہمت بڑھانے کے لیئے ٹھہر گئے۔

(سوال) کیا بادشاہ بالعموم صادق الاخبار ملاحظہ کیا کرتے تھے؟

(جواب) پڑھنے کی بابت تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا البتہ یہ اور دیگر اخبار انکے پاس آیا کرتے تھے۔

(سوال) کیا بلوہ سے چند ماہ پیشتر دہلی کے مسلمانوں میں انگریزوں کے خلاف معمول سے زیادہ جوش تھا؟ (جواب) مجھے معلوم نہیں۔

(سوال) کیا تم صادق الاخبار پڑھتے تھے۔؟ (جواب) میں نے کبھی نہیں پڑھا۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا۔

جرح عدالت

(سوال) کیا سوائے مکند لال کے کوئی اور معتمد بھی خفیہ جلسوں میں شریک ہوتا تھا؟

(جواب) نہیں کسی اور معتمد پر اسقدر اعتماد نہ تھا۔

(سوال) کیا بلوہ کے بعد دہلی سے کوئی ایلچی اُس فوج کو بلوہ کی ترغیب دینے کے لیئے گیا تھا جو اس وقت بغاوت میں شریک نہ تھی؟

(سوال) بادشاہ کے خفیہ جلسوں میں کون کون شریک ہوتا تھا؟

(جواب) محبوب علیخاں خواجہ سرا - وزیر اعظم - پیرجی حسن عسکری - وزینت محل - بادشاہ بیگم ومنی بیگم وآغا بیگم دختران فیدی واشرف النساء زوجۂ ثانی موجود ہوتے تھے اور جب کسی تحریر کی ضرورت ہوا کرتی تھی تو احسن اللہ خاں اور کائینتھ مسمی مکند لال کی نگرانی میں سکتر کے دفتر میں لکھی جایا کرتی تھی۔

(سوال) نمبران ۲ و ۳ و ۴ بجد قتل گواہ کو دکھائے گئے اس کے بعد اس سے پوچھا کہ تم خط پہچانتے ہو؟

(جواب) میں نہیں پہچانتا - یہ کاغذ صوبہ دار بخت خاں کے دفتر میں لکھے گئے ہونگے اُن کے ہاں ایک مولوی اُن کاغذوں کو مرتب کر کے بادشاہ کی مہر لگانے کیلئے لایا کرتا تھا۔

(سوال) کیا تم کبھی بادشاہ کے خفیہ جلسوں میں شریک ہوئے؟ (جواب) نہیں

(سوال) جب تم شریک نہیں ہوتے تھے تو تمھیں بادشاہ ایران کے پاس ایلچی جانیکی کیسے خبر ہوئی - (جواب) میں ملازم تو بادشاہ ہی کا تھا مگر محبوب علیخاں کی خدمت میں رہا کرتا تھا اس لئے کبھی کبھی خفیہ حالات بھی معلوم ہوتے تھے۔

(سوال) کیا قلعہ میں عام شہرت تھی کہ حسن عسکری بادشاہ کے مزاج میں بہت دخیل ہے۔

(جواب) ہاں قلعہ ہی میں نہیں بلکہ تمام شہر میں شہرت تھی کہ حسن عسکری اور محبوب علیخان بادشاہ کے مزاج پر بہت حاوی ہیں۔

(سوال) کیا بادشاہ کی کوئی لڑکی حسن عسکری کی مرید تھی اور کیا ان ہی دونوں لڑکیوں میں سے تھی جنکی بابت تم نے خفیہ جلسوں میں شریک ہونیکا ذکر کیا ہے۔

(جواب) بادشاہ کی بیٹی نواب بیگم زوجۂ مرزا زماں شاہ حسن عسکری کی مرید تھی مگر اُسے مرے

(جواب) یہ صرف ایک بات تھی جس سے یہ مشاریتا کہ اگر راز کھل جائے تو تہمت دیے کا موقع رہے کہ آپس میں نااتفاقی تھی۔

(سوال) بیبیاں اور بچے جو قلعہ میں قید تھے وہ کس کے حکم سے قتل ہوئے۔

(جواب) قیدی تین روز تک تو قیدخانہ میں رہے جو تھے روز پیدل اور رسالہ کے لوگ مرزا مغل کے ساتھ بادشاہ کے پاس اُنکے قتل کے لیئے حکم حاصل کرنیکی غرض سے گئے بادشاہ اُس وقت خلوتخانہ میں تھے مرزا مغل اور بسنت علیخاں اندر گئے اور سپاہی باہر کھڑے رہے کوئی بیس منٹ کے بعد وہاں سے نکلے اور بسنت علیخاں نے آواز بلند کہا کہ بادشاہ نے اُنکے قتل کرنیکا حکم دیدیا چنانچہ بادشاہی ملازموں نے جنکی نگرانی میں قیدی تھے قیدخانہ سے لاکر تھوڑے سے باغی سپاہی اپنے ساتھ لیکر سب کو قتل کردیا۔

(سوال) اس کے علاوہ تمھیں اور کیا خبر ہے؟

(جواب) لڑائی شروع ہوجانے کے بعد جو شخص انگریزی سپاہی یا افسر کو پکڑلاتا اُسے دو روپیہ فی کس انعام ملتا۔

(سوال) کیا کبھی کوئی سپاہی یا افسر قید ہوکر زندہ قلعہ میں آیا۔؟

(جواب) نہیں۔ (سوال) بلوہ سے پہلے کیا مسلمانوں نے کوئی سازش یا اتفاق کرلیا تھا، (جواب) باغیوں کے شہر میں گھستے ہی صرف چھوٹے درجے کے مسلمان آن سے ملگئے تھے اور غالباً پہلے سے کوئی سازش نہیں ہوئی تھی۔

(سوال) اعلیٰ درجہ کے مسلمان جو بلوہ میں شریک تھے اُن میں سے کسی کا نام بتاؤ۔

بادشاہ اور کل شاہزادہ تو ضرور شریک تھے۔

(جواب) جو کچھ میں نے کہا وہ بلوہ کے دن کی بات تھا بعد میں جو کچھ ہوا اسکا مجھے علم نہیں

بہادر شاہ اس ملک کے بادشاہ اور اُن کا حکم بالاتر ہے۔ دوسرے دن ۱۲ مئی کو جب میرٹھ کے سوار اور دہلی کے رسالے ملے بادشاہ نے تخت پر بیٹھکر وزیر محبوب علیخاں کو کل فوج کی دعوت کرنیکا حکم دیا چنانچہ فوج میں شیرینی تقسیم ہوئی اور افسروں کو روپیہ بھی دیئے گئے ۱۸۴۲ء سے پیشتر بادشاہ خاص خاص موقعوں پر چاندی کے تخت پر بیٹھکر جو دربار خاص میں رہتا تھا انعامات دیتے تھے مگر اس کے بعد ایجنٹ گورنر جنرل نے اس رسم کو بند کردیا اور تخت کو اٹھواکر بادشاہ کے خلوت خانہ کے نیچے والے راستہ میں رکھوادیا ۱۲ مئی کو بادشاہ نے اُسے منگاکر اُس پر بیٹھکر دربار کیا۔

(سوال) کیا ۱۱ مئی سے پیشتر فوج نے کچھ تجاویز بادشاہ کے سامنے پیش کی تھیں۔

(جواب) مجھے ان تجاویز کے کھلم کھلا پیش ہونیکی تو خبر نہیں البتہ شاہی دربانوں میں تذکرہ ہوتا تھا کہ فوج عنقریب بغاوت کرکے قلعہ میں داخل ہوگی اور بادشاہ کی حکومت پھر قائم ہوجائے گی اور قدیم ملازموں کے رتبے اور تنخواہوں میں اضافے ہونگے۔

پندرہویں دن کی کارروائی

اظہار مکندلال ناتمام۔ جرح جج ایڈوکیٹ (ناتمام)

(سوال) بادشاہ کے کون کون ملازم یہ باتیں کرتے تھے؟

(جواب) نسبت علیخاں اور تمام آدمی یہی تذکرہ کرتے تھے۔

(سوال) بلوہ ہونے سے کسقدر پیشتر یہ باتیں ہوا کرتی تھیں۔؟

(جواب) چار روز پیشتر۔ (سوال) تمھارے بیان سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ ایران سے جو خط وکتابت ہوئی اُس میں مرزا حیدر شکوہ بھی شریک تھے مگر معلوم یہ ہوا ہے کہ لکھنؤ میں نام کرنے کے سبب بادشاہ اُن سے ناراض ہیں اس کا کیا سبب ہے۔

اسکے بعد مرزا حیدر اور اُنکے بھائی لکھنؤ واپس چلے گئے اور بادشاہ کے دور دراز کے ایک عزیز مرزا نجف اور مرزا املاقی پسر مرزا اشرف الدین پسر مرزا آغا خاں کے ہاتھ اسی قسم کی تحریر بادشاہ کے پاس بھیجی۔ تیس سال کا عرصہ ہوا کہ دہلی کے انگریزی سپاہی مرزا علی اور حمید خاں کے ذریعہ سے بادشاہ سے ملتے تھے مرزا علی کا یہ کام تھا کہ جسقدر نو آئیں وہ بادشاہ کے روبرو پیش ہوں اور بادشاہ ہر ایک کو اُس وقت ایک تحریر دیتے تھے جس میں پہلے آنیوالوں کے بالترتیب نام ہوتے تھے اور ایک رومال بطور نشانی دیا جاتا تھا لیفٹنٹ گورنر کو اس معاملہ کی اطلاع ہوگئی اُنھوں نے بعد تحقیقات بادشاہ کو منع کردیا کہ آیندہ انگریزی سپاہیوں کو اپنا مرید نہ بنائیں۔ بادشاہ اور فوج میں تعلقات پیدا ہو چکے تھے تاریخ بغاوت سے بیس روز پیشتر خبر آگئی تھی کہ میرٹھ میں فوج غدر کرنیوالی ہے مگر یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ غدر کرکے وہ دہلی ہی میں آئینگے۔ رسالے والے سب سے پہلے قلعہ کے جھروکوں کے نیچے آکر کھڑے ہوئے اور اُنھوں نے بادشاہ سے کہا کہ ہم نے جسقدر انگریز میرٹھ میں تھے انہیں قتل کردیا اور جسقدر یہاں ہیں انہیں بھی قتل کرینگے اور آپ ہمارے بادشاہ ہیں اور جسقدر انگریز ہندوستان میں ہیں سب تہ تیغ کردیئے گئے۔ اُنھوں نے یہ بھی کہا تمام فوج آیندہ سے تابع فرمان ہے۔ بادشاہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ تمہارا یہی ارادہ تھا تو تمکو ہر ایک بات کے لئے تیار ہونا چاہیئے اور اگر تم تیار ہو تو اس معاملہ کے کل انتظام اپنے ہاتھ میں لو۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ معبد شہر میں گھس گئے بادشاہ کے خاص ملازم اُنکے ساتھ مل گئے ارتقا اور داد خاں ایک کابلی نے مسٹر فریزر کو قتل کردیا اور پیدل سپاہیوں نے شاہی ملازموں کے اشارہ سے اسر نگار و قلعہ کے مکان پر چڑھ کر اُس کا بھی خاتمہ کردیا۔ اس کے بعد جو انگریز شہر میں اُنکے ہاتھ لگا قتل ہوا۔ اُس دن یہ ڈھنڈورا پٹا کہ خدا کا بادشاہ عالم کا اور

اس سرگزشت کی پہلے سے خبر تھی۔ ستمبر گزشتہ میں لفٹنٹ والبرٹ نے مجھسے کہا تھا کہ امام بخش صوبہ دار میجر نے کپتان رسل سے تذکرہ کیا تھا کہ اامئی سے دو ماہ پیشتر سے ہماری لینوں میں آدمی آیا جایا کرتے تھے اور سپاہیوں کو بغاوت پر آمادہ کرتے تھے کپتان رسل ۹ جون کو بادلی سرائے میں مارے گئے مگر امام بخش صوبہ دار میجر ابتک میرٹھ میں ہے۔ میرے خیال میں کپتان رسل کو یہ خبر بعد بلوہ کے ملی۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا اور گواہ کو واپس ہونیکا حکم دیا گیا۔

مکندلال بادشاہ دہلی کا سکتر عدالت میں طلب ہوا اور اسکو حلف دیا گیا

جرح جج ایڈوکیٹ

(سوال) کیا تمھیں ہندوستانی فوج کی بغاوت کی کچھ اصلیت معلوم ہے؟

(جواب) کوئی دو سال پیشتر سے بادشاہ دہلی گورنمنٹ کی جانب سے بددل ہوگیا تھا اور گورنمنٹ کی وقعت اسکے دل سے جاتی رہی تھی جسکی تفصیل یوں ہے۔ جب مرزا حیدر شکوہ اور مرزا فرید پسران مرزا خان بخش پسر مرزا سلیمان شکوہ لکھنؤ سے آئے تو انھوں نے حسن عسکری سے ملکر بادشاہ کو آمادہ کیا اور سمجھایا کہ ایک نامہ شاہ فارس کو بھیجا جائے اور اس میں یہ لکھا جائے کہ انگریزوں نے بادشاہ کو قید کر لیا ہے اور جس عزت کا وہ مستحق تھا اسکی وہ عزت نہیں رہی اور ولیعہد کی تخت نشینی کی بابت کوئی آیندہ امید نہیں ہے اور نہ یہ امید ہے کہ علاوہ ولیعہد کے اور کوئی شاہزادہ ولیعہد کیا جائے۔ اس خط سے منشا یہ تھا کہ باہمی ملاقات وخط وکتابت قائم ہوجائے۔ سیدی قنبر بادشاہ کا خاص ملازم اس خدمت پر مامور ہوا اور اسکو محبوب علیخان کی معرفت سو روپیہ زاد راہ کے لیے دیکر مع خط ایران روانہ کیا اور یہ خط بادشاہ کے خاص سکتر کے دفتر میں لکھا گیا تھا۔

اور جو کچھ بیتی تھی وہ سرگذیر گریو کو مُناسائی۔ گریو صاحب کے پاس اُس وقت دو توپیں اور رسرد ۳۰ کے تین سو سپاہی تھے جو میرے حال میں اُس وقت تک فرماں بردار تھے مگر میرے وہاں پندرہ منٹ پہنچنے کے بعد بازگشت ہوئی۔ سپاہیوں نے کہا ہم تمہاری جان کے ساتھ ہیں اور پہاڑی سے اُتر کر چھاؤنی والی سڑک پر پڑ لیئے اور لین کے قریب پہنچے پر ایک ایک دو دو کرکے اپنی کوٹھڑیوں میں گھس گئے اور جب میں نے اُن سے پوچھا کہاں جاتے ہو تو یہ جواب دیا پانی پینے جا رہے ہیں وہ اپنے ساتھ ہتھیار وغیرہ بھی لیتے گئے مچھ کو سمجھنا بہت ہے۔

یہ دیکھکر میں اپنے خیمہ کے گارد کے پاس گیا اس وقت سات بج گئے تھے میں نے ہر چند اپنے ساتھ آنے کی ترغیب دی اور اُن سے کوئی آدھ گھنٹے باتیں کرتا رہا مگر صرف ایک حوالدار میجر اور دو سپاہی میرا ساتھ دینے کے لیئے تیار ہوئے۔ ہم اسی وقت چل پڑے مگر رات میں راستہ بھول گئے اور جب صبح کو دیکھا تو دہلی سے صرف چار ہی میل کے فاصلہ پر تھے۔ شہر سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر برف کے کھیتوں میں تین دن تک چھپے رہے حوالدار اور ایک سپاہی تو پہلی صبح کو اس بہانہ سے کہ ہم تمہارے لیئے کھانا لے آئیں چلدیئے اور دوسرا سپاہی دوسرے دن چمپت ہو گیا۔ میں بالآخر تنہا ایک فقیر کے ساتھ کرنال بھاگ گیا۔

(سوال) تم نے ۱۱ مئی کو یا اس سے قبل اپنی فوج کو کس رنگ میں پایا کیا تمہارے نزدیک مرہٹہ ہندوستانی پیادگاں کے سپاہیوں کو میرٹھ سے باغیوں کے آنے کی خبر پہلے سے تھی۔ (جواب) ۱۱ مئی یا اس سے قبل مجھے اس قسم کے آثار ظاہر نہیں ہوئے مگر ۱۱ مئی کے واقعات دیکھکر اور جو خبریں بعد میں لگیں اُن سے یقین ہو گیا کہ ہندوستانی سپاہیوں کو

بھاگ کر وہیں جمع ہو گئے ہیں ۔ میں نے اُس سے کہا کہ اُن سے جا کر کہدو کہ کشمیری دروازہ پر آجائیں ۔ اُنکے ساتھ کوئی انگریزی افسر نہیں تھا۔ حوالدار میجر نے مجھسے کہا کہ چند سوار ہمارے ساتھ یہانتک آئے اور سارے راستے ہمیں غدر کرنے کے لیئے ورغلاتے رہے اسکے بعد کچھ افسر اور سپاہی جا کر اُن لاشوں کو اُٹھا لائے ۔ میجر ریٹ کی ماتحتی میں نمبر ۷۴ اور کپتان ڈی ٹیسر کے توپخانہ کی دو توپیں بھی آکر ملگئیں۔ دو بجے کا وقت ہوگا کہ میگزین کی طرف سے توپوں کے چھٹنے کی آواز آئی جو ساڑھے تین بجے میگزین اُڑنے تک چھٹتی رہیں۔ میں یہ بیان کرنا بھول گیا کہ جسوقت ہم کشمیری دروازہ پہنچے تھے اُس وقت مسٹر گیلوے نے خزانہ کی حفاظت کے لیئے کچھ مدد مانگی جو میں نے اُنکے ساتھ کردی ۔ میگزین سے بچکر لفٹننٹ ولبی بھی ہمارے پاس بھاگ آیا اُس نے کہا بادشاہ نے صبح کو میگزین پر قبضہ کرنے کے لیئے فوج کو بھیجا تھا مگر ہم نے انکار کردیا اور جو چند انگریز وہاں تھے اُنکی مدد سے میگزین کی روک تھام کرتے رہے بالآخر دو بجے باغی زینے لگا کر اندر گھس آئے ۔ ہم سب پانچ بجے تک کشمیری دروازے رہے کہ یکایک ہمارے قریب ہی سامنے سے بندوقوں کی باڑھ چلی جس سے کپتان گورڈن اور نمبر ۷۴ کا لفٹننٹ ریولی تو فوت ہو گئے اور نمبر ۵۴ کے لفٹننٹ اوسبرن زخمی ہوئے ۔ لائٹ کمپنی کے ایک سپاہی نے اپنے ہتھیار میرے شانے سے مار کر کہا بہتر ہے آپ چلے جائیں۔ ورنہ کوئی گولی ماردیگا ۔ میں نے جب دیکھا وہاں ٹھیرنا بیکار ہے اور نمبر ۵۴ کے سپاہی بے قابو ہو گئے ہیں تو میں وہاں سے چلدیا اور بعد میں نمبر ۷۴ کا ایک افسر بھی میرے ساتھ ہولیا ۔ ہم بڑی سڑک کی راہ باؤنڈے کو جارہے تھے کہ لائٹ کمپنی کے اس سپاہی نے کہا کہ سڑک محفوظ نہیں ہے تم بنگلوں باؤنڈے جاؤ۔ ہم نے اسیطرح کیا

گھس گئے اور نمبر ۵۴ کے ہندوستانی پیدل کے افسروں کو گولیاں مار کر گرا دیا میں نے دونوں کمپیوں کو بندوقیں بھرنیکا حکم دیا اور بندوقیں بھری ہی جارہی تھیں کہ میں نے کرنیل رپلی کو کشمیری دروازہ سے باہر کئی جگہ سے زخمی مالسری میجر کے سہارے آتے دیکھا۔ میں باغیوں سے مقابلہ کی اُمید پر کھڑا تھا مگر اُن میں سے ایک بھی لطرہ پڑا اور نمبر ۵۴ ہندوستانی پیدل میں سے جو کرنیل رپلی کے ہمراہ گئی تھی کوئی دکھائی دیا نمبر ۳۸ ہندوستانی پیدل کے صرف پچاس آدمی جو لفٹنٹ پروکٹر کے ماتحت تھے آتے دکھائی دیئے۔ کپتان ولیس نے کہا کہ اس اڑتیسویں پیدل نے اپنے سامنے کرنیل رپلے کو زخمی ہوتے دیکھا اور باوجود کرنیل کی درخواست کرنے کے بھی اُنھوں نے اُس کے بچانے کی کوشش نہیں کی ۔ نمبر ۵۴ سپاہیوں نے بھی غالبًا ایسا ہی برتاؤ کیا ہوگا میں نے نمبر ۵۴ پیدل کے چند افسروں کپتان سمتھ و کپتان بروس و لفٹنٹ ایڈورڈس و لفٹنٹ واٹرفیلڈ و سارجنٹ میجر کو گرجا کے مغربی جانب مرا ہوا پایا۔ توپوں کو قائم کر کے اور سنتریوں کو مختلف ناکوں پر مقرر کر کے میں نے لفٹنٹ والرٹ سے کہا کہ چلو اُن افسروں کی لاشیں اُٹھا لائیں مگر سپاہیوں نے منع کیا کہ ابھی کیا جلدی ہے ابھی تم وہاں نہ جاؤ سوار ضرور افسروں کی تاک میں ہونگے ہم جا کر اُٹھا لائیں گے ہمیں کوئی کچھ نہ کہے گا۔ مگر وہ خود بھی اُس وقت نہیں گئے تھوڑی دیر کے بعد ایڈجوٹنٹ ولفٹنٹ اوسبرن اور لفٹنٹ ٹیلر جسکو شہر والوں نے زخمی کر دیا تھا مجھے آکر ملے ۔ ایسا ہی انجلو بھی ہمارے پاس آگیا اور سب دم بخود کھڑے تھے کہ مارٹن کے وئٹ کمپنی کے ایک سوار نے آکر مجھے کہا کہ حوالدار میجر نے دریافت کیا ہے کہ آپکی رجمنٹ کس طرف جائیگی۔ میں نے اُس سے کہا کہ وہ کہاں ہے؟ جواب میں اُس نے کہا کہ سبزی منڈی میں ہیں جب سواروں نے افسروں پر گولیاں برسانی شروع کیں تو سب بھاگ کر

تو اُسے دہلی میں دیدیئے جاتے تھے اور ایکہزار اُسکے خاندان والوں کو لکھنو میں ملتے تھے۔
اس کے علاوہ ڈیرہ لاکھ سالانہ آسے زمینوں اور مکانوں کی آمدنی سے بھی وصول ہوتا تھا۔
قیدی نے جرح سے انکار کیا اور گواہ کو واپسی کا حکم دیا گیا۔
میجر پیٹرسن نمبر ۵۴ ہندوستانی پیادگان کی عدالت میں طلبی ہوئی اور باقاعدہ حلف دیا گیا۔

جرح جج ایڈوکیٹ

(سوال) کیا ۱۱ مئی گزشتہ کو تم دہلی ہی میں تھے؟
(جواب) ہاں۔ (سوال) جو کچھ تم نے اس موقع پر مشاہدہ کیا بیان کرو؟
(جواب) ۱۱ مئی کی صبح کو احکامات سنانیکے لیئے پریڈ ہوئی اور حسب معمول بلا اظہار کسی علامت بلوہ کے ڈسمس ہو گئی مگر نوہی بجے رجمنٹ کی یکر پریڈ ہوئی اور اسکو یہ حکم دیا گیا کہ دریائے جمنا کے کشتی کے پل پر جاکر ناکہ بندی کریں اور جو تیسرا رسالہ میرٹھ سے آرہا ہے اسے دریا عبور کرنے سے روکیں۔ جب میں پریڈ میں پہنچا تو کرنیل رپلی نے مجھے حکم دیا کہ دو کمپنیاں اپنی ڈگرانڈیل سپاہیوں کی اور نمبر اکو لیجاؤ اور وہاں دو توپوں کی نگرانی کرو مگر پہلے راستہ میں کپتان ڈی ٹشیبر سے ملکر اور حکم بھی لے لینا۔ کپتان ڈی ٹشیبر نے مجھسے کہا تم چلکر صدر بازار میں ٹھیرو میں ابھی دو توپیں بھیجتا ہوں۔ پون گھنٹہ تک میں وہاں انتظار کرتا رہا مگر جب توپیں نہیں پہنچیں تو میں نے لفٹنٹ وائبرٹ کو توقف کی وجہ دریافت کرنیکے لیئے بھیجا اور خود جلدی کے سبب دونوں کمپنیوں کو ساتھ لیکر پل کی طرف روانہ ہو گیا۔ لفٹنٹ وائبرٹ نے آدھے راستے میں آکر کہا کہ ہندوستانی گولہ انداز ابھی نکالے گئے ہیں اور یہ کہ توپیں ابھی آتی ہیں۔ پل کوئی ڈیڑھ میل رہا ہوگا کہ توپیں بھی پہونچ گئیں۔ کشمیری دروازہ کوئی سو ہی گز رہ گیا ہوگا کہ کپتان ولیس نمبر ۷۴ ہندوستانی پیدل نے جو اس ہفتہ میں افسر میدان تھا مجھسے کہا جلدی جاؤ باغی شہر میں

متعلق تم عدالت کو کچھ اطلاع دے سکتے ہو؟

(جواب) غلام قادر نے جب شاہ عالم بادشاہ دہلی کی آنکھیں نکالیں اور اسکی سخت بےعزتی
کی تو ۱۷۸۸ء میں مرہٹوں نے اپنا قابو پالیا ۱۸۰۳ء میں جب لارڈ لیک نے علیگڑھ فتح
کرکے دہلی پر حملہ کیا اسوقت بادشاہ کے اختیارات شہر دہلی کے اندر ہی اندر تھے وہ
مثل قیدی کے تھا۔ مرہٹوں نے دہلی سے چھ میل فاصلہ پر مقام پٹپڑ گنج فوج آراستہ
کی مگر لارڈ لیک نے حملہ کرکے انھیں شکست فاش دی اور شہر اور قلعہ کو مرہٹوں سے خالی
کرالیا اُس وقت شاہ عالم نے انگریزوں کی پناہ میں آنیکی درخواست کی اور ۱۴ ستمبر کو ۱۸۰۳ء
کے واقعہ میں اور زیادہ قابل یادگار تاریخ ہوگئی ہے انگریزی فوج شہر میں داخل ہوئی اسوقت
سے بادشاہان دہلی انگریزوں کے پنشن خوار ہے اور مرہٹوں کی قید سے نکل کر انگریزوں کی
نرم حکومت میں گئے۔ ۱۸۰۶ء میں قیدی تخت دہلی پر بیٹھا اسکے اختیارات صرف قلعہ کی
چاردیواری کے اندر تھے اور وہ محض اپنے ہی ملازموں کو خطابات اور خلعت عطا کرسکتا تھا
دوسروں کے لیئے اُسے ممانعت کردی گئی تھی۔ اور سوائے سلطنت عالیہ کے کوئی لوکل
عدالت اُسکو کسی قسم کا اختیار نہیں دیسکتی تھی۔

(سوال) کیا قیدی کے لیئے مسلح آدمیوں کی تعداد محدود کردیگئی تھی؟

(جواب) قیدی نے لارڈ آکلینڈ سے درخواست کی تھی کہ جسقدر وہ مناسب سمجھے اسقدر
مسلح آدمیوں کی تعداد رکھنے کی اجازت دیجائے۔ نواب گورنر جنرل نے جواب میں یہ حکم
دیا تھا کہ جسقدر آدمیوں کی تنخواہ تم اپنی پنشن سے دے سکتے ہو رکھ لو۔

(سوال) غدر کے وقت قیدی کو گورنمنٹ سے کسقدر پنشن ملتی تھی؟

(جواب) اُس کے لیئے ایک لاکھ روپیہ ماہانہ کی پنشن منظور ہوئی تھی جس میں سے ساڑھے

(سوال) کیا تم نے اپنے قیام دہلی میں بلوہ کے متعلق ہندو اور مسلمانوں کے خیالات میں فرق پایا؟ (جواب) ہاں مسلمان غدر ہونے سے خوش تھے اور محرم میں میں نے مسلمان عورتوں کو اپنے مذہب کی کامیابی کے لیے خود دعا کرتے اور اپنے بچوں کو دعا کی تلقین کرتے سُنا تھا اور اُن دعاؤں میں انگریزوں کو بددعا کیجاتی تھی۔

(سوال) جب مسلمان اور ہندو دہلی میں یکجا تھے تو کیا اُن میں مذہب کی بابت آپس میں کچھ جھگڑا ہوا تھا؟ (جواب) میرے نزدیک جب رسالے پہلے پہل شہر میں آئے تو ہندوؤں نے بادشاہ سے یہ عہد لیا تھا کہ شہر میں گاؤ کشی نہ ہوگی اور اس عہد کی پابندی بھی ہوئی۔ جہانتک مجھے یقین ہے بلوہ کے زمانے میں ایک گائے بھی ذبح نہیں ہوئی۔ بقر عید پر گاؤ کشی کے سبب جھگڑا ہونیکی اُمید تھی مگر اُسوقت مسلمانوں نے گائے ذبح نہیں کی۔ ۹ ستمبر کی صبح کو بھیس بدلکر اور اپنے بچوں اور ملازموں کو ساتھ لیکر میں دہلی سے میرٹھ بھاگ گئی۔

قیدی نے جرح کرنے سے انکار کیا۔

جرح عدالت

(سوال) تمھیں کہاں سے معلوم ہوا۔ کیا تمھیں یقین ہے کہ ہندوستانی سپاہیوں یا دہلی والوں نے انگریزی عورتوں کی بہت بیحرمتی اور بےعزتی کی۔ (جواب) ہاں

گواہ کو واپسی کا حکم دیا گیا۔

چودہویں دن کی کارروائی۔ ۱۲ فروری ۱۸۵۸ء یوم جمعہ

مسٹر سی بی سانڈرسن کمشنر اور ایجنٹ لفٹنٹ گورنر عدالت میں حاضر ہوئے اور اُنھیں حلف دیا گیا

جرح جج ایڈوکیٹ

(سوال) جن وجوہ سے بادشاہ دہلی گورنمنٹ انگریزی کی رعیت اور پنشن خوار بنا اُس کے

ہیں قتل کے ایک گھنٹہ بعد مفتی صاحب نے آکر شاہی گارد سے کہا کہ میں باقیماندہ پانچ
قیدیوں کو دیکھنا چاہتا ہوں؟ انھوں نے ہمیں ہماری جانوں کی حفاظت جبری شناسائی اور
گارد والوں سے کہا کہ انھیں کسی محفوظ جگہ لیجاؤ مگر اس بات کا خیال رکھنا کہ دن کے وقت
نہ لیجانا مبادا کوئی سپاہی یا شہری انھیں قتل کر دے (مجھے یہ کہدینا ضرور ہے کہ ان میں
بعض کو ہمارے عیسائی ہونیکا شبہہ تھا) شام کو ہم پھر اپنے دردی کے مکان پر گئے اور
آیندہ منگل کو اس علاقہ کے تھانیدار نے پھر ہمیں قید کر لیا۔ مرزا مغل کے سامنے لے گیا
تھانیدار نے مرزا سے کہا کہ یہ عیسائی ہیں انھوں نے بھیس بدل رکھا ہے اور مرزا نے ہمارے
پھانسی پر چڑھانیکا حکم دیا مگر اٹھتیسویں رجمنٹ کے سپاہیوں نے انھیں ہمارے قتل سے
باز رکھا اور ہم ہنڈن کی لڑائی تک وہیں قید رہے اسکے بعد اٹھتیسویں رجمنٹ کے سپاہیوں
نے ہمیں رہا کر دیا۔ سپاہی جب شکست کھا کر وہاں سے شہر میں واپس آئے تو آدمی مایوس ہو کر
یہ کہنے لگے کہ انگریزوں کے مقابلہ میں ان کا میابی کی کچھ امید نہیں۔ اس پر ہندو سپاہیوں
نے انھیں شرم دلائی کہ ابھی تو انگریزوں سے پہلی ہی لڑائی ہوئی ہے اسی برتے پر اپنے
مذہب کیلئے لڑنے اٹھے تھے۔ انھوں نے بڑے افسوس سے کہا کہ صورت واقعہ بدل گئی
اور تف ہے ان مسلمانوں پر جنھوں نے ہمیں مذہب کے بہانہ سے دھوکے میں رکھا اور
اس بات پر بحث کرنے لگے کہ کیا واقعی انگریزی حکومت کا یہ منشا تھا کہ ہمارے مذہب میں
خلل اندازی کرے۔ بہت سے ہندو سپاہیوں نے تو اس وقت یہ ظاہر کیا کہ اگر ہمیں
اپنی جان بخشی کی امید ہو تو ہم پھر سرکاری ملازمت بخوشی اختیار کر لیں مگر مسلمانوں نے
اسکے برخلاف یہ کہا کہ بادشاہی ملازمت انگریزی ملازمت سے درجہا بہتر ہے اور ہمیں یقین
ہے کہ نواب اور راجہ بادشاہ کو مدد دینگے اور ہم انگریزوں پر فتح حاصل کرینگے۔

(جواب) ہم ابھی درزی ہی کے مکان میں تھے کہ میں نے ایک عرضی بادشاہ کے نام لکھی تھی اور اسکو اپنے پاس اس غرض سے رکھا تھا کہ بذات خود بادشاہ کو دونگی مگر جب لاہوری دروازہ پر گارد والوں نے مجھے قید کیا تو وہ درخواست بھی اُنھوں نے مجھ سے لیلی اُس میں میں نے یہ لکھا تھا کہ میں اور میرے بچے کشمیری مسلمان ہیں اس لیئے مجھے اوروں سے علٰحدہ کھانا دیا جاتا تھا اور بادشاہی ملازم بھی مجھے مسلمان سمجھکر میرے ساتھ کھایا کرتے تھے پیر کے بلوہ کے بعد میں نے ارکان اسلام سیکھ لیئے تھے اور اپنے بچوں کو بھی یاد کرا دیئے تھے اور ہم اُنھیں بخوبی ادا کر سکتے تھے۔ہم مسلمان سمجھے جانے ہی کی وجہ سے بچے ۱۶ مئی کی صبح کو شاہ کے خاص ملازم اور کچھ پیدل سپاہیوں نے آکر کہا کہ سوائے پانچ مسلمانوں کے کل عیسائی باہر آجائیں۔عورتوں اور بچوں نے یہ سمجھکر کہ اب قتل ہونگے رونا پیٹنا شروع کر دیا۔اُنھیں تسکین دینے کے لیئے مسلمانوں نے تو قرآن کی اور ہندوں نے جمنا کی قسم کھائی کہ تم قتل نہیں کیئے جاؤ گے بلکہ ہم تمھیں اچھی جگہ لیجاتے ہیں اور جو آدمی اس جگہ رہیں گے وہ بعد میں میگزین جائینگے۔یہ سنکر وہ سب باہر نکل گئے جہاں اُنھیں شمار کر کے جنکی تعداد مجھے معلوم نہیں مثل قیدیوں کے اُن کے گرد رسی کا حلقہ ڈالکر لیگئے میں خود تو نہ دیکھ سکی مگر مجھے معلوم ہوا کہ اُنھیں پیپل کے درخت کے نیچے حوض کے پاس بادشاہ کے نجی کے ملازموں نے تلواروں سے کاٹ دیا۔اُس قتل میں کوئی سپاہی شریک نہ تھا۔اُنکے قتل کرنیکا کام بادشاہی ملازموں نے خود اس واسطے اپنے ذمہ لیا تھا کہ اگر ہم ان کافروں کو مارینگے تو ہمیں جنت میں درجے ملیں گے۔اِس بات کی خبر مجھے ایک مہترانی نے دی تھی اور بغاوت کے دنوں میں جب میں دہلی میں آکر رہی تو اسکی اور تصدیق ہوگئی قتل کے بعد ہی دو توپیں چلی تھیں جنکی بابت یہ مشہور ہوا کہ اس خوشی کے اظہار میں چھوڑی

شیہاں وایک بچہ وسں کورٹ اورایک لڑکی وسں سٹیر وسں کوچرین وسں ایم ہیٹ وسں اسے سر سعرڈ وسں ایل ہائیلی ماسٹر جے ڈشار وسں ایلس ستار وسں اس ستار وسٹر ابرٹس ڈالرکا وسٹر کرو وسٹر سمتھ کے علاوہ ایک مرد اور عورتیں اور بچے بھی تھے اُن کا نام مجھے یاد نہیں۔ ہم سب ایک تنگ تار کمرے میں جس کا صرف ایک ہی دروازہ تھا بند کر دیئے گئے تھے معاملئے تنگ نود و مرد مان لسیاز کا معاملہ تھا اور جب کوئی سپاہی ماتگا یا عمداً بچوں کو ڈرانے آتا تھا تو ہم اُس ایک دروازے کو بھی بند کر لیتے تھے۔ سپاہیوں کی بندوقیں بھری ہوئی تھیں اور اُن پر سنگیں چڑھی ہوئی تھیں اور ہم سے بار بار پوچھتے تھے کہ اگر بادشاہ تمہاری جان بخشی کرے تو تم مسلمان ہو جاؤ گے ہ مگر بادشاہ کے خاص مسلح سپاہی جو ان سپاہیوں میں ملے ہوئے تھے اُن کو منع کرتے تھے کہ انہیں جانوں کی اُمید نہ دلاؤ ہم انکے ٹکڑے ٹکڑے کرینگے اور ان کا گوشت چیلوں اور کووں کو دینگے۔

جمعرات کے دن کچھ سپاہیوں نے آکر ہمیں سے کہا کہ ہم قلعہ میں سرنگ لگا کر تم سب کو اڑا دینگے ہمیں کھانے میں بہت موٹی جھوٹی عدالتی بھی صرف دو مرتبہ بادشاہ سے عمدہ کھانا بھیجوایا تھا اُس دن اور کچھ نہیں ہوا جمعہ کے دن ایک سپاہی نے ایک میم دعالانا مس سٹیر سے آکر یہ پوچھا کہ اگر انگریزوں کو اختیار ہو جائے تو ہمارے ساتھ کیا کرینگے۔ جس کا جواب معول نے یہ دیا کہ جیسا تم نے ہمارے خاوندوں اور بچوں کے ساتھ کیا۔

دوسرے دن یعنی ۱۶ مئی سنہ ۱۸۵۷ء باستثنائے میرے اور ایک مسلمان بڑھیا کے جو مجھکو کھانا دیتی تھی کل انگریزوں کو قید خانہ میں سے لیجا کر قتل کر دیا۔

(سوال) تم کس طرح جانتی ہو کہ کل آدمی قتل ہوئے اور تمہارے اور تمہارے بچوں کے ساتھ رعایت کرنے کا کیا سبب تھا؟

عیسائیوں کو قتل کر ڈالیں یا اُنھیں گھروں سے نکالدیں کہ راستہ میں اُن کا فیصلہ کردیں
بالآخر یہ بات طے پائی کہ ہم اس شرط پر آیندہ شام تک ہاں رہیں اُسکے بعد ہم وہاں سے
چلے جائیں گے۔ مگر اُسی رات میرا میر منشی میرے پاس میرے درزی کو لایا میں نے اُس سے
دریافت کیا کہ تیری دانست میں کوئی اور ایسی محفوظ جگہ ہے جہاں ہم چھپ رہیں۔ اُسنے
جوابدیا یہ سُنا جاتا ہے کہ نواب احمد علیخاں انگریزوں کو اپنے ہاں پناہ دے رہے ہیں میں
آپ کو وہاں لیچلونگا۔ وہ نواب کی گاڑی لینے چلا گیا مگر واپسی پر اُس نے آکر یہ کہا کہ
باغیوں کو انگریزوں کے نواب کے گھر میں چھپنے کا حال کھل گیا اور اُنھوں نے مکان پر
توپیں لگادی ہیں مگر اب میں آپ کو اپنے گھر ہی لے چلوں گا۔ اُس نے ایسا ہی کیا اور
ہم اُسی کے ہاں تھے کہ اُسنے یہ سُنا کہ کچھ انگریز قلعہ میں گئے ہیں اور باوجود محبوس ہونیکے
بادشاہ نے اُنکی جانوں کی ضمانت کرلی ہے اور مجھے یہ رائے دی کہ تم بھی وہیں چلی جاؤ
بُدھ کی رات کو آٹھ بجے کے درمیان وہ ایک اور باغی سوار مسمی قادر دادخاں کو اپنے ہمراہ لایا
اور یہ دونوں بحفاظت ہمیں قلعہ میں لیگئے۔ درزی نے کسی وقت اُن کے ساتھ کوئی مہربانی
کی تھی اس لیئے باغی نے ہماری حفاظت کرنے کی حامی بھرلی اور کہا کہ باوجود انگریزوں
کے قتل کرنیکے متعلق باہمی قسما قسمی کے میں تمھارا ساتھ دیتا ہوں جب قلعہ کے لاہوری دروازہ
پر پہنچے تو شاہی گارد نے ہمیں قید کرلیا اور مرزا مغل کے پاس لیگئے اُنھوں نے حکم دیا
کہ انکو بھی اور انگریزوں کے ساتھ قید خانہ میں بند کردو۔ اس طرح ہم ۱۳ مئی منگل کی رات کو
وہاں گئے۔ جہاں تک میں خیال کرسکتی ہوں مرد و عورت اور بچے ملاکر کل انگریز ۴۶ سے ۵۰
تک قید خانہ میں ہونگے۔ میری اور میرے بچوں کی یاد کے موافق اُنکے نام یہ تھے۔ مس
سکلی اور اُنکے تین بچے۔ مس گلن و مس ایڈورڈس دو بچے مس ملانی اور دو بچے و مس

مسٹر الڈویل اور میرے آنے کے گھر والوں سے پہلے سے شناسائی تھی اُس کی بیوی اور لڑکیوں نے مجھے بڑی خاطر سے اُتروایا۔ ہم رات کے آٹھ بجے تک تو وہاں رہے اس کے بعد میرزا عبداللہ نے کہا کہ میں تمکو زیادہ محفوظ جگہ یعنی اپنی ساس کے گھر پہونچا دیتا ہوں انھوں نے ہمیں وہاں پہونچا دیا اور میرا روپیہ پیسہ اپنے پاس رہنے دیا اور مجھسے کہا اس وقت اُس کا بازار میں سے لیکر جانا مناسب نہیں صبح کو اپنے منشی کو بھیجکر منگا لینا۔ چنانچہ میں نے صبح کو منشی کو اپنے دوسو روپیہ اور کچھ چاندی کی طشتریاں لانیکے لیئے بھیجا مگر میرزا عبداللہ نے انکار کیا کہ میرے پاس نہیں ہے اور پھر دھمکی دی کہ اگر تم میرے ساس کے مکان سے نہ چلے گئے تو میں آدمیوں کو بھیجکر قتل کرا دوں گا اور ایسا ہی ہوا کہ انھوں نے شام کو اپنے چچا اور چند آدمیوں کو بھیجا کہ اگر میں نہ چلی گئی ہوں تو مجھے قتل کر دیں۔ میں نے اُن کے چچا کو تو نہیں دیکھا البتہ اُسکے آدمیوں نے ہمارے قتل کے لیئے تلواریں سونتھ لی تھیں مگر میرے منشی کی بیوی نے اُنھیں سخت لعنت ملامت کی اور کہا اگر میرزا کی یہی مہماں نوازی ہے اور اُن کا یہی ارادہ تھا تو اُنھوں نے اسے یہاں کیوں اُترنے دیا۔ کیا یہ پناہ اور امن دینے کا وعدہ محض قتل کرنے کے لیئے تھا" اور اُس نے یہ بھی کہا کہ اگر تمھیں اُنھیں قتل ہی کرنا ہے تو پہلے مجھے قتل کر دو میں نے ان عیسائیوں کا نمک کھایا ہے اُنھیں اپنے سامنے قتل ہوتے نہ دیکھونگی اُس نے اُن سے طنزاً یہ بھی کہا "میں سیدانی اور سیدہ ہوں مجھے مار کر بڑا نام پاؤ گے" یہ اشارہ اُس نے اس لیئے کیا تھا کہ وہ سیدہ تھی اور بادشاہ کا خاندان سُنی تھا اور سنیوں نے آل نبی یا سیدوں کو ابتداءً قتل کیا تھا۔ اُنھوں نے اُسے جواب دیا کہ اگر ہم ایسا کریں تو ہم کافروں سے بھی بدتر ہیں مگر چونکہ ہمنے عیسائیوں کے قتل کا مصمم ارادہ کر لیا ہے اور جو لوگ عیسائی نہیں ہیں ہم انہیں نصیحت کرتے ہیں کہ یا تو وہ خود گھروں کو چھوڑ دیں کہ ہم اُنھیں

اس وقت آٹھ بج گئے تھے اور میرٹھ کے باغی دریا عبور کرکے اس کنارہ دستے ابھی تک نہیں
ملے تھے۔ اس کے بعد ان انگریزوں نے جو ہمارے مکان میں جمع ہو گئے تھے اور جنکی
تعداد مع عورتوں و مرد و بچہ تیس سے زائد تھی دروازوں کی ناکہ بندی شروع کر دی اور عورتوں
اور بچوں کو کوٹھے کے مکان پر بھیجدیا نو بجے کے قریب باغی پل عبور کرتے دکھائی دیئے
ان میں بیشتر سوار تھے اور کچھ پیدل اور یہ لوگ ہمارے مکان کی دیوار کے نیچے سے گزرے
جو لب دریا واقع تھا اور ان میں سے کسی نے ایک انگریز پر جو چھت پر کھڑا تھا گولیاں اریں
یہ جماعت پھر جیلخانہ کی طرف غالباً قیدیوں کے رہا کرنے کے لیئے چلی گئی۔ اسکے بعد ہی ہمیں
معلوم ہوا کہ انھوں نے شہر میں گھس کر جہاں کہیں انگریزوں کو پایا تہ تیغ کرنا شروع کر دیا
اتنے ہی میں ایک مسلمان جو ذات کا رنگریز تھا تلوار کھینچے ہمارے مکان میں گھس آیا۔
اُسکی تلوار سے خون ٹپک رہا تھا اور زبان پر کلمۂ توحید جاری تھا اور پکار رہا تھا کہ انگریز
کہاں ہیں؟ مسٹر فولن نے اُس سے پوچھا تو کون ہے؟ اور کیا چاہتا ہے اور جب اُس نے
کچھ جواب نہ دیا تو اُسے گولی مار دی۔ یہی ایک شخص ہمارے مکان میں گھسنے پایا تھا بعد
اُسکے پچاس یا ساٹھ ہمراہی دروازے کے باہر جمع ہو گئے۔ کوئی گیارہ بجے ایک مسلمان
نے مسٹر فولن کو ہمارے مکان پر پہنچایا۔ چند شہر والوں نے اُسکے مکان کے اندر گھسکر
مکان کو لوٹ لیا اور اُسکے سر کو سخت زخمی کر دیا تھا۔

تین بجے میگزین اڑنے تک کوئی سخت واردات نہیں ہوئی کیونکہ مجھے میرے ملازموں
نے کہا تھا کہ باغی توپیں لینے گئے ہیں۔ میں نے مسٹر الڈویل سے کہا مجھے اس مکان سے
مع تینوں بچوں کے نکل جانے دیں اور جگہ چھپونگی۔ ہندوستانی کپڑے پہن تینوں بچوں
کو ساتھ لے ڈولی میں بیٹھکر میں بادشاہ کے پوتے مرزا عبداللہ کے مکان پر گئی۔

اور اُن کو حلف دیا گیا۔

(مرح ع ایڈوکیٹ)

(سوال) کیا ۱۱ مئی ۵۷ء کو تم دہلی ہی میں تھیں؟ (جواب) ہاں

(سوال) تم یہاں رہتی تھیں اور ہندوستانی رسالوں کے میرٹھ سے دہلی آنیکی خبر پہلے پہل تم نے کہاں سُنی؟

(جواب) میں دریاگنج میں رہا کرتی تھی میں نے ۱۱ مئی کو آٹھ نو بجے کے قریب سپاہیوں کے میرٹھ سے دہلی میں آنیکی خبر سنی تھی۔

(سوال) تم نے جو کچھ اُس دن دیکھا بیان کرو؟

(جواب) میرے ایک سائیس نے مجھسے آکر کہا کہ میرٹھ میں حارکر کے سوار یہاں آگئے ہیں اور جو جو انگریز اُنھیں رستے میں ملے اُنکو قتل کر ڈالا اُس نے مجھسے یہ بھی کہا کہ گاڑی میں بیٹھکر یہاں سے نکل چلنا چاہیئے کیونکہ اُنھوں نے یہاں بھی انگریزوں کے قتل کرنے کی قسم کھائی ہے میں سائیس سے باتیں کر رہی تھی کہ میرے پڑوسی مسٹر نولن نے اِسکی تصدیق کی اور مجھسے کہا کہ میں مسٹر الڈویل سے ملنا چاہتا ہوں۔ ان دونوں کی یہ رائے ہوئی کہ ہمارا مکان بہت وسیع ہے گرد و نواح میں جسقدر انگریز ہیں وہ سب یہاں جمع ہوکر حتی الامکان دفعیہ کی کوشش کریں یا کمک آنے تک روک تھام کرتے رہیں اسکے بعد مسٹر الڈویل اور مسٹر نولن دونوں قریب کے ہسپتال والے گارد کے پاس گئے اِس گارد میں کل ہندوستانی سپاہی تھے اِن دونوں نے ان سے اپنی محافظت کیواسطے کہا اور یہ بھی کہا کہ اس مدت کے معاوضہ میں کمک آجائے یا انگریز تمھاری ہر طرح مدد کرینگے سپاہیوں نے جواب دیا جاؤ اپنا بندوبست خود کرلو اور ہم اپنا بندوبست کرلیں گے۔

(جواب) قیدی تو باقاعدہ نہیں پڑھا کرتا تھا البتہ کبھی کبھی شاہزادے اس کا کچھ حصہ پڑھکر سنادیا کرتے تھے۔

(سوال) کیا کوئی شاہزادہ ایرانیوں کے متعلق مضامین بہت دلچسپی سے پڑھتا یا ان مضامین کو ضروری سمجھتا تھا اور ایرانیوں کے انگریزوں کو پس پا کرنی کی بابت رائے زنی کیا کرتا تھا؟

(جواب) میں نے خود تو وہ اخبار پڑھا نہیں مگر سنتا ہوں اس میں ایرانیوں کے انگریزوں کو مغلوب کرنے کے مضامین اکثر ہوا کرتے تھے اور شاہزادے ان خبروں کو ضروری سمجھکر وقعت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔

(سوال) کیا بلوہ سے پیشتر بالعموم مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ انگریزی حکومت قریب الاختتام ہے اور کیا شاہزادے اُسکے اس خیال کی تائید کرتے تھے۔

(جواب) میں نے کبھی یہ بات نہیں سنی۔

(جرح قیدی)

(سوال) تم نے یہ بیان کیا ہے کہ بادشاہ کی ملازمت میں بارہ سو سپاہی تھے اچھا بتاؤ بادشاہی فوج کے حصوں کی وردی کیا تھی اور مختلف رجمنٹوں کے کیا کیا نام تھے۔

(جواب) پیادگان کی دو رجمنٹیں تھیں اور ہر ایک میں پانسو سپاہی تھے۔ بعض کی وردی سیاہ تھی اور بعض کی خاکی مگر پگڑیاں اور پیٹیاں سبکی سرخ تھیں وردیوں پر کوئی نشان آرائش نہ تھا جس سے مختلف درجوں کی تمیز ہوتی۔ توپخانہ میں تقریباً چالیس آدمی تھے اُنکی وردی گہری نیلی تھی اور پگڑیاں اور پیٹی سرخ۔ اُنکی وردیوں پر بھی کسی قسم کا نشان زیبائش نہ تھا قیدی کے خاص گارد کا کوٹ سرخ اور پگڑیاں اور پیٹیاں سیاہ تھیں۔

مسس آلڈویل زوجۂ الگزینڈر آلڈویل پنشن خوار گورنمنٹ عدالت میں طلب ہوئیں

ہو گئے مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے محمد باقر والے اخبار میں پڑھا تھا کہ مرزا سعد قیدی کا بھتیجا
ایرانی دربار میں گیا تھا اور شاہ فارس بڑی خاطر تواضع سے پیش آئے تھے۔
(سوال) کیا یہ شخص بادشاہ دہلی کی طرف سے گیا تھا؟
(جواب) مجھے خبر نہیں۔ البتہ اس شخص کا بھائی دو سال ہوئے بہت سے کاغذ لیکر کلکتہ گورنمنٹ
میں بھیجا گیا تھا۔
(سوال) حسن عسکری نے جو شیدی قنبر کو فارس بھیجا تھا اُسکے متعلق تم کچھ اطلاع عدالت کو
دیسکتے ہو۔ یہ شہادت ہو چکی ہے کہ تم سے ہر اہم کام میں مشورہ لیا جاتا تھا اور حاضر تحریر میں
تو اور بھی اور ہمیں یقین ہے کہ تمھیں اس معاملہ کی ضرور خبر ہے؟
(جواب) میں حلفیہ کہتا ہوں میں نے کوئی بات نہیں چھپائی اور نہ اُس میں غلط بیانی کی اگر میں
ملازم ہوتا تو شاید مجھ پر ایسی باتوں کا بھروسہ کیا جاتا۔ بہت سی ضروری باتیں مجھ سے ظاہر بھی
نہیں کی جاتی تھیں مثلاً بادشاہ کا اپنی بیوی تاج محل کو طلاق دینا جو عدالت کی ڈومنی امدادی دیتی کی
تھی اور جس سے بادشاہ نے بعد میں شادی کر لی تھی۔ اس معاملہ میں اور میرزا جواں بخت کی تخت
نشینی کے معاملہ میں جو ضروری معاملات ہیں مجھ سے کبھی رائے نہیں لیگئی۔ جو کچھ قیدی و حسن عسکری
اور شیدی میں طے پایا اُسکی مجھے اطلاع نہیں۔
(سوال) کیا بادشاہ نے بلوہ سے پیشتر اپنے ملازموں یا خط و کتابت یا کسی اور ذریعے سے
کمپنی کی فوج کے ہندوستانی افسروں یا سپاہیوں سے ساز باز کی تھی؟
(جواب) نہیں میرے خیال میں تو ہوئی نہیں اور ممکن ہے کہ ہوئی ہو اور مجھے اسکی اطلاع نہیں ملی
(تیرہویں دن کی کارروائی) حکیم حسن اللہ خاں عدالت میں طلب ہوئے اور اُنکو سابق حلف یاد دلایا گیا
(جرح جج ایڈوکیٹ) (سوال) کیا قیدی بلوہ سے پیشتر صادق الاخبار یا العوم دیکھا کرتا تھا؟

(سوال) بادشاہ کے پاس کسقدر توپیں تھیں؟

(جواب) استعمال میں تو صرف چھ تھیں اگر کچھ غیر مستعمل ہوں تو مجھے اُنکی تعداد معلوم نہیں۔

(سوال) گیارہ مئی کے بلوہ کے دن یہ فوج کس طرح تعینات کی گئی تھی؟

(جواب) اُنکی تقسیم قلعہ کے دروازوں اور بڑے بڑے حکام کے مکانات کے گاردوں میں تھی۔ ان سپاہیوں میں بیشتر تو وہ تھے جن کو پیشگی روپیہ مل چکا تھا۔ اور بعض ملازم تھے مگر اپنی تنخواہیں گھر بیٹھے پایا کرتے تھے۔

(سوال) اسقدر میمیں اور بچے قلعہ میں کیوں آئے اور کسواسطے محبوس کیے گئے؟

(جواب) باغی اُنھیں اپنے ہمراہ لائے تھے جب اُنھیں قلعہ میں جگہ ملگئی تو ان قیدیوں کو بھی اپنے ساتھ وہاں لے آئے۔

(سوال) تمھاری اس سے کیا مراد ہے کہ اگر کسی نے انگریز یا میم یا بچے کو پکڑا تو اُسکی خود نگرانی کی

(جواب) نہیں جب انگریز کو وہ پکڑ کر لائے اُسکی اطلاع بادشاہ کو ہوئی اور اُسے مطبخ میں رکھنے کا حکم ہوا

(سوال) انگریزوں کے مطبخ میں رکھنے کی تجویز کس نے کی تھی؟

(جواب) بادشاہ نے خود باغیوں سے کہا کہ وہ عمارت بہت وسیع ہے اُسی میں اُنھیں رکھو

(سوال) بلوہ سے بیشتر بادشاہی مسلح آدمیوں کا افسر کون تھا؟ (جواب) محبوب علیخان۔

(سوال) کیا گیارہ مئی کو ان میں سے کوئی میگزین پر حملہ کرنے گیا تھا اور گیا تھا تو کس کے حکم سے

(جواب) نہیں جو احکام میں نے سُنے اُن میں تو کسیکو وہاں جانیکا حکم نہیں ہوا اور نہ میرے علم میں کوئی گیا مگر ممکن ہے جو لوگ شہر میں رہتے تھے اُن میں سے کچھ یا کل گئے ہوں۔

(سوال) کیا بادشاہ کا کوئی ایلچی اس وقت شاہ فارس کے پاس ہو یا بیشتر گیا تھا؟

(جواب) نہیں۔ موجودہ زمانے کی بابت تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کوئی دو یا تین سال گزرے

لائق نہ تو انکی عمریں ہیں اور نہ انھیں تجربہ ہے اور نہ وہ اُن عہدوں کے فرائض سے واقف
ہیں جس پر وہ تینوں بہت ناراض ہوئے اُس دن تو وہ ملتوی رہا مگر دوسرے دن وہ
مرزا مینڈھو و مرزا جواہر شاہ اور مرزا عبداللہ اور چودھری الاسروں کو اپنی سفارش کے لئے لائے
اور بالآخر اُن کو کمان ملگئی اور وردیاں دیدی گئیں۔

(سوال) تم نے بیان کیا ہے کہ درخواست کرنے پر بادشاہ نے دو پالکیاں میموں کے لانے
کے لئے بھیجی تھیں کیا جب بادشاہ کو مسٹر فریزر اور کپتان ڈگلس کے مرنے کی خبر لگی تو
اُنھوں نے قاتلوں کی گرفتاری یا سزا کے لئے کوئی حکم دیا یا نہیں؟

(جواب) نہیں اُس وقت ایسی بے ترتیبی تھی کہ کچھ نہ ہو سکتا تھا۔

(سوال) یہ شہادت گزر چکی ہے کہ بادشاہ کے خاص ملازموں ہی نے مسٹر فریزر وغیرہ کو قتل
کیا تھا۔ کیا پھر بھی اُنھیں برابر تنخواہ ملتی رہی اور وہ ملازم رہے؟

(جواب) میں نے کبھی یہ نہیں سنا کہ بادشاہ کے ملازم بھی قتل میں شریک تھے مگر بلاشبہہ
کوئی اس جرم میں برطرف نہیں ہوا۔

(سوال) کیا اس سے تمہاری یہ مراد ہے کہ قاتلوں کے نام عام طور پر مشہور نہیں ہوئے تھے

(جواب) نہیں نہ عام طور سے اُنکی شہرت ہوئی تھی اور نہ مجھے معلوم کہ قتل کرنیوالے کون تھے۔

(سوال) کیا اسکی حقیقت میں کبھی تحقیقات نہیں ہوئی؟ (جواب) نہیں۔ ہرگز نہیں۔

(سوال) بلوہ سے پیشتر بادشاہ کے پاس مسلح ملازم کسقدر تھے؟

(جواب) کل تقریباً بارہ سو (۱۲۰۰)

(سوال) کیا یہ مختلف قسم کی فوج میں بٹے ہوئے تھے مثلاً توپخانہ، رسالہ، پیدل وغیرہ میں؟

(جواب) ہاں وہ توپخانہ و رسالہ و پیدل میں منقسم تھے۔

نیچے اُترے۔ میں اور غلام عباس تو مذکورہ بالا پیغام پہنچانے کیلئے سیدھے بادشاہ کیطرف
لگئے اور فریزر صاحب بیٹھے ہوئے راستہ میں کھلی ہوئی جگہ پر ٹھہر گئے۔ ہمنے اُسی وقت
بادشاہ کی اجازت حاصل کرکے میموں کے لانے کے لیئے فوراً پالکیاں روانہ کردیں اور
توپوں کے لیئے بھی حکم دیدیا۔ اتنے میں یہ خبر لگی کہ رسالے والے لاہوری دروازہ سے
قلعہ کے اندر گھس آئے اور مسٹر فریزر کو قتل کردیا اور اب کپتان ڈگلس کو قتل کرنے کے
لیئے اُوپر چڑھے ہیں۔ بادشاہ نے یہ سنکر حکم دیا کہ قلعہ کے کل دروازے فوراً بند کردیئے
جائیں جس کا جواب اُنھیں یہ دیا گیا کہ اڑتیسویں ہندوستانی پیدل کے گارد نے جس کی
تعیناتی قلعہ کے دروازہ پر تھی دروازے بند نہیں ہونے دیئے۔ تھوڑی دیر کے بعد رسالہ
کے کوئی پچاس سواروں نے دیوان خاص کے قریب گھوڑوں سے اُتر کر جانوروں کو
قریب کے باغ میں باندھ دیا۔ پیادگان بھی قلعہ میں گھس آئے اور اُنھوں نے بھی جہاں
جگہ پائی بستر لگا دیئے۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ یہ پیادے کس رجمنٹ کے تھے مگر میرے خیال
میں جو تین رجمنٹیں دہلی میں رہتی تھیں اُن ہی میں سے ہونگے۔ اُسدن کوئی اجلاس نہ تھا
مگر بادشاہ تین چار مرتبہ دیوان خاص میں جسکے سامنے باغی خیمہ زن تھے آئے۔ باغی تمام
دن اور رات میں بھی جوق جوق قلعہ کے اندر آتے رہے۔ نمبر ۵۴ شام کو قلعہ میں داخل
ہوئی مگر فوراً سلیم گڈھ پر قبضہ کرنے کے لیئے چلی گئی اور وہاں دوسرے دن جو توپیں میگزین
سے لائے تھے میرٹھ سے آنے والی انگریزی فوج کو دہلی میں آنے سے روکنے کے لیئے
لگادیں۔ تین شبانہ روز انگریزوں کے آنیکی خبریں ملتی رہیں اور باغی فوراً بگل بجا کر تیار ہوجاتے
تھے۔ ۱۲ مئی کو قیدی کے تین لڑکوں مرزا مغل، مرزا خضر سلطان اور پوتے مرزا ابوبکر نے
درخواست کی کہ انھیں فوج میں اعلیٰ کمان دیئے جائیں۔ میں نے بادشاہ سے کہا کہ ان عہدوں کو

آپکی خبر کردو اور کہو کہ حسب ضرورت اس معاملہ میں کارروائی کریں۔ بادشاہ اُٹھکر مکان
کے اندر چلے گئے اور میں دیوان خاص کے کمرہ میں آگیا۔ غلام عباس اسی وقت کپتان
ڈگلس کے ساتھ واپس آگئے۔ کپتان صاحب نے آتے ہی برآمدہ میں جاکر اُن سواروں
سے کہا یہاں سے چلے جاؤ بادشاہ کا محل ہے تمہارے عمل سے اُنھیں تکلیف ہوگی سوار
یہ سنکر راج گھاٹ کی طرف چلے گئے۔ یہاں سے قلعہ کے جنوبی حصہ شہر میں آنیکا راستہ ہے
بادشاہ کو جب کپتان ڈگلس کے آنیکی خبر ہوئی تو فوراً باہر آکر اُن سے اپنے خلوت خانہ
اور دیوان خاص کے درمیانی صحن میں ملاقات کی۔ کپتان صاحب نے اُن سے کہا گھبرانیکی
کوئی بات نہیں ہے یہ فساد فوراً رفع ہو جاویگا اور ہم آدمیوں کو دھمکا دینگے۔ اس غرض
سے اُنھوں نے جانا چاہا اور درخواست کی کہ شمن برج کے نیچے کا دروازہ کھولدیا جائے
تاکہ میں نیچے جاکر سواروں کو سمجھا دوں بادشاہ نے کہا نہ تو تمہارے پاس تمنچہ ہے
اور نہ بندوق اور سپاہی ہتھیار بند ہیں۔ تمہارا اُن لوگوں کے پاس تن تنہا جانا خلاف عقل ہے
اس لئے کپتان ڈگلس اپنے قیامگاہ کو واپس چلے گئے۔ کچھ دیر کے بعد کپتان ڈگلس
صاحبکا ملازم پیراں جمعدار مجھے اور غلام عباس کو بلانے آیا ہم اسکے ساتھ کپتان صاحب
کے پاس گئے اُنھوں نے مجھ سے کہا کہ میرے پاؤں میں موچ آگئی ہے۔ اسوقت اُنکے پاس
ایک اور بھی صاحب تھے جنکو میں نہیں پہچانتا وہ ایک پلنگ پر بیٹھے تھے اور اُنکے دائیں
ہاتھ میں تلوار کا زخم تھا کپتان ڈگلس نے کہا کہ دو پالکیاں مع کہاروں کے بھیجدو کہ
بیبیں اُس میں بیٹھکر بادشاہ بیگم کے پاس چلی جائیں اور اُنکی نگرانی میں رہیں" اسی وقت
مسٹر سائمن فریزر نے کمرہ کے اندر آکر کہا کہ بادشاہ کے ہاں سے دو توپیں اور توپچی منگاکر
دروازہ پر لگادو۔ پھر میں اور غلام عباس اور فریزر صاحب کپتان صاحب کے ہاں سے

قید تھے انکے قتل کے لیئے فوج نے استدعا کی بادشاہ نے اُن قیدیوں کو فوج کے حوالہ کر دیا کہ جس طرح تم چاہو کرو اور بعد میں قیدی قتل کر دیئے گئے۔ دربار میں رؤساء اُمراء اور افسران و اخبار نویس حاضر تھے"

(سوال) تم ۱۱ مئی کو دہلی ہی میں تھے۔ (جواب) ہاں میں دہلی ہی میں تھا۔

(سوال) جو کچھ تم نے اس موقع پر دیکھا ہو بیان کرو۔

(جواب) ۱۶ رمضان مطابق ۱۱ مئی کو صبح کے کوئی سات بجے اڑتیسویں ہندوستانی پیادہ رجمنٹ کے ایک ہندوستانی سپاہی نے دربار خاص پر پہنچکر کسی دربان سے یہ کہا کہ ہندوستانی فوج نے سلطنت کے خلاف غدر کر دیا ہے اور باغی عنقریب دہلی میں آیا چاہتے ہیں اور جو فوج میں رہے ہیں وہ کمپنی کی ملازمت ترک کر کے اپنے اپنے مذہب کے لیئے لڑنیکو تیار ہیں میرا مکان قلعہ میں دربار خاص کے پاس ہی تھا اس لیئے ایک مسلمان دربان نے مجھے اس واقعہ کی اطلاع کی۔ مجھے یہ اطلاع ہوئی ہی تھی کہ بادشاہ دہلی نے مجھے طلب فرمایا۔ میں فوراً وہاں گیا بادشاہ نے مجھے فرمایا دیکھو زیر جھروکہ والی سڑک پر رسالہ آرہا ہے میں نے ۱۲، ۱۵ کمپنی کے باقاعدہ سواروں کو کوئی ڈیڑھ سو گز کے فاصلہ پر آتے دیکھا۔ اُن میں بیشتر تو وردیاں پہنے ہوئے تھے باقی ہندوستانی کپڑے زیب تن کئے تھے۔ میں نے فوراً بادشاہ کو رائے دی کہ جھروکے کے نیچے والا دروازہ بند کر دیا جائے۔ دروازہ بند ہوا ہی تھا کہ پانچ یا چھ سوار ثمن برج کے نیچے والے دروازے سے پہنچ گئے بادشاہ محلات کے قریب ہی رہا کرتے تھے۔ سواروں نے غل مچایا "دہائی ہے بادشاہ کی ہمیں مذہب کے لیئے مدد دیجائے" بادشاہ نے نہ خود جواب دیا نہ آدمیوں کو جواب دینے دیا۔ بلکہ غلام عباس شمشیر الدولہ کو یہ حکم دیا کہ کپتان ڈگلس افسر گارد قلعہ کو ان سواروں کے

حملہ آور کو تو سسں نے سر مرڈے نے قتل کر دیا مگر بعد میں مغلوب ہو کر جس قدر آدمی سک میں تھے سب قتل ہو گئے۔ یہ واقعہ دن کے بارہ بجے ہوا۔

(سوال) کیا کل میمیں قتل ہو گئیں یا اُن میں سے کچھ آدمی بھی بچ گئے ؟

(جواب) وہ سب کی سب فوراً قتل کر دی گئیں۔ اُن میں سے کوئی قید میں نہیں رہا۔

(سوال) کیا ملک پر حملہ کے وقت تمہی بادشاہی سلطہ ہمراہی ساتھ تھے۔

(جواب) نہیں۔ (سوال) کیا بادشاہ نے ملوہ کے بعد ہی اپنے تئیں مطلق العنان مشہور کیا

(جواب) ہاں ملوہ ہی کے دن سہ پہر کو تین سے یہ ڈھنڈورا پٹکر اب پھر بادشاہ کی حکومت ہو گئی۔ قیدی نے مرح سے انکار کیا۔

(جرح عدالت)

(سوال) کیا تمہیں اس قدر عرصہ تک قیدیوں کے محبوس رہنے کا اور قتل کے لیئے خاص دن مقرر کرنیکا سبب معلوم ہے ؟

(جواب) نہیں مجھے ان دونوں باتوں میں سے ایک کا بھی علم نہیں۔ قیدی کو واپسی کا حکم دیا گیا

حکیم احسن اللہ خاں مکرر عدالت میں طلب ہوئے اور سابق حلف پر انکے اظہار ہوئے

(جرح جج ایڈوکیٹ)

(سوال) کیا بادشاہ کے حکم سے ملوہ کے زمانہ میں کوئی روزنامچہ واقعات رکھا گیا تھا؟

(جواب) روزنامچہ تو حسب دستور ملوہ سے بہت قبل رہتا تھا۔

(سوال) اس ورق کو دیکھو اور بتاؤ کہ تم اسکی تحریر کو پہچانتے ہو؟

(جواب) ہاں یہ روزنامچہ نویس کی تحریر ہے اور یہ ورق بھی روزنامچہ ہی کا ہے۔

(ترجمہ خلاصہ روزنامچہ پڑھا گیا) ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء بادشاہ نے دیوان خاص میں دربار کیا ۹ بجے انگریز

(جواب) اس معاملہ میں حکم کی بابت تو میں نے کچھ سُنا نہیں مگر بغیر حکم ایسا ہو نہیں سکتا۔

(سوال) کیا عام طور سے یہ گمان تھا کہ بادشاہ نے اِن بیبیوں اور بچوں کے قتل کا حکم دیا؟

(جواب) اُس وقت تو یہ مشہور نہیں ہوا۔ البتہ آدمیوں کو یہ کہتے سنا تھا کہ قیدی پرسوں قتل ہونگے

(سوال) کیا بادشاہ کے علاوہ اُس وقت کوئی اور اُن لوگوں کے قتل کا حکم دینے کا مجاز تھا۔

(جواب) صرف بادشاہ یا مرزا مغل ہی کے حکم سے قتل عمل میں آسکتا تھا۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ ان دونوں میں سے کس نے حکم دیا تھا۔

(سوال) تمھارے خیال میں اُس وقت کسقدر انگریز قتل ہوئے ہونگے۔ کیا وہ قتل سے پیشتر باندھ دیئے گئے تھے؟

(جواب) میں تعداد نہیں بتا سکتا وہ ایک قطار میں کھڑے تھے اور اُنکے قاتل اُنھیں گھیرے ہوئے تھے مگر مقتولین میں زیادہ تعداد بچوں کی تھی اور وہ بندھے ہوئے نہیں تھے۔

(سوال) تمھیں معلوم ہے ان لاشوں کا کیا حشر ہوا؟

(جواب) نہیں۔ قتل کے بعد فوراً سپاہیوں نے آدمیوں کو قلعہ کے باہر نکالدیا اور میں نے لاشوں کی بابتہ کبھی کچھ نہیں سُنا۔

(سوال) تم نے کسیکو بنک کے قریب بھی قتل ہوتے دیکھا؟

(جواب) ہاں مسٹر بیرسفرڈ اور اُنکی بیوی کو اپنی آنکھ سے قتل ہوتے ہوئے دیکھا۔ جب باغیوں اور شہر والوں نے بنک پر حملہ کیا اُسوقت بیرسفرڈ صاحب اور انکی میم بیرونی دفتر میں چھپ گئے مگر جب وہاں اُنکا پتہ چلگیا تو چھت پر بھاگ گئے۔ چونکہ مسٹر بیرسفرڈ کے ہاتھ میں تلوار تھی اور اُنکی میم کے پاس نیزہ تھا اس لیئے کسی کی ہمت نہیں پڑی کہ سامنے کے زینہ پر سے اُوپر چڑھجائے ایک شخص نے یہ رسلے دی کہ چکر کھا کر مکان کی پشت کی دیوار پر زینہ لگا کر چڑھنا چاہیئے۔ ایک

میں نے شاہی جلوس آنکھ سے نہیں دیکھا۔ البتہ ایک موقع پر مرزا مغل کا کمانڈر انچیف کا شاہی
جلوس دیکھا تھا۔ قیدی نے جرح سے انکار کیا اور گواہ کو واپس جانیکا حکم دیا گیا۔

گلاب ہرکارہ عدالت میں طلب ہوا اور اُسکو حلف دیا گیا

(جرح جج ایڈوکیٹ)

(سوال) ۱۱ مئی گذشتہ میں جب میمیں اور بچے قلعہ میں قتل ہوئے تو کیا تم دہلی میں تھے اور تم نے
اُنھیں قتل ہوتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔

(جواب) ہاں میں دہلی ہی میں تھا اور میں نے اپنے سامنے اُنھیں قتل ہوتے ہوئے دیکھا۔

(سوال) تم نے اُنکے قتل ہونے کی خبر پہلے پہل کب سنی؟

(جواب) میں نے قتل سے دو روز پیشتر سنی تھی۔ لوگ کہتے تھے دو دن میں انگریز قتل کر دیئے
جائیں گے مگر اب یہ یاد نہیں کس دن یہ خبر سُنی تھی۔ جس دن قتل ہوگا قلعہ میں دن کے دس بجے
آدمیوں کا ٹھٹھ لگا ہوا تھا۔ میں بھی ایک بھیڑ کے ساتھ قلعہ میں گھس گیا جب پہلے صحن میں
پہنچا تو وہاں کل قیدیوں کو بادشاہ کے خاص مسلح آدمیوں اور باغی پیادگان سے گھرا ہوا
دیکھا قتل کا اشارہ ہوتے تو میں نے دیکھا نہیں۔ مگر ان آدمیوں نے یکدم تلواریں کھینچکر
قیدیوں کو یہاں تک مارا کہ ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑا۔ قاتلوں کی تعداد سو یا ڈیڑھ سو
ہوگی (سوال) کیا تم نے کسکو اُنکے بچانے کی کوشش کرتے دیکھا یا سنا کہ کسی نے بادشاہ سے
اُنکے بارہ میں سفارش کی ہو۔؟

(جواب) نہ تو میں نے کسیکو اُنکے بچانے کی کوشش کرتے دیکھا اور نہ کسیکو بادشاہ سے اُنکے
بارے میں سفارش کرتے سنا۔ (سوال) تم بیان کر چکے ہو کہ ان لوگوں کے قتل ہونیکی خبریں
دو روز پیشتر معلوم ہو گئی تھی کیا تمہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ کسکے حکم سے یہ لوگ قتل ہوئے؟

اُسی طرح قلعہ میں واپس آگئے۔ قلعہ سے روانہ ہونے دفعہ اور واپس آنے کے وقت اکیس

اکیس توپوں کی سلامی ہوئی تھی۔ (دستخط قیدی)

(سوال) کیا جاہی رسالے میرٹھ سے آئے اُنھوں نے یہ کارروائی بادشاہ کے ایما سے کی

یا اپنے دل سے؟ (جواب) مجھے اسکے متعلق کچھ خبر نہیں۔

(سوال) تم نے اُس مکان کے متعلق جس میں سپاہی اور بچے رکھے گئے کل یہ بیان کیا تھا

کہ وہ بادشاہی مفتی کے استعمال میں تھا۔ اور اب میں یہ کہا کہ معزز آدمی کے لیئے ایسی جگہ

ٹھیرایا جانا باعث ہتک ہے۔ یہ بیان کیسے ایک دوسرے سے موافق ہو سکتے ہیں؟

(جواب) بوجہ دفتر ہونے کے ہر کس و ناکس ادنی و اعلٰی وہاں جایا کرتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ

معزز شخص کے رہنے کے لیئے مناسب نہیں تھا مفتی صاحب کے رہنے کی جگہ نہ تھی بلکہ یہ

اُنکا دفتر تھا۔ گواہ کو واپس جانے کا حکم ہوا۔

چنی لال بساطی عدالت میں طلب ہوا اور اُس کو حلف دیا گیا۔

(دستخط جج ایڈوکیٹ)

(سوال) کیا ۱۱ و ۱۲ مئی گزشتہ کو تم دہلی میں تھے؟

(جواب) ہاں ان دونوں تاریخوں پر میں دہلی ہی میں تھا۔

(سوال) کیا ان تاریخوں میں سے کسی تاریخ پر بادشاہ کے خود مختار ہونیکا ڈھنڈورا پٹا تھا۔

(جواب) ۱۱ مئی کو آدھی رات پر قلعہ میں بیس ضرب توپ فیر ہوئی تھیں یہ آواز میں نے اپنے گھر

میں سنی تھی اور دوسرے دن دوپہر کو اس بات کا ڈھنڈورا پٹا تھا کہ ملک پھر بادشاہ کے قبضہ

میں آگیا۔ (سوال) کیا جب بادشاہ ہاتھی پر بیٹھکر نکلے تھے تو اُن کا شاہی جلوس تم نے

اپنی آنکھ سے دیکھا تھا؟ (جواب) نہیں بلکہ اسکے چند ہی روز بعد میں نے قلعہ کو چھوڑ دیا تھا

اُٹھے ہی کو تھیں تو میں وہاں جاکر اُن خاکروبوں سے جنکی وہاں نوکری تھی ملا تو معلوم ہوا کہ ۵۲ انگریز قتل ہوئے ہیں اُس وقت لاشیں ایک دائرہ میں زمین پر پڑی تھیں۔

(سوال) اُن میں مردوں کی لاشیں کے تھیں؟

(جواب) صرف پانچ یا چھ عورتوں اور بچوں کی تھیں۔

(سوال) تمہیں معلوم ہے کہ بعد میں اُن لاشوں کا کیا ہوا؟

(جواب) ہاں بحکم شاہ اُنہیں دریا میں غرق کرنے کے لیئے گاڑیوں میں بھر کر سلیم گڑھ کیطرف گئے

(سوال) قتل کے بعد کیا خوشی میں توپیں سیر ہوئی تھیں؟

(جواب) نہ تو میں نے اپنے کان سے سنا اور نہ کسی سے سُنا کہ توپیں چھوٹی تھیں۔

(بارہویں دن کی کاروائی)

(سوال) کیا تم عدالت کو اور انگریزوں کی بابت جو شہر کے اور مقامات میں قتل ہوئے ہوں اطلاع دے سکتے ہو؟ (جواب) جو کچھ میں اُوپر بیان کر چکا ہوں اُسکے علاوہ میں نے کوئی قتل نہیں دیکھا البتہ تنا ضرور سنا تھا کہ کشن گڑھ میں کوئی ۲۵ انگریز جبتک اُنکے پاس گولی بارود رہی اپنے کو بچاتے رہے جب یہ سامان ختم ہوگیا تو اُنہیں تہ خانوں میں سے لاکر چند مسلمانوں نے شاہی سواروں کے ساتھ ملکر قتل کر ڈالا۔

(سوال) کیا دہلی میں بادشاہ کے اختیارات مشتہر ہوئے تھے اور اگر ہوئے تو کب ہوئے ہے

(جواب) اسی کو بادشاہ نے دکانوں کے کھولنے کے لیئے ڈھنڈورا پٹوایا اور دو دن بعد ہاتھی پر سوار ہو پیدل رجمنٹ و چند توپیں اور اپنے مسلح ہمراہیوں کے ساتھ قلعہ سے باہر نکلے تھے یہ کاروائی دوکانیں کھولنے کے لیئے ہوئی تھی۔ وہ بڑے بازار کے اُس حصہ تک گئے تھے جہاں مکانات ہر دو جانب بالی صورت میں ہے ہیں۔ اور جس شان و شوکت سے نکلے تھے

(سوال) پھر کون لوگ رہتے تھے؟ (جواب) کچھ حصہ عمارت تورودی خانہ تھا جس میں ملزم بادشاہ کی طرف سے قید کیے جاتے تھے۔ (سوال) اگر حفاظت کیجاتی تو کیا میمیں اور بچے اُس میں محفوظ رہ سکتے تھے۔ یا وہ جگہ کھلی ہوئی ہے کہ جس کا جی چاہے گھس سکے۔

(جواب) نہیں وہ کھلی جگہ ہے نہ تو کسی قسم کی حفاظت ہے اور نہ اُسکی چار دیواری ہے۔

(سوال) کیا اگر کوئی معمولی عزت کا ہندوستانی اُس جگہ رکھا جاتا تو وہ اس میں اپنی ہتک عزت خیال نہ کرتا؟ (جواب) ہاں قطعی وہ وہاں رہنے میں اپنی بے عزتی اور سبکی سمجھتا۔

(سوال) کیا قلعہ میں بھی ایک جگہ خالی تھی جس میں میمیں اور بچے رکھے گئے؟

(جواب) قلعہ میں عمارت کی کمی نہ تھی جس میں میمیں اور بچے بآسایش رہ سکتے۔

(سوال) کس کے حکم سے انگریز قتل ہوئے؟

(جواب) بادشاہ کے حکم سے اور اُس کے سوا اور کون ایسا حکم دے سکتا تھا۔

(سوال) کیا تم نے بادشاہ کے کسی لڑکے کو اس قتل کا تماشا دیکھتے ہوئے دیکھا؟

(جواب) اُس جگہ بڑا ہجوم تھا میں نے اُن کا خیال نہیں کیا۔ البتہ مرزا مغل کی چھت پر کچھ آدمی کھڑے تھے اور میں نے یہ بھی سنا تھا کہ وہ چلمن میں سے یہ نظارہ دیکھ رہے ہیں۔

(سوال) کیا قتل سے پیشتر انگریزوں کو رسیوں سے جکڑ دیا تھا۔

(جواب) میں نے اس کا خیال نہیں کیا؟

(سوال) کیا قتل سے پیشتر انگریزوں کو رسیوں سے جکڑ دیا تھا؟

(جواب) میں نے اس کا خیال نہیں کیا۔ (سوال) کیا قتل سے پیشتر انھیں ایک قطار میں بٹھا دیا تھا۔ (جواب) میں ہجوم کی وجہ سے اُس خاص مقام پر نہ جا سکا۔ ترپولیہ میں رہا مگر قتل کے بعد جب بھیڑ منتشر ہوئی اور لاشوں کے اُٹھائے جانے کا حکم بادشاہ کے پاس سے آیا اور وہ

پیشتر اس میں خاصکر قلعہ کے متعلق خبریں ہوتی تھیں اور کبھی کبھی دیگر امورات پر بھی بحث ہوتی تھی اس کا نام سراج الاخبار تھا۔

(سوال) کیا کسی انگریز کے قتل ہونے کے موقع پر تم کبھی قلعہ میں گئے تھے۔

(جواب) میں گیا تھا گیارہ مئی کے علاوہ کے پانچ یا چھ روز بعد میں نے قلعہ میں ایک فساد عظیم برپا ہونیکی خبر سنی یہ سنکر میں وہاں گیا اور قلعہ کے اندر راہ دہلی دروازہ جدید محل کے پاس پہنچکر میں نے شاہی مسلح خدمتگاروں اور باغی سپاہیوں کو قریباً ساٹھ نو یا دس انگریزوں کو قتل کرتے دیکھا ایک شاہی ملازم نے مجھے دیکھکر یہ کہا کہ تو انگریزوں کے لیئے خبریں جمع کرتا ہے یاد رہے اگر آیندہ ایسا کیا تو تیرا بھی یہی حشر ہوگا اس شخص کا نام بھیکا تھا اور قیاس کے بیٹے مرزا عبداللہ کی خدمت میں تھا۔

(سوال) یہ انگریز کہاں سے لائے گئے تھے؟

(جواب) مجھے نہیں معلوم مگر میں نے سنا ہے کہ شاہی مطبخ سے آئے تھے۔

(سوال) کیا شاہی مطبخ اور آرامگاہ ایک ہی صحن میں ہیں؟

(جواب) شاہی آرامگاہیں قلعہ کے ایک جانب ہیں اور مطبخ جس میں انگریز محبوس تھے اس کے مقابل دوسری جانب اور ان دونوں کے درمیان میں دربار خاص و دربار عام کی عمارتیں ہیں اور ان کا فاصلہ ایک دوسرے سے دو سو یا ڈھائی سو گز ہے۔

(سوال) جس جگہ میمیں اور بچے رکھے گئے تھے وہاں کس رتبہ کے آدمی رہتے تھے؟

(جواب) اس جگہ ایک بادشاہی مولوی رہا کرتے تھے۔

(سوال) کیا اس سے تمہارا یہ مطلب ہے کہ جس جگہ میمیں اور بچے قید تھے وہاں معزز اور بڑے آدمی رہا کرتے تھے؟ (جواب) ہرگز اس قسم کے آدمی وہاں نہ رہتے تھے۔

ایسا مضمون یاد ہے جس سے اس بات کا یقین ہو؟

(جواب) مجھے کوئی خاص مضمون یاد نہیں جس میں مقابلۂ دیگر مضامین کے زیادہ مخالفت ہو مگر جو مضامین ایرانیوں اور روسیوں کے متعلق شائع ہوئے انکی تحریر ہمیشہ مخالفانہ رہی ہے

(سوال) کیا تم نے یہ بھی سنا تھا کہ ایک چٹھی اس مضمون کی مجسٹریٹ پاس پہنچی کہ کشمیری دروازہ پر حملہ ہونے والا ہے اور وہ انگریزوں سے چھین لیا جائیگا۔

(جواب) نہیں مجھے یاد نہیں کہ میں نے ایسی خبر سُنی ہو۔

(سوال) کیا تمھیں چپاتیوں کے موضع بموضع گردش دیئے جانیکا بھی کچھ حال معلوم ہے؟

(جواب) ہاں مجھے یاد ہے کہ بلوہ سے پیشتر چپاتیاں تقسیم ہوئی تھیں۔

(سوال) کیا ہندوستانی اخبارات نے بھی اس مضمون پر بحث کی تھی اور کی تھی تو اس سے کیا مطلب ظاہر ہوتا تھا؟

(جواب) ہاں اس کا کچھ حوالہ ضرور تھا اور اس سے یہ خیال کیا گیا تھا کہ کسی آنیوالے فساد کی پیش بندی ہے اور علاوہ ازیں یہ بھی سمجھا گیا تھا کہ دیہات والوں کو کسی خاص مطلب سے جس کا اظہار بعد میں ہوگا ایک جگہ اکٹھا ہونیکے لیئے یہ چپاتیاں بطور نیوتے کے تقسیم ہوئی ہیں

(سوال) تمھیں معلوم ہے انکی ابتدا کہاں سے ہوئی یا کہاں تک ہندوستانیوں میں اسکا چرچہ تھا

(جواب) مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ ابتدا انکی کہاں سے ہوئی مگر عام خیال پانی پت اور کرنال کی طرف تھا۔ (سوال) کیا صادق الاخبار کی کوئی کاپی قلعہ والوں کے پاس بھی جاتی تھی۔

(جواب) ہاں قلعہ میں تو کئی کاپیاں جایا کرتی تھیں مگر یہ نہیں معلوم کسکی معرفت جاتی تھی۔

(سوال) کیا بلوہ کے ایام میں قیدی نے کوئی عدالتی رسالہ نکال رکھا تھا؟

(جواب) ہاں ایک رسالہ نکلا کرتا تھا جو قلعہ کے اندر شاہی چھاپہ خانہ میں طبع ہوتا تھا۔ بلوہ سے

(سوال) کیا کوئی ایسا ہندوستانی اخبار دہلی سے شائع ہوتا تھا جس میں انگریزوں کے خلاف مضمون نکلتے ہوں؟ (جواب) ہاں جمال الدین ایک ہفتہ وار اخبار نکالتا تھا جسکے مضامین قطعی انگریزی حکومت کے خلاف ہوتے تھے اس اخبار کا نام صادق الاخبار یا تھی جس میں تھا

(سوال) کیا یہ پرچہ بڑا ہوتا تھا اور اسکی اشاعت بہت تھی؟

(جواب) دہلی شہر میں اور باہر اسکی دو سو کاپیاں نکلتی تھیں اور یہ پرچہ چھپا ہوا ہوتا تھا۔

(سوال) کیا یہ پرچہ ہفتہ وار ہی نکلتا تھا یا خاص خبروں کے لیے خاص طور پر بھی نکلتا تھا؟

(جواب) جب کبھی ضروری خبریں مل جاتی تھیں تو خاص طور پر بھی نکلتا تھا۔

(سوال) کس لوگوں اور کس فرقوں میں اسکی زیادہ اشاعت تھی؟

(جواب) بلا تمیز ذات ہر خاندہ فرقہ میں اسکی اشاعت تھی۔

(سوال) دہلی جیسے بڑے شہر کے لیے دو سو اخبار بہت تھوڑے ہیں کیا ہندوستانیوں میں یہ معمول ہے کہ اخبارات سننے کے لیے احباب ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ایک اخبار کئی خاندانوں کے لیے کافی ہوتا ہے؟

(جواب) ہاں خریداروں کی یہ عادت ہے کہ اپنے اخبارات اپنے دوستوں اور عزیزوں کو پڑھنے کے لیے دیدیتے ہیں۔ (سوال) کیا صادق الاخبار دہلی کا بڑا اخبار تھا اور دیگر اخبارات سے اس کا کیا تناسب تھا؟ (جواب) ہاں دہلی میں بڑا اخبار سمجھا جاتا تھا اور جو مضامین کہ ان میں سے اکثر انگریزی اخبارات کا ترجمہ ہوتے تھے اس میں شائع ہوتے تھے مسلمان اسکو بڑی توجہ سے دیکھتے تھے۔ دیگر اخبارات کے ساتھ اسکا تناسب تو میں نہیں بتا سکتا کہ کیا تھا مگر ضرور کہوں گا کہ بمقابلہ دیگر اخبارات کے اسکی اشاعت بہت تھی۔

(سوال) تم نے بیان کیا ہے کہ اسکی تحریر انگریزی گورنمنٹ کے خلاف ہوتی تھی تعین کرکے

(سوال) تم نے ہشیار اُنکے پکارنے کی بابت کچھ نہیں کہا کیوں! کیا تم بھول گئے تھے؟

(جواب) اس واقعہ کو آٹھ مہینے ہوئے جو کچھ مجھے یاد آتا جاتا ہے بیان کرتا جاتا ہوں جب میں وہاں سے چلا اُس وقت سوار دین دین پکار رہے تھے اور ہندوستانیوں کو یقین دلا رہے تھے کہ وہ کسی ہندوستانی کو تکلیف نہ دینگے۔

(سوال) تم گیارہ مئی سے پیشتر کس قسم کی خبریں شائع کیا کرتے تھے کیا کسی مضمون میں تمنے ہندوستانی فوج یا اُسکی فرضی بددلی کا تذکرہ کیا تھا؟

(جواب) میرے پرچہ میں عام مذاق کی اور وہ کل خبریں ہوتی تھیں جو میں چھپے ہوئے پرچوں سے لیا کرتا تھا مجھے یاد ہے کہ چند موقعوں پر میں نے کارتوسوں اور فوج کے باغیانہ خیالات کا تذکرہ کیا تھا۔ (سوال) کیا تمھیں یاد ہے کہ تم نے کبھی ایرانیوں کے ہرات پر چڑھنے کا بھی اُس میں ذکر کیا تھا؟ (جواب) مجھے یاد نہیں کہ میں نے خاصکر کوئی تذکرہ کیا ہو مگر جو کچھ خبریں وہاں کے (ایران) متعلق شہر کے رسالہ میں جو ایران میں طبع ہوتا تھا ملتی تھیں تھیں نقل کر دیتا تھا۔ (سوال) اپنے چندہ دہندگان کے سامنے خبریں تم خود پڑھا کرتے تھے اسلیئے تم کہہ سکتے ہو کہ کس قسم کی خبروں سے اُنھیں زیادہ دلچسپی تھی۔ کیا سپاہیوں کی بددلی کی خبریں زیادہ کان لگا کر سُنا کرتے تھے۔

(جواب) ان خبروں سے ہندوں پر تو کچھ اثر نہوتا تھا البتہ ایرانیوں کے متعلق خبریں مسلمان بڑی دلچسپی سے سنتے تھے اور اسبات پر شیخی مارا کرتے تھے کہ ایرانی آکے چنیں کرینگے چناں کرینگے رہی فوج کی عام بددلی اس سے بھی مسلمان ہی موثر ہوتے تھے اور بیشک جوش میں محو ہو جاتے تھے

(سوال) جس زمانہ میں ایرانیوں کے آنیکی افواہ تھی کیا روسیوں کی بابت بھی تذکرہ ہوتا تھا؟

(جواب) ہاں دونوں کا تذکرہ ہوتا تھا۔ مگر بیشتر ذکر ایرانیوں کا ہوتا تھا۔

البتہ اول شاہ فارس کے اعلان اور دوسرے اسالہ میں سکھوں کے حملے اور چربی دار کارتوس کے استعمال کے سبب فوج میں بدلی کی خبروں کی وجہ سے شہر میں تری طغیانی اور جوش پھیلا ہوا تھا۔

(سوال) کیا تم اپنا اخبار نکالا کرتے تھے اور کس نام سے نکلا کرتا تھا؟

(جواب) ہاں میں ایک اخبار نکالتا تھا اور اس کا نام "اخبار دہلی" تھا مگر وہ اس نام سے یا کسی اور نام سے مشہور نہ تھا کیونکہ اس میں محض تفصیل مضامین ہوتی تھی۔ میں روزانہ خبریں قلمی لکھکر اپنے چندہ دہندگان کو سنایا کرتا تھا۔

(سوال) کیا تم لکھے اکٹھا کرتے جاتے تھے اور کیا اسوقت تمھارے پاس کوئی اُسکی کاپی ہے

(جواب) میں نے قبل و بعد ازغدر اصل کاغذات کو باقاعدہ جمع کر دیا تھا اور گیارہ مئی تک کے اخبارات کو ایک جلد میں چھپ دیا تھا جب دہلی دوبارہ فتح ہوئی تو میں مد کشور کی مدد سے جو کچھ اُس میں باقی تھی اُسے پورا کر کے کل کاغذات میں سے کرنیل سن دہلی کے وجی گورنر کے حوالہ کر دئے ہیں جنھوں نے اُس کا ترجمہ کرا لیا تھا۔

(سوال) گیارہ مئی کو کچہری کے کتنے سوار مسٹر فریزر کے ہمراہ تھے؟

(جواب) افسروں سمیت اُس گارد میں بائیس یا تیئیس آدمی تھے حملہ کے وقت بظاہر کل مسٹر فریزر کے ہمراہ تھے۔

(سوال) تم بیان کر چکے ہو کہ باوجود باقاعدہ مرتب ہونے کے پانچ یا چھ سواروں کے سوا باقی بھاگ گئے تھے اس سے تمھاری کیا مراد ہے کیا انھیں پہلے سے اس واقعہ کی اطلاع تھی؟

(جواب) میری رائے میں انھیں پہلے سے اس امر کا کچھ علم نہ تھا مگر باغیوں کی دین دین کی آواز سے کچہری والوں کو سکالت یہ ہوئی کہ فریزر صاحب کو چھوڑنا پڑا۔

کے تھانہ کے افسر دوم کو ساتھ لیکر دروازے پر چڑھے۔ تھوڑی دیر کے بعد فریزر صاحب نے
نیچے اُترکر جھجھر والے سواروں کو درست کیا اور اسی طرح پولیس کے گارد کو مرتب کرکے تلوار
نکالنے اور اُس جگہ کی حفاظت کرنے کا حکم دیا۔ معاً اُسی وقت سات سوار اور دو اونٹ سوار
دریا گنج سے قلعہ والی سڑک پر سرپٹ دوڑے ہوئے آئے اور پستول کے نشانہ کی حد پر پہنچکر
سب نے یک لخت انگریزوں پر فیر کر دیا۔ یہ حال دیکھکر تمام بھیڑ اِدھر اُدھر منتشر ہو گئی اور میں بھی
گھر چلا آیا۔ مگر چلنے سے پیشتر اتنا ضرور دیکھا کہ جھجھر والے سوار کچھ مزاحم نہیں ہوئے۔ بلکہ
فریزر صاحب کو چھوڑ کر جس طرف سے یہ سوار آئے تھے اُسی طرف فوراً بھاگ گئے۔ اسکے بعد
شام تک میں گھر سے باہر نہیں نکلا اور اُس دن کے اور حالات مجھے معلوم نہیں۔

(سوال) جب تم کلکتہ دروازہ پہنچے تو کیا وہاں پہلے سے بہت آدمیوں کی بھیڑ تھی؟

(جواب) انگوری باغ والی تھوڑسی زمین پر اُس وقت وہاں کم از کم چارسو یا پانچسو آدمی ہونگے

(سوال) اُس وقت کیا بجا ہوگا؟

(جواب) شاید نو بجے ہونگے۔ مگر میں ٹھیک وقت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔

(سوال) جبکہ وہاں بکری کا سامان کچھ نہ تھا پھر کس لیئے اسقدر آدمی وہاں جمع تھے؟

(جواب) غیر معمولی طور پر دروازے کے بند ہونیسے لوگوں میں ہل چل مچگئی تھی اور اسی وجہ
سے وہاں اسقدر آدمی جمع ہو گئے تھے بھیڑ اسوجہ سے اور بھی ہوئی دھوبی دروازہ کے
بند ہوجانیکے خوف سے دریا پر سے چلے آئے تھے۔

(سوال) جب تم اخبار نویس تھے تو تمکو سب بات کی خبر رکھنی چاہیئے تھی۔ کیا تمھیں یقین ہے کہ
شہر والوں کو ایک یا دو دن پہلے بھی یہ خبر نہ تھی کہ گیارہ تاریخ کو کیا ہوگا؟

(جواب) گیارہ مئی والے بلوہ کی جو کچھ پہلے سے سازباز ہوئی ہو اُسکی مجھے اصلا خبر نہیں تھی

(جواب) وہ عماد تخانہ کے برار والے راستے سے گئے تھے۔

(سوال) کیا قیدی نے گورنمنٹ انگریزی کی ماتحتی میں لعامیت ہنیکا اظہار نہیں کیا تھا؟

(جواب) نہیں اُسکا اشارہ گورنمنٹ کی طرف نہ تھا بلکہ اُن حمایتوں کا تھا جو کپتان ڈگلس نے اُس کے ساتھ کی تھیں اور جن کا تذکرہ اُس نے کیا تھا۔

(سوال) کیا کپتان ڈگلس نے جھروکوں کے نیچے جاکر باغیوں سے باتیں کرنیکی استدعا قیدی سے نہیں کی تھی اگر اُسنے ایسا نہیں کیا تو پھر قیدی کو اُسکے ارادہ سے کیسے جوانی

(جواب) اس واقعہ کو مہینے گذر گئے مجھے اچھی طرح یہ بات یاد نہیں البتہ کپتان ڈگلس نے نیچے کے دروازہ کھولنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

چار بج جانے کے سبب اس اظہار کو آئندہ دن کے گیارہ بجے تک ملتوی کیا۔

گیارھویں دن کی کارروائی۔ بقیہ اظہار کشن سنگھ چپراسی)

(سوال) کیا ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کی صبح کو تم دہلی میں تھے؟

(جواب) ہاں میں گھر ہی پر تھا۔ (سوال) کیا تم نے سپاہیوں کو اُس دن میرٹھ سے آتے دیکھا تھا اگر دیکھا ہو تو جو کچھ تم جانتے ہو بیان کرو

(جواب) نہیں میں نے اپنی آنکھ سے تو نہیں دیکھا۔ مگر جب میں نے یہ سنا کہ شہر کے دروازے بند ہورہے ہیں تو میں تماشا دیکھنے کے خیال سے باہر نکل آیا اور جب میں چاندنی چوک میں پہنچا تو پولیس کا بڑا افسر دکانیں بند کرا رہا تھا۔ اُسکی زبانی یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ سرجیمس میلس شکاف صاحب بھی دکانیں بند کراتے پھرتے ہیں۔ میں آدمیوں کے غول کیساتھ دریا دروازہ پر گیا وہاں مسٹر فریزر اور چار پانچ اور صاحب لوگ کھڑے تھے۔ مسٹر فریزر کا جمعدار سوار بھی اُنکے ہمراہ تھا فریزر صاحب اور ایک اور صاحب اور شریف الحق کوتوال سرمنڈی

تاریخ سے جبتک میں جیو کے کٹرہ سے دہلی واپس ہوا کبھی قلعہ میں نہیں گیا۔ مجھے یہ بیان کردینا چاہیئے حملہ کے وقت اس غول کا سرگروہ اڑتیسویں ہندوستانی پیدل کا مسلمان حوالدار تھا جسکی تعیناتی قلعہ کے لاہوری دروازہ پر تھی۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ اور نہیں معلوم۔ قیدی نے جرح کرنے سے انکار کیا اور گواہ کو واپسی کا حکم دیا گیا۔

کشن سنگھ سرکاری چپراسی عدالت میں طلب ہوا اور اسکو باقاعدہ حلف دیا گیا

(جرح جج ایڈووکیٹ)

(سوال) تم گیارہ مئی گزشتہ کو کیا دہلی میں تھے؟

(جواب) ہاں میں کپتان ڈگلس کی اردلی میں تھا۔

(سوال) جب کپتان ڈگلس شاہی مکانات کی طرف باغیوں سے جھروکے کے نیچے باتیں کرنیکے قصد سے گئے تو کیا تم وہاں موجود تھے اور کیا کپتان ڈگلس نے اسوقت بادشاہ سے باتیں کی تھیں؟

(جواب) ہاں میں اسوقت وہیں تھا اور کپتان ڈگلس اور بادشاہ سے کچھ باتیں بھی ہوئی تھیں اور بادشاہ نے کپتان صاحب کو باغیوں سے نیچے جاکر باتیں کرنے سے منع بھی کیا تھا اور کپتان صاحب سے جاتے وقت یہ بھی کہا تھا کہ اگر قلعہ کے دروازے بند بھی کردیئے جائیں تو اُسکے ملازموں کی آمد و رفت بند نہ کیجائے۔

(سوال) جسوقت یہ باتیں ہوئیں بادشاہ اور کپتان ڈگلس میں کتنا فاصلہ تھا؟

(جواب) یہ باتیں چلتے چلتے ہوئیں بادشاہ اُس وقت اپنے عبادتخانے کے دروازہ پر کھڑے تھے اور کپتان صاحب اور بادشاہ میں صرف چار قدم کا فاصلہ تھا۔ (جرح قیدی)

(سوال) کپتان ڈگلس واپس دربار خاص کے پاس سے گئے تھے یا کسی اور راستے سے؟

گھوڑے دوڑاتے ہوئے سواروں کے آگیا غل مچگیا۔ انگریزوں کے پاس پہنچتے ہی اُن
میں سے ایک نے ہچنسن صاحب کے بازو پر گولی ماری دیگر سواروں نے بھی فیر کیے مگر
سب خالی گئے اس پر فریزر صاحب اور کپتان ڈگلس گاڑی سے اتر پڑے اور ماعیلکے
راستے سے بچکر دروازہ پر گاردخانہ کے قریب کھڑے ہوگئے اور دو انگریز اور بھی اُنکے پاس
آگئے فریزر صاحب نے کانسٹبل سے بندوق لیکر ایک سوار کے گولی ماری اس کارروائی
سے دیگر سوار اپنی حرکت سے باز آگئے اور گھوڑے پھیر کر بھاگ گئے ساتھ ہی یہاں آدمیوں
کا ہجوم زیادہ ہوگیا اور کپتان ڈگلس اور ایک انگریز کھائی میں کود کر اندر ہی اندر اور فریزر
صاحب اندر اور انگریز سڑک سڑک دروازہ پر پہنچ گئے مگر وہاں اُسوقت ایسی بل چل تھی کہ مجھے
اُنکے دروازہ پر پہنچ جانیکا تعجب تھا۔ کپتان ڈگلس کو خندق میں کودنے کے صدمہ سے
غش آگیا تھا ہم لوگوں نے اُنہیں اُٹھاکر کلیات خانہ میں لٹایا۔ تھوڑی دیر کے بعد پادری
جیننگ صاحب اوپر سے اترے اور اُنکے کہنے سے ہم نے کپتان صاحب کو دروازے
کے اوپر کے کمروں میں لیجاکر پلنگ پر لٹا دیا او جیننگ صاحب نے ملازموں کو ہٹاکر حکم دیا
کہ شور و غل نہ کریں اسکے بعد ہمیں شاہی طبیب کے لانے کا حکم ہوا۔ اور عبداللہ چپراسی ہمیں
بلانے آیا حکیم احسن اللہ خاں گئے ہی تھے کہ کوئی پانچ شاہی ملازم دین دین پکارتے
ہوئے ہٹے ہوئے راستے کی طرف سے آتے دکھائی دیئے۔ فریزر اُس وقت سے زینہ
کی بیچکی سیڑھی پر تھے کہ ان آدمیوں نے اُن پر حملہ کیا اور تلواروں سے اُنہیں کاٹ
ڈالا۔ دروازہ کے شمالی جانب تو یہ ہورہا تھا جنوبی زینہ سے ایک اور غول تلواریں اور
سونٹے لیکر اوپر کے کمروں پر چڑھ گیا اور شمالی زینہ والا غول بھی اُن سے جاکر ملگیا۔
اُس وقت ہر شخص کو اپنی جان بچانی مشکل ہوگئی اور میں بھی جان بچاکر پیچھے بھاگا اُس

معائنہ کے لیے لیکر جارہا تھا کہ راستہ میں ایک سوار کو کلکتی دروازہ سے سرپٹ آتے دیکھا سوار قلعہ کے دروازہ تک پہنچنے نہ پایا تھا کہ میں نے دروازہ پر کپتان صاحب کو کھڑا دیکھا۔ اُنھوں نے اُس سے باتیں کیں اور سوار میرے دروازہ پر پہنچنے سے پہلے گھوڑا پھیر کر چلدیا۔ کپتان صاحب نے مجھے حکم دیا کہ اُدھر چلو میں قلعہ میں ہوکر ابھی آتا ہوں۔ میں دروازہ پر ٹھہرا رہا اور کپتان صاحب لچھمن اور کشن سنگھ کو ساتھ لیکر قلعہ میں گئے۔ کپتان صاحب گئے ہی تھے کہ فریزر صاحب گاڑی میں بیٹھے ہوئے آئے اور کپتان صاحب کو دریافت کیا۔ فریزر صاحب بگھی سے اُتر کر ٹہلتے ہوئے پٹے ہوئے راستہ سے کھلے ہوئے مقام تک آئے۔ اور مجھسے کہا کہ کپتان ڈگلس جب واپس آئیں تو کہدینا کہ وہ (فریزر صاحب) کلکتہ دروازے گئے ہیں۔ اسکے بعد میں شاہی مکانات کی طرف بڑھا۔ کپتان صاحب بڑی پریشانی کی حالت میں وہاں سے واپس آرہے تھے میں نے اُنکو فریزر صاحب کا پیغام پہنچایا۔ کپتان ڈگلس صاحب وہاں سے سیدھے قلعہ کے لاہوری دروازے پر گئے اور ہندستانی گارد کو دروازہ بند کرنیکا حکم دیا جو فوراً بند کردیا گیا اور یہ بھی حکم دیا کہ کھائی کے ملبہ پر ہجوم نہونے پائے۔ اُسی وقت ایک شاہی افسر جو بظاہر کپتان معلوم ہوتا تھا شہر کے بڑے بازار کی جانب سے آیا دروازہ بند ہوچکا تھا اور کپتان ڈگلس کی بگھی اندر ہی تھی اس لیئے اُنھوں نے مجھے حکم دیا کہ گارد کے ہندوستانی افسر سے کہوں کہ گاڑی نکل جانیکے لیئے دروازہ کھولدے۔ گاڑی باہر نکلنے کے بعد میں اسکے پیچھے بیٹھ گیا۔ جب کلکتہ دروازہ پہنچے تو فریزر صاحب نکسن صاحب ہیڈ کلارک اور چار پانچ انگریز وہاں موجود تھے۔ ہمارے وہاں پہنچنے کے کچھ ہی بعد دروازہ بند کردیا گیا اور فریزر صاحب کپتان ڈگلس بگھی میں اور دیگر انگریز گھوڑوں پر سوار ہوکر تھوڑی دور آئے تھے کہ چار پانچ سوار ایلن برو تالاب کی طرف سے

ہندوستان پر آیا ہے اور طغیانی کے سبب روئے زمین پر پا ہو گئی اور اس سے بادشاہ کو عروج ہوا اور انگریز تباہ ہو گئے۔

(جواب) خدا جانتا ہے نہ تو میں نے کبھی ایسا خواب دیکھا اور نہ کبھی ایسا خواب بیان کیا البتہ قلعہ والوں نے اکثر ایسے خواب مجھ سے بیان کیے جنکی تعبیر میں نے توہمات سے کی اور مجکو خواب پر اعتقاد نہیں ہے۔

(سوال) دہلی سے تم کب گئے اور جتنک پولیس سے تمہارا کھوج نہ نکلا تم کیوں چھپے رہے؟

(جواب) جب یہ شہرت ہوئی کہ شہر پر حملہ ہونے والا ہے تو شہر والوں نے جوق جوق باہر جانا شروع کر دیا میں بھی انھیں کے ہمراہ شہر سے چلا گیا اول میں نظام الدین میں رہا اس کے بعد قطب صاحب پھر وہاں سے گڑھی ہرسرو گیا جہاں بیمار ہو گیا۔ اسکے بعد اور مقامات میں ہوتا ہوا موضع لکھنوٹی میں پہنچا وہاں مجھے یہ خبر ملی کہ گنگوہ میں میری تلاش ہو رہی ہے میں نے خود وہاں جانیکا اپنے دل میں قطعی فیصلہ کر لیا چنانچہ میں وہاں پہنچا میرے وہاں پہنچنے کی خبر اڑی اور میں گنگوہ کے قریب ہی تھا کہ سپاہیوں نے مجھے امام صاحب کے مقبرہ میں بحالت نماز گرفتار کر لیا۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا اور گواہ واپس ہوا۔

تماشا سنگھ چپراسی ملازم سرکار کی طلبی ہوئی اور اسکو حلف دیا گیا

(جرح مع ایڈوکیٹ)

(سوال) کیا ۱۱ مئی ۵۷ء کو تم دہلی میں تھے؟ (جواب) ہاں میں دہلی ہی میں تھا۔

(سوال) جو کچھ تم نے اس موقع پر دیکھا ہو اسے بیان کرو۔

(جواب) قلعہ کی کھائی کی مرمت میرے سپرد تھی۔ میں حساب کی کتاب کپتان ڈگلس کے

تو میں اُنکے علاج کے لیئے بلایا گیا تھا جب میرے دم کرنے سے بادشاہ کو فائدہ
اکثر بلانے لگے مگر مجھے اس سے بے آرامی ہوتی تھی۔ ایکدن بادشاہ سے
حضور بار بار یاد نہ فرمایا کریں جسپر یہ ارشاد ہوا کہ آیندہ جب تک میں سخت بیمار
تمھیں نہ بلاؤنگا۔

(سوال) کیا تم شیدی قنبر شاہی ملازم سے واقف ہو؟

(جواب) میں بادشاہی ملازموں میں چند حبشیوں سے واقف تھا جن میں سے
تین کے نام مجھے معلوم ہیں۔ شیدی قنبر اُن میں کوئی نہ تھا۔

(سوال) اس عدالت میں یہ اظہار ہوا ہے کہ تم نے شیدی قنبر بادشاہی ملازم
کو ایران بھیجا تھا اس کا تمھارے پاس کیا جواب ہے؟

(جواب) مجھے اس معاملہ کی اصلا خبر نہیں۔

(سوال) عدالت میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ تمھیں قوت پیشین گوئی حاصل ہے
اور تم نے خدا سے ہمکلام ہونیکا حیلہ اور صاحب معجزہ ہونیکا دعویٰ کیا
جسکی صداقت قیدی نے خود بھی کی ہے۔ اسکا جواب تمھارے پاس کیا ہے؟

(جواب) خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں میں نے کبھی اس قسم کی باتوں کا حیلہ نہیں

(سوال) کس وجہ سے تم بادشاہ پر دم کیا کرتے تھے کیا تمھارا خیال تھا کہ دم
میں اثر صحت ہے؟

(جواب) ہماری کتابوں میں تحریر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے
اس پر دم کرے تو اس سے فائدہ ہوگا۔

(سوال) کیا تم نے اپنا یہ خواب بادشاہ سے بیان کیا تھا کہ ایک طوفان

(جواب) ہاں اکثر ایسا ہوتا تھا مگر روسیوں کے ہندوستان پر حملہ کرنے کا ذکر بیشتر ہوتا تھا
اسوقت ہر ہندوستانی اخبارے اپنا اپنا کارسپانڈنٹ کابل میں مقرر کیا تھا جسکے ذریعہ
برابر وہاں کی خبر لگا کرتی تھی۔

(سوال) کیا حسن شیدی نے مسٹر ایورٹ کو سرکاری ملازمت چھوڑنیکی ترغیب دی وہ اِس
وقت یہاں ہے؟ (جواب) نہیں عرب سرائے میں وہ قتل ہوا۔

(سوال) کیا تم اُس ہل چل کے متعلق جو سپاہیوں اور باشندگان دہلی میں اُسوقت پھیلی
ہوئی تھی عدالت کو کچھ اور اطلاع دے سکتے ہو؟

(جواب) ہاں بلوہ سے کوئی پانچ یا چھ ہفتہ پیشتر سپاہیوں میں عام طور پر یہ شورش تھی
کہ ایک لاکھ روسی شمال کی طرف سے آرہے ہیں جو کمپنی کی حکومت کو برباد کردینگے واقعی
روسی حملہ کا اس وقت عام چرچا تھا۔

(سوال) کیا بادشاہ یا اسکے عزیزوں یا لواحقوں نے بلوہ سے پیشتر کبھی کمپنی کی ہندوستانی
فوج سے خفیہ معندانہ خط و کتابت کی تھی؟ (جواب) نہیں میں اسکے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔

(سوال) کیا شاہ دہلی نے کسی کوئی ایلچی یا خطوط شاہ فارس کے پاس بھیجے تھے؟

(جواب) میں نے کچھ سنا تو تھا مگر صداقت کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔

قیدی نے جرح کرنے سے انکار کیا اور گواہ واپس ہوا۔

(اظہار حسن عسکری)

پیرزادہ حسن عسکری عدالت میں طلب ہوئے اور انہیں حلف دیا گیا

(سوال) کیا بلوہ کے زمانہ میں تم دہلی میں تھے اگر تھے تو تمہارا کیا مشغلہ تھا۔

(جواب) ہاں میں دہلی ہی میں تھا اور پیری مریدی کیا کرتا تھا۔ اکثر جب بادشاہ بیمار ہوئے

سوار رسالہ کے رسالدار کو ترغیب دی کہ انگریزوں کی ملازمت چھوڑ کر بادشاہ کی ملازمت
اختیار کرے کیونکہ موسم گرما سے پیشتر روس ہندوستان میں آکر انگریزوں کا خاتمہ کردیگا
رسالہ دار نے جس کا نام ایورٹ تھا یہ خبر مجھے سنائی۔ اسکی زبان انگریزی ہے اور اس میں
پوربی میل معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے مجھسے یہ بھی کہا کہ عرصہ چھ ماہ کا ہوا بادشاہ نے
ایک ایلچی روس بھیجا تھا۔ یہ رسالہ وار اس وقت بلاسپور میں ہے۔

(سوال) بلوہ سے کچھ مہینے پیشتر جو چپاتیاں گاؤں گاؤں تقسیم ہوئی تھیں اُنکی بابت تمکو
کیا معلوم ہے۔ اُنکی اصلیت کیا تھی اور اس تقسیم سے کیا مطلب تھا؟

(جواب) اس کے متعلق تو یہ گمان ہی گمان ہے۔ البتہ ہندوستانیوں نے اول اسبارہ
میں یہ ظاہر کیا تھا کہ چپاتیاں بیماری کے سبب تقسیم ہوئی تھیں۔ بلکہ تفتیش سے معلوم ہوا
کہ کسی ریاست میں نہیں بھیجی گئیں صرف ضلع دہلی کے پانچ سرکاری گاؤں میں تقسیم ہونے
پائی تھیں کہ اُنکو حکّام روک دیا اور پھر آگے نہیں گئیں۔ جو لوگ ضلع بلند شہر سے چپاتیاں
لائے تھے میں نے اُنھیں بلایا۔ اُنھوں نے یہ عذر کیا ہم تو یہ سمجھے تھے کہ سرکار انگریزی
کی طرف سے یہ تقسیم ہوئی ہیں اور نیز جو چپاتیاں اُنھیں پہنچی تھیں وہ اُنھوں نے آگے
روانہ کردی تھیں۔ مجھے یقین ہے کہ ضلع دہلی میں ان چپاتیوں کا مطلب کوئی نہیں سمجھا
مگر دراصل اُن سے منشا یہ تھا کہ جو ہر قسم کی غذا کھاتے ہیں اُنھیں میں تقسیم ہوں تاکہ باہمی
اختلاف رسم و رواج دور ہوجائے۔ میرے خیال میں یہ چپاتیاں لکھنؤ سے نکلی ہیں۔ اور
جن سے بے شبہہ یہ مراد تھی کہ خوف اور تیاری کا اظہار ہو اور خطرہ کے وقت سب ایک
ہوجائیں۔

(سوال) کیا ایرانیوں کے ہرات پر چڑھائی کرنیکا چرچا ہندوستانیوں میں اکثر ہوتا تھا۔

(سوال) کیا یہ بات غلط تھی کہ یہ اشتہار شاہ فارس کے پاس سے آیا تھا؟

(جواب) ہاں میرے خیال میں بھی یہی ہے۔ (سوال) یہ اشتہار جامع مسجد کی دیوار پر کتنک چسپاں رہا؟ (جواب) کوئی تین گھنٹے۔ تاریخ تو ٹھیک یاد نہیں غالبًا بلوہ سے چھ ہفتہ پیشتر رات کیوقت چسپاں ہوا۔ اور کوئی تین گھنٹے لگا رہا صبح کے وقت جب آدمیوں کا وہاں ہجوم ہوا تو میں نے اُسے اُکھڑوا دیا۔

(سوال) کیا تمہارے علم میں دہلی والوں میں اسکی زیادہ چرچا ہوا؟ (جواب) نہیں

(سوال) کیا اس بات کا پتہ لگایا گیا کہ یہ کہاں سے آیا تھا؟

(جواب) بالکل نہیں یہ بہت خفیف بات سمجھی گئی۔ کسی مفسدین نے ایسا کیا ہوگا اور اس معاملہ میں ڈھونڈ ھوپ کرنیسے اُسکو نہایت ضروری ثابت کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

(سوال) کیا کسی اور ذریعہ اور وجہ سے کہہ سکتے ہو کہ باشندگان دہلی میں گورنمنٹ کی طرف سے بددلی پھیلی ہوئی تھی؟ (جواب) نہیں۔ دہلی والوں میں یہ بات نہیں تھی مگر فوجیوں کی بددلی سے وہ کو بی واقف تھے اور اس بات کا اکثر چرچا ہوتا رہتا تھا۔ مثلاً بلوہ سے پیشتر یہ بات مشہور ہوئی تھی کہ ایک گمنام درخواست اس مضمون کی مجسٹریٹ کے روبرو پیش ہوئی تھی کہ کشمیری دروازہ کا قصہ انگریزوں سے لے لیا جائیگا۔ چونکہ شہر میں یہ دروازہ ہی بھاری نامی گرامی تھی اور اس کا تعلق دہلی کی چھاؤنیوں سے تھا اس لئے ضروری تھا کہ شہر میں فساد کے وقت پہلے اسی کو لیا جائے اور اسی دروازہ پر ہمارا کچھ گارد بھی تھا۔ اور یہ خیال حکمت اس کا لیا جانا سب پر ظاہر تھا۔ درخواست تو اس مضمون کی کوئی نہ تھی مگر اس شہرت سے ہندوستانیوں کے خیال ظاہر ہو گئے تھے۔ اس خیال کا ثبوت اس طرح اور بھی ہوتا ہے کہ شاہی سیدی سے دربار قلعہ میں ہوا کرتا تھا جو تھی یہ قاعدہ

(جواب) ہاں جب کپتان صاحب کے گر کر چوٹ آئی ہے احسن اللہ اُنکے پاس گئے تھے۔
ملاقات کے وقت موجود نہ تھا مجھے نہیں معلوم آپس میں کیا گفتگو ہوئی۔
(سوال) تمھیں معلوم ہے احسن اللہ خان خود گئے تھے یا بھیجے ہوئے گئے تھے؟
(جواب) مجھے نہیں معلوم۔
(سوال) جب کپتان ڈگلس قلعہ میں آئے تو مجھسے یا احسن اللہ خاں سے یا میرے کسی اور ملازم سے اُنھوں نے گفتگو کی؟
(جواب) جہانتک میرا خیال ہے اُنھوں نے کسی سے گفتگو نہیں کی اگر کی ہو تو میں نے اُسکا خیال نہیں کیا۔

(دسویں دن کی کارروائی)

سر تھیوفلیس مٹکاف عدالت میں طلب ہوئے اور اُنکو حلف دیا گیا۔

(جرح جج ایڈوکیٹ)

(سوال) مئی گزشتہ میں بلوہ سے کچھ پیشتر کیا کوئی اشتہار شاہ فارس کی طرف سے جامع مسجد میں چسپاں ہوا تھا؟ (جواب) ہاں یہ چھوٹی تقطیع کے ملگجے کاغذ پر تھا جسکے ایک طرف برہنہ تلوار اور دوسری طرف ڈھال بنی ہوئی تھی اور جس کا مضمون یہ تھا کہ شاہ فارس عنقریب ہندوستان میں آنیوالا ہے جو مسلمان انگریزوں کی بیخ کنی میں اُسکی مدد کریگا اسکو زمینیں اور دیگر عطیے دیئے جائیں گے اور یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ اس اشتہار کے چسپاں ہونیکے وقت دہلی میں پانچسو آدمیوں نے اپنے کو اُسکے فائدے کے لیئے وقف کر رکھا تھا۔
(سوال) کیا اُس میں اسبات کا بھی اشارہ تھا کہ شیعہ اور سنیوں کو آپس کی نااتفاقی چھوڑ دینی چاہیئے اور دونوں ملکر انگریزوں کی مخالفت کریں۔
(جواب) نہیں میرے خیال میں یہ نہیں تھا۔

تھے (سوال) کیا تم حلفیہ کہتے ہو کہ ۱۱ مئی کو کپتان ڈگلس نے سوتے اُٹھ کر اپنے مرنے کے وقت قیدی سے ملاقات کی اور باتیں کیں۔

(جواب) میں حلفیہ کہتا ہوں کہ اُس دن صبح کو کپتان صاحب نے بادشاہ سے ملاقات کی اور باتیں کیں۔

(سوال) کیا کپتان ڈگلس کا کوئی اور آدمی بھی تمہارے ساتھ اُس وقت دربار خاص گیا تھا۔

(جواب) ہاں سجاور سنگھ اور کشن سنگھ ہرکارے بھی ہمارے ساتھ تھے۔

(صحیح قیدی)

(سوال) تمہارے علم میں کپتان ڈگلس نے میرے (قیدی) نشست کے کمرہ کے پیچھے والے معائنہ کھولنے کی خواہش کی تھی کہ وہ نیچے جا کر باغیوں سے گفتگو کر آئیں۔

(جواب) ہاں اُنھوں نے خواہش کی تھی۔ اُنھوں نے ہم سے کہا تھا "میں باغیوں کے پاس جاؤں گا" مگر ہم نے اُنھیں منع کیا تھا۔

(سوال) کیا جب کپتان ڈگلس جھروکے میں گئے تو میں (قیدی) اُس وقت دارالریاست میں نہ تھا اور اُنھوں نے اُس وقت مجھے سلام نہیں کیا؟

(جواب) بادشاہ اُس وقت وہیں تھا اور کپتان ڈگلس انھیں سلام کر کے خاموش چلے گئے۔

(سوال) کپتان ڈگلس بادشاہ سے کس قدر فاصلہ سے گزرے تھے؟

(جواب) کوئی پندرہ قدم کے فاصلہ سے۔

(سوال) جب بادشاہ نے کپتان ڈگلس کو سواروں کے پاس جھروکے کے نیچے جانے سے منع کیا تو تم نے یہ گفتگو سنی؟ (جواب) نہیں میں نے نہیں سنی۔

(سوال) کیا اُس صبح کو احسن اللہ خان اور کپتان ڈگلس میں گفتگو ہوئی تھی؟

اور پہنچتے ہی وہ اُس کمرے میں تلواریں سونتھ جا گھسے جس میں کپتان ڈگلس مسٹر ہچنس اور مسٹر جننگ ابھی گئے تھے اور اُنھیں اور دو میموں کو کاٹ ڈالا- یہ دیکھکر میں زینہ کے نیچے بھاگ آیا- میں نیچے پہنچنے نہ پایا تھا کہ محمدو بادشاہ کے ایک ملازم نے مجھے پکڑ لیا اور پوچھا کپتان ڈگلس کہاں ہیں تو نے اُنھیں چھپا دیا ہے وہ مجھے اپنے ساتھ زبردستی اُوپر لیگیا- میں نے جواب دیا تم لوگوں نے ابھی تو اُنھیں قتل کیا ہے مگر جب میں نے اُنکے کمرہ میں جا کر دیکھا تو ابھی تک کپتان صاحب میں کچھ دم باقی تھا- محمدو نے جب یہ دیکھا تو ایک ڈنڈا اُنکی پیشانی پر ایسا مارا کہ فوراً اُن کا دم نکل گیا- میں نے دیگر صاحبوں اور دو میموں کی لاشیں بھی دیکھی تھیں- ہچنس صاحب کی لاش تو ایک کمرہ میں تھی اور کپتان ڈگلس اور مسٹر جننگ اور دو میموں کی ایک کمرہ میں- کل لاشیں فرش پر پڑی تھیں البتہ کپتان صاحب کی لاش پلنگ پر تھی- ایک صاحب کلکتہ سے اُسی دن صبح کو آکر پہنچے تھے وہ بچکر دہلی دروازے کی طرف بھاگے اور راستہ میں کہیں اُن کا بھی کام تمام ہو گیا- فریزر صاحب کے قتل کے بعد کوئی پندرہ منٹ میں نو دس بجے کے وقت یہ کل خونریزی ہوئی- ان لوگوں کو قتل کر کے قاتل ان کا مال و اسباب لوٹنے لگے- میں ڈر کے مارے بھاگ کر شہر میں اپنے گھر چلا گیا- اور جبتک دہلی دوبارہ انگریزی قبضہ میں نہ آئی پھر قلعہ میں کبھی نہیں آیا-

(سوال) جب کپتان ڈگلس پٹے ہوئے راستے سے دیوان خاص گئے تو کیا تم اُنکے ہمراہ تھے اور اگر تم اُنکے ساتھ تھے تو کیا اُنھوں نے قیدی سے ملاقات و باتیں کی تھیں؟

(جواب) ہاں میں کپتان صاحب کے ساتھ پیچھے پیچھے گیا تھا اور میں کہہ سکتا ہوں نہ تو اُنھوں نے بادشاہ سے ملاقات کی اور نہ کچھ بات کی بغیر بات کیئے وہ واپس آگئے

پہنچے تو فریزر صاحب مسٹر ہچنس اور اور صاحب جن کے نام مجھے معلوم نہیں وہاں تھے اسوقت مسٹر فریزر کوتوال شہر کو یہ حکم دیرہے تھے کہ ۰ سوار اپنے ہمراہ لو اور خبردار دروازہ کے انتظام میں نقص نہ پڑے۔ وہ اس کام میں مشغول تھے کہ چار یا پانچ سوار برہنہ تلواریں ہاتھ میں لئے قلعہ کی جانب سے اس پر جھپٹے۔ اُن میں سے ایک نے پہنچتے ہی اُن پر پستول فیر کیا جس پر مسٹر فریزر فوراً گھی سے باہر نکل آئے اور بختاور سنگھ چپراسی نے پولیس گارد سے بندوق لیکر انھیں دی بندوق بھری ہوئی تھی اور مسٹر فریزر نے سوار کے گولی ماردی۔ اس کارروائی سے اُسکے ہمراہی منتشر ہوگئے مگر بھاگنے سے پہلے مسٹر ہچنس کا ماروزخمی کردیا۔ اتنے ہی میں بہت سے اور آدمیوں کے آجانے سے کپتان ڈگلس قلعہ کی کھائی میں کود پڑے اور اُن کے پاؤں اور پیٹھ میں سخت چوٹ آئی۔ راہ کھائی دروازہ پر پہنچکر کپتان صاحب نے اُوپر چڑھنے کے لیئے مدد چاہی مگر چونکہ چوٹ سخت آئی تھی آدمیوں نے تھوڑی دیر کلیات خانہ میں آرام کرنے کے لئے کہا۔ اسی اثنا میں پادری جنیگ صاحب اُوپر سے آگئے اور وہ اور مسٹر ہچنس انھیں اُوپر کے کمروں میں لیگئے۔ اسوقت مسٹر فریزر فساد دور کرنیکی کوشش میں نیچے ہی کھڑے انتظام میں مصروف تھے کہ حاجی جوہری نے انھیں تلوار مارکر گرادیا اور شاہی ملازموں نے اُسکے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔ میں اُوپر کی سیڑھی پر تھا اور یہ واقعہ نیچے کی سیڑھی پر ہوا۔ قاتلوں میں ایک حبشی بھی تھا۔ اسکے بعد وہ اُوپر کے کمروں کیطرف چلے۔ میں نے یہ دیکھکر فوراً دوسرے دروازے میں پہنچکر نیچے کے اُوپر کا دروازہ بند کردیا میں کواڑ بند ہی کررہا تھا کہ ایک گروہ نے حویلی رینہ سے بڑھکر زبردستی شاہی رینہ کا ایک دروازہ کھولدیا اور مسٹر فریزر کا قاتل گروہ اُوپر آپہنچا

(اظہار مکھن)

مکھن کپتان ڈگلس کا عصا بردار عدالت میں طلب ہوا اور اسکا حلف دیا گیا

(سوال جج ایڈوکیٹ)

(سوال) تم نے اس موقع پر کیا دیکھا؟

(جواب) قریباً سات بجے سوار رسالہ کے ایک سپاہی نے قلعہ کے لاہوری دروازہ پر گارد سے اندر آنیکی اجازت طلب کی مگر اُسنے انکار کر دیا۔ جب اُسنے اصرار کیا تو اس امر کی رپورٹ فوراً کپتان ڈگلس کو کردیگئی اور وہ اس معاملہ کے استفسار کے لیئے خود پہنچے آئے۔ اور اُس سے اُس کا مطلب دریافت کیا جسکے جواب میں اُس نے یہ کہا کہ میں نے میرٹھ میں غدر کیا تھا اور دہلی میں آیا ہوں۔ اسوقت گارد سے میں نے پانی اور حقہ پینے کے لیئے کہا تھا۔ جب کپتان ڈگلس نے اُسکے گرفتار کرنیکا حکم دیا تو وہ بھاگ گیا۔ وہاں سے لوٹکر کپتان صاحب ابھی پلٹے ہوئے راستے ہی میں تھے کہ بادشاہ کا ہرکارہ پہنچا اور اطلاع کی کہ بہت سے سوار محل کے جھروکے کے نیچے کھڑے ہیں۔ یہ خبر سنکر کپتان صاحب اُسی وقت دربار عام گئے اور جھروکہ میں کھڑے ہو کر سواروں سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔ ان میں سے ایک نے جواب دیا ہمنے میرٹھ میں غدر کیا ہے یہاں انصاف کے لیئے آئے ہیں۔ کپتان ڈگلس نے جواب دیا۔ فیروزشاہ کے پرانے کوٹلہ جاؤ تمہارا انصاف ہوگا۔ اس کے بعد کپتان صاحب لاہوری دروازے کو واپس آگئے۔ یہاں پہنچکر جب یہ معلوم ہوا کہ فریزر صاحب کوتوال شہر کے ہمراہ گارد محافظ ایجنسی کلکتی دروازہ انتظام کے لیئے گئے ہیں تو فوراً اُنکے پاس چلے گئے۔ میں اور چپراسی جواس وقت حاضر رہے دونوں اُنکے ساتھ گئے۔ جب ہم کلکتی دروازہ

بھیجے پر ۱۹ مئی کو اپنے زخموں کی مرہم پٹی کرانے ہسپتال گیا تو وہی ہوسپٹل سارجنٹ نے دغا لنا اُس کا نام گوڈر و تھا مجھ سے پوچھا کیا کوئی چالاک ہندوستانی میگزین کے عملہ کا سرگروہ تھا میں نے جواب دیا تھا تو اور بالخصوص کریم بخش کا نام لیا یہ بڑا تیز اور لائق آدمی تھا اور فارسی خوب لکھتا تھا اس پر سارجنٹ نے کہا کہ میگزین اُڑنے کے دن مجھے ایک ہندوستانی نے کہا تھا کہ دہلی کے میگزین سے کسی شخص نے تمام دیسی رجمنٹوں کو چٹھیاں لکھی ہیں کہ جو کارتوس اب تیار کیئے گئے ہیں اُس میں چربی کی آمیزش ہے اگرانگریزی افسر اسکے بارہ میں تاکید بھی کریں تو اُنکی نہ ماننا جب ہندوستانیوں نے میگزین پر حملہ کیا تو کریم بخش بڑی چالاکی سے کام کر رہا تھا اور اس طرح اُن سے بات چیت کرتا تھا کہ لفٹنٹ ولبی کو اُسکی طرف سے شبہ ہوگیا اور مجھ سے کہا کہ اسکو دروازے پر سے ہٹا دو اور اگر پھر ایسی حرکت کرے تو گولی مار دو چاہیئے اسے اپنی جعلسازی کی وجہ سے پھانسی پائی۔

(جرح قیدی)

(سوال) جن لوگوں کو تم نے میرا ملازم بتایا ہے اور جنھوں نے میگزین پر جاکر میری جانب سے اُس پر قبضہ کرنا چاہا تھا اُن کا لباس کیا تھا۔

(جواب) وہ نیلی وردی پہنے ہوئے تھے اور ٹوپی پر پیتل کی ننھی سی توپ لگی ہوئی تھی تیس سال سے تو میں جانتا ہوں کہ یہ وردی تمہارے توپخانہ کی ہے اور میں جب اُن لوگوں سے دریافت کیا کہ تم کون ہو تو سب نے یک زباں ہوکے جواب دیا کہ ہم شاہی سپاہی ہیں۔

(سوال عدالت) (سوال) کیا تم نے اسبات کی بھی تحقیق کی یہ سیڑھیاں کہاں سے آئی تھیں؟ (جواب) نہیں۔ میں نے اس بارہ میں تفتیش نہیں کی۔

گئے تھے لیکر بھاگ گئے۔ لفٹنٹ ولبی اور ہیں بچکر کشمیری دروازہ کے بڑے گارد میں پہنچ گئے تھے۔ لفٹنٹ رینر اور مسٹر بکلے دوسری طرف بھاگ گئے اور آخر کار میرٹھ پہنچ گئے اور بقیہ کل خواہ میگزین کی وجہ سے ہلاک ہوئے یا میگزین چھوڑنے پر قتل ہوئے دو تین دن کے بعد لفٹنٹ ولبی بھی میرٹھ کی سڑک پر مقتول ہوئے۔

(سوال) جو سیڑھیاں میگزین پر چڑھنے کے لیئے لائی گئی تھیں وہ نئی تھیں یا اُسی مطلب کے لیئے بنائی گئی تھیں۔

(جواب) میں نے اُس کا صرف ایک ڈنڈا دیکھا تھا جو دیوار سے نکلا ہوا تھا اس لیئے اُسکے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

(سوال) کیا میگزین کے عملہ کے لباس یا حرکات میں بلوہ سے پیشتر کوئی ایسی بات تھی جس سے یہ خیال کیا جائے کہ وہ اِس ہونے والی بات سے واقف تھے۔

(جواب) اُن کے لباس میں تو میں نے کوئی نئی بات نہیں دیکھی البتہ بلوہ سے پیشتر گستاخ ہوگئے تھے اور مسلمان تو بالخصوص۔ مسٹر بکلے اور مجکو یہ بات کھٹکی اور آپس میں اس کا تذکرہ کیا۔ ۱۱ مئی کو جب میں میگزین گیا تو میں نے سرداروں اور دربانوں کو پہلے سے بہت اچھے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا اور میگزین والے آدمی بھی اپنے معمولی لباس میں نہ تھے وہ بھی بہت صاف ستھرے تھے۔ اس کا تذکرہ میں نے اُسی وقت لفٹنٹ ولبی سے کیا اُس نے بھی یہی کہا کہ مجھے بھی یہ بات کھٹکی تھی۔

(سوال) کیا کسی وجہ سے تم خیال کر سکتے ہو کہ تمہارے میگزین کے عملہ نے فوجی کارتوسوں کے متعلق خط وکتابت کی ہو۔؟

(جواب) جبتک میں دہلی رہا اُس وقت تک تو مجھے اس کا شبہ بھی نہ تھا مگر جب میرٹھ

قریب ایک بجے بادشاہ کا دوسرا پیغام بدیں مضمون پہنچا کہ اگر تم دروازہ نہ کھولوگے تو ہم خود دیوار کمزور ہے اُسے سُرنگ سے اُڑا کر راستہ کر لیں گے

(دوپیں ن کی کارروائی)

(سوال) ساڑھے تین بجے تک جو کچھ میگزین میں گزرا اُس کا حال تو تم بیان کرچکے اب جو کچھ بعد میں ہوا ہو بیان کرو۔؟

(جواب) اُس وقت تک ہم میدانی توپوں کے گولے صرف میں لاچکے تھے اور جب باغی دو طرف سے میگزین میں گھس آئے تو آیندہ بچاؤ ناممکن تھا۔ کنڈکٹر سکلے کا مارو زخمی ہوا میرے دو مرتبہ ہاتھ میں چوٹ آئی۔ لفٹنٹ ولبی نے علی الصباح یہ حکم دیدیا تھا کہ جب نازک وقت آجائے تو میگزین کو آگ دیدیا۔ چنانچہ ساڑھے تین بجے جب وقت آیا تو لفٹنٹ ولبی نے پہلے سے اشارہ کیا۔ کنڈکٹر سکلے نے فوراً تعمیل کی اور مڑکر کنڈکٹر سکلی کی طرف جو میگزین کے قریب کھڑا تھا ٹوپی ہلائی۔ کنڈکٹر سکلی نے اشارہ پاتے ہی سُرنگ کو آگ لگادی اور اُسی وقت بڑی خوفناک آواز کے ساتھ میگزین اُڑا اور جسقدر ہندوستانی قریب تھے سب تباہ ہوگئے عمارت کے ٹکڑے سنا ہے آدھ میل یا اس سے بھی دور جاکر گرے اور کچھ میں اور بچے جو میگزین میں بھاگ کر چلے آئے تھے یا تو فوراً مرگئے یا سخت زخمی ہوئے کنڈکٹر سکلی کے بھی اسقدر چوٹ آئی تھی کہ اُس کا بچنا محال تھا میگزین اُڑنے کے بعد جب میں نے اُسے دیکھا تو اُس کا چہرہ اور سر ایسے جھلسے ہوئے تھے کہ مجھے حیرت تھی کہ کس طرح اُسکے قالب میں روح رہ گئی مجھے صرف اسقدر اور کہدینا ہے کہ سوائے ایک بنگالی محرر کے میگزین کا تمام ہندوستانی عملہ اُسوقت سے برگشتہ ہوگیا تھا وہ پہلے ہی اُن ہتھیاروں کو جو اُن کو میگزین کے بچاؤ کے لیئے دیئے

سے کہنے آیا تھا کہ اگر میگزین کا دروازہ نہ کھلا تو ہمیں مجبوراً سیڑھیاں بھیجنی پڑینگی۔ اور چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد سیڑھیاں پہنچ گئیں اور میگزین کے جنوب مشرقی گوشہ پر لگادی گئیں۔ میگزین کے ہندوستانی عملہ نے جب یہ دیکھا تو فوراً سائبان پر چڑھکر براہ سیڑھی میگزین سے باہر نکل بھاگے۔ اِس کے بعد باغیوں نے بلا تامل سیڑھیوں پر میگزین کے اندر ہمپر حملہ شروع کر دیا اور شام کے ساڑھے تین بجے تک یہ کارروائی جاری رہی۔ سیڑھیوں پر چڑھکر اُنھیں ایک چھوٹی برجی میں جگہ ملگئی اور جب وہاں اُنکی کافی تعداد ہوگئی اور میگزین کے اندر اُترنے کا قصد کیا تو ہم نے دو میدانی توپوں کا گراپ اُن پر مارا اور دو آیندہ کے لئے بچا رکھیں۔ اِن دونوں توپوں پر صرف مسٹر بکلے اور میں تھا۔ دیگر دو توپیں سب کنڈکٹر کرو اور سارجنٹ اڈورڈس کی نگرانی میں میگزین کے دوسرے دروازہ پر تھیں اور لفٹنٹ ولبی نے اُنکو حکم دے رکھا تھا کہ جبتک دروازہ پر حملہ نہ ہو اُنھیں نہ داغیں۔ ایک توپ دریا کے متقابل کنڈکٹر شا ر کی نگرانی میں تھی جو میگزین اُڑنے کے بعد کشمیری دروازے کے بڑے گارد میں بھاگ کر چلا گیا تھا مگر بعد میں نمبر ۵۴ ہندوستانی پیدل کے ایک سپاہی کی گولی سے مرا۔ لفٹنٹ ولبی بہت پھرتی سے کام کر رہے تھے کبھی ایک مقام پر جاتے تھے تو کبھی دوسرے پر اور حسب موقع احکام دیتے رہتے تھے اور ضرورت کے وقت خود بھی مدد کرتے تھے۔ اس کارزار کے وقت میں اور لفٹنٹ ولبی بارہا دروازہ پر گئے۔ اور دریافت کیا اس حملہ کی کمان کون کر رہا ہے ہمکو برابر یہی جواب ملتا رہا کہ بادشاہ کا ایک بیٹا اور ایک پوتا ہم پر حملہ کرنیکی تیاری کر رہا ہے مگر جو لوگ سیڑھیوں کی راہ میگزین میں داخل ہوئے وہ کل گیارھویں اور بیسویں ہندوستانی پیدل کے سپاہی تھے۔

قلعہ میں لے آؤ اور اگر وہ نہ آئیں تو اُنھیں میگزین سے باہر نہ نکلنے دو۔ میں نے اُس وقت کوئی گارڈ تو نہیں دیکھا البتہ جو شخص یہ پیام لایا اُسے دیکھا تھا۔ یہ شخص مسلمان تھا جسے صوبہ دار گارڈ کو یہ کہہ دیا تھا کہ تاوقتیکہ میں یا لفٹنٹ ولبی اسکو حکم نہ دیں کسی کے حکم کی تعمیل نہ کرے اور ساتھ ہی جنہیں نہ تو پیامبر کی طرف توجہ کی اور نہ اُسے کچھ جواب ہی دیا اسکے کچھ ہی دیر بعد ایک ہندوستانی افسر شاہی سپاہیوں کے گارد کے ساتھ وہاں آیا اور صوبہ دار اور غیر کمیشن افسروں سے کہا کہ ہم تمکو بادشاہ کی طرف سے سبکدوش کرنے آئے ہیں۔ ہم صوبہ دار کو پہلے ہی حکم دیچکے کہ ایسے احکام کی کچھ پروا نکیجائے۔ اِس افسر کے آتے ہی بارہ بارہ آدمیوں کا پہرہ بماتحتی ایک غیر کمیشن افسر میگزین کے ہر دروازہ پر معین کر دیا یہ لوگ موجی قاعدے سے کھڑے ہو گئے اور اپنے ہتھیار نصب کر کے مثل باقاعدہ سپاہیوں کے احکام حاصل کرنیکے لیئے تیار ہو گئے۔ وہ سب شاہی وردیاں پہنے تھے۔ دس یا گیارہ بجے کے درمیان یعنی اس واقعہ کے کوئی ایک گھنٹہ بعد دروازہ کے بیرونی درباں نے پکار کر کہا کہ مجھے ورسٹ صاحب یا لفٹنٹ ولبی سے کچھ کہنا ہے۔ جب ہم دونوں دروازے پر گئے تو اُس نے اور سنتری نے کہا کہ شاہی سپاہی دروازے کے باہر جو کچھ ذخیرہ ہے لئے لیئے جاتے ہیں اور ہم انھیں روک نہیں سکتے۔ لفٹنٹ ولبی اور میں نے کچھ جواب نہیں دیا مگر دروازہ میں سے دیکھا کہ واقعی ذخیرہ اُٹھ رہا ہے۔ جو لوگ اُسے اُٹھا رہے تھے وہ معمولی مزدور تھے مگر اُنکی محافظت اور نگرانی کے لیئے شاہی سپاہیوں کا گارد تھا تھوڑی دیر کے بعد ہمارے گارد کے صوبہ دار نے مجھسے یا لفٹنٹ ولبی سے پھر ملنے کی تمنا کی اور ہم دونوں اُسکے پاس گئے۔ اُس نے کہا بادشاہ کا ہرکارہ یہ

کپتان فوریسٹ اسسٹنٹ کمشنری آرڈیننس کی عدالت میں طلبی ہوئی اور اسکو حلف دیا گیا

(اظہار جج ایڈوکیٹ)

(سوال) کیا تم ۱۱ مئی گزشتہ کو دہلی میں تھے؟ (جواب) میں دہلی میں تھا۔

(سوال) کیا تمنے میرٹھ کے باغی سپاہیوں کو اس موقع پر دہلی میں دیکھا؟

(جواب) ہاں دیکھا۔ میں نے پہلے پہل ایک سوار رسالہ کو (قریبًا ایک رجمنٹ) جسکے پیچھے ہندوستانی پیدل کی گیارہویں اور بیسویں رجمنٹیں تھیں میرٹھ کی سڑک پر پل عبور کرتے دیکھا تھا۔ وہ فوجی ترتیب میں کمپنیوں کی سب ڈویژنیں بنائے نو بجے کے وقت آرہے تھے۔ اس سے پہلے میں نے اُنھیں نہیں دیکھا تھا مجھے خبر لگی تھی کہ سوار رسالہ کا تھوڑا حصہ بہت سویرے یعنی کوئی سات بجے پل پار کرکے دہلی میں آچکا تھا۔ جسوقت میں نے رسالوں کو پل پار کرتے دیکھا تو اُس وقت میں میگزین میں تھا۔ میرے وہاں جانیکی وجہ یہ تھی کہ تھیوفلس مٹکاف نے مجھسے تذکرہ کیا تھا کہ باغی میرٹھ سے آنے والے ہیں میگزین سے جاکر دو توپیں لے آؤ تاکہ اُنکو موقع سے لگاکر پل کو اُڑادیں اور باغی دریا پار نہ ہوسکیں۔ مگر اتفاق کی بات ہے کہ اُس وقت وہاں نہ تو بیل ہی موجود تھے۔ جو توپیں آتیں اور نہ توپچی تھے اس وقت میری اور لفٹنٹ ولبی کی یہی رائے ہوئی کہ میگزین کو بند کردیں۔ اور جبتک ہوسکے اُسکی محافظت میں غنیم کی مدافعت کرتے رہیں چونکہ ہمیں یقین تھا کہ شام تک انگریزی فوج میرٹھ سے آجائیگی اور ہمیں کچھ نجات ملجائیگی۔ نو اور دس بجے کے درمیان اٹھتیسویں دیسی پیدل فوج کے صوبہ دار نے جو میگزین کے بیرونی گارد کا افسر تھا مجھسے ایک سوراخ میں سے کہا کہ بادشاہ دہلی نے ایک گارد میگزین پر قبضہ کرنے کے لیئے بھیجا اور اسکو حکم دیا تھا کہ جتنے انگریز وہاں ہوں اُنھیں پکڑکر

(سوال) کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ اُن لوگوں نے مسٹر فریزر کو میرے اشارہ سے قتل کیا تھا یا موج نے اُنھیں قتل پر اکسایا تھا؟ (جواب) جہاں تک میں جانتا ہوں قتل سے پیشتر بادشاہ کو اسکی خبر بھی نہ تھی۔ مفسد ہی قتل کے لئے تلے ہوئے تھے فوج کی طرف سے اشارہ پاتے ہی اُنھوں نے قتل شروع کر دیا۔

(سوال) کیا تم نے یہ سُنا تھا کہ میں نے انگریزوں کی لاشیں اُٹھائے جانیکی خواہش کی تھی اور یہ کہ سپاہیوں نے مجھے مہلت نہیں دی۔؟

(جواب) نہیں اس بارہ میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔ (سوال) کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں نے اپنے مسلح مصاحبوں کو انگریزوں کے قتل میں مدد کرنے کا حکم دیا تھا یا بسنت علیخاں نے غلطی سے یہ خبر اڑا دی۔ (جواب) میں نہیں کہہ سکتا۔

(اظہار عدالت)

(سوال) جب انگریز قتل کے پیشتر باندھے گئے تھے تو کیا اُس وقت تم نے بادشاہ کے معتمدوں یا امیروں میں سے کسیکو وہاں دیکھا تھا۔

(جواب) نہیں۔ میں نے کسیکو اُس میدان میں نہیں دیکھا۔ البتہ مرزا مغل بادشاہ کا بیٹا اپنے مکان کی چھت پر کھڑا اُس میدان کی طرف دیکھ رہا تھا اور اُس وقت بادشاہ کے اور لڑکے اور دو پوتے بھی اپنی اپنی چھتوں پر تھے اور غالبًا قتل کا تماشا دیکھنے کے لئے کھڑے تھے۔ (سوال) تم نے اُن میں سے کسی کو عورتوں اور بچوں کو قتل سے بچانے کی کوشش کرتے دیکھا یا اُس کے برعکس دیکھا؟

(جواب) نہیں وہ تو تماشائی معلوم ہوتے تھے قتل طے پا چکا تھا اس لئے اُنکی مزاحمت بیکار تھی۔

مگر جو زخمی ہوئے وہ یہ کہتے تھے کہ اگر ہم انگریزوں کی طرف سے لڑتے تو ہم اس حالت میں یوں نہ پڑے ہوتے (سوال) کیا تمہارے نزدیک انگریزی حکومت کے موافق یا مخالف مسلمان اور ہندوؤں کے خیالات میں فرق تھا؟ (جواب) ہاں بیشک مسلمان انگریزوں کی بربادی پر خوش تھے۔ اور ہندو سوداگر اور معزز تاجر افسوس کرتے تھے۔

(سوال) کیا اس بارہ میں ہندو اور مسلمان سپاہیوں کے خیالات میں بھی فرق تھا۔ یا دونوں انگریزی حکومت کے سخت مخالف تھے؟ (جواب) کیا مسلمان کیا ہندو سب فوج کا یکساں خیال تھا۔ (سوال) کیا تمہارے نزدیک قلعہ میں میرٹھ سے سپاہیوں کے آنیکا انتظار تھا؟ (جواب) ہاں اُنکا انتظار تھا۔ اتوار کے دن اس مضمون کی چھٹیاں آئی تھیں کہ ۸۲ سپاہیوں کو قید ہوئی ہے اور اس بنا پر سخت فساد ہوگا۔ باوجود اسکے قلعہ کے دروازے کے گارد نے اس خبر کو خفیہ نہ رکھا اور علانیہ اپنے ارادہ کا اظہار کرتے تھے اور کہتے تھے بعض رسالے میرٹھ میں غدر کرکے دہلی آوینگے۔

(سوال) کیا تمھیں کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ یہ خبر اُس وقت قیدی تک پہونچی تھی۔

(جواب) نہیں میرے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے؟

(سوال) کیا تم اُسوقت یا اُسکے بعد کے حالات سے اندازہ کر سکتے ہو کہ قیدی کو میرٹھ سے رسالوں کے آنیکی خبر پہلے سے تھی؟ (جواب) پہلے یا بعد کے حالات سے میں ایسا نتیجہ نہیں نکال سکتا۔ (جرح بذریعۂ قیدی)

(سوال) تم نے اپنی شہادت میں بیان کیا کہ پرسوں ایک انگریز جو مرزا کوچک کے مکان کی طرف بچنے کے لیئے جارہا تھا وہ گولی سے زخمی ہوا کیا تمھیں معلوم ہے کہ مرزا کوچک اسوقت اپنے مکان پر تھے؟ (جواب) نہیں۔ میں اس قسم کی تفصیل نہیں دے سکتا۔

بچ سکتی تھیں؟ (جواب) مجھے شہر میں یہ خبر لگی کہ بادشاہ نے تو چاہا تھا کہ عورتیں اور بچے بچ جائیں مگر سپاہیوں کی سینہ زوری کے سامنے اُسکی کچھ پیش نہ چلی۔

(سوال) کیا بادشاہ کی حرم سرائے میں ان عورتوں اور بچوں کے لیئے کافی جگہ نہ تھی اور کیا وہاں وہ محفوظ نہ رہ سکتے تھے؟

(جواب) بیشک بہت جگہ تھی۔ اگر پانچ سو آدمی بھی وہاں چھپائے جاتے تو محفوظ رہ سکتے تھے اُس میں کئی چور رستے اور تہ خانہ ہیں اگر عام محلسرائے کی تلاشی بھی لیا چاہتے تو اُن کا پتہ چلنا مشکل تھا۔ (سوال) جب انگریزوں نے دہلی کا محاصرہ کیا ہو تو کیا تم محاصرہ بھر دہلی میں رہے؟ (جواب) میں ملوہ کے بعد ساتویں مہینہ تک دہلی میں رہا مگر جب شاہی آدمی انگریزی ملازموں کو اس شبہ پر پکڑنے لگے کہ وہ انگریزوں کو خبریں بھیجتے ہیں تو وہاں سے چلا گیا اور بیشک دوبارہ انگریزوں نے دہلی پر قبضہ نہیں کرلیا واپس نہیں آیا

(سوال) کیا اُن انگریزوں کے علاوہ جو قلعہ میں قتل ہوئے کچھ اور انگریز بھی قتل ہوئے (جواب) نہیں کوئی رہا ہی نہ تھا جو قتل ہوتا مگر متذکرہ بالا قتل عام سے قتل میں سے یہ سنا تھا کہ اڑتیس یا چالیس انگریز کسی تہ خانہ میں چھپ گئے تھے جب بھوک سے پریشان ہوکر باہر نکلے تو بلوہ کے تین یا چار روز بعد قتل ہوئے۔

(سوال) کیا تم نے سپاہیوں کو علاوہ چربی دار کارتوسوں کے اور شکایات کبھی کرتے سنا؟ (جواب) نہیں میں نے کبھی نہیں سنی۔

(سوال) محاصرہ کے زمانہ میں سپاہی انگریزی حکومت کو کن الفاظ سے یاد کرتے تھے؟ (جواب) سپاہی انگریزی حکومت کی بالعموم بڑی شکایت یہ کرتے تھے کہ انھوں نے اُنکے مذہب پر حملہ کیا اور انھوں نے اقرار کرلیا تھا کہ جب کبھی انگریزوں کو پائیں گے قتل کرینگے

قطار وار دیکھا۔ ان میں مرد اور عورتیں اور بچے تھے۔ میرے وہاں پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد میرٹھ والے رسالے کے ایک باغی نے اُنپر پستول سے فیر کیا۔ نشانہ نے غلطی کی اور بجائے انگریزوں کے بادشاہ کے ایک سپاہی کے جا لگا۔ یہ شخص انگریزوں کے پیچھے کچھ فاصلہ پر کھڑا تھا اُس کے اس طرح مرنے پر سب نے یہ ٹھان لی کہ انگریزوں کو تلوار سے قتل کرنا چاہیئے چنانچہ بادشاہی ملازم اور باغی اُن پر تلواریں کھینچکر جا پڑے یہ نظارہ ایسا تھا کہ میں اُسکے دیکھنے کی تاب نہ لا سکا اور اپنے گھر چلا آیا بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ شاہی ملازم اور باغیوں نے سب کا کام تمام کر دیا۔

(سوال) کیا اظہار خوشی میں اُسوقت کوئی توپ بھی چھوڑی گئی تھی۔

(جواب) نہیں میں نے تو سنا نہیں۔

(سوال) کیا قیدی نے ان انگریزوں کے قتل پر اپنی رضامندی ظاہر کر دی تھی؟

(جواب) پہلے دن جب سپاہیوں نے انگریزوں کے قتل کرنے کے لیئے کہا تو بادشاہ نے انکار کر دیا تھا مگر سُنا ہے کہ دوسرے دن بسنت علیخان بادشاہ کا خاص ملازم جو اپنی وحشی طبیعت کیوجہ سے مشہور تھا سپاہیوں کے ہمراہ گیا اور اُنکو انگریزوں کے قتل پر اصرار کرنیکی تاکید کی۔ چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا اور بادشاہ نے انگریزوں کو اُنکے حوالہ کرنے کا حکم دیدیا۔ جسدن قتل عام ہوا اُسدن سنا جاتا ہے کہ بسنت علیخان نے دربار خاص والے میدان میں کھڑے ہو کر بآواز بلند کہنا شروع کیا کہ بادشاہ نے انگریزوں کا قتل کیا جانا منظور کر لیا اور اپنے خاص ملازموں کو حکم دیدیا کہ اس کام میں باغیوں کی مدد کریں۔

(سوال) کیا تمھاری رائے میں اگر بادشاہ چاہتا تو خاصکر عورات و بچوں کی جانیں

متعلق بھی تم نے کچھ سنا اور اُس سے کیا مراد تھی۔

(جواب) ہاں یہ واقعہ سانحہ تھا۔ بعض تو اسکی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس گردش سے مراد آنیوالی آفت کا روکنا تھا بعض یہ کہتے ہیں کہ سرکار نے یہ چپاتیاں اس غرض سے تقسیم کرائی تھیں کہ مثل عیسائیوں کے لوگ اُسکے کھانے پر مجبور کیئے جائیں اور یہ کہ اُن کا مذہب جاتا رہے اور بعضوں کی یہ رائے تھی کہ یہ چپاتیاں اس واسطے چلائی گئی ہیں کہ سرکار نے یہ بات ٹھان لی ہے کہ لوگوں کے کھانے پینے میں دخل دیکر ہمیں عیسائی بنائے اور دعوت اس طریقہ پر دیگئی کہ ہم میں سے کوئی ہاتھ پیر نہ مارسکے

(سوال) کیا اس قسم کے مضامین شائع کرنا ہندوں یا مسلمانوں کی عادت ہے اور کیا وہ اسکو بلا کسی تصریح کے سمجھ جاتے ہیں۔

(جواب) ہرگز ایسی عادت نہیں ہے۔ میری عمر پچاس سال کی ہوئی میں نے تو کبھی ایسی بات نہیں سنی (سوال) کیا تم نے یہ بھی سنا کہ چپاتیوں کے ساتھ کوئی پیغام بھی بھیجا گیا تھا (جواب) نہیں میں نے ذرا بھی نہیں سنا۔

(سوال) کیا یہ چپاتیاں مسلمانوں کیطرف سے تقسیم ہوئیں تھیں یا ہندوؤں کی طرف سے

(جواب) بلا لحاظ مذہب و ملت دیہات والوں میں تقسیم ہوئی تھیں۔

(سوال) ۱۱ مئی کے بعد پہلی مرتبہ تم قلعہ میں کب گئے۔؟

(جواب) شہر میں یہ غل ہوا تھا کہ قلعہ میں انگریز قتل ہوگئے تاریخ تو ٹھیک یاد نہیں مگر اتنا خیال ہے کہ بلوہ کے ساتھ یا آٹھ روز بعد بھیڑ کے ہمراہ میں قلعہ کے اندر گیا تھا اُس وقت قریباً آٹھ بجے ہونگے جب میں قلعہ کے اول صحن میں پہنچا تو میں نے مربع حوض اور نالی کے برابر (جو حوض میں گرتی ہے) انگریزوں کو پشت بہ ہاتھ بندھے

اور ایک ہفتہ بعد سرکاری فرمان مختلف محکموں کے نام جاری ہونے لگے اور درخواستیں لی جانے لگیں۔ اور مئی کی رات کو ۲۱ توپوں کی سلامی بھی ہوئی مگر میں ٹھیک نہیں کہہ سکتا کہ اُس سے غرض کیا تھی۔ اس کے متعلق بعض تو یہ کہتے ہیں کہ یہ سلامی مختلف رجمنٹوں کے میرٹھ سے آنے پر ہوئی تھی۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ قیدی جب سلیم گڑھ گیا تو وہاں اُس کی سلامی اُتاری گئی۔

(سوال) مرزا مغل کب کمانڈر انچیف مقرر ہوا؟

(جواب) اصل میں تو بلوہ کے سات یا آٹھ روز بعد ہی وہ کمانڈر انچیف ہو گیا تھا حتیٰ کہ دیسی افسر اُس کے ساتھ مشورہ کرنے اور اہم معاملات میں رائے اور احکامات حاصل کرنے کے لیے جانے بھی لگے تھے مگر عام شہرت ایک ماہ بعد ہوئی اور اُسی وقت وردی بھی ملی جب ہی بادشاہ کے اور لڑکے اور پوتے جنرل اور کرنیل مقرر ہوئے اور ہر ایک کو اُس کے عہدے کی وردی عنایت ہوئی۔

(سوال) ایام بلوہ میں حسن عسکری کیا مخصوص کام کرتا تھا۔ کیا وہ بادشاہ کا خاص مشیر تھا۔

(جواب) اُس کا بادشاہ کے ساتھ مثل سابق واسطہ رہا اور نہ بلوہ میں اس نے کوئی ایسا دخل دیا جو قابل لحاظ ہو۔ قیدی کی ایک لڑکی کو حسن عسکری سے حسن عقیدت تھی مگر لوگوں نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ ان دونوں میں ناجائز تعلق ہے۔

(سوال) ہمیں معلوم ہے کہ قلعہ میں سے کچھ زینے میگزین پر چڑھنے کے لیے گئے تھے

(جواب) میں نے یہ سنا تھا کہ میگزین پر سیڑھیاں لگا کر چڑھے تھے مگر مجھے یہ خبر نہیں کہ وہ کہاں سے آئے تھے۔

(سوال) جو چپاتیاں غدر سے چند مہینے پیشتر دیہات میں گردش دی گئی تھیں اُنکے

مدکرا دیا اس مکان کے شمالی جانب جب یہ ہونے لگا تو بہت سے آدمی مقابل
کے زینے سے جو جنوبی جانب تھا اوپر چڑھ گئے اور اس دروازے کو جو کمرے سے بند
کیا تھا کھولدیا اور اس مسلحہ گروہ کو اندر آنے دیا ان آدمیوں نے کپتان ڈگلس اور
اور مسٹر ہچنس کلکٹر پادری جینگ اور مس جینگ اور مس کلیفرڈ غرض یہ کہ جتنے آدمی
وہاں تھے سکو قتل کر ڈالا سابق صاحب جو اسی صبح کو کلکتہ سے آئے تھے وہ کسیطرح
قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے اور چھپتے ہوئے مرزا کوچک کے مکان تک جو دہلی دروازہ
کے متصل تھا پونہچ گئے مگر وہاں کسی نے اُنکے گولی ماری کہ اُن کا بازو زخمی ہو گیا
اس کو وہ وہاں سے واپس پھرے اور کپتان ڈگلس کی قیام گاہ کے جنوبی زینہ کے
پاس قتل ہوئے۔ یہ کل جو ریزی پندرہ منٹ میں ہوئی۔ یہ اُوپر کی تفصیل مجھے مکمس
اور شختا ورہ پراں وکشن کپتان ڈگلس کے اردلیوں سے ملی۔ مسٹر فریزر کے قتل کا واقعہ
میرا چشم دید تھا۔

(آٹھویں دن کی کارروائی۔ اظہار جٹمل)

(سوال) کیا کپتان ڈگلس کے قیام گاہ میں جو انگریز تھے انکو قتل کرنے کے بعد رعایا
یا سپاہیوں نے کیا کیا؟
(جواب) انگریزوں کے قتل ہوتے ہی میں شہر میں اپنے مکان پر چلا گیا اور پھر کئی دن
تک قلعہ میں نہیں آیا۔ (سوال) بادشاہ نے عنان حکومت کب اختیار کی اور کیا اُس
موقع پر شاہی سلامی ہوئی تھی۔؟
(جواب) میرٹھ والے رسالوں کے دہلی میں پہنچنے کے دوسرے یا تیسرے دن اُسنے
سرکاری ذخیروں یعنی شہر کے باہر کے میگزین پر قبضہ کرلیا جس میں بارود و ہتھیار وغیرہ

جب اُنھیں کچھ ہوش آیا تو فوراً حکم دیا کہ مسٹر ہچنس کے بھی چوٹ آئی ہے اُن کو بھی اُٹھا لاؤ اور اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ فریزر صاحب لاہوری دروازے کے پیچھے ہوئے راستہ میں چند انگریزوں کے ساتھ جو اُسی صبح کو کلکتے سے آئے تھے ٹہل رہے تھے اُنھوں نے پران ہرکارہ کو حکم دیا کہ فوراً بادشاہ سے دو توپیں مانگ لا۔ پران یہ پیغام لیکر گیا ہی تھا اور مسٹر فریزر بمشکل راستہ کے وسط میں روشن دالان تک پونہچے ہوں گے کہ ہر عمر کے مرد و لڑکے اکٹھے ہوگئے اور "تو تو ہے بے تو تو ہے" کہکر تالی پیٹ دی۔ مسٹر فریزر نے ان مخالفانہ خیالات کا اندازہ کرکے کپتان ڈگلس کے قیام گاہ کو واپس جانا چاہا اور جب وہ زینے کے پاس پہنچے تو حاجی جوہری نے اپنی تلوار سونتکر اُن پر حملہ کرنا چاہا۔ مسٹر فریزر صاحب اُسکی طرف مڑ گئے اور اپنی تلوار مع میان کے اُسکی طرف ہول کی اور دروازہ کے گارڈ کے حوالدار سے کہا "یہ کیا برتاؤ ہے" اس حوالدار نے دکھاوے کے طور پر اُس ہجوم کو ہٹانا چاہا۔ مگر مسٹر فریزر کے پیٹھ موڑتے ہی جوہری کو آنکھ ماری کہ حملہ کر۔ جوہری جرأت پاکر مسٹر فریزر پر دوڑا اور اُن کی گردن کے دائیں طرف ایسا گہرا اور کاری زخم لگایا کہ وہ فوراً گر پڑے اور پھر تین اور آدمی خالق داد ایک کابلی پٹھان و مغل بیگ یا مغلخان اور شیخ دین محمد جو متصل کے شاگرد پیشہ میں چھپے ہوئے تھے تلواریں لیکر آپڑے اور فریزر صاحب کے سر چہرہ اور سینہ پر یہانتک وار کئے کہ اُن کا دم نکل گیا۔ شیخ دین محمد بادشاہ کی طرف سے اردلی تھا اور خالق داد اور مغل بیگ محبوب علیخاں وزیر اعظم کے مصاحب تھے۔ یہ تینوں آدمی فریزر صاحب کا کام تمام کرکے مع ہجوم کے کپتان ڈگلس کی قیام گاہ پر چڑھ گئے وہ پہلی ہی چھت پر پہنچے ہونگے کہ مکھن اردلی نے کپتان ڈگلس کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور اُنھوں نے زینہ

دیکھنے کے لئے کلکتہ دروازے کی طرف گئے ہیں۔ میں یہ خبر سنکر اُن کے پیچھے پیچھے گیا
اور جاکر دیکھا کہ اُنھوں نے کلکتہ دروازہ کو حوپل سے بہت قریب ہے بند کر دیا ہے۔
وہ لوگ اُسی جگہ مصروف تھے کہ کسی نے آکر یہ اطلاع دی کہ باغی رعیت المساجد کی طرف
سے شہر میں گھس آئے اور اس وقت دریاگنج میں ہیں اور اُنھوں نے ڈاک بنگلہ کو آگ لگادی
ہے اور واقعی اُسی وقت اُس طرف دھواں بھی نمودار ہوا۔ اس وقت صبح کے آٹھ بج گئے
کہ میں نے کمپنی کے رسالہ کے تین سواروں کو دریاگنج کی جانب سے ایک انگریز کے پیچھے
دوڑتے دیکھا اور اُن میں سے ایک نے اُسکے قریب پہنچکر اپنا پستول فیر کیا مگر نشانہ نے
خطا کی یہ صاحب اپنا گھوڑا میگزین کی طرف دوڑا کر بچ گئے۔ اسی وقت فریزر صاحب نے
دروازہ کے پولس گارد میں سے ایک کی بندوق لیکر ایک سوار کے گولی ماری۔ بقیہ
سواروں نے مقتول کے گھوڑے کے بھی گولی ماری اور فریزر صاحب اپنی بگھی میں
بیٹھکر کپتان ڈگلس اور ہچنس کے ہمراہ جو پیدل تھے قلعہ کی طرف چلے گئے اس وقت
ہچنس صاحب کی داہنی کہنی ایک سوار کے تپنچہ کے فیر سے زخمی ہوگئی اور فریزر صاحب
قلعہ پہنچنے نہ پائے تھے کہ کچھ اور سوار آپہنچے اور ان میں سے ایک نے اُنکی پشت پر تپنچہ
پہنچکر فیر کیا مگر فریزر صاحب بال بال بچگئے۔ فریزر صاحب کی بگھی کے پیچھے اس وقت
تحتاور کپتان ڈگلس کی اردلی کا چپراسی بیٹھا تھا۔
جب سواروں نے کپتان ڈگلس کو گھیر لیا تو وہ قلعہ کی خندق میں کود سے مگر اتفاق
سے اُن کا پاؤں ایک پتھر پر پڑا جسکی وجہ سے اُنکے سخت چوٹ آئی۔ اس کے بعد جب سوار
انگریزوں کے تعاقب میں چاروں طرف تتر بتر ہوگئے تو تحتاور اور دیسی سرکاری ملازم کپتان
ڈگلس کو معمولی کیفیات میں خندق سے اُٹھا کر قلعہ کے دروازہ پر اُنکی قیام گاہ میں لائے

خبر نہیں تھی۔ (جواب) قلعہ میں آمد و رفت کے وقت کم و بیش جو کچھ میں نے دیکھا اُس سے اُنکی بددلی صاف ظاہر ہوتی تھی۔ بلوہ سے بیس یا پچیس روز پیشتر سپاہی آپس میں انبالہ کے مکانات کی آتش زدگی کی بابت باتیں کیا کرتے تھے اور اس واقعہ کو چربی دار کارتوس کی وجہ بتاتے تھے اور باہم اقرار ہوتا تھا کہ ہم ہرگز انھیں استعمال نکرینگے۔

(سوال) کیا سپاہیوں کی بددلی کا تذکرہ قلعہ میں بھی ہوتا تھا۔

(جواب) مکانوں کے جلنے اور چربی دار کارتوسوں کی وجہ سے سپاہیوں میں بددلی پھیلنے کا تذکرہ بالعموم قلعہ میں ہوتا تھا۔ مگر میں نے کبھی یہ نہیں سُنا کہ بادشاہ سے بھی اس کا تذکرہ ہوا ہو۔ بلوہ کے چند ہی روز پیشتر قلعہ کے دروازہ کے سپاہیوں نے مجھسے یہ کہا تھا کہ اگر چربی دار کارتوسوں کے استعمال پر ہمیں مجبور کیا گیا تو میرٹھ کے رسالے دہلی آکر یہاں کے رسالوں سے ملجائیں گے اور یہ عہد و پیمان چند دیسی افسروں کے ذریعہ سے ہوا تھا۔ جو کورٹ مارشل میں میرٹھ گئے تھے۔

(سوال) کیا تم نے اس کا تذکرہ کسی سے کیا تھا۔

(جواب) نہیں۔ چونکہ فوجی معاملہ تھا میں نے اس کا تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں تو صرف بادشاہ کے متعلق واقعات ظاہر کیا کرتا تھا۔

(سوال) جب باغی رسالے میرٹھ سے آئے تو کیا تم یہیں تھے۔

(جواب) میں اپنے مکان پر یہیں دہلی میں تھا کہ میں نے سُنا میرٹھ کے رسالہ کے کچھ سواروں نے سلیم پور پل کے کلکٹر چنگی کو قتل کر ڈالا اور چنگی گھر کو آگ لگادی مگر میں نے اس رپورٹ پر کچھ اعتبار نہیں کیا اور اپنا اخبار لکھتا رہا اس کو ختم کرکے میں قلعہ پہنچا وہاں یہ معلوم ہوا کہ ... [illegible]

(جواب) نہیں۔ اس قسم کی میری سنتے نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ عرصہ ساڑھے تین سال کا ہوا ایک مرتبہ دس یا بارہ اور دوسری مرتبہ چار یا پانچ مسلمان قیدی کے پاس آئے اور اسکی اطاعت قبول کرنی چاہی اور بادشاہ نے اُسے قبول کیا۔ اس کی خبر سر تھیو فیلس مٹکاف صاحب کو لگ گئی انھوں نے فوراً اس دستور کے رکھنے کا سد دست کر دیا

(سوال) کمپنی کے اودھ لے لینے پر بادشاہ اور قلعہ والوں نے بہت چرچا کیا تھا اگر کیا تھا تو کس خیال سے۔

(جواب) نہیں۔ میں نے دو ایک مرتبہ اس کا تذکرہ سُنا تھا ایک مرتبہ توجب رسالے کا ہو رہا ہے تھے اُس وقت قیدی نے مسٹر فریزر اور کپتان ڈگلس سے پوچھا تھا کہ کیا اودھ لینے کا ارادہ ہے ان دونوں نے یہ جواب دیا تھا کہ نہیں کچھ خبر نہیں مگر تھوڑا عرصہ ہوا بعد اودھ کی ضبطی کی خبر مشہور ہو گئی۔

(سوال) کہاحسن عسکری نے بادشاہ کی طول عمر یا انگریزوں کے مقابلہ میں اُسکی آیندہ کامیابی کی کبھی پیشین گوئی کی تھی۔

(جواب) ہاں اُس نے بادشاہ سے کہا تھا کہ میں نے اپنی عمر کے بیس سال بھی دیئے مگر دعا اور تعبیر خواب کے متعلق انگریزوں کے مقابلہ میں آیندہ کامیابی کی بات کچھ اور پیشین گوئی نہیں سنی۔

(سوال) کیا تم نے قلعہ میں پلاسی کی لڑائی کی بابت تذکرہ ہوتے سُنا یا کوئی اس قسم کی پیشین گوئی ہوئی کہ شروع حکومت سے ایک صدی گزرنے کے بعد حکومتِ انگریزی کا خاتمہ ہو جائیگا۔ (جواب) نہیں میں نے ہرگز نہیں سُنا۔

(سوال) کیا ایسٹ انڈیا کمپنی کی رعیتوں کے بغاوت کرنے کے پیشتر اُنکی بے اطمینانی کی

کرنی چاہیئے۔ حکیم احسن اللہ خان پر قیدی کا ہر راز ظاہر تھا میں نے اُن سے اس کا استفسار کیا۔ احسن اللہ خان نے کانوں پر ہاتھ رکھے کہ مجھے اصلاً اسکی خبر نہیں اگر ہوا بھی ہو تو بھی مجھے اسکی خبر نہیں۔ اِسکی اطلاع بھی میں نے کپتان ڈگلس کو کردی مگر تحقیقات کرتا رہا قریباً بیس دن کے بعد معلوم ہوا یہ یاد نہیں کس نے کہا کہ قیدی کے توپخانہ کے کمانڈنٹ حیدر حسین اور حسن عسکری نے یہ خطوط لکھے تھے اور کسی طرح اُن پر مہر لگا کر شیدی قمبر کی معرفت شاہ ایران کے پاس بھیجے ہیں۔ یہ خبر بھی میں نے کپتان صاحب کو دیدی اور اُن سے کہا کہ میرے اس بھید سے واقف ہو جانے کی خبر قیدی کے گارد والوں نے اُسے کردی ہے اس لیئے مزید پتہ چلانا میرے امکان سے باہر ہے۔ میں نے کپتان ڈگلس کو یہ رائے دی تھی کہ شیدی قمبر لاہور سے آگے نہ گیا ہوگا اُسے روک لیا جائے مگر اُنھوں نے جواب دیا نہ معلوم وہ کونسی راہ گیا اور اس وقت کوئی کارروائی کرنا نامناسب ہے

(سوال) کیا انگریزوں اور ایرانیوں کی لڑائی کا تذکرہ بادشاہ اور قلعہ کے آدمی اکثر کیا کرتے تھے۔

(جواب) ہاں قلعہ اور شہر میں اکثر اسکا چرچا رہتا تھا۔

(سوال) کیا اس لڑائی کا تذکرہ مذہبی پیرایہ میں ہوتا تھا اور مسلمانان شہر کو یہ امید تھی کہ اس لڑائی کی بدولت وہ پھر با اختیار ہو جائیں گے۔

(جواب) ہاں ہر شخص کا یہی گمان تھا مگر واقف کار تو یہ کہا کرتے تھے کہ شاہ ایران ہرگز انگریزوں سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔

(سوال) کیا قیدی اور اُس کے رازداروں نے کمپنی کی فوج کے دیسی افسروں اور سپاہیوں سے خط و کتابت کرنے میں کوشش کی تھی یا خط و کتابت کی تھی۔

دی ہو (جواب) ہاں۔ جس وقت ایرانی فوجیں ہرات میں آئیں اُس وقت ایک خواب کا حال سنا تھا۔ اُس وقت حسن عسکری نے اپنا ہی ایک خواب بادشاہ کے سامنے اسطرح بیان کیا تھا کہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ مغرب کی طرف سے سخت آندھی اُٹھی اور اُس کے بعد اسقدر بارش ہوئی کہ تمام ملک برباد ہو گیا۔ یہ طوفان جب فرو ہو گیا تو بادشاہ کو اس سے کسی قسم کی اذیت نہیں پونہچی بلکہ اس طوفان سے سنبھل گیا اور اپنے پلنگ پر ہشیار رہا۔ اس خواب کی تعبیر حسن عسکری نے یہ دی کہ شاہ ایران ایشیا میں انگریزی فوجوں کو برباد کرکے بادشاہ کو اُس کے تخت پر بٹھا دیگا اور اسکی سلطنت پھر اُسکے قبضہ میں آجائے گی اور کافر یعنے انگریز قتل ہو جائیں گے۔

سوال۔ کیا تمھیں معلوم ہے کہ اس شخص حسن عسکری کی معرفت شاہ ایران سے قیدی کی خط و کتابت ہوئی تھی۔

جواب۔ ہاں مجھے معلوم ہے خط جایا کرتے تھے۔ عرصہ ڈیڑھ یا دو سال کا ہوا۔ ایک قافلہ مکہ جا رہا تھا شیدی قنبر قلعہ کے حبشیوں کے سردار نے قافلہ کے ساتھ حج میں جانے کی درخواست کی اُسکی درخواست منظور ہوئی اور اُس وقت کے رواج کے مطابق اسے ایک سال کی تنخواہ پیشگی دیگئی۔ یہ مشہور ہے کہ قیدی نے اُسے ایک عرضی خدا کے نام کی دی۔ کہ خانۂ کعبہ کی دیوار پر اُسکی طرف سے باندھ دیا۔ آٹھ یا نو روز کے بعد میں نے یہ سنا کہ شیدی قنبر کا مکہ جانا محض حیلہ تھا وہ شاہ دہلی کا خط شاہ ایران کے نام لیکر فارس گیا ہے۔ خواجہ بخش شاہی ہرکارہ اور قیدی کے ایک مصاحب سے مجھے یہ خبر معلوم ہوئی جس کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں ہے اسکی اطلاع میں نے فوراً کپتان ڈگلس کو کردی تھی اور انہوں نے مجھے تفتیش کے لئے حکم دیا اور کہا کہ یہ بہت بڑی بات ہے اسکے روکنے کی کوشش

(سوال) پھر تمھیں پوشیدہ خبریں اُس سے کس طرح معلوم ہوئیں اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ باوجود سرکاری اخبار نویس سمجھے جانے کے اُس سے راز کی باتیں کہی گئیں۔

جواب) ہر قسم کی خبریں جمع کرنے کے لیئے جٹمل قلعہ میں جایا کرتا تھا اس معاملہ کی خبر پاکر اُس نے مجھے اُس کے متعلق واقفیت حاصل کرنی چاہی اُس وقت مجھے اس بات کا کچھ بھی علم نہ تھا اور اس کے بعد اسکی صداقت کا حال معلوم ہوا۔

جٹمل لفٹنٹ گورنر آگرہ کا اخبار نویس حاضر عدالت ہوا اور باقرار صالح بیان کیا۔

(جج ایڈوکیٹ کی جرح)

سوال۔ تم حسن عسکری نامی شخص سے واقف ہو؟

جواب۔ ہاں میں واقف ہوں۔

سوال۔ کیا وہ قیدی کے پاس اکثر آیا جایا کرتا تھا؟ (جواب) ہاں

سوال۔ اُن کے تعلقات کا حال جو کچھ تمھیں معلوم ہو بیان کرو؟

جواب۔ وہ حسب معمول قلعہ میں آیا کرتا تھا اور کچھ پڑھکر بادشاہ پر دم کرتا تھا اُس نے بارہا اپنی زبان سے کہا کہ مجھے خدا نے معجزہ و رسالت و قوت تعبیر خواب عطا کی ہے (اس وقت قیدی نے بیساختہ اپنے عقیدہ کا اظہار کیا کہ حسن عسکری ان تمام قوتوں پر حاوی تھا جو اُس سے منسوب کیجاتی ہیں) حسن عسکری کہا کرتا تھا کہ بارہا خدا نے مجھسے بآواز بلند باتیں کی ہیں وہ قیدی کے پاس روزمرہ مختلف اوقات پر جب کبھی اُسے بُلایا آیا کرتا تھا۔ اور اکثر بے بلائے بھی آتا تھا اور جب کبھی اُسکو بادشاہ سے تخلیہ میں ملنا ہوتا تھا تو خاص کر شام کو آیا کرتا تھا۔

سوال۔ کیا تم نے کسی خاص خواب کا حال بھی سنا جسکی تعبیر حسن عسکری نے بادشاہ کو

سے بے چینی ظاہر ہوئی تھی۔؟ (جواب) نہیں۔ کسی قسم کی بے اطمینانی ظاہر نہیں ہوئی۔ برخلاف اس کے مسلمانان دہلی اس سے بہت خوش ہوتے تھے کیونکہ باشندگان لکھنؤ نے جو تبلیغ میں مولوی احمد علی کو جو سنی تھا اور سنی تھا قتل کیا تھا۔

(سوال) کیا کوئی اشتہار یا نصائح غدر سے کچھ ہی پیشتر جس سے مسلمانوں کی بے اطمینانی ظاہر ہوتی جامع مسجد پر چسپاں ہوئے تھے۔

(جواب) مجھے اس کی بابت کچھ یاد نہیں۔

(سوال) کیا دہلی کے اردو اخبارات نے غدر سے پیشتر کسی وقت انگریزوں کے خلاف مذہبی لڑائی کرنے کے لیے زور دیا تھا۔

(جواب) نہیں انھوں نے کبھی زور نہیں دیا۔ اگر ایسا ہوتا تو سرکاری افسر اس کا نوٹس لیتے

(ساتویں دن کی کارروائی)

حکیم احسن اللہ خاں پھر طلب ہوئے اور باقرار سابق اظہار بجواد اظہار مدعیہ جج ایڈوکیٹ

(سوال) تم نے سانگ محمد درویش کی درخواست پڑھی گئی تھی۔ بتھیں کھانے و مالیدے وتیل و پیسے اور کپڑوں کے خوانوں کا حال بھی کچھ معلوم ہے جس کی نسبت یہ کہا جاتا ہے بادشاہ نے حسن عسکری کے پاس کسی رسم کے انجام دینے کے لیے بھیجے تھے۔

(جواب) ہاں یہ چیزیں معمولاً بھیجی جایا کرتی تھیں مگر مجھے یہ نہیں معلوم کہ کسی خاص غرض کے لیے جس کا تذکرہ درخواست میں ہو بھیجی گئی تھیں۔

سوال۔ تم بیان کر چکے ہو کہ مثل عدالتی محرر تھا کیا بادشاہ ان خبروں کے معاوضہ میں اسے کچھ دیا کرتے تھے (جواب) نہیں وہ شاہی ملازم۔ تھا وہ گورنمنٹ انگریزی کی طرف سے اخبار نویس تھا۔

رہتے تھے۔ (سوال) تم نے یہ بھی سنا کہ بادشاہ نے ایک مکہ جانے والے قافلہ کے ساتھ کچھ آدمی قسطنطنیہ بھیجے تھے۔ (جواب) نہیں مجھے نہیں معلوم کہ بادشاہ نے کسی موقع پر کچھ آدمی قسطنطنیہ بھیجے ہوں۔ (سوال) کیا تم محمد درویش نامی شخص کو دہلی میں جانتے ہو؟
جواب۔ نہیں میں نہیں جانتا۔
سوال۔ کیا کوئی تحریر جس پر شاہ ایران کی مہر لگی ہوئی تھی جامع مسجد یا شہر کے کسی اور مقام پر فساد ہونے سے پیشتر چسپاں ہوئی تھی۔
جواب۔ ہاں بلوہ سے چند ماہ پیشتر میں یہ سنتا تھا کہ شاہ ایران کی طرف سے کوئی اشتہار جامع مسجد میں چسپاں ہوا تھا۔ (سوال) کیا تم نے یہ بھی سنا تھا کہ یہ کاغذ کیوں آیا تھا۔
جواب۔ نہیں۔ مگر یہ سنا تھا کہ اسکے مضمون سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اہل شیعہ نے اسے لکھا ہے (سوال) کیا وہ صحیح خیال کیا گیا تھا۔؟
جواب۔ لوگوں کو اسکی صحت کے متعلق یقین نہ تھا وہ بالعموم اسکی بابتہ مشتبہ تھے۔
(سوال) اسکی عبارت کیا تھی؟ (جواب) میں نے یہ سنا تھا کہ اس میں مسلمانوں کے کل فرقوں کو نصیحت تھی کہ باہمی نفاق کو دور کردیں اور موجودہ وقت میں سب مسلمان متفق ہو جائیں اور اُنکی ضرور ہے کہ ایک جھنڈے کے نیچے لڑنے کے لیئے آمادہ ہوجائیں۔
(سوال) کیا اس تحریر سے شہر میں زیادہ چرچہ یا شورش نہیں پیدا ہوئی۔
جواب) نہیں بہت زیادہ نہیں۔ (سوال) کیا اس تحریر کا قلعہ میں یا بادشاہ نے تذکرہ کیا؟
جواب۔ قیدی نے کبھی میرے سامنے تذکرہ نہیں کیا۔ مگر میں نے یہ سنا تھا کہ قلعہ میں چند اور آدمیوں سے اِس کا تذکرہ کیا گیا تھا۔
سوال۔ جب کمپنی نے اودہ کو اپنے علاقہ میں شامل کیا تو کیا اُسوقت دہلی کے مسلمانوں

جاتا کیوں ـ ظاہر کیا گیا۔

جواب۔ میں نے اسکی بات استفسار نہیں کیا مجھے عدالت کے جاسوس مسمی جٹرا جمل نے یہ کہا کہ حسن عسکری نے اُس شخص کو بجائے مکہ کے ایران بھیجا تھا اور عدالتی ملازمین سے دریافت کرنے پر اس خبر کی تصدیق ہو گئی۔

سوال۔ تم نے کبھی سُنا کہ اس سفارت کے بھیجے کا کیا مطلب تھا۔

جواب۔ نہیں۔ مگر قلیماں اور رستم بادشاہ کے دو خانداروں سے یہ معلوم ہوا تھا کہ حسن عسکری نے سیدی قنبر کو کچھ کاغذات رات کیوقت دیکر جن پر شاہی مہر ثبت کرائی گئی تھی ایران روانہ کیا۔

سوال۔ کیا قلعہ میں انگریزوں اور ایرانیوں کی لڑائی کے تذکرے اکثر ہوا کرتے تھے۔ اور بادشاہ اس گفتگو پر دلچسپی ظاہر کیا کرتے تھے۔؟

جواب۔ نہیں۔ اس مضمون پر دلچسپی اور گفتگو خاص کر نہوتی تھی۔ ہندوستانی اخبار جو قلعہ میں آتا تھا اُس سے لڑائی کی ترقی کا حال معلوم ہوتا تھا اور بادشاہ کبھی کسیطرح اُن میں قابل لحاظ دلچسپی ظاہر نہیں کرتے تھے۔

سوال کیا دہلی کے مسلمانوں میں اس لڑائی سے زیادہ دلچسپی تھی اور کیا یہ لڑائی اُن کے نزدیک مذہبی لڑائی سمجھی جاتی تھی۔

جواب۔ نہیں۔ دہلی کے مسلمان اہل سنت والجماعت ہیں اور ایرانی امامیہ مذہب کے ہیں لہذا اول الذکر نے اس لڑائی سے زیادہ دلچسپی ظاہر نہیں کی۔

سوال۔ کیا تمھیں معلوم ہے کہ گزشتہ ماہ مارچ میں یعنے قریباً دس ماہ پیشتر بادشاہ نے حسن عسکری کو کسی خاص غرض کے لیئے میں اشرفیاں دی تھیں۔

جواب۔ بادشاہ اُسے روپیہ دیتے رہتے تھے مگر مجھے نہیں معلوم کس لیئے یا کسی خاص موقع

سوال۔ وہ بادشاہ کے پاس اکثر کس وقت آتا تھا اور کب پہلے پہل وہ بادشاہ کے روبرو پیش ہوا تھا۔ (جواب) عرصہ قریباً چار سال کا ہوا کہ وہ پہلے پہل بادشاہ کے روبرو پیش کیا گیا تھا۔ بادشاہ کی ایک لڑکی اسکی مریدہ ہوگئی۔ اور اسکی پرہیزگاری کی اس قدر تعریف کی کہ بادشاہ نے اسے اپنی بیماری کے زمانے میں اپنی صحت کے لیئے دعا کرانے اور آرام کرنے کے لیئے نوکر رکھا تھا۔ گزشتہ دو یا تین سال کے اندر اسکی آمدورفت بہت بڑھ گئی۔ یہ لڑکی دہلی دروازے پر حسن عسکری کے مکان کے قریب ہی رہا کرتی تھی اور یہ مشہور تھا کہ وہ اسکی بیوی ہے۔

سوال۔ کیا اس شخص حسن عسکری نے یہ بھی دھوکا دیا تھا کہ اسے مکاشفہ ہوتا ہے آیندہ ہونے والے واقعات پہلے سے بتا سکتا ہے؟

جواب۔ وہ خوابوں کی تعبیر دیا کرتا تھا اور آیندہ کے واقعات پہلے سے بتایا بھی کرتا تھا۔ اور مکاشفہ کا اقرار بھی کیا تھا۔

سوال۔ کیا تمھیں معلوم ہے کہ اس نے کبھی اس لڑائی کے متعلق بھی پیشین گوئی کی تھی جو اس وقت انگلستان اور شاہ فارس کے درمیان ہو رہی تھی۔

جواب۔ جس زمانہ میں انگریزوں اور شاہ فارس میں لڑائی ہو رہی تھی اس نے کچھ نہیں کہا البتہ عرصہ دو سال کا ہوا اس نے قیدی (بادشاہ) سے چار سو روپیہ لیکر ایک شخص کو دیئے اور یہ ظاہر کیا کہ وہ مکہ معظمہ جاتا ہے مگر بعد میں یہ بات کھل گئی کہ وہ شخص حج کے لیئے نہیں گیا بلکہ شاہ ایران کے پاس گیا۔ اس شخص کا نام سیدی قمبر تھا جو ابیسینا کا رہنے والا تھا اور غالباً عربیا سے آیا تھا۔

سوال۔ کیا تمھیں معلوم ہے کہ اس شخص کا مکہ جانا کیوں ظاہر کیا گیا اور شاہ فارس کے پاس

تحت خان گورنر جنرل کے دفتر کے اہلمد کے قلم کے ہیں۔ اس شخص کی عادت تھی کہ اِس قسم کے کاغذ پہلے سے تیار رکھتا تھا اور اُن پر مہر شاہی ثبت کر کے بعد مسطوری شاہ مطابق پتہ کے روانہ کیا کرتا تھا۔

سوال۔ کیا اُنکی نقل دفتر میں بھی رکھی جایا کرتی تھی۔

جواب۔ ہاں اکثر ہر کاغذ کی وہ دو نقلیں لایا کرتا تھا۔ ایک پر مہر ثبت ہوتی تھی جو عالیجاہ بادشاہ کی قلم ہوتی تھی اور یہ نقل اُنکی روانگی کے لیئے دیدیجاتی تھی اور دوسری غیر مصدقہ قیدی کے دفتر میں داخل ہوتی تھی۔

سوال کاغذ مسرہ کے متعلق بھی تم کچھ جانتے ہو

جواب۔ میں اُسکی قلم نہیں پہچانتا۔

سوال۔ کیا ممکن یا قرین قیاس ہے کہ یہ نقل دفتر کے صدر مقرر شدہ اہلمد کی قلم کی ہو جس سے تم واقف نہیں۔

جواب ہاں میرا گماں ہے کہ محمد خان کے دفتر کے کسی اہلمد کی قلم ہے۔

ترجمان نے فارسی کے اصل کاغذات اس وقت سنائے۔

سوال۔ کیا تم مسمی محمد حسن عسکری واعظ ساکن دہلی سے واقف ہو؟

جواب۔ ہاں میں جانتا ہوں وہ دہلی دروازہ کے قریب رہتا تھا اور قلعہ کے اس کثرایا کرتا تھا

سوال تمہیں اُسے دیکھے ہوئے کتنا عرصہ ہوا۔

جواب۔ انگریزی رسالہ کے دہلی پر کر قبضہ کرنے سے تین دو پیشتر میں نے اُسے دیکھا تھا۔

سوال تمہیں معلوم ہے وہ کہاں گیا یا اُس کا کیا حشر ہوا۔

جواب نہیں میں نہیں جانتا

جواب۔ وہ قیدی کے خاص کمروں میں رہتی نہیں۔

سوال۔ کیا اُن کا استعمال بالکل قیدی کے ہاتھ میں تھا۔

جواب۔ مہر بلا اجازت بادشاہ کبھی ثبت نہ ہوتی تھی۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا۔ گواہ قیدی کے پاس بیٹھ گیا۔

(پانچویں دن کی کارروائی)

احسن اللہ خاں بروئے اقرار سابق مکرر طلب ہوئے اور آٹھوں کاغذ مرتبہ بمد تنخواہ اُنکو دکھائے گئے۔ (جرح جج ایڈوکیٹ)

اِن کاغذات کی تحریر قلم اور مہر کی نسبت تم کیا جانتے ہو؟

(جواب) چھ کاغذات یعنی نمبران ۱ و ۴ و ۵ و ۶ و ۷ و ۸ پر احکام قیدی ہی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ نمبر ۳ مکندلال قیدی کے سکتر کی قلم کا ہے اور یہ نمبر اُس خاص مہر کا نشان ہے جس پر اُس کا مخفف نام کندہ ہے۔ نمبر ۲ جو قیدی کے بیٹے مرزا مغل کی درخواست ہے جسکی تصدیق اُس کے عہدہ سپہ سالاری کی مہر سے ہوتی ہے۔ جوالا ناتھ اُس کے ایک اہل مد کی قلم کا تحریر شدہ معلوم ہوتا ہے۔

(چھٹے دن کی کارروائی)

حکیم احسن اللہ خاں کمرہ عدالت میں طلب ہوئے اور باقرار سابق اظہار دیئے۔

(اظہار بذریعہ جج ایڈوکیٹ)

سوال۔ اِن چھ کاغذوں کو دیکھو اور پہچانو کہ کس کی قلم کے لکھے ہوئے ہیں۔ چھ فارسی کے کاغذ مرتبہ بمد قتل گواہ کو دکھائے گئے

جواب۔ نمبر ۱ و ۶ کے احکام قیدی کے قلم کے ہیں اور کاغذات نمبر ۲ و ۳ و ۴ خیرات خان

سوال۔ دہلی میں بلوہ ہونے سے پیشتر کیا تم نے سنا تھا کہ اس مقام کی چھٹیں کسی طرح سے اٹھیاں تھیں۔ (جواب) نہیں۔ (جرح عدالت)

سوال۔ کیا انگریزوں کے قتل ہونے کے بعد بھی تم نے لاشیں خون آلود یا اس قتل کے اور نشانات دیکھے ۔

جواب۔ میں نے کسی قسم کی کوئی بات نہیں دیکھی۔

(سوال) جہاں یہ عورتیں اور بچے قتل ہوئے تھیں وہ جگہ معلوم ہے۔

جواب۔ میں نے سنا تھا کہ وہ حوض کے قریب اُس میدان میں قتل کیئے گئے تھے جو لاہوری دروازے سے قلعہ میں گھسے پر پہلے پڑتا ہے۔ لوگوں نے اُس جگہ کو بیان کیا تھا مگر قتل ہونے کی خاص جگہ نہیں بتائی۔

سوال۔ تم جانتے ہو کہ لاشیں کیا ہوئیں۔؟

جواب۔ مجھے نہیں معلوم کہ اُسکے بعد اُن کا کیا حشر ہوا مگر سلے میں آیا تھا کہ گاڑیوں میں ڈالکر وہاں سے اٹھائی گئیں۔ (جرح ثانی جج ایڈوکیٹ)

سوال۔ تمھیں معلوم ہے کہ قتل سے پیشتر یہ عورتیں اور لڑکے قید کیئے گئے تھے اور اگر قید کیئے گئے تھے تو کہاں؟

جواب۔ میں نے سنا تو تھا کہ وہ قید ہوئے اور بادشاہ کے مطبخ میں یا اُسکے قریب ہی کے کمرہ میں بند کیئے گئے تھے۔

سوال کتنے دن وہ محبوس رہے؟

جواب قریباً ہفتہ یا عشرہ بھر۔

سوال۔ بلوہ کے زمانہ میں قیدی کی نگہبانی کس کے پاس تھیں۔

اُس نے جواب دیا کہ حتی الوسع کوشش کی مگر باغی ایک نہ مانے۔

سوال۔ کیا احسن اللہ خاں نے تم سے کہا کہ اُس موقع پر وہ وہاں موجود تھا۔

جواب۔ نہیں۔ اُس نے صاف صاف یہ نہیں کہا کہ وہ وہاں تھا یا نہیں۔

سوال۔ کس قدر انگریز اس موقع پر قتل ہوئے؟

جواب۔ پیشتر مجھے تعداد معلوم نہیں تھی اور ممکن ہے کہ میں نے سنا ہو اور بھول گیا ہوں مگر اب کوئی دس یا پندرہ دن ہوئے کہ مجھے معلوم ہوا مقتولین کی تعداد قریباً ۵۰ تھی جس میں عورتیں اور لڑکے بھی شامل ہیں۔

سوال۔ کیا یہ عورتیں اور بچے قیدی کے منشا سے قتل ہوئے۔

جواب۔ مجھے اس معاملہ میں اس سے زیادہ علم نہیں جسقدر کہ احسن اللہ خاں نے مجھے کہا کہ بادشاہ نے قتل عام روکنا چاہا مگر کچھ پیش نہ چلی۔

سوال۔ کیا تمھیں معلوم ہے کہ مفسدہ کے زمانے میں بادشاہ کے کسی ملازم نے واقعات کا روزنامچہ تیار کیا اگر تیار کیا تو کس نے لکھا۔

جواب مجھے اسکے لکھے جانے یا نہ لکھے جانے کا علم نہیں۔ البتہ غدر سے پیشتر ایک روزنامچہ تیار ہوا تھا

سوال۔ کیا مرزا مغل شاہزادہ کو باغی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا تھا۔ اور کس نے اور کہاں؟

جواب۔ بیشک مرزا مغل فوج کے سپہ سالار مقرر ہوئے تھے اور مشہور رہے کہ بادشاہ نے فوج کی درخواست پر اُنھیں مقرر کیا تھا۔

سوال۔ مفسدہ سے پہلے بھی تم نے کبھی فوج کی بے اطمینانی کا حال سنا تھا۔؟

جواب۔ ہاں میں نے سُنا تھا کہ کلکتہ میں دو رجمنٹوں نے چربی وار کارتوسوں کے استعمال کرنے کی بنا پر غدر کیا۔ وہ توڑ دی گئی تھیں۔

سفارش پر مقرر ہوا تھا۔

سوال۔ تمھیں کبھی قلعہ کے اندرونی حالات معلوم ہونے کے موقعے ملے یاد ہے ان مضامین پر غدر سے پہلے گفتگو ہوتی تھی۔

جواب۔ مجھے ایسے موقعے تو ملے مگر میں نے کوئی خاص بات نہیں سنی۔

سوال کیا یہ بادشاہ کا زیادہ بھروسہ تھا یا تم اُن معتمدوں میں تھے جن پر کوئی راز یا تحریر جو حکومت برطانیہ سے مخفی رکھنے کی غرض سے ظاہر کرنا چاہتے ہوں ظاہر کیجاتی ہوں۔

جواب۔ میں اُن میں سے نہیں تھا جن سے مشورہ ہوتا ہو یا جن کو ایسے معاملات کی اطلاع دکھائی ہو البتہ احسن اللہ خاں اور محبوب علیخاں ایسے آدمی تھے۔

(چوتھے دن کی کارروائی)

سوال۔ کیا تمھیں فساد ہونے سے پیشتر قیدی کی تحریرات دیکھنے کا موقع ملا تھا۔

جواب۔ ہاں میں نے بارہا اُسکی تحریریں دیکھیں اور اُن کو پہچانتا ہوں۔

سوال۔ جو کاغذ عدالت میں پیش ہوئے اور جن پر کہا گیا ہے کہ وہ قیدی کے قلم کے ہیں اور اُسی کی مہر اُن پر ثبت ہے کیا تمھیں اُنکی صداقت میں شبہ ہے۔

جواب۔ اکثر کاغذات بادشاہ ہی کی قلم کے ہیں اور شاید ایک یا دو نہوں۔

سوال۔ جب قلعہ میں انگریزی عورت اور بچے قتل ہوئے تو کیا تم وہاں تھے۔

جواب نہیں۔ میں قلعہ میں نہیں تھا مگر میں نے بعد میں سُنا کہ چند عورتیں اور بچے مقتول ہوئے

سوال۔ کیا تمھیں معلوم ہوا کس نے اُنھیں قتل کیا سپاہیوں نے یا قیدی ہی کے ملازموں نے

جواب۔ میں اس بارے میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا مگر دو باتیں دن بعد جب میں قلعہ میں آیا تو میں نے احسن اللہ خاں سے کہا کہ تم نے قتل عام روکنے کی کیوں کوشش کی

جواب۔ یہ اُنکی اطاعت اور خدمات کے منظور کرنے ہی کے برابر تھا۔ مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ اُسوقت بادشاہ کا کیا ارادہ تھا۔

سوال۔ بادشاہ کے اختیارات دہلی میں کب عام طور پر مشتہر ہوئے یا یہ بات کب مشہور ہوئی کہ بادشاہ نے عنانِ حکومت اختیار کی۔

جواب۔ مجھے نہیں معلوم کہ کوئی باقاعدہ شہرت اس بات کی دی گئی۔ ممکن ہے ایسا ہوا ہو اور مجھے اُس کا علم نہیں ہوا ہو۔ مگر جس دن فساد ہوا اُسی دن بادشاہ کے اختیارات قائم ہوگئے تھے۔

سوال۔ کیا اِسی وجہ سے اُسکی سلامی کی توپیں چھوٹی تھیں۔

جواب۔ میں نہیں جانتا جو کچھ میں نے سنا وہ یہ تھا کہ توپخانہ والوں نے شاہی حکومت میں آنے کے موقع پر بطور سلامی فیر کی تھیں۔

سوال۔ تمھیں معلوم ہے کتنی توپونکی سلامی ہوئی تھی۔

جواب۔ میرے خیال میں معمولی شاہی سلامی کی ۲۱ توپیں فیر ہوئی تھیں۔

سوال۔ کس دن بادشاہ نے پہلا دربار عام کیا۔

جواب۔ فساد کے دن ہی سے روزانہ دربار ہوتا تھا۔ رسالہ والوں کو جو پہلا موقع حاضری کا دیا گیا وہی اول دربار خیال کرنا چاہیئے۔

سوال۔ فساد سے پیشتر کیا تم بادشاہ کے درباروں اور اُس کے خاندان کے ہر وقت کے جلسوں میں تھے۔

جواب۔ میں روزانہ قلعہ میں آتا تھا اور تمام خط و کتابت جو میری معرفت لفٹنٹ گورنر اور بادشاہ میں ہوتی تھی سناتا تھا۔ میں بادشاہی ملازم تھا مگر سر تھیوفیلس مٹکاف صاحب کی

معلوم ہوا کہ جو توپیں رات کے دس یا گیارہ بجے چھوٹی تھیں وہ دہلی کے دیسی توپخانہ والوں نے بادشاہ کی سلامی میں فیر کی تھیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ بادشاہ کے عناں حکومت اختیار کرنے پر فیر ہوئی تھیں یا کسی اور وجہ سے۔ اسکے بعد میں دربار عام میں آیا جہاں حسن اللہ خاں سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اُن سے دریافت کیا کہ بادشاہ نے اس بےچینی کے رفع کرنے کے لیئے کوئی بندوبست کیا انہوں نے جواب دیا کہ بادشاہ نے ایک خط اس مضمون کا اونٹنی سوار کے ہاتھ لفٹنٹ گورنر کے پاس آگرہ روانہ کیا ہے اور قریباً پندرہ روز کے بعد میں نے پھر اُن سے پوچھا کہ اُس کا کیا جواب آیا انہوں نے جواب دیا کہ اونٹنی سوار بلا رسید یا جواب واپس آ گیا مگر یہ بھی کہا خط ضرور پہونچا جس کا جواب بعد میں دینے کا وعدہ ہوا اول دن کے واقعہ کے بعد میں نے قلعہ کی باقاعدہ حاضری ترک کردی صرف تیسرے یا چوتھے دن آتا تھا اور محض بادشاہ کو سلام کرکے واپس چلا جاتا تھا۔ چنانچہ اور واقعات کے بعد تو گفتگو کرنے کی نوبت بھی نہ آئی۔

سوال۔ کیا تم نے سنا کہ فریزر صاحب کو کس نے قتل کیا۔ آیا بادشاہ کے ملازموں نے یا کسی اور نے اُنکو قتل کیا۔

جواب۔ اُس وقت تو یہ سنا تھا کہ سپاہی کھڑے ہو گئے تھے اور فریزر صاحب کو بلوہ میں قتل کیا مگر بعد میں یہ سننے میں آیا کہ اُنکو ایک جوہری نے جسکی دوکان بازار میں کپتان ڈگلس کی قیام گاہ کے نیچے ہی تھی قتل کر دیا۔ مجھے اُس شخص کا نام نہیں معلوم اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اب وہ کہاں ہے۔

سوال جب بادشاہ نے دیسی افسروں اور سپاہیوں کے سر پر ہاتھ رکھا تو اُس کا کیا منشا تھا کیا اُس سے یہ مراد تھی کہ اُنکی خدمات منظور کی گئیں۔

سپاہی اور افسر غرض کہ کل یکے بعد دیگرے آگے بڑھے اور ہر شخص بادشاہ کے آگے اپنا سر جھکا کر کہتا تھا کہ "حضور ہمارے سر پر ہاتھ رکھیں" بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور ہر شخص جو جی میں آیا کہتا ہوا واپس ہوتا گیا۔ جب ہجوم زیادہ ہو گیا تو میں وہاں سے چلا آیا اسوقت غل غپاڑہ بہت تھا اور سب ایک دم زور زور بول رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ اپنے کمرے میں واپس آ گئے اور سواروں نے اپنے گھوڑے صحن میں باندھ دیے مفسد رسالوں نے اپنی اپنی جگہ پسند کر لی اور دربار عام میں بستر لگا دیے اور محافظ قلعہ چاروں طرف مقرر کر دیے۔ اِس کے بعد میں حکیم احسن اللہ کے کمرے میں گیا اور وہاں جا کر لیٹ گیا۔ شام کے قریب چار بجے یا اسکے بعد بڑی سرنگ اُڑنے کی آواز کانوں میں آئی اور باہر جا کر دیکھا تو میگزین کیطرف بہت خاک اُڑتی ہوئی دکھائی دی۔ جو لوگ اسوقت وہاں تھے اُن سے معلوم ہوا کہ مفسدوں نے میگزین پر ہلّا کر دیا مگر مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ جو انگریزی افسر وہاں تھے یہ انھیں کی کارروائی تھی۔ قریب پانچ بجے میں نے یہ سُنا کہ کوئی سات یا آٹھ انگریز مرد و عورت و بچے مفسدوں کے ہاتھ لگے اور انھوں نے بادشاہ سے اُنکے قتل کرنے کی درخواست کی مگر بادشاہ نے سپاہیوں سے کہا کہ ان قیدیوں کو مجھے دیدو اور میں انھیں اپنی حفاظت میں رکھونگا۔ چنانچہ انھوں نے اس شرط پر کہ اُن پر محافظ انھیں میں سے رکھے جائیں بادشاہ کے سپرد کر دیا۔ بادشاہ نے اُن کو کسی کمرہ میں بند کر دیا اور حکم دیا کہ انھیں کھانا پینا باقاعدہ بادشاہ کے توشہ خانہ سے دیا جائے۔ بعد غروب آفتاب میں نے شہر میں اپنے مکان پر جانا چاہا جب میں دربار عام کے میدان میں پہنچا تو وہاں بھی رسالوں کا ہجوم پایا اور معلوم ہوا وہ دہلی کی رجمنٹوں کے سپاہی تھے۔ اسکے بعد میں گھوڑے پر سوار ہو کر گھر چلا گیا۔ دوسری صبح کو قلعہ پہنچکر

قتل کر دیئے گئے یہ دس بجے سے کچھ پہلے کا وقت تھا۔ احسن اللہ خاں نے اس خبر اور آدمیوں
کو اسکی تصدیق اور یہ دریافت کرنے کے لیئے کہ کپتان ڈگلس کہاں اور کس حال میں ہیں
بھیجا ان آدمیوں نے واپس آکر کہا کہ نہ صرف فریزر صاحب بلکہ کپتان ڈگلس دو میمیں
اور اور انگریز جو اس کے ساتھ رہتے تھے سب قتل کر دیئے گئے یہ سنکر بادشاہ اندر چلے
گئے اور احسن اللہ خان اور میں سخت پریشان کہ دیکھیئے کیا ہوتا ہے پھر دربار خاص میں چلے
گئے۔ اسکے کچھ ہی دیر کے بعد دونوں پیدل کمپنیاں جو قلعہ کے دروازے پر محافظ تھیں
مع سوار رسالہ کے جو میرٹھ سے آیا تھا دربار خاص کے سامنے کے میدان میں آگئیں
اور اپنی بندوقیں قرابینیں اور تمنچے ہوا میں اڑانے لگیں اور بڑا غل مچایا۔ بادشاہ یہ
غل سنکر باہر نکل آئے اور دربار خاص کی چوکھٹ پر کھڑے ہوکر اپنے خواصوں کو حکم دیا کہ
رسالوں سے خاموش رہنے کیلئے کہیں اور ہندوستانی افسروں کو آگے بلایا کہ اُن سے
اس کارروائی کا منشاء دریافت کریں۔ اس پر یہ غل کم ہو گیا اور رسالہ کے افسر آگے بڑھے
اور بیان کیا کہ انھیں کارتوسوں کے منہ سے کاٹنے کا حکم دیا گیا تھا جس کا منشاء یہ
تھا کہ ہندو ہوں خواہ مسلمان اپنے اپنے مذہب سے گمراہ ہو جائیں کیونکہ کارتوسوں میں
گائے اور سور کی چربی لگی ہوئی تھی چنانچہ انھوں نے میرٹھ میں انگریزوں کو قتل کیا اور
بادشاہ کی محافظت کے لیئے یہاں آئے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا

"میں نے تمھیں نہیں بلایا اور جو کچھ تم نے کیا بہت برا کیا" یہ سنکر سو یا دو سو مفسد
پیادہ فوج جو اس وقت میرٹھ سے آئی تھی سیڑھیوں پر چڑھکر کمرہ میں آگئی اور کہا کہ
حضور یعنی بادشاہ ہمارے ساتھ ہو گئے ہم سب نثار ہیں اور حضور کے ساتھ ہو کے
ہم اپنے ارادہ میں کامیاب ہو جائیں گے، اس پر بادشاہ ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور ہر

کمرے میں ہیں۔ اور درمیانی کمرے میں مسٹر سائمن فریزر صاحب بیٹھے ہوئے تھے اُن سے ملاقات ہوئی۔ احسن اللہ خاں کپتان صاحب سے ملنے چلے گئے اور میں فریزر صاحب کے کہنے پر اُنکے ساتھ واپس آگیا۔ اور اُنھوں نے مجھے حکم دیا کہ میں بادشاہ سلامت سے جا کر کہوں کہ کپتان ڈگلس صاحب کے مکان کی محافظت کے لیئے دو توپیں اور کچھ سپاہ پیادہ بھیجدیں۔ میں اور فریزر صاحب اور ایک اور انگریز جو اُنکے ہمراہ تھے زینہ سے اُترے فریزر صاحب کے ہاتھ میں ایک غلاف دار تلوار تھی اور دوسرے صاحب کے (جن کا نام میں نہیں جانتا) ایک ہاتھ میں پستول اور دوسرے میں بندوق تھی۔ فریزر صاحب نے جو حکم دیا کہ جلدی جاؤ اور خود بھی بادشاہ کی طرف چلے مگر میں اُن سے آگے آیا۔ بادشاہ کے کمرے پر پہنچکر میں نے دستک دی وہ خود باہر نکل آئے اور میں فریزر صاحب کا پیغام پہنچا دیا۔ بادشاہ نے فوراً خاصہ کے آدمیوں کو حکم دیا کہ دو توپیں اور تمام رسالے اور افسر جو موجود ہوں کپتان ڈگلس کی فرودگاہ پر پہنچا ؤ اُسی وقت احسن اللہ خاں بھی پہنچے اور بادشاہ سے کہا کپتان ڈگلس کہتے ہیں کہ دو پالکیاں بھیجکر اُن دونوں میموں کو جو اُنکے پاس ہیں بُلا لیجئے محلسرا میں چھپا دیجائیں۔ بادشاہ نے احسن اللہ خاں سے کہا کہ تم انتظام کرو اور خاصہ کے ملازموں کو ہدایت کی کہ دو پالکیاں مع مناسب تعداد کہاروں کے باغ کے گرد ہو کر لیجاؤ تاکہ باغی رسالے اُنھیں نہ دیکھ سکیں جو اس وقت قلعہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ بادشاہ یہ حکم دیکر یہ دیکھنے کے لیئے کھڑے ہو گئے کہ اس حکم کی تعمیل ہو جائے اور احسن اللہ خاں بھی اُنکے پاس کھڑے تھے۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد نوکروں میں سے ایک نوکر جو پالکیوں کے لیئے گیا تھا واپس آیا اور کہا کہ پالکیاں روانہ ہو گئیں اور اسکے بعد ہی ایک اور ملازم جو پالکیوں کے ہمراہ گیا تھا اُس نے واپس آ کر کہا کہ فریزر صاحب کو

میں کپتان صاحب کے ہمراہ کٹہرے تک آیا اور دیکھا کہ ۳۰ یا ۴۰ سوار نیچے کھڑے ہیں۔ کسی کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی اور کوئی پستول اور قرابین ہاتھ میں لیئے تھا۔ بہت سے پیل کیجاس سے پیدلوں کے ساتھ جو بظاہر سائیس معلوم ہوتے تھے اور جن کے سر پر کچھ گٹھر تھے آرہے تھے۔ کپتان ڈگلس نے سواروں سے کہا "اس طرف مت آؤ۔ یہ بادشاہ کی محلسرا ہے اور تمہارا یہاں کھڑا ہونا بادشاہ کی بیعزتی ہے" اس پر ایک ایک کرکے سب راج گھاٹ کی طرف چلے گئے اور جب سب چلے گئے تو کپتان ڈگلس بادشاہ کے پاس گئے اور کہا کہ "قلعہ اور شہر کے دروازے فوراً بند ہونے چاہئیں کہ مبادا یہ لوگ شہر میں نہ گھس آئیں" کپتان صاحب نے بادشاہ کو یقین دلایا کہ خوف کی کوئی بات نہیں ہے اس معاملہ کی نگرانی کرنا میرا فرض ہے میں ابھی جاتا ہوں اور فوراً اس کا انتظام کیئے دیتا ہوں۔ اس کے بعد بادشاہ اور کپتان ڈگلس اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے اور میں اور حکیم احسن اللہ خاں دربار خاص کے اس کمرہ میں آکر بیٹھے۔ ہم دونوں کو یہاں بیٹھے ہوئے ایک گھنٹہ ہوا ہوگا کہ کپتان ڈگلس صاحب کا ملازم دوڑا ہوا آیا۔ اور ایک رقعہ حکیم احسن اللہ خاں کو دیکر کہا کہ صاحب یاد فرماتے ہیں حکیم صاحب کے کہنے پر میں اس کے ہمراہ گیا جو آدمی ہم لوگوں کو لینے کے لیئے آیا تھا اس نے کہا کپتان صاحب اس وقت مطبخ خانہ میں ہیں مگر جب ہم اس جگہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ پھر اپنے مقام پر واپس گئے۔ اس وقت ہم نے دیکھا کہ دریا گنج کی جانب بہت دھواں اٹھ رہا ہے اور کچھ راگیروں سے معلوم ہوا کہ باغی شہر میں گھس گئے ہیں اور انہوں نے بنگلوں میں آگ لگادی ہے۔ ہم قلعہ کے لاہوری دروازے کے اوپر ۔ان ڈگلس صاحب کی فرودگاہ تک گئے۔ اس جگہ ہم کو معلوم ہوا کہ کپتان صاحب تیسرے

آیا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اُس نے بادشاہ سے آکر کیا کہا۔ مگر بادشاہ خلوت خانہ کے
متصل کمرہ میں آئے اور مجھے طلب کیا۔ بادشاہ نے پھر مجھسے کہا کہ یہ سوار باغی ہو گئے
ہیں اور میرٹھ سے آئے ہیں۔ مذہب کے لئے لڑنا اور انگریزوں کو قتل کرنا چاہتے
ہیں اور مجھے ہدایت فرمائی کہ میں کپتان ڈگلس کے پاس فوراً جاؤں اور یہ معاملہ اُنکے
گوش گزار کرکے اُن سے کہوں کہ مناسب انتظام کریں۔ بادشاہ نے ساتھ ہی اپنے
کسی ملازم کو یہ بھی حکم دیا کہ خلوت خانہ کے نیچے کا دروازہ فوراً بند کردے۔ میں حسب الحکم
کپتان ڈگلس کے پاس گیا اور اُن کو یہ پیغام پہنچا دیا۔ کپتان ڈگلس فوراً میرے ہمراہ
آئے اور کہا ہم خود چلکر اس معاملہ کو دیکھینگے۔ وہ اسی دربار خاص میں آگئے اور بادشاہ
اُنکو آتے دیکھکر باہر نکل آئے اور اُن سے ملے۔ بادشاہ اسوقت اسقدر نوانا تھے کہ
وہ بغیر عصا کے سہارے کے کپتان صاحب کے ساتھ پھرتے رہے۔ بادشاہ نے
کپتان ڈگلس سے استفسار کیا کہ اُنکو اس معاملہ کی کچھ خبر ہے یا نہیں اور نیز یہ کہ یہ فوج
کیوں آئی ہے اور کہا کہ فوراً مناسب موقع بندوبست ہونا چاہیئے۔ میں اور احسن اللہ خاں
اُس وقت موجود تھے۔ کپتان ڈگلس نے درخواست کی بادشاہ کے خلوت خانہ کے نیچے
کا دروازہ کھولدیا جائے کہ وہ جاکر سواروں سے سوال وجواب کرے۔ بادشاہ نے جواب
دیا کہ وہ اُن کو نہیں جانے دینگے کیونکہ باغیوں کے سر پر خون سوار ہے اور مبادا اُنھیں
مار ڈالیں۔ کپتان ڈگلس نے بار بار کوشش کی کہ دروازہ کھولدیا جائے مگر بادشاہ راضی نہ ہوئے
اور کپتان صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا اگر تم اُن لوگوں کو دیکھنا اور اُن سے بات کرنا چاہتے
ہو تو یہ باتیں جھروکے میں سے کر سکتے ہو۔ اس پر کپتان ڈگلس شاہی کمروں اور دربار
خاص کے درمیانی کٹہرے پر آگئے اور اُدھر سے اُس مقام کو دیکھا جہاں سوار اکٹھے تھے

کو عدالت نے منظور کیا۔ اور غلام عباس عدالت میں حاضر ہوا۔
ترجمان نے اصل کاغذات ملاحظہ کیے جس کا ترجمہ گزشتہ دن جج ایڈووکیٹ نے پڑھا تھا۔ اور جو کچھ گواہ نے ہر ایک کاغذ کے متعلق کل اظہار دیا تھا وہ قیدی کے مددگار کو سنایا گیا۔ بعد ترجمان نے فارسی کے اصل کاغذات نمبر ۳۴ تک ملاحظہ کرے تو جج ایڈووکیٹ نے نمبر ۵۰ کے کاغذات کا ترجمہ دیکھنا شروع کیا۔

(تیسرے دن کی کارروائی)

۲۹ جنوری ۱۸۵۸ء یوم جمعہ

دربار خاص میں اسدن گیارہ سے پھر عدالت منعقد ہوئی۔ میر مجلس و ممبر و ترجمان و ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل موجود تھے۔ قیدی عدالت میں لایا گیا اور غلام عباس بطور اسکے معاون کے حاضر ہوا ترجمان نے اصل کاغذات فارسی میں ملاحظہ کیے اور جس کا ترجمہ جج ایڈووکیٹ نے گزشتہ دن پڑھا تھا یعنی نمبر ۵۰ تک۔ غلام عباس اب بطور گواہ قرار دیا گیا جج ایڈووکیٹ نے اظہار لیے۔

سوال ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کی صبح کو تم کہاں تھے جبکہ مفسد رسالے میرٹھ سے آئے۔
جواب۔ میں اسی دربار خاص کے دروازہ پر تھا۔
سوال۔ جو کچھ تم نے اس موقع پر دیکھا بیان کرو۔
جواب۔ قریب آٹھ بجے صبح کے میں نے یہ سنا کہ کمپنی کے رسالہ کے پانچ یا چھ سوار آئے اور بادشاہ کے خلوت خانہ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے بے تحاشا غل مچایا جس پر بادشاہ نے اپنے خواص میں سے کسی کو حکم دیا کہ دیکھو یہ غل کیسا ہے۔ ان میں سے کسی شخص نے جو کہ میں گمان [illegible] سواروں سے کچھ باتیں کرکے بادشاہ کے پاس واپس

کاغذات نمبری ۵ و ۱۶ و ۲۹ و ۲۴ و ۳۰ گواہ کو دکھائے گئے اُس نے اظہار کیا کہ یہ مکند لال کے لکھے ہوئے ہیں جو قیدی کا خاص سکتر تھا اور یہ کہ اُن میں سے تین نمبروں پر یعنی ۵ و ۱۶ و ۲۴ پر جو مہر ثبت ہے وہ شاہی مہر ہے۔ کاغذات نمبری ۱۲ و ۲۳ و ۲۸ و ۳۷ و ۳۴ و ۴۶ و ۴۷ و ۵۱ و ۵۵ بھی گواہ کو دکھائے گئے اُن میں سے کسی کی تحریر کو اُس نے نہیں پہچانا البتہ یہ کہا کہ نمبر ۲۳ پر مرزا مغل کمانڈر انچیف کی نمبر ۳۷ پر چیف پولیس افسر و عدالت چیف کورٹ دہلی کی نمبر ۳۴ پر بدر پور پولیس اسٹیشن کے دفتر کی اور بادشاہ کے سکتر کی و نمبر ۴۶ پر مرزا مغل کی مہر ہے۔ اور نمبروں کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتا۔ کاغذات نمبری ۶ و ۷ و ۸ و ۹ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۷ و ۴۹ گواہ کو دکھائے گئے۔ اُس نے ان کاغذات کی مہر کو شناخت کیا کہ بادشاہ کی مہر ہے اور باستثنائے نمبر ۱ کے دیگر کل مکند لال قیدی کے خاص سکتری کی قلم کے ہیں نمبر ۲۶ بھی گواہ کو دکھایا گیا اُس نے شناخت کیا کہ وہ مکند لال کی تحریر ہے اور اُس پر بادشاہ کی خاص مہر ثبت ہے۔

جج ایڈوکیٹ نے مندرجۂ بالا کاغذات کا نمبر ۲۶ تک ترجمہ ملاحظہ کیا

(دوسرے دن کی کارروائی)

۲۸ جنوری ۱۸۵۸ء یوم پنجشنبہ کو عدالت ۱۱ بجے دربار خاص دہلی میں پھر منعقد ہوئی۔ اور گزشتہ دن کی کارروائی پھر شروع کی۔

پریسیڈنٹ و ممبران و ترجمان وڈ ہی جج ایڈوکیٹ جنرل موجود تھے۔ قیدی عدالت میں لایا گیا۔ احسن اللہ خان عدالت میں طلب ہوا اور اسکو پہلے اقرار کی یاددہانی کی گئی۔ اس وقت قیدی نے یہ درخواست کی غلام عباس نامی وکیل کو عدالت میں حاضر ہونے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ عدالت میں قیدی کی جانب سے پیروی کرے۔ اس درخواست

روئداد مقدمہ سے مکمل ہو۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ بعض تحریرات غیر لے پردہ ثبوت کے پیش کی جائینگی جو اُن اشخاص سے دستیاب ہوئی ہیں جنکے نام وہ منسوب تھیں۔ ایسی صورتوں میں عدالت تحقیقات کامل نہایت ضروری سمجھے گی۔ اور یہ کہ تحقیقات اُس وقت تک کامل ہوگی کہ شہادت ذات خود قابل لحاظ ہو۔ مگر محض اس وجہ سے کہ غیر ضروری اظہار لیئے جائینگے یا مسطور کردیجائے۔ عدالت اُن مشکلات کو یاد کریگی جو اُن تحریرات کے ثابت کرنے میں جو مصنف کی قلم ہونگی پیش آئیں گی۔ جس کے پاس اس وقت کسی بات کے تسلیم نکرنے کی قوی وجوہ ہیں جن کا تعلق قیدی سے ہو۔ میں زبانی شہادت کا بڑھانا ضروری نہیں سمجھتا میں اس بات کی کوشش کرونگا کہ جو شہادت حاصل کیجائے وہ نہایت معتبر ذریعہ سے ہو۔ مگر تاہم یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قریب قریب ہر ہندوستانی جن کو میں بطور شہادت اِس عدالت میں پیش کرونگا اپنے افسانہ کو اور نیز اُن حالات کو جو وہ بیان کرتا ہے کا کچھ اس رنگ سے ادا کریگا کہ غدر اور بلوۂ اُن وسیع اور مسلّہ واقعات کے مناسب ہو جائیں جو ہمیں پہلے سے معلوم ہیں۔ میں تحریری ثبوت سے ابتدا کرونگا اور قیدی اور دیگر اشخاص حصص سے بلوہ میں شرکت کی تھی انکی تحریروں کے ثابت کرنے کے لیئے اپنا پہلا گواہ پیش کرونگا

پہلا گواہ احسن اللہ خاں شاہی حکیم عدالت میں طلب ہوا اور اُس سے اقرار لیا گیا اظہار بذریعہ جج ایڈوکیٹ۔ کاغذات مشتعر قاب نمبری ۲ و ۳ و ۴ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۹ و ۲۰ و ۲۱ و ۲۲ و ۲۴ و ۲۷ و ۳۰ و ۳۳ و ۳۹ و ۴۰ و ۴۱ و ۴۳ و ۴۴ و ۴۸ و ۵۰ و ۵۲ و ۵۳ و ۵۴ گواہ کو دکھلائے گئے جس کا بیان ہے کہ ہر ایک کاغذ کی پیشانی پر احکامات قیدی کی قلم کے ہیں۔ ذیل کے نمبر ۶ و ۱۵ و ۱۸ و ۲۵ و ۲۶ و ۲۷ و ۳۲ و ۳۵ و ۴۶ و ۵۴ بھی گواہ کو دکھائے گئے۔ اُس نے خاص مہر کو شناخت کیا کہ قیدی ہی کے ہاتھ کی لگائی ہوئی ہے۔

دہلی بنام میجر جنرل پینی- سی- بی- کمانڈنگ افواج جنگ دہلی کے مندرجہ خلاصوں سے یہ ظاہر ہو جائیگا کہ عدالت فیصلہ آخری نہ تھے اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ میجر جنرل ولسن نے قیدی کی زندگی کی ضمانت کر لی ہے اور وہ حکم قید کی حالت میں بھی روک دیا گیا ہے۔

مسٹر سانڈرس کی چٹھی حسب ہدایت سر جان لارنس چیف کمشنر پنجاب لکھی گئی ہے جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

"ساتھ ہی مجھے تمکو اس بات سے مطلع کرنا ہے- چونکہ کپتان ہوڈسن نے حسب ہدایت میجر جنرل ولسن بادشاہ سے انکی زندگی کی ضمانت کر لی ہے لہذا فوجی کمیشن کو لائق نہیں ہے کہ اس پر کوئی حکم آخری دے- خواہ انکی تحقیقات کا نتیجہ قید ہی کیوں نہ ہو"

"تحریری ثبوت جو مجھے اس مقدمہ کے متعلق ملے ہیں وہ بھیجتا ہوں اور بغرض بار ثانی الضمیر کے بر لانے میں شاہدوں کی حاضری وغیرہ کے لیئے جو کچھ میرے اختیار میں ہے اس سے مدد دینے کے لیے ہر وقت تیار ہوں"

میں نے ان دو تحریرات کا ترجمہ باحتیاط مسٹر جیمس مرفی ڈپٹی کلکٹر رسوم دہلی سے جو بڑا زبان دان شخص ہے کرایا ہے اور اگر آپ منظور کریں تو انکی خدمات بطور ترجمان آپ کے تصرف میں دیجا سکتی ہیں۔

تحریری ثبوت بکثرت تھے اور انکو سریع الفہم کرنے کے لیئے پانچ مختلف مدات میں ترتیب دیدیا ہے- یعنی (اول) کاغذات متفرق (دوم) متعلقہ قرضہ (سوم) متعلقہ تنخواہ سپاہیان (چہارم) متعلقہ کل معاملات جنگی (پنجم) متعلقہ قتل جس کا خاص حوالہ الزام چہارم میں ہے۔

ان تحریرات کا بڑا حصہ وہ ہے جس پر گمان کیا جاتا ہے کہ قیدی کے خاص قلم کے احکامات تحریر ہیں اور جنکی بابت شہادت لیجائیگی- دیگر کاغذات کی قسمت اس طرح قائم کی جائیگی جیسا کہ

بادشاہ وشہنشاہ ہند مشہور و ظاہر کیا اور دغابازی سے شہر دہلی پر بے ضابطہ قبضہ کرلیا اور علاوہ ازیں ۱۰ مئی و یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیانی زمانہ میں مختلف اوقات پر شل ہمکراموں کے مرزا مغل و محمد بخت خاں صوبہ دار رجمنٹ توپخانہ اور مختلف دیگر نامعلوم مفسد برداروں کے ساتھ سلطنت کے برخلاف سرکشی کرنے اور لڑائی لڑنے میں مصلاً سازش و مشورہ اور اتفاق کیا اور بہ سلطنت برطانیہ ہند کے انہدام اور غارت کرنے اور اپنے مفسدانہ مقصود کے پورے کرنے کے لئے مسلح فوج کو جمع کیا اور سلطنت برطانیہ مذکور کے خلاف لڑنے کے لئے روانہ کیا۔

دہم یہ کہ ۱۶ مئی ۱۸۵۷ء یا کسی قریب کی تاریخ پر مقام دہلی قلعہ کی چار دیواری کے اندر ۴۹ آدمیوں کو قتل کرادیا اور قتل میں مدد دی جن میں خاصکر انگریزی عورتیں و بچے و دو علے انگریز شامل تھے اور مزید براں ۱۰ مئی و یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیانی زمانہ میں مختلف سپاہیوں اور دیگر اشخاص کو انگریزی افسروں اور دیگر انگریزی رعایا کو جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے قتل کرنے کی جرأت دی اور اعانت کی اور اس کام کے لئے قاتلوں کو مارست ترقی و خطابات دیئے۔ اور وعدہ کیا۔ اور یہ کہ ہندوستان کے مختلف خودمختار دیسی رئیسوں کو احکامات بھی دیئے کہ عیسائیوں اور انگریزوں کو اپنے حدود اور علاقوں میں جب اور جہاں پائیں قتل کردیں۔ یہ عمل کل یا اس کا کوئی جزو ہندوستان کی قانونی کونسل کے ایکٹ ۱۶ مصدرہ ۱۸۵۷ء کے مطابق جرم عظیم ہے۔

دستخط۔ ایف۔ جے۔ ہیریٹ میجر

ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل و وکیل سرکار

(سوال) محمد بہادر شاہ جو الزامات تمہارے برخلاف قائم کیے ہیں تم اسکے مجرم ہو یا نہیں؟

کئے اور سنائے گئے۔

اُن افسروں کے نام جو عدالت میں کام کرنے کے لیئے مقرر ہوئے تھے قیدی کو سنائے گئے

طلب دعویٰ

سوال عدالت (خطاب بہ قیدی بادشاہ) تمھیں پریسیڈنٹ یا کسی اور افسر کے جو فوجی کمیشن میں اجلاس کریگا۔ اپنے مقدمہ میں سماعت کرنے پر کچھ عذر ہے۔

جواب ۔ نہیں۔

پریسیڈنٹ و ممبران و ترجمان و ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل نے حلف اُٹھایا۔ کل گواہوں کو باہر کر دیا۔ الزامات پڑھے گئے اور حسب ذیل درج مثل ہوئے۔

الزامات

(۱) باوجود سلطنت برطانیہ ہند کا پنشن خوار ہونیکے، امئی و یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیانی زمانہ میں مختلف اوقات پر اُس نے محمد بخت خاں توپخانہ کی رجمنٹ کے صوبہ دار و مختلف اشخاص والیسٹ انڈیا کمپنی کی فوج کے ہندوستانی کمیشن افسروں اور نامعلوم سپاہیوں کو سلطنت کے خلاف غدر و بلوہ کرنے میں جرأت و امداد دی اور اعانت کی۔

(۲) ۱۰ و یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیانی زمانہ میں مختلف اوقات پر بمقام دہلی اپنے بیٹے مرزا مغل رعیت و حکومت برطانیہ ہند اور دیگر نامعلوم اشخاص باشندگان دہلی و صوبہ ممالک مغربی و شمالی ہند کو جو نیز حکومت برطانیہ مذکور کی رعایا تھے سلطنت کے خلاف بلوہ کرنے اور لڑنے میں جرأت و امداد دی و اعانت کی۔

(۳) درصورت رعایا برحکومت برطانیہ ہند ہونے کے حق اطاعت کا خیال نہ کیا اور بمقام دہلی ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء یا اسکے قریب کی کسی تاریخ میں سلطنت سے نمکحرامی کر کے اپنے تئیں

چوتھا باب

مقدمہ بہادر شاہ شاہ دہلی

انگریزی فوجی کمیشن کی کارروائی

جو تاریخ ۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء کو مقام دہلی بحکم میجر جنرل پینی سی۔ بی۔ کمانڈنگ افسر قسمت حسب الہدایت سرجان لارنس چیف کمشنر پنجاب اس غرض سے منعقد ہوئی تھی کہ اس قسم کے جو تبدیلی حاضر ہوں اسکے اظہار لیئے جائیں۔

پریسیڈنٹ

لفٹنٹ کرنیل ڈاس۔ توپخانہ

ممبران

میجر پامر۔ شاہی نمبر ۶ توپخانہ۔ میجر ریڈمنڈ شاہی نمبر ۶۱ رجمنٹ

میجر سائر۔ شاہی نمبر ۶ قرابین سوار۔ کپتان رو تھنی نمبر ۴ سکھ پیدل۔

ترجمان۔ مسٹر جیمس مرفی۔

وکیل سرکار۔ میجر الیف۔ جے۔ ہیریٹ۔ ڈپٹی۔ جج ایڈووکیٹ جنرل۔

(پہلے دن کی کارروائی)

۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء کو دن کے گیارہ بجے قلعہ دہلی کے دربار خاص میں اجلاس منعقد ہوا پریسیڈنٹ ممبران و ترجمان و ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل موجود تھے۔ عدالت قائم کرنے اور منعقد کرنے اور لفٹنٹ کرنل ڈاس توپخانہ کے پریسیڈنٹ مقرر کرنے کے بعد احکام پیش

ملے جنھوں نے تین انگریزی سپاہیوں کو زخمی کر دیا اور بھاگ گئے اسی تاریخ لاہوری دروازہ پر بھی قبضہ ہوا باغیوں نے اجمیری دروازہ اور آس پاس کے موچوں کو خالی کر دیا اسی تاریخ دلی میں بھاگڑ مچی اور غول کے غول عورتوں اور مردوں کے باہر نکلنے لگے۔ پھر باغیوں نے اپنے لشکرگاہ میں ایک میگزین اڑا دیا اسی تاریخ ۲۰ ستمبر انگریزی فوج نے جامع مسجد پر بھی قبضہ کر لیا۔ سات توپیں قلعہ کے دروازے پر پڑی ہوئی ہاتھ لگیں ۲۱ تاریخ کو یہ معلوم ہوا کہ بہادر شاہ نے ہمایوں کے مقبرے میں پناہ لی ہے چنانچہ میجر ہاڈسن بہادر شاہ کے پاس پہنچے اور ان سے گفتگو ہوئی بہادر شاہ نے اس شرط پر اپنے کو سپرد کیا کہ مجھے میری بیوی زینت محل اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے میجر موصوف نے یہ شرط قبول کر لی اور بادشاہ کو مع جواں بخت اور زینت محل کے گرفتار کر کے لال قلعہ میں لائے ۲۲ تاریخ کو بہادر شاہ کے دو بیٹے اور ایک پوتا ہمایوں کے مقبرے سے گرفتار ہو کے لال قلعہ آ رہے تھے کہ مقدمہ کی کارروائی میں شریک کیا جائے مگر راستے میں جو لوگوں کا جوش دیکھا تو میجر ہاڈسن نے ان تینوں کو اپنے ہاتھ سے گولیاں مار دیں ۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء سے جنگی افسروں کے اجلاس اور خاص دیوان خاص میں بہادر شاہ کے مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی جس مقدمہ میں بہادر شاہ کو مفسد اور قاتل قرار دیا گیا اور انھیں مع انکی دو بیبیوں اور شاہزادہ جواں بخت کے رنگون بھیج دیا گیا جہاں وہ ۷ ویں نومبر ۱۸۶۲ء میں نواسی سال کے ہو کے انتقال کر گئے فقط
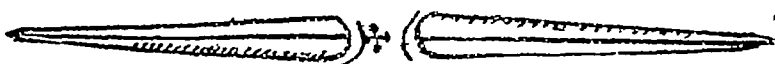
گولے مارے جائیں تو دیواریں آن پڑینگی۔ اس عرصہ میں انگریزی سپاہ چاندنی چوک میں داخل
ہوگئی یکایک یہ خبر پہنچی کہ تیلی واڑہ اور کشن گنج خالی کر کے باغی بھاگ گئے مگر سخت افسوس
ہے کہ برگیڈیر نکلسن فتح دہلی کے وقت ایسا سخت زخمی ہوا کہ پھر جانبر نہ ہو سکا اس کے
بعد رفتہ رفتہ انگریزی فوج نے شہر کے دوسرے حصوں پر قبضہ کر لیا اور ۱۷ ستمبر کو دہلی
بنک میں ایک فوجی چوکی قائم کردی نامرد باغی عورتوں کا بھیس بدل بدل کے شہر سے بھاگنے
لگے چنانچہ تین مفسد کشمیری دروازہ پر عورتوں کے لباس میں گولی مار دیئے گئے ۱۸ تاریخ کی تمام
شب قلعہ پر گولہ باری ہوتی رہی اور انگریزی فوج کے ہاتھ باغیوں کی ۵ ہزار توپیں لگیں جب کیفیت
ہوئی تو بہادر شاہ نے انگریزوں کے پاس آنا چاہا لیکن اُس کے مصاحبین نے انھیں روک دیا
اُسوقت شہر میں ہر شے گراں ہو رہی تھی چنانچہ آٹا روپیہ کا دو سیر بک رہا تھا ۱۸ تاریخ تک
کوئی ایسا اچھا مقام انگریزی فوج کے ہاتھ نہ لگا کہ وہاں سے وہ قلعہ کی دیواروں کو توڑ سکتی
اس سمی سلیم گڈھ سے انگریزی فوجوں پر گولے مارے جارہے تھے ۱۹ تاریخ کو شام کے وقت
محل کا دہلی دروازہ کھولا گیا اور وہاں سے بہت سی گاڑیاں جن پر چادریں پڑی ہوئی تھیں
قلعہ کے باہر جاتی معلوم ہوئیں مگر ۱۹ ستمبر تک بہادر شاہ کے متعلق کوئی خبر نہیں آئی۔ اسی
تاریخ بہت دھواں دھار پانی برسا جس سے موسم میں خنکی پیدا ہوگئی۔ اسی اثنا میں کچھ سکھوں
کی فوج انگریزی مدد کے لیئے پہنچ گئی ۲۰ تاریخ کو انگریز لال قلعہ کے اتنے قریب ہوگئے کہ صرف
۴۰ گز کا فاصلہ رہ گیا محل اور سلیم گڈھ بالکل خالی ہو چکا تھا تیسرے پہر کو یہ خبر آئی کہ بہادر شاہ
نظام الدین پہنچ گئے ہیں اور انگریزوں نے ۲۰ ستمبر کو پورے شہر اور قلعہ پر قبضہ کر لیا اس
تاریخ تک ٹھیک طور پر یہ معلوم نہیں تھا کہ آیا بہادر شاہ نے ہمایوں کے مقبرے میں پناہ لی
ہے یا نظام الدین میں جس وقت انگریز قلعہ میں داخل ہوئے ہیں صرف ۲۲ آدمی وہاں پہنچے ہوئے

چونکہ نمک حرام اور باغی کبھی سرسبز نہیں ہوتے اسی لیے ۱۸۵۷ء کی انگریزی باغی فوج کو بھی پے در پے شکست ملی۔ جو کچھ انھوں نے معصوم بچوں اور میموں پر ظلم کیے وہ انکے آگے آگئے۔ ناظرین! پہاڑی کی لڑائی کی کیفیت گزشتہ صفحوں میں پڑھ چکے ہیں اب ہم دہلی کے حملہ اور فتح کی مختصر کیفیت لکھتے ہیں اور پھر بہادر شاہ کے مقدمہ کے حالات لکھیں گے۔ انگریزی فوج باغیوں کو شکست دیتی ہوئی شہر کے قریب چلی آ رہی تھی یہانتک کہ وہ ۱۴ ستمبر ڈھائی بجے دہلی کے گرجہ میں پہنچ گئی اور پھر کشمیری دروازہ کابلی اور موری دروازہ اور اسکنر کے مکان اور کالج پر قابض ہوگئی۔ یہ دیکھکے باغی فوج شہر سے نکلکے بھاگنے لگی۔ اس کے بعد تین بجے سپہ سالار اور اُس کا گروہ لڈلو کیسل روانہ ہوا۔ اور اب اس بات کا انتظار ہونے لگا کہ آفتاب نکلنے سے پہلے شہر پر حملہ کر دیا جائے چنانچہ وقت مقررہ پر حملہ کیا گیا جس میں انگریزی فوج کا سخت نقصان ہوا اسکی نسبت جنرل ولیس نے اپنی بیوی کو دس بجے دن کے ایک خط لکھ کے بھیجا جس کا خلاصہ یہ ہے "جنگ بہت سختی سے جاری ہے ہماری فوج بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی ہے بہت سے زبردست مقامات ابھی لینے ہیں غالباً بادشاہ کے آگے محل کے قریب بڑی بھاری جنگ ہوگی۔ غرض اس خطرناک جنگ کے بعد انگریزی فوج شہر میں داخل ہوئی اور محل سلیم گڈھ اور شہر کے خاص مقاموں پر گولہ باری شروع کی باغی خوب قدم جما کر لڑے اور انگریزی فوج کا بہت سخت نقصان ہوا بالخصوص افسر بہت کام آئے لیکن اس پر بھی فتحمندی انگریزوں ہی کے نام رہی۔ تمام باغی ریواڑی کی طرف بھاگ گئے۔ انگریزوں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اگر لال قلعہ خالی نہ کر دیا گیا تو اسکی شہر پناہ گولوں سے منہدم کر دیجائیگی۔ یہ حساب لگا لیا گیا تھا کہ اگر بیس گھنٹے لگاتار قلعہ کی دیواروں پر

متفق ہو تو بہت آسانی سے انگریزوں کو غارت کر کے اپنے ملک اور ایمان کو بچا سکتے ہیں۔ چونکہ تم سب ہندو و مسلمانوں کی بھلائی پیش نظر ہے اور انگریز دونوں فرقوں کے دشمن ہیں لہذا صرف تمھارے مذہب کی حمایت کا پاس و خیال کر کے اور بنظر اندفاع اعدا دین مدینہ اس فرمان مطبوعہ کے اعلان کیا جاتا ہے کہ اہل ہنود کو گنگا جی اور تلسی اور سالگرام کی قسم ہے اور مسلمانوں کو قرآن کی قسم ہے کہ وہ بلا تعاق شامل ہو کر اپنی جان اور ایمان کی حفاظت کے واسطے انگریزوں کا قتل اپنے ذمہ فرض سمجھیں۔ اور چونکہ گائے کے ذبح کرنے میں ہندوؤں کے مذہب کی اہانت ہے مدیں نظر روسا اہل اسلام نے یہ عہد و پیمان کیا ہے کہ اگر ہنود قتل عیسائیاں میں گرمجوش اور مسلمانوں کے شامل حال ہونگے تو اسی روز سے گائے اور بیل کا ذبح ہونا موقوف ہو جائیگا اور بعد اس کے اگر کوئی مسلمان اس عہد پر کاربند ہوگا تو وہ پیرو قرآن نہ سمجھا جاویگا اور جو مسلمان کہ گائے کا گوشت کھائیگا وہ اسکو سور کے گوشت کی برابر ہوگا اور اگر اہل ہنود قتل عیسائیاں اور فرنگیاں میں کمر بستہ و آمادہ ہونگے تو وہ خدا کی نظر میں اتنے ہی گنہگار ہونگے جیسا کہ مسلمانوں نے گائے ذبح کی یا اس کا گوشت کھایا شاید اہل فرنگ بھی اپنی مطلب براری کے واسطے ہندوؤں سے بحلف ایسا ہی اقرار کرینگے۔ لیکن کوئی عقلمند اس دام فریب میں نہ آئیگا کیونکہ اقراران اہل فرنگ کے ہمیشہ مملو فریب ہوتے ہیں اور جہاں ان کا ایک مرتبہ مطلب نکل آیا پھر وہ فوراً اپنے عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھدیتے ہیں اور ہر غریب و امیر ہندو پر روشن اور ہویدا ہے کہ فریب ان انگریزوں کی عادت حسنی ہے اور ہمیشہ دغابازی ان کا شعار ہے اسی واسطے انگریزوں کے کہنے پر کبھی یقین لاؤ اور یقین واثق جانو کہ پھر کبھی ایسا موقع جو فی الحال موجود ہے ہاتھ نہ آئیگا۔ فقط یہ فرمان مولوی سید قطب شاہ صاحب کے اہتمام سے مطبع بہادری واقع شہر بریلی میں طبع ہوا۔

انھوں نے اپنا ایمان کھویا۔ جب یہ تدبیر انگریزوں کی اچھی طرح نہ چلی تو انھوں نے آٹے اور شکر میں ہڈیاں پسوا کر ملوائیں تاکہ لوگ اُن کو بلا کسی ظن اور شبہ کے کھا کے اپنا ایمان کھویں اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے استخوان اور گوشت کے چاولوں کے ساتھ ملوا کر اُنکو سر بازار بکوایا۔ علاوہ اسکے انھوں نے پھر ایک تدبیر ایسی کی جس سے ہمارے مذاہب غارت ہوں انجام کار بعض بنگالیوں نے بعد غور یہ امر قرار دیا کہ اگر ابتدا ازاہل فوج اس معاملہ میں پیرو رسلے انگریزوں کے ہو جاویں تو فرقہ بنگالیان بھی اُنھیں کے مطابق کاربند ہوگا انگریزوں نے اس تدبیر کو بہت پسند کیا اور بے اندیشہ اس مثل کے کہ چاہ کندہ را چاہ در پیش آید برہمنان اور افضل قوم کے لوگوں کو اُن کارتوسوں کے کاٹنے کا جنکے بنانے میں چربی لگی تھی حکم دیا تھا۔ اس حالت میں اگرچہ مسلمان سپاہیوں نے خیال کیا کہ ان کارتوسوں کے کاٹنے سے مذاہب ہنود کا صرف جاتا رہیگا لیکن تاہم انھوں نے اسکے کاٹنے سے انکار کیا۔ تب اُن سپاہیوں کو جنھوں نے کارتوس کاٹنے سے انکار کیا تھا انگریزوں نے توپ سے اُڑا دیا۔ یہ ظلم شدید دیکھکر سپاہ نے انگریزوں کا قتل شروع کیا اور جہاں کہیں فرنگی کو پایا مار ڈالا اور بفضل ایزدی اور امداد ضروری بالفعل اُن تدابیر میں مشغول ہیں جن سے کہ چند انگریز جو کہیں کہیں باقی رہ گئے ہیں وہ بھی نیست و نابود ہو جاویں اور ہمارا یقین واثق ہے کہ اگر اب انگریز ملک ہندوستان میں رہیں گے تو کُل اس مُلک کے آدمیوں کو مار ڈالیں گے اور ہمارے مذہبوں کو مٹا دینگے۔ ہرچند بعض آدمی ہمارے ملک کے اب بھی انگریزوں سے موافقت رکھتے ہیں بلکہ اُنکی طرف سے لڑتے بھڑتے ہیں اُنکے حال پر جو کچھ بھی غور کیا گیا تو یہی ظاہر ہوا ہے کہ انگریز نہ اُن کا مذہب چھوڑیں گے اور نہ تم سب کا پس اس صورت میں ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ تم نے اپنے ایمان اور جان کی سلامتی کے واسطے کیا تدبیر کی ہے۔ اگر ہماری اور تم سب کی رائے

مذہب میں زحمانداری کریں غارت کرو اور جو اشخاص کہ تم میں سے صاحب طاقت ہیں
اُن کو ضرور ہے کہ وہ اُن لوگوں کو جو تمہارے مذہب کو بگاڑا چاہتے ہیں نیست و نابود کریں-
اور جو اتنی قدرت نہیں رکھتے وہ بدل و جان ایسی تدبیروں میں مشغول رہیں جن سے
اُنکے مذہب کے دشمنوں کی پائمالی ہو اور یہ تمہارے عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مذہب
بدلنے سے مر جانا بہتر ہے اور واقع میں یہی حکم خداوند تعالی کا بھی ہے جو خاص و عام پر روشن
ہے- انگریز جملہ مذاہب کو غارت کیا چاہتے ہیں اور ہندوستانیوں کے تحلل مذاہب کیواسطے
اُنھوں نے ایک مدت سے بہت سی کتابیں لکھواکر اپنے پادریوں کے ہاتھ سے سب ملک میں
تقسیم کرائی ہیں اور پادریوں کو ملواکر اپنے مقولوں کا اعلان کیا ہے سمجھنے کی بات ہے کہ
انگریزوں نے کیا کیا تدبیریں واسطے غارتی ہمارے مذاہب کے کی ہیں- اوّل یہ کہ جب
ایک مرد مر جاوے تو وہ دوبارہ شادی کرے- دوسرے یہ کہ ستی ہونیکی ایک رسم بہت قدیم
تھی جس کو انگریزوں نے اپنے قوانین کی رو سے موقوف کیا- تیسرے یہ کہ اُنھوں نے تمام
خلقت کو علانیہ سمجھایا کہ اگر وہ اُن کا مذہب قبول کرینگے تو سرکار میں اُنکی توقیر ہوگی- اور یہ
بھی ہدایت کی کہ تم عیسائی کلیساؤں میں جاکر وعظ سنو- علاوہ اسکے اُنھوں نے یہ حکم قطعی
دیا ہے کہ صرف حقیقی اولاد راجگان و رئیسان ہند کی مسند نشیں ہوگی اور گود لی ہوئی اولاد
کا کچھ حق نہ ہوگا حالانکہ از روئے شاستر دس طرح کے مختلف وارث قرار پاسکتے ہیں- اس تدبیر سے اُن کا مطلب خاص یہ ہے کہ وہ اخیر کو تمہاری ریاستیں اور جاگیریں
چھین لیں جیسا کہ اُنھوں نے بھی زمانہ ریاست ہائے لکھنؤ اور ناگپور میں عمل کیا تھا اور یہ
ایک اور تدبیر اُنھوں نے یہ کی کہ قیدیاں جیلخانہ کو جنہوں نے روٹیوں کے کھانے کا حکم دیا
اکثر قیدیوں نے یہ امر قبول نہ کیا بھوکے رہ گئے اور بعضوں نے لاچار ہوکر روٹی کھانا قبول کیا

یعنی قائم مقام سپہ سالار ہند نے فوج دہلی کی کمان اپنے ہاتھ میں خود لی۔ ۷ تاریخ کو کوئی تازہ امر نہ ہوا اور لڑائی نہ ہونے سے بیچاری تھکی ہوئی فوج کو بہت آرام ملا اسی روز سے لشکر میں جنرل صاحب متوفی اور آنریبل جارج اینسن صاحب بہادر کمانڈر انچیف کے اسباب کا نیلام شروع ہوا کئی روز تک نیلام جاری رہا اور چیزیں بہت گراں فروخت ہوئیں۔ آٹھ روز برابر گزر گئے اور دشمنوں نے کوئی حملہ نہ کیا اس کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اگرچہ اس کے متعلق سینکڑوں افواہیں کیمپ میں اُڑتی تھیں لیکن اصلیت معلوم ہونی مشکل تھی۔ ۸ جولائی کو بھی خونریزی نہیں ہوئی البتہ طرفین سے مورچوں پر سے گولہ اندازی رہی اور انگریزی گولہ اندازوں نے ایسے نشانے مارے کہ ایک بڑی توپ کو جو لاہوری دروازہ شہر پر چڑھ رہی تھی بیکار کر دیا۔

اسی اثنار میں بہادر شاہ کے نام سے ایک فرمان جاری ہوا جو بریلی کا چھپا ہوا تھا سمجھ میں نہیں آتا کہ جب دہلی میں چھاپے خانے موجود تھے پھر بریلی میں یہ فرمان کیوں چھپوایا گیا۔ بہر حال وہ فرمان یہ ہے۔

فرمان شاہ دہلی بنام راجگان و رئیسان و رعایائے ہند

جمیع راجگان و روسائے ہند پر واضح و لائح ہو کہ تم بہمہ جوہ نیکی اور نیک خصلتی اور فیاضی میں مشتہر الدہر و العوام ہو اور تمہارے حسن حمایت طرز اور فہم و درایت سے مذاہب ہندوستان کی اعانت ہے لہذا از راہ خیر اندیشی تمہارے تم کو ہدایت ہوتی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تم کو اپنے مختلف مذاہب کے قائم کرنے کے واسطے پیدا کیا ہے اور تم پر فرض ہے کہ اپنے عقائد اور قوانین مذہبی کو بخوبی درست جانو اور اُن پر ثابت قدم رہو کیونکہ خدائے تعالیٰ نے تم کو یہ مرتبۂ عالی اور ملک و دولت اور حکومت اس واسطے بخشی ہے کہ تم اُن لوگوں کو جو تمہارے

مذہب میں ازحد امداد کریں حمایت کرو اور جو اشخاص کہ تم میں سے صاحب طاقت ہیں
اُن کو ضرور ہے کہ وہ اُن لوگوں کو جو تمہارے مذہب کو بگاڑا چاہتے ہیں نیست و نابود کریں۔
اور جو اتنی قدرت نہیں رکھتے وہ دل و جان ایسی تدبیروں میں مشغول رہیں جس سے
آپکے مذہب کے دشمنوں کی پائمالی ہو اور یہ تمہارے عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مذہب
بدلنے سے مرجانا بہتر ہے اور واقع میں یہی حکم خداوند تعالی کا بھی ہے جو خاص و عام پر روشن
ہے۔ انگریز جملہ مذاہب کو غارت کیا چاہتے ہیں اور ہندوستانیوں کے تحلل مذاہب کیواسطے
اُنھوں نے ایک مدت سے بہت سی کتابیں لکھوا کر اپنے پادریوں کے ہاتھ سے سب ملکوں میں
تقسیم کرائی ہیں اور پادریوں کو بلوا کر اپنے مقولوں کا اعلان کیا ہے سمجھنے کی بات ہے کہ
انگریزوں نے کیا کیا تدبیریں واسطے غارتی ہمارے مذاہب کے کی ہیں۔ اول یہ کہ جب
ایک بیوہ مرجاوے تو وہ دوبارہ شادی کرے۔ دوسرے یہ کہ ستی ہونیکی ایک رسم بہت قدیم
تھی جس کو انگریزوں نے اپنے قوانین کی رو سے موقوف کیا۔ تیسرے یہ کہ اُنھوں نے تمام
خلقت کو علانیہ سمجھایا کہ اگر وہ اُن کا مذہب قبول کرینگے تو سرکار میں اُنکی توقیر ہوگی۔ اور یہ
بھی ہدایت کی کہ تم عیسائی کلیساؤں میں جاکر وعظ سنو۔ علاوہ اسکے اُنھوں نے یہ حکم قطعی
دیا ہے کہ صرف حقیقی اولاد راجگان و رئیسان ہند کی مسند نشین ہوگی اور گود لی ہوئی اولاد
کا کچھ حق نہ ہوگا حالانکہ از روئے شاستر دس طرح کے مملک وارث فرمایاں سلطنت ہو سکتے
ہیں۔ اس تدبیر سے اُن کا مطلب خاص یہ ہے کہ وہ آخر کو ہماری ریاستیں اور جاگیریں
چھین لیں جیسا کہ اُنھوں نے ہی زمانہ ریاست ہائے لکھنؤ اور ناگپور میں عمل کیا تھا اور یہ
ایک اور تدبیر اُنھوں نے یہ کی کہ قیدیان جیلخانہ کو جبرنکی ملی روٹیوں کے کھانے کا حکم دیا
اکثر قیدیوں نے یہ امر قبول نہ کیا بھوکے مر گئے اور بعضوں نے لاچار ہو کر روٹی کھانا قبول کیا

یعنی قائم مقام سپہ سالار ہند نے فوج دہلی کی کمان اپنے ہاتھ میں خود لی۔ ۷ تاریخ کو کوئی تازہ امر نہ ہوا اور لڑائی نہ ہونے سے بیچاری تھکی ہوئی فوج کو بہت آرام ملا اسی روز سے لشکر میں جنرل صاحب متوفی اور آنریبل جارج اینسن صاحب بہادر کمنڈر انچیف کے اسباب کا نیلام شروع ہوا کئی روز تک نیلام جاری رہا اور چیزیں بہت گراں فروخت ہوئیں۔ آٹھ روز برابر گزر گئے اور دشمنوں نے کوئی حملہ نہ کیا اس کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اگرچہ اس کے متعلق سینکڑوں افواہیں کیمپ میں اُڑتی تھیں۔ لیکن اصلیت معلوم ہونی مشکل تھی۔ ۸ جولائی کو بھی خونریزی نہیں ہوئی البتہ طرفین سے مورچوں پر سے گولہ اندازی رہی اور انگریزی گولندازوں نے ایسے نشانے مارے کہ ایک بڑی توپ کو جو لاہوری دروازہ شہر پر چڑھ رہی تھی بیکار کر دیا

اسی اثنا میں بہادر شاہ کے نام سے ایک فرمان جاری ہوا جو بریلی کا چھپا ہوا تھا سمجھ میں نہیں آتا کہ جب دہلی میں چھاپے خانے موجود تھے پھر بریلی میں یہ فرمان کیوں چھپوایا گیا۔ بہرحال وہ فرمان یہ ہے۔

فرمان شاہ دہلی بنام راجگان و رئیسان و رعایائے ہند

جمیع راجگان و روساء ہند پر واضح و لائح ہو کہ تم بہمہ وجوہ نیکی اور نیک خصلتی اور فیاضی میں مشہور الدہر و العوام ہو اور تمہارے حسن حمایت طرز اور فہم و درایت سے مذاہب ہندوستان کی اعانت ہے لہٰذا از راہ خیر اندیشی تمہارے تم کو ہدایت ہوتی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تم کو اپنے مختلف مذاہب کے قائم کرنے کے واسطے پیدا کیا ہے اور تم پر فرض ہے کہ اپنے عقائد اور قوانین مذہبی کو بخوبی درست جانو اور اُن پر ثابت قدم رہو کیونکہ خدائے تعالیٰ نے تم کو یہ مرتبہ عالی اور ملک و دولت اور حکومت اس واسطے بخشی ہے کہ تم اُن لوگوں کو جو تمہارے

روانہ ہوئی لیکن دشمن کا ارادہ عقب میں جاکر مقابلہ کا نہ معلوم ہوا اس واسطے فوج واپس
چلی آئی۔ پیچھے معلوم ہوا کہ یہ فوج باستمدگاں علی پور کی سزا کے واسطے آئی تھی کیونکہ اہل
دور سے علی پور کے لوگ سرکار انگریزی کے خیر خواہ رہے اور رسد وغیرہ کے پہنچانے میں
سرگرم تھے چنانچہ رات تمام گاؤں کو دشمنوں نے جلا دیا اور لوٹ لیا اور قریب پچاس یا
ساٹھ سکھوں کو جو پہرہ پر تھے مار ڈالا۔ جب صبح کو یہ خبر انگریزی کیمپ میں پہونچی تو فی الفور
انگریزی فوج روانہ ہوئی تاکہ اُن کو دہلی کے اندر جانے سے روکے چنانچہ دو بار باغی کی
فوج پر اس زور انگریزی فوج نے حملہ کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ قریب سو باغیوں کے مارے گئے
اور دو گاڑیاں مملوئہ اسباب جنگ چھین لیں۔ دوسرے روز ۵ جولائی اتوار کے دن ایک
ایسا بڑا حادثہ انگریزی فوج میں پیش آیا جس کا کسی گمان نہ تھا یعنی صبح کے جنرل سر
ہنری برنارڈ صاحب سپہ سالار فوج انگریزی مرض ہیضہ میں مبتلا ہوئے ہر چند علاج
کیا گیا لیکن جانبر نہ ہوئے صرف چھ گھنٹہ بیمار رہے تین بجے سہ پہر کے وقت راہی عالم بقا
ہوئے ان کے مرنے سے لشکر میں ایک سخت ماتم ہوا اگرچہ شدید محنت اور طرح طرح کے افکار
جنگ نے انکی ضعیف عمر پر بہت بڑا اثر کیا تھا لیکن توبھی اس کا کسیکو وہم و گمان بھی نہ تھا۔
بلکہ امید یہی تھی کہ خدا تعالی انکی محنتوں کا اجر دیگا اور فتح دہلی کی عزت انھیں کے ہاتھ رہیگی۔
لیکن تقدیر میں ایسا نہ تھا۔ مرتے وقت اپنے کنبے کی نسبت جو انگلستان میں ہے جنرل صاحب
نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اُس سے کہدیا کہ میں اس جہان سے بہت خوش جاتا ہوں دن کے
صبح کے دوسرے روز جنرل صاحب موصوف دفن ہوئے۔ اسی تاریخ کچھ خزانہ اور اسباب جنگ
جسکو کپتان بروکس صاحب مع تین سو گوروں کے علی پور سے لیے گئے تھے بحفاظت تمام
لشکر میں داخل ہوا اور اس حکم کا اعلان ہوا کہ جنرل ریڈ صاحب بہادر بروڈیل کمنڈر انچیف

میجر ریڈ صاحب نے کپتان صاحب موصوف کے پاس حکم بھیجا کہ جبتک دشمن بہت نزدیک
نہ آجائیں فیر کرنا لازم نہیں اس حکم کے ساتھ ڈیڑھ سو گورے بھی اُنکی مدد کو بھیجدیئے۔ یہ
مٹھی بھر سپاہی تمام رات ہزاروں دشمنوں کے مقابلہ میں اڑا کیئے اور ایک انچہ بھی اپنی جگہ
سے نہ ہٹے۔ جب صبح ہوئی تو دشمنوں نے اور بھی زور باندھا اور اس قلیل فوج انگریزی کے
ہٹانے کے واسطے بڑی بڑی جرأتیں کیں لیکن ایک بھی کام نہ آئی اور آخرکار دوپہر کے
وقت بائیس گھنٹہ کی لڑائی کے بعد کل فوج دشمن پسپا ہوکر شہر میں واپس چلی آئی۔ ۲ تاریخ
صبح کو کوک صاحب کی پنجابی پلٹن رفل انگریزی کیمپ میں پہنچی۔ اس پلٹن کے آنیسے واقع
میں انگریزی فوج کو بڑی مدد ملی۔ اس نے دہلی کے میدان میں بڑی شجاعت دکھائی اسکے
بعد ایک نیا گل کھلا یعنی ۲ جولائی کو ایک سکھ کی وساطت سے اس امر کا افشاء راز ہوا۔ ایک
پنجابی پلٹن میں ایک کمپنی پوربیوں کی بھی تھی جسکے کل آدمی دہلی کے باغیوں سے ملے ہوئے
تھے اُنھوں نے اپنی پلٹن کے سکھوں کو سمجھایا کہ خدا کی مرضی یہ ہے کہ حکومت انگلشیہ
ہندوستان سے اُٹھ جائے اور خاندان مغلیہ کا دوبارہ عروج ہو تم کو چاہیئے کہ انگریزوں کا ساتھ
چھوڑ دو اور جس کو خدا سلطنت دینا چاہتا ہے اُسکے ساتھی ہوجاؤ اور اگر ایسا نکروگے تو فتح
کے بعد بہادر شاہ کے حکم سے ایک سکھ بھی زندہ نرہیگا۔ یہ سُنکر ایک سکھ اپنے انگریزی افسر کے
خیمہ میں چلا گیا اور اس ماجرے سے مطلع کیا۔ فی الفور نمکحرام سرغنہ گرفتار ہوئے اور جنگی
عدالت کے حکم سے تین شخصوں پر جرم سرغنہ بغاوت ثابت ہوا۔ چنانچہ قبل از مغرب اُن کو
پھانسی دیدی گئی اور باقی پوربیوں کی کل کمپنی کو اُن کا حساب بیباق کرکے اور ہتیار لے کے
لشکر سے نکالدیا۔ ۳ جولائی کو باغیوں کی ایک فوج دہلی سے مع کئی ضرب توپ انگریزی لشکر کے
عقب کی طرف جاتی ہوئی معلوم ہوئی۔ یہ دیکھکر خطرہ ہوا فوراً ایک انگریزی فوج مقابلہ کیواسطے

ایک تالاب ہوگیا تھا ہیضہ کے ساتھ ہی بیضہ بھی شروع ہوگیا اور اس تاریخ کو کئی آدمی اس مرض مہلک سے مرگئے۔ ۲۸ تاریخ اتوار کے روز سوائے گولہ باری کے طرفین سے کوئی مقابلہ ہوا اس مہینے کے اخیر دن پھر دشمنوں نے حملہ کیا اور نو بجے سے دو بجے تک لڑائی رہی۔ اور دشمن حسب معمول شکست کھا کے بھاگ گئے۔

ماہ جولائی ۱۸۵۷ء پہلی تاریخ کی صبح کو چار سو سپاہی ۱۱ ویں پلٹن پیادہ گورہ کے انگریزی کیمپ میں پہنچے لیکن اس صورت سے مدد کے مقابل میں اسی روز بریلی کا باغی کیمپ دہلی میں داخل ہوا اور دریائے جمن کے پرلے کنارے پر مقیم ہوا اس میں تین ہزار آدمی مع چھ صرب توپ تھے اور چھ لاکھ روپیہ نقد سرکاری خزانہ کا لوٹ کے لے آئے تھے اس کیمپ میں ۱۸ ویں اور ۱۶ ویں پیادہ پلٹنیں ہندوستانی مع رسالہ سوار تھا متعینہ بریلی تھیں اور ۲۹ ویں پلٹن متعینہ مرادآباد بھی اسکے شامل تھی۔ ۲ کو اس تاریخ میجر ریڈ صاحب حاکم سرمور پلٹن گورکھا نے جسکے زیر حکم جانب راست کا مورچہ سبزی منڈی سے ہندوراؤ کی کوٹھی تک تھا دیکھا کہ دشمن کا ایک اژدہام کثیر اجمیری اور ترکمان دروازوں سے نکل کر میدان میں جمع ہوتا جاتا ہے پھر اپنے عقب میں دیکھا تو وہاں بھی ایک فوج پیادہ اور سوار مع ۱۲ صرب توپ اور عماروں کے مقیم سے معلوم ہوا کہ اس مقام پر ایک ... پہلے سے پہنچی ہوئی ہے یہ دشمنوں کے دونو گروہ عیدگاہ سے ایک میل پر شامل ہو کے آگے بڑھے اور اس وقت اس کثیر تعداد سے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ اگر ایک ایک مٹھی خاک کی بھی اٹھا کر پھینکیں گے تو انگریزی فوج دب جائیگی معرب کے وقت دشمن کی فوج پیادہ قریب دو ہزار کے کشن گنج ہوتی ہوئی داہنی طرف انگریزی کے چلی ... اخیر تک سبزی منڈی کے آگے ہو کے ایک شوالہ تھا جہاں کی ایک سپاہی پہچانی سپاہی کا پہرہ کپتان برونس صاحب کے زیر حکم رہتا تھا۔ دشمنوں نے فوج کو آتے دیکھ کے

اُسی روز اُن کو فتح کامل نصیب ہوگی۔ علی الصباح ۲۳ تاریخ منگل کے روز چھ ہزار سے زیادہ
فوج سرکش دہلی سے نکلی اُسی وقت لشکر انگریزی سے بھی مورچوں پر فوج اور میدانی توپیں
روانہ ہوئیں اور توپ اندازی شروع ہوئی۔ دشمن سبزی منڈی کی طرف آکے پھیل گئے۔
اُنکے مقابلہ کے لیئے انگریزی فوج بڑھی ایک معرکہ عظیم پیش آیا۔ ا ا بجے کے قریب ۷۵
ویں پلٹن کے سو گورہ زیر حکم کپتان بروکس صاحب اور ۴ کمپنیاں ولایتی دوم بنگال
فیوزی لیرز کی مع چھ ضرب توپ اور کچھ فوج پنجابی میدان میں آئی اور جنگ شروع ہوئی۔
اُس وقت اسقدر سخت مقابلہ ہو رہا تھا کہ الاماں۔ جب سخت لڑائی ہوتے ہوتے چار بج گئے
اُس وقت رفل اور گورکھا اور گارڈ کور کی پلٹنوں کو حکم ہوا کہ اب یکایک حملہ کرکے سبزی منڈی
کو لے لینا چاہیئے۔ باوجودیکہ ا ا گھنٹہ دھوپ میں لڑتے ہوئے ہو چکے تھے اور کسی نے ایک
لقمہ تک نکھایا تھا مگر حکم ہوتے ہی دشمنوں پر جا پڑے اور اُنکو پریشان کر دیا۔ جب میدان میں
تلنگوں کی کچھ پیش نہ چلی تو منڈی کے مکانوں کی چھت پر پناہ لیکے لڑنے لگے لیکن باوجود
اس آڑ کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور حسب دستور شہر میں بھاگ گئے۔ اگرچہ اس روز فتح
بہت بڑی ہوئی لیکن جانوں کا نقصان بھی بہت ہوا۔ اُس دن سے سبزی منڈی انگریزی
قبضہ میں آگئی پھر وہنی طرف کا انگریزی مورچہ اُس جگہ قائم کیا گیا۔ ۲۴ تاریخ کو جانب راست
ایک خفیف مقابلہ ہوا لیکن طرفین کا کچھ نقصان نہ ہوا۔ اس روز مشہور و معروف برگیڈیر جنرل
چیمبرلین صاحب انگریزی فوج میں پہنچے۔ ان سے انگریزی فوج کو نہایت تقویت حاصل
ہوئی۔ ۲۶ تاریخ کو کوئی امر تازہ وقوع میں نہیں آیا۔ ۲۷ تاریخ کو دشمنوں نے پھر دونوں
طرف سے سخت حملہ کیا اور چھ بجے صبح سے ۲ بجے تک لڑائی جاری رہی آخیر پھر وہی ہوا۔ جو
اب تک ہوتا چلا آیا تھا۔ اِس تاریخ سے برسات شروع ہوگئی اور خوب مینہ برسا۔ تمام لشکر گویا

اور ایک تس رسالہ بہم ولایتی بمعالہ سرداراں روانہ ہوئے ٹھیک عقب میں لشکر انگریزی تھا۔
شمال اور مغرب کی جانب مبارک باغ سے ایک میل پیچھے دشمن کو مقیم پایا۔ مدد کو موج اپنچ
آتشی اور لڑائی کا بازار گرم ہوا ٹھیک شام کے وقت دشمنوں نے بڑی عقلمندی اور چالاکی
کے ساتھ توپیں معرکہ کی شروع کیں اور قریب تھا کہ ہار کی انگریزی فوج کو شکست دیکر دونوں
توپوں پر قبضہ کریں لیکن برگیڈیر صاحب نے یکبارگی حملہ کا حکم دیا اور حملہ ہوتے ہی باغیوں
کے پیر ہٹے اور انگریزی فوج نے ان کو بھگا کے شہر کے اندر کر دیا اس شام کو پول صاحب
کرنیل نویں رسالہ گوروں کے مارے گئے۔ لفٹنٹ الگزنڈر صاحب بھی قتل ہوئے اور ڈولی
صاحب خاکی پلٹن کے کپتان مع اور چھ افسروں کے زخمی ہوئے۔ اس دن کی لڑائی میں
کل ۱۹ آدمی مارے گئے اور ستتر زخمی ہوئے اور ساٹھ گھوڑے مارے گئے۔ تیں سپاہیوں میں سے
دو ولایتی اور ایک ہندوستانی مسمی طاس ہیں کاک او خاں پرسل اور رو پرجان نے بڑی شجاعت
میدان جنگ میں ظاہر کی اگرچہ ۱۹ کو دشمنوں نے شکست کھائی اسم رات کو انھوں نے میدان
بالکل خالی کیا تھا لوں رات انکو شہر سے مدد اور پہنچی اور قریب دس بجے صبح کے انھوں نے
انگریزی فوج کے پیچھے سے گولہ اندازی شروع کی اول گورجرل صاحب کے اور چھاؤنی میں انکے
پڑاو ستوں کا نقصان ہوا اور ایک دستہ ، دیں پلٹن گورہ کا اور کل پلٹنیں اول
اور دوم بنگال فیوزیلیر گورہ مع توپخانہ و سوار دشمنوں کے مقابلہ کو روانہ ہوئے مقابلہ
ہوتے ہی دشمن حسب عادت بھاگے انکی دو توپیں اور تین گاڑیاں اساب کی ہاتھ لگیں
۲۱۔ اور ۲۲ تاریخ کو کوئی تازہ واقعہ نہیں ہوا۔ ہاں یہ کہ طرفین سے مورچہ کی توپیں سرہوتی رہیں
۲۳ جون کو مخبروں نے خبر دی کہ اس روز باغیوں نے ساعت نیک دیکھ کے مصمم ارادہ کرلیا
ہے کہ کل ہندو مسلمان جمع ہوکے انگریزوں کو نیست و نابود کردیں اور انکو یقین کامل ہے کہ

اس کوٹھی کو سرکشوں نے خاک میں ملادیا۔ ۱۲ جون کی رات کو یہ صلاح قرار پائی کہ رات کو حملہ کرکے دہلی لے لینی چاہیئے اور دروازہ شہر کو اڑا کے دشمنوں پر یکایک جا پڑنا چاہیئے۔ سب فوج تیار ہوئی بلکہ رفل پلٹن تیار ہوکے چل نکلی اور قریب تین سو گز شہر کی دیوار تک پہنچنے پائی تھی کہ یہ تدبیر مناسب نہ سمجھی گئی اور پلٹن مذکور کو حکم واپسی کا دیا گیا۔

۱۳ تاریخ پھر دشمنوں نے انگریزی پہروں اور مورچوں پر حملہ کیا لیکن پھر اُن سے کچھ نہ ہوسکا اور ناچار دہلی کے اندر بھاگ گئے۔ ۱۵ تاریخ کو صبح نہ ہونے پائی تھی کہ دشمنوں نے انگریزی مورچوں پر حملہ کیا بڑی مضبوطی کے ساتھ لڑتے رہے مقابلہ سخت ہوا ساڑھے پانچ بجے صبح سے تیسرے پہر کے دو بجے تک ہنگامہ جدال قتال خوب گرم رہا لیکن دشمن نقصان عظیم اُٹھا کے ہٹ گئے اور پھر دہلی کے اندر چلے آئے۔ ۱۶ تاریخ کو کوئی تازہ امر نہیں ہوا ۱۷ تاریخ زخمیوں کو باغپت کے راستے سے میرٹھ روانہ کیا اور اسی روز خبر پہنچی کہ دشمن کشن گنج کی سرائے کے قریب مورچہ قائم کررہے ہیں۔ یہ سنتے ہی فوراً حملہ کا ارادہ کیا اور دو کمپنیاں رفل پلٹن کی اور دو گورکھوں کی مع توپخانہ ٹومب صاحب دو گروہ میں تقسیم ہوکے زیر حکم میجر رینڈ صاحب اور میجر ٹومب صاحب روانہ ہوئیں اور سرائے کے دروازہ کو اڑا کے چالیس یا پچاس سپاہیوں کو جو اسکے اندر تھے مار ڈالا اور انکی توپ چھین لی۔ گورکھوں نے دہلی کے محاصرہ میں اسقدر وفاداری اور دلیری ظاہر کی ہے کہ وہ کمال مورد تحسین اور آفرین ہوئے ہیں۔ گورکھا ایک نسبت قد پہاڑی قوم ہے اور دلیری میں فوج ولایتی سے کچھ کم نہیں۔

۱۸ تاریخ کو کوئی امر تازہ نہوا۔ ۱۹ کو دشمنوں نے فوج انگریزی کے عقب میں جا کے حملہ کرنا چاہا جب برگیڈیر گرانٹ صاحب کو خبر ملی کہ دشمن اُس روز پیچھے سے حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اُنھوں نے فوراً مقابلہ کی تیاری کی اور برگیڈیر صاحب موصوف مع چھ ضرب توپ

لیکن گیارہ بجے رات کے انگریزی فوج میں ہوگل مچا سب فوج تیار ہوگئی لیکن اخیر معلوم ہوا کہ یہ خطرہ بے اصل تھا۔

۱۱ جون کو کوئی تازہ امر پیش نہ آیا۔ اس دن ایک حکم جاری ہوا کہ جو کوئی دشمنوں کا چھوڑا ہوا گولہ لے آویگا اسکو دو آنے کے پیسے ملیں گے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت انگریزی فوج میں بڑی توپوں کا اسباب جنگ بہت کم تھا۔ بہت سے ہندوستانیوں نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالکے یہ کام اختیار کیا۔ ہائے پیٹ بھی کیا ری بلا ہے۔ ۱۲ جون بھی تواریخ محاصرۂ دہلی میں کچھ کم حولی نہیں ہے۔ دشمنوں کا ایک انبوہ کثیر جمع ہوکے انگریزی مورچہ (برج لستان) کے قریب آپہنچا اور قریب تھا کہ توپوں کا قبضہ کرلیں اور باوجود سخت مقابلہ کے دشمن آگے بڑھا چلا آتا تھا۔ اتنے میں ۷۵ رجمنٹ پلٹن کی دو کمپیاں تیار ہوکے جلد فرودگاہ سے پہاڑی پر چڑھ کر برج لستان پر جا پہنچیں پھر تو دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور اتنے جلدی وہ آگے نہ بڑھے تھے جتنے وہ پیچھے کو ہٹے۔ بھلا جس وقت رمل کی بندوق ساٹھویں پلٹن کے گوروں کے ہاتھ میں ہو اس وقت بہار لرح پلٹنے ہی نمکحرام کی کیا طاقت تھی کہ میداں میں مقابلہ کرسکتا۔ اس دن کی لڑائی میں کپتان نوکس صاحب ۷۵ ویں پلٹن کے اور بہت سے گورے کام آئے۔ لیکن حسب دستور فتح کامل حاصل ہوئی۔ اس روز ایک انگریزی مورچہ مٹکاف صاحب بہادر کی کوٹھی پر قائم ہوا۔ نقشہ کے ملاحظہ سے یہ مقام معلوم ہو جائیگا۔ یہ کوٹھی ایک نہایت عمدہ عمارت سر تھیا فلس مٹکاف صاحب بہادر کمشنر اور ایجنٹ دہلی کی بنوائی ہوئی تھی۔ اسکی تیاری اور آرایش میں ایک زر کثیر صرف ہوا تھا اور بقول ایک مصنف کے یہ شعر اس پر صادق آتا تھا۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم ۵ کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست ۔ اسی تاریخ

رہنا۔ اگرچہ فوج انگریزی محاصرہ کے واسطے دہلی آئی تھی۔ لیکن آتے ہی اُسکو معلوم ہوگیا کہ بجائے محاصر ہی کے وہ اصل میں خود محصور ہیں۔ بلکہ کمپو میں اس بات کا چرچا پھیلا اور اچھے اچھے افسروں کی رائے سُنی گئی کہ اتنے قلیل اور کم توپخانہ سے ایسے بڑے اور مضبوط شہر کا محاصرہ کرنا مناسب نہ تھا اور اصل میں یہ بات ہو کہ اگر دہلی میں بجائے ہندوستانی فوج فرض کرو کہ کوئی فرنگستانی فوج ہوتی تو کبھی کسی جنرل کی مجال نہ ہوتی کہ اسقدر کم فوج سے اُس کے محاصرہ کی تدبیر کرتا۔

ہندوستانی فوج ہر روز دہلی سے نکلکر حملہ آور ہوتی تھی بلکہ بعض روز تو دن میں چار چار مرتبہ اور اُنکی مدد کو فوج بغاوت اور نمکحرامی کرکے ہر چہار طرف سے دہلی میں فراہم ہوتی جاتی تھی۔ اس کے خلاف انگریزی لشکر میں کہیں سے جلد مدد آنے کی توقع نہ تھی بلکہ جتنے آدمی تھے اُن میں سے بھی ہر روزہ لڑائی اور بیماری سے کم ہوتے جاتے تھے۔ بظاہر دو یا تین ہفتہ تک نتیجہ اچھا نہیں دکھائی دیتا تھا اور بڑے بڑے مبصر اور تجربہ کار افسران انگریزی کے نزدیک حالت نازک ہوگئی تھی۔ دوسرے روز ۱۰ جون کو پھر باغیوں نے ہندوراؤ کے مورچہ پر سبزی منڈی کی طرف سے حملہ کیا اور اگرچہ دشمنوں کو سبزی منڈی کے باغات سے مار کے نکالدیا لیکن بہت انگریزی سپاہی مارے گئے۔ یہ خیال کرکے کہ فوج باغی پھر اُسی جگہ آن کے قابض ہوگی اس واسطے ایک پہرہ اور مورچہ سبزی منڈی کے قریب نصب کیا۔ اُس روز دشمنوں نے بڑی سخت آگ برسائی لیکن انگریزی فوج خاموش اور مستعد کھڑی رہی جبکہ دشمنوں نے شہر سے نکل کے بہت کچھ گولہ باری کی اور ہوتے ہوتے انگریزی فوج کے قریب جا پہنچے اُسی وقت انگریزی فوج اُن پر جا پڑی اور مار کے پھر شہر کے اندر کردیا اس لڑائی کے بعد توقع ہوئی کہ آج کے دن کی محنت ہوچکی رات کو آرام کرینگے کل پھر دیکھا جائیگا۔

پلٹن کے کل آدمی جوانمردی اور دلیری اور وفاداری اور نمک حلالی میں شہرۂ آفاق تھے۔ اور یہ باتیں انکی دہلی کے سامنے اور بھی ثابت ہوگئیں۔ اوائل میں اس رجمنٹ میں ایک ٹروپ سواراں اور دو کمپیاں پیادگاں توپخانہ کی تھیں یعنی کل تین سو آدمی تھے۔ لیکن لارڈ ڈلہوزی کی حکومت میں اس پلٹن میں چار کمپنی پیادگاں توپخانہ اور دو ٹروپ سواران زیادہ کیے گئے یعنی کل پلٹن قریب ساڑھے آٹھ سو جوانوں کے کی گئی۔ یہ پلٹن پنجاب کے پرلے کنارے مقام مردان میں تھی جب اسکو حکم دا نگی دہلی کا ہوا چنانچہ ایسے سخت گرم موسم میں چھ سو میل کا فاصلہ بائیس روز میں طے کرکے لشکرگاہ دہلی میں داخل ہوئی۔

ویں تاریخ کی دوپہر کو فوج باغی جوق جوق آراستہ ہوکے مع توپخانہ وغیرہ شہر سے نکلی اور انگریزی لشکر پر حملہ آور ہوئی اور چاہا کہ مورچہ ہندوراؤ کی توپوں کا قبضہ کرلیں لیکن بہادران انگریزی کے سامنے جو دشمن کی نسبت شمار میں عشر عشیر بھی نہ تھے دال نہ گلی دشمنوں کو مارکے دہلی کے اندر بھگا دیا۔

اُس روز کپتان کو منٹ میاٹی صاحب حاکم حصہ سواراں پلٹن جاسوس شدید زخمی ہوکے چوبیس گھنٹہ کے بعد مرگئے۔ اسی روز صبح کو ہیضہ بھی لشکر میں نمودار ہوا اور جس کو کلن صاحب ڈاکٹر پلٹن گورہ مسرد ے ہیضہ کرکے گیارہ بجے رات کو مرگئے۔ اوائل میں فوج باغی نے بڑی ہمتی اور مستعدی سے انگریزی فوج پر حملہ جاری رکھا اور کوئی تدبیر یا دقیقہ اسکے وہاں سے نکال دینے اور غارت کرنے میں باقی نہ چھوڑا اور واقع میں اس قلیل فوج انگریزی نے ابتدا میں بڑی بڑی تکالیف اور مصیبتیں برداشت کیں رات اور دن اپنے اپنے مقاموں اور پہروں پر کمربستہ اور ہتھیار بند رہنا پڑتا تھا اور قلت فوج کے سبب سے کسی شخص کو آرام کی نوبت نہیں پہنچتی تھی۔ دن میں لڑنا اور رات کو پہروں پر ہوشیار

ایک عالی شان عمارت ہے جو ہندو راؤ کی کوٹھی کے نام سے مشہور ہے اور جس میں مہاراجہ
بابا ہندو راؤ مرہٹہ رہتا تھا اور ان دونوں مکانوں کے وسط میں ایک پُر لطف زمانہ کی
مسجد واقع ہے اور ہندو راؤ کے مکان کے متصل رسدخانہ کا مکان ہے۔ ان سب
مقاموں کے علاوہ ہندو راؤ کی کوٹھی کے سامنے بھی مورچے بنائے گئے اور اُن پر پلٹن
رفل گورہ اور گورکھوں کی سرمور پلٹن اور گائڈ کور کی پنجابی پلٹن بٹھائی گئی۔ یہ پہاڑی
تو گویا سامنے کی جانب دیوار شہر اور لشکر انگریزی کے بیچ میں تھی۔ لشکر کے عقب میں نالہ
تھا جو نجف گڈھ کی جھیل سے آیا ہے اور شہر میں داہنے ہاتھ کو سبزی منڈی تھی یہ منڈی
کابلی دروازہ شہر سے شمال اور مغرب کی جانب قریب سوا میل کے فاصلہ پر ہے بائیں
طرف لشکر کے دریا جمن تھا یہ سب ملاحظہ نقشہ سے معلوم ہو جائے گا قریب سے قریب
کا مورچہ دیوار شہر سے اُس روز پندرہ سو گز سے کچھ زیادہ فاصلہ پر تھا۔ ایسی قلیل فوج
سے اور آگے بڑھنا قرین مصلحت نہیں سمجھا گیا۔ جب اِس مقام پر فوج انگریزی خیمہ زن ہوئی
تو اُس وقت یہ خیال ہوا تھا کہ کاشمیری دروازہ کو اڑا کے شہر میں یکبارگی داخل ہونا
چاہیئے لیکن بعد غور و تامل یہ تجویز مزید فوجی مدد کے آنے تک ملتوی کی گئی اور مناسب
یہی معلوم ہوا کہ ابھی خود حملہ نہ کرنا چاہیئے۔ البتہ اگر دشمنوں کی طرف سے حملہ ہو تو اُس کا
صرف مقابلہ ضرور ہے۔

نویں تاریخ جون کو گائڈز کور یعنی جاسوس کی پلٹن پنجاب سے کیمپ انگریزی میں داخل
ہوئی یہ ایک پنجابی پلٹن ہے جو مشتمل ہے دونو سوار اور پیادوں سے اور جس میں کوئی
خاص قسم یا ذات کے آدمی بھرتی نہیں کیئے گئے تھے۔ بھرتی کے وقت پہاڑی اور افغان
اور سکھ وغیرہ اس میں داخل کئے گئے تھے سنہ ۱۸۴۶ء میں یہ عمدہ پلٹن بھرتی ہوئی تھی۔
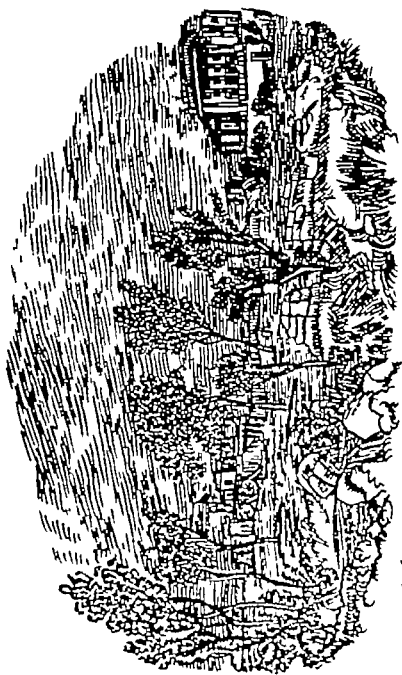
کوٹھی بہدرواڈ کا مورچہ

قلعۂ دہلی
پل
سلیم گڑھ
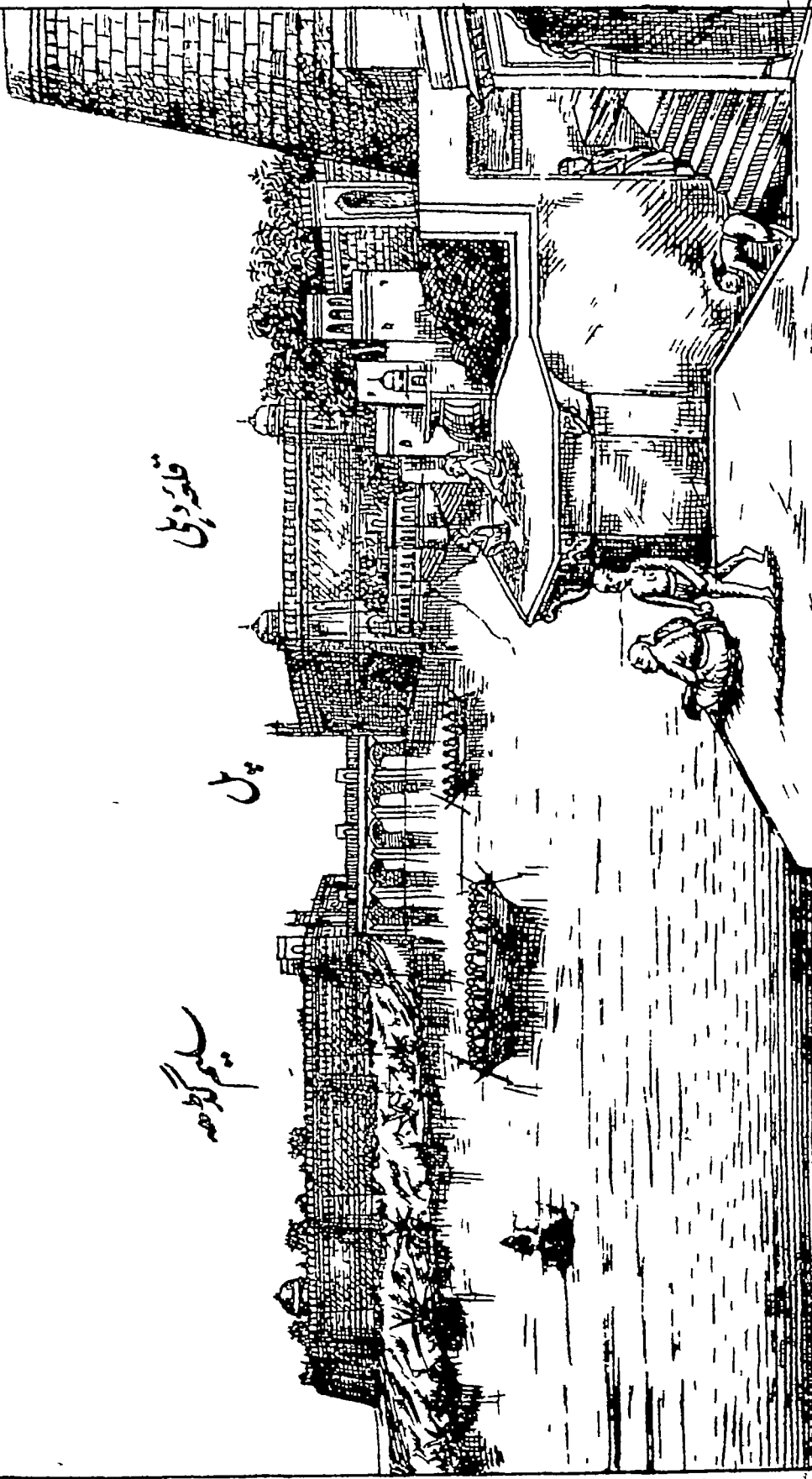
اللہ اُس جگہ نہیں ہے جہاں ولسیلے برج اور نواب برج واقع ہیں اس طرف راج گھاٹ دروازہ اور حضری دروازہ واقع ہے۔ اس کے بعد دیوار قلعہ شہر کا احاطہ کیئے ہوئے ہے۔ علاوہ ان دروازوں کے کھڑکیوں کے نام یہ ہیں نگمبود کی کھڑکی۔ بہادر علیخاں کی کھڑکی۔ خلیل خان کی کھڑکی۔ امیرخاں کی کھڑکی۔ فراشخانہ کی کھڑکی۔ ملند باغ کی کھڑکی (مسدود) سید بھوسے کی کھڑکی (مسدود) امیری دروازہ کی کھڑکی (مسدود) شاہ گنج کی کھڑکی۔ نئی کھڑکی۔ نصیر گنج کی کھڑکی۔ سلیم گڈھ کی کھڑکی۔ مثمن برج کی کھڑکی۔ نواب جاری الدین خاں کی کھڑکی۔ نواب احمد بخش خاں کی کھڑکی۔ زینت المساجد کی کھڑکی۔ کل احاطہ شہر کا طول سات میل کے قریب ہے۔ سلیم گڑھ کا مقام بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ یہ پرانی عمارت شمال اور مشرق میں شہر دہلی کے دریائے جمن کے بیچ میں قلعہ سے ملحق واقع ہے۔ قلعہ سے اس گڑھ میں آنے کے واسطے دریا پر ایک پختہ پل بنا ہوا ہے جو اس نقشہ کے دیکھنے سے معلوم ہوگا شمال اور مشرق کیجانب دریا پر کشتیوں کا پل ہے اُس کے پار ہو کے میرٹھ اور پورب کی طرف سڑک گئی ہے یہ تو مختصر بیان دہلی کا ہے جہاں کہ باغی فوج مقیم ہوئی۔ اب مورچہ بندی انگریزی کا احوال سنیئے لشکر انگریزی بعد فتوحات تاریخ ہشتم ماہ جون دشمنوں کو ہٹاتا ہوا اُسی روز شام کو دہلی کے سامنے آپہنچا اور چھاؤنی قدیم پر جہاں ہمیشہ سے فوج انگریزی رہتی تھی قابض ہوگیا۔ اور پریڈ کے میدان میں لشکر مذکور خیمہ زن ہوا یہ مقام شمالی حصہ شہر پناہ سے قریب ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے اور اس سے تھوڑی دور آگے اونچی پہاڑی میں واقع ہے جس سے شہر اور لشکر گاہ کے مابین ست ابھی آدمی اس پہاڑی کی زمین کو محض ٹاٹیلہ یا پہاڑ کہتے ہیں۔ اسی پہاڑی پر کل لمبی چھاؤنی کا شمال سرخ جس کا بیان ہو چکا ہے واقع ہے اور اس سے دست راست کو یہاں سے پہاڑی کا آنا ہے

شہر پر کبھی ہماسکے کہ جا ہے بصورت اسکو گھما سکے فیر کریں۔ یہ برج اس واسطے بنائے گئے کہ اگر مبادا شہر میں کوئی بلوہ ہو تو وہاں سے توپ چلائی جائے۔ اور ۱۸۳۵ء میں جناب نواب لارڈ اکلینڈ صاحب گورنر جنرل ہند نے پھر مضبوطی سے شہر پناہ اور اُسکے بروج کی درستی کرائی اور جمنا کی طرف ایک برج بنام ولیلی برج تیار کرایا۔ شہر پناہ کے برجوں میں سے مشہور برجوں کے نام یہ ہیں۔ اکثر ان میں سے بڑے بڑے حاکمان انگریز کے نام سے مشہور ہیں۔ نقشہ شہر پناہ کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ دریائے جمن کے پانی کے ملحق بُرج بنے ہوئے ہیں اور بعد ازاں اس سلسلہ سے برج واقع ہیں۔ نصیر گنج کا بُرج۔ بدررو دروازہ کا برج۔ شاہ برج۔ برن صاحب کا برج۔ گارسٹن صاحب کا برج۔ اکبر برج اختر ونی یا اوکٹر لونی صاحب کا برج۔ لیکس صاحب کا برج۔ ولیسلے صاحب کا برج۔ نواب برج۔ ان برجوں کے علاوہ تیرہ دروازے اور سولہ کھڑکیاں شہر کی تھیں جن میں سے ایک دروازہ اور تین کھڑکیاں مسدود ہو گئی تھیں اور باقی آمدورفت کے واسطے کھلی رہتی تھیں اور بعد غدر کے شہر سے انگریزوں کی طرف سے ایک نیا دروازہ بنام کلکتہ دروازہ تیار ہوا تھا سلیم گڑھ سے شمال اور مغرب کی جانب کلکتہ دروازہ اور نگمبود دروازہ اور کیلیلے کے گھاٹ کا دروازہ واقع ہے اور یہاں سے شہر پناہ مغرب کی طرف مڑ جاتی ہے جس میں یہ دروازے ہیں کشمیری دروازہ۔ بدررو دروازہ۔ پھر شہر کی دیوار قریب ایک میل کے شمال اور جنوب کی طرف کو جاتی ہے جس میں یہ دروازے ہیں۔ کابلی دروازہ۔ پتھر گھٹی دروازہ۔ (مسدود) لاہوری دروازہ۔ یہاں سے پھر شہر کی دیوار گرد گھوم کر جمنا کے کنارہ کی طرف مشرق کی جانب جھکتی ہوئی دو میل تک چلی گئی ہے اس میں اجمیری دروازہ ترکمان دروازہ۔ اور دہلی دروازہ ہے اخیر کو دیوار شہر دریا کے کنارے کنارے ڈیڑھ میل تک برابر چلی گئی ہے

دہلی وہاں سے پہنچی اب گویا محاصرۂ دہلی شروع ہوا۔ اس اس جگہ مفسدین اور محاصرین کی
کیفیت بخوبی سمجھ میں چاہیئے اسکے سمجھنے کے واسطے نقشہ ذیل کو بغور ملاحظہ کیجیئے۔ مشہور
دہلی جہاں کل فوج باغی ہندوستانی نمک حرامی کرکے پناہ گزین ہوئی تھی دریائے جمن پر
واقع ہے شہر دہلی سے پانسو میل کے فاصلہ پر مغرب کی جانب لاہور واقع ہے۔ اور پشاور
قریب سات سو میل کے اور مشرق میں الہ آباد اس سے پانسو میل ہے جہاں کہ دریائے جمن
دریائے گنگ سے شامل ہوا ہے۔ کلکتہ اور دہلی میں قریب نوسو میل کے فاصلہ ہے۔
مشرق کی سمت میں دہلی کے دریائے جمن بہتا ہے چاردیواری اس شہر کی بہت پختہ اور
سنگ سُرخ سے بنی ہوئی ہے۔ اصل میں شاہجہاں نے یہ شہر پناہ بنوائی تھی لیکن سنہ ۱۸۰۳ء میں
جب انگریز دہلی پر قابض ہوئے تو اس زمانہ میں یہ بہت سے مرمت اور شکستہ ہو گئی تھی۔
علاوہ شکستگی کے از روئے قوانین جنگ یہ بہت ناقص تھی۔ توپوں کے گرگج یعنی بروج
بہت چھوٹے چھوٹے تھے اور مضبوط نہ تھے اور نہ اُنکے بازوؤں پر کوئی پناہ گاہ تھی۔
خندق بھی مناسبت کے ساتھ نہ تھی اور گرد و پیش شہر پناہ کے بوسیدہ عمارتوں کے ڈھیر
پڑے ہوئے تھے۔ سرکار انگریزی نے اسکی تیاری اور مرمت کا کام کرنیل ہنٹر، کپتان ہچیس
صاحب اور اسمتھ صاحب کو تفویض کیا اُنھوں نے اسکی قرار واقعی مرمت کی اور نوپوں
کے بُرج از سر نو مع دیوار پردہ اور بازو کی پناہ گاہوں کے تعمیر کرائے اور دیوار کے
سامنے چاروں طرف میدان صاف کرادیا خندق نئے سرے سے تیار کرادی چاردیواری
اُسکے لمبی بُرجوں کے علاوہ اور بھی کئی گول برج اُسکے متصل تیار کرائے گئے جسکے
نامیں اور فصیل شہر کے آمد و رفت کیواسطے ایک چوبی پل رکھا گیا کہ جب چاہیں اُس کو
اُٹھالیں تو شہر پناہ سے اُس کا تعلق جاتا رہے اور جن پر ایک ایک توپ اس غرض سے

میں پہونچ گئے اور فوج دہلی کی کمان اپنے ہاتھ میں لی۔

سر ہنری برنارڈ صاحب نے کرنال سے روانگی فوج کی مناسب سمجھی تاوقتیکہ بھاری توپخانہ پنجاب سے نہ پہونچ جائے ۲۲ مئی کو ایک توپخانہ لوہی توپوں کا کیمپ میں پہونچ گیا۔ چنانچہ اُسی روز اُنھوں نے پانی پت کی طرف کوچ کیا اور توقع یہ تھی کہ فوج میرٹھ زیر حکم برگیڈیر ولسن رائی کے مقام پر جہاں جمنا پر پل واقع ہے آ کے شامل ہوگی۔ لیکن چونکہ صاحب ممدوح نے غازی الدین نگر سے ایک پھیر کا راستہ اختیار کیا تھا اسی باعث سے وہ اُس روز اُس مقام پر فوج انبالہ کے ساتھ شامل ہو سکے برنارڈ صاحب نے علی پور کی طرف کوچ کیا اور وہ ۵ جون کی صبح کو وہاں داخل ہوئے چونکہ توپخانہ کا سامان میرٹھ کے کیمپ کے ساتھ زیادہ تھا اس لیئے اُنھوں نے میرٹھ کی فوج کے انتظار میں قیام کیا چنانچہ ۷ تاریخ کی صبح کو فوج مذکور آ ملی جب دونوں فوجیں انبالہ اور میرٹھ کی علی پور میں شامل ہوگئیں تو ۸ تاریخ ماہ جون کی شب کو ایک بجے کے وقت اُنھوں نے دہلی کی طرف کوچ کیا اور یہ امر تحقیق تھا کہ دن نکلتے ضرور دشمنوں سے مقابلہ ہوگا علی پور سے یہ فوج اس طور پر تقسیم ہوئی سب سے آگے کے غول میں تیسرا ٹروپ توپخانہ اسپی متعلقہ دستہ نمبر سوم زیر حکم میجر ٹرنر صاحب اور تین سن رسالہ نہم بھالہ برداران گورہ کے تھے اس غول کے کل توپخانہ کی کمان لفٹنٹ کرنیل موصوف کنٹری صاحب کے سپرد ہوئی اور کل غول کے افسر برگیڈیر ہوپ گرانٹ صاحب مقرر ہوئے۔ گروہ دوم تحت حکومت برگیڈیر شوور صاحب میں ایک تمن سوار قرابینیاں نمبر ۶ اور چار بھاری توپیں اور ایک جماعت سیپر یعنی سفر مینا مورچہ اور سرنگ انگیز کے کام کے واسطے جن میں اکثر گورے تھے اور چار توپیں اسکاٹ صاحب کے توپخانہ کی اور ۷۵ نمبر کی پلٹن شاہی گورہ اور نمبر اول پلٹن بنگال فیوزی لیر گورہ داخل تھیں۔ تیسرے

کے تھی۔ کیونکہ ستائیسویں تاریخ مئی کو جنرل جارج امیسن صاحب بہادر کمانڈر انچیف افواج ہند بعارضہ ہیضہ مرگئے تھے۔ اب ہم اُس انگریزی فوج کا بیان کرینگے جو انبالے سے دہلی کی طرف روانہ ہوئی تھی۔ اوپر بیان کرچکے ہیں کہ ماہ مئی کی ۲۲ تاریخ تھی جس روز کمانڈر انچیف بہادر نے دہلی کی طرف فوج کی روانگی کی تجویز فرمائی جس فوج کے ساتھ مقام باغپت میں فوج میرٹھ کو ملنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ کمانڈر انچیف صاحب بہادر ممدوح ۲۴ تاریخ انبالہ سے روانہ ہوئے اور ۲۵ کو کرنال میں داخل ہوئے اور کل فوج انبالہ جس کا اوپر بیان ہوچکا ہے اُس مقام میں موجود تھی لیکن دو ضرب توپخانہ ابھی تک نہ پہنچنے پائے تھے اور سیج ٹرین یعنے توپخانہ قلعہ شکن بھی بہت دور تھا اور اُسکے آنے میں عرصہ تھا اس واسطے صاحب بہادر نے ذریعہ تار برقی کلکتہ کو خبر بھیجی کہ کرنال سے ۳۱ تاریخ مئی تک روانگی عمل میں نہیں آسکتی۔ دوسرے روز ۲۶ تاریخ مئی کو تمام اپنی تجویزیں ایک طرف رکھی رہیں اور وہ چند گھنٹہ کے عرصہ میں بعارضہ ہیضہ مرگئے۔ مرتے وقت جناب صاحب کمانڈر انچیف بہادر نے سر ہنری برنارڈ صاحب کو انبالہ سے طلب کرکے اُنکو اس فوج کی کمان جو محاصرہ دہلی کو جاتی تھی سپرد کی۔ اس موقع پر استمزاج منظوری نواب گورنر جنرل کا بیفائدہ تھا۔ کیونکہ سلسلۂ ڈاک بالکل مسدود تھا اور تار برقی ٹوٹ گئی تھی نواب ممدوح نے ۲ جون کو یہ خبر سنی اور تقرری سر ہنری کی منظور فرمائی۔ لیکن یہ منظوری ایک مدت بعد محاصرین کو معلوم ہوئی۔ میجر جنرل ریڈ صاحب بہادر بعد وفات کمانڈر انچیف صاحب کے اُنکی جگہ قائم مقام ہوکر ۲۸ تاریخ راولپنڈی سے دہلی کیطرف روانہ ہوئے لیکن بباعث علالت مزاج اسقدر ناتوان تھے کہ فوج دہلی کی کمان خود اپنے ہاتھ میں نہ لے سکے۔ اور سر ہنری برنارڈ صاحب بھی اگرچہ بیمار تھے لیکن حسب الطلب جارج امیسن صاحب کمانڈر انچیف صاحب بہادر جنھوں نے مرتے وقت اُنکو طلب کیا تھا فی الفور پلنگ سے اُٹھ کے کرنال

صبح کو تلنے سپاہی مارے گئے تھے دفن کئے گئے معلوم ہوا کہ اس مقام کو ابھی تک دشمنوں سے
بالکل خالی نہیں کیا ہے اُنکے سوار ادھر اُدھر پھرتے ہوئے نظر پڑتے تھے ایک سے دن کے
معلوم ہوا کہ پھر باغیوں کی فوج نے پل کے اُس پار ایک پل نشان انگریزی سے پرے
مورچہ قائم کیا ہے اُس وقت توپخانہ اسپی اور دو صرب اٹھارہ پہنی توپ مع ایک گروہ قرامیوں
کے روانہ کیا اور ایک جماعت پلٹن رفل اور قرامیوں کی نشان کی مدد کے واسطے پل پر بھیجی
گئی دو گھنٹہ تک توپخانہ انگریزی سے برابر مقابلہ رہا ہرچند سواران دشمن نے بار بار توپخانہ
پر حملہ کیا لیکن ہر مرتبہ کامل رکھا آخیر جب دشمنوں کی آگ ٹھنڈی پڑی اُسی وقت برگیڈیر
بلن نے عام حملہ کو لیا نتیجہ ظاہر تھا وہی امر پیش آیا جو کل ہو چکا تھا دشمن شکست کھاکر سراسیمہ
بھاگے البتہ اس بات کا بڑا افسوس رہا کہ قلت فوج اور کثرت تپش آفتاب کے باعث دشمنوں کا
تعاقب قرار واقعی نہ ہو سکا اسی وجہ سے وہ اس مرتبہ اپنی ساتوں توپیں واپس لے گئے اس
لڑائی میں انگریزوں کی طرف سے کل چوبیس آدمی زخمی اور مقتول ہوئے جن میں سے دس
آدمی تو صرف حرارت آفتاب سے مرگئے۔ اس سے گرمی کی کیفیت ہویدا ہوگی کہ کس قدر
حرارت کی شدت تھی افسروں میں لفٹنٹ پرکنس صاحب متعلقہ توپخانہ اسپی مارے گئے اور کپتان
خانس اور انسائن پیپر زخمی ہوئے ان دونوں لڑائیوں میں ہاہی الدین گرمیں کوئی
امر بارہ ہوا تیسری جون کی صبح اور سوجوان اُسی ساٹھ نمبر رفل پلٹن شاہی گور کے جو
کیمپ میں موجود تھی میرٹھ سے آکر شامل ہوئے اور پانچ گورکھہ الملقب بہ پلٹن سرمور ڈیرہ دون
سے آکر اس فوج میں شامل ہوگئی بعد ازاں اس کیمپ نے باغپت کی طرف کوچ کیا اور ۶ تاریخ
جون کو باغپت کے مقام پر جمنا پار ہوکے ۷ تاریخ اتوار کے روز علی پور میں فوج انگریزی سے
جو انبالہ سے آئی تھی شامل ہوا۔ یہ فوج انبالہ زیر حکم میجر جنرل سر ہنری برنارڈ صاحب

تک باغپت میں پہنچ جاوے اور چھٹی تک سب ٹرین یعنی توپخانہ قلعہ شکن بھی اس مقام پر جا پہنچے
اور اسی اثنا میں ایک کمپو میرٹھ سے تیار ہو کے پانچویں جون تک باغپت میں انبالہ کی فوج سے
آ ملے پھر دہلی کیطرف سب فوج روانہ ہو یہ تجویز کمانڈر انچیف صاحب بہادر نے مستحکم قرار دی
لیکن تقدیر میں یہ تھا کہ اُنکے ہاتھوں اس کا عملدرآمد ہو تا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اول کمپو
میرٹھ کا حال لکھیں کہ اُسکو میرٹھ سے باغپت آنے تک کیا کیا وارداتیں پیش آئیں اور پھر انبالہ
کی فوج کا احوال لکھیں گے بعد ازاں پھر دونوں نے باغپت سے چلیں زیر دیوار دہلی تک جو جو
کام کیے اُن کو بیان کرینگے اور اسکے بعد کیفیت محاصرہ دہلی شروع ہوگی ۲۷ تاریخ مئی ۱۸۵۷ء
کی شام کو میجر جنرل ہیوٹ صاحب حاکم اعلیٰ فوج میرٹھ نے ایک کمپو سرداری کرنیل ارچڈیل ولسن
کے باغپت کی طرف روانہ کیا (وسی اسر نے دہلی فتح کی اور لقب جنرل کا حاصل کیا) اس کمپو میں
بہت قلیل فوج تھی یعنی ساٹھویں نمبر گورہ کی رجمنٹ کے پانچ سو جوان سے بھی کم تھے اور
دو سو سوار رسالہ قرابینی گورہ اور ایک توپخانہ میدان جنگی اور ایک توپخانہ اسی۔ یہ تھوڑی سی فوج
تیس رات کو کوچ کر کے ۳۰ مئی کی صبح کو قصبہ غازی الدین نگر میں پہنچی یہ قصبہ ہنڈن ندی پر
اٹھارہ میل دہلی سے مشرق کی جانب واقع ہے۔ ہنڈن پار ہونے کے واسطے ایک بہت عمدہ
لوہے کا پل انگریزوں نے بنوایا اس پل کے قریب انگریزی فوج نے قیام کیا گرمی کی وہ شدت
تھی کہ انسان اور حیوان تڑپے جاتے تھے اور لو بھی بشدت چل رہی تھی اس بعد کسی دشمن
سے مقابلہ ہو یہ گمان نہ صاحبان چارے تو یکایک دشمن کی فوج حملہ آور ہوئی ندی کے پرلے
کنارے سے دشمنوں کی ایک کثیر فوج نے مع اپنی صرب توپ حملہ کرنا شروع کیا انگریزی جرنیل
فوج کو ہتیار کر لئے۔ پایا تھا کہ ایک اٹھارہ پی توپ کا گولہ آکے پڑا اور دو کناروں کی ٹانگیں جو
قرابینوں کے دروازہ پر اسپتال کے خیمہ کے قریب بیٹھے تھے صاف اُڑ گئیں فی الفور دو

گیارھویں مئی ۱۸۵۷ء کو سر ہنری برنارڈ صاحب حاکم اعلیٰ افواج انبالہ و سرہند نے بذریعہ تار برقی اخبار وحشت آثار میرٹھ اور دہلی سے اطلاع پائی تو فوراً اُنھوں نے اپنے سکرٹری کو جنرل انیس صاحب بہادر سپہ سالار افواج ہند کے پاس شملہ روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ یہاں سے آپ کا آترنا بہت ضرور ہے ۱۴ تاریخ مئی کی شام کو کمانڈر انچیف صاحب موصوف شملہ سے روانہ ہوکے ۱۵ کی صبح کو انبالہ میں پہنچے اور وہاں آکے ایک اشتہار عام فوج کیواسطے دیا۔ ۲۳ تاریخ مئی کو اُنھوں نے محاصرہ دہلی کے واسطے یہ تجویز کی کہ فوج جو انبالہ میں موجود ہے اُس کے دو حصے کیے جاویں اور خود اُسکے کمان افسر بنکے دہلی کو جانے پر مستعد ہوئے اور ہنری بارڈ صاحب کو بدستور انبالہ میں ٹھیرنے کا حکم دیا اور دونوں حصوں کی تقسیم اس طور پر کی اوّل حصہ کو زیر حکم برگیڈیر ہالی فاکس صاحب کے کیا جس میں یہ فوج تھی ۷۵ نمبر کی پلٹن شاہی گورہ۔ اول پلٹن بنگال فیوزی لیرز گورہ۔ دو متن رسالہ گورہ نمبر ۹ لانسر یعنے بھالہ بردار اور ایک ترپ توپخانہ اسپی۔ حصۂ دوم جو زیر حکم برگیڈیر جونز صاحب کے تھا اُس میں مفصلۂ ذیل فوج تھی۔ پلٹن نمبر دوم بنگال فیوزی لیرز گورہ۔ پلٹن پیادگان ہندوستانی نمبر ۶۰۔ دو متن رسالہ نہم گورہ۔ ایک متن بھالہ برداران رسالہ چہارم ہندوستانی۔ ایک ترپ توپخانہ اسپی۔ ان دونوں حصّوں میں علاوہ توپخانہ کے صرف اٹھارہ سو گورہ تھا اور قریب ایک ہزار ہندوستانی فوج کے۔ اس جماعت کو کمانڈر انچیف صاحب نے انبالہ سے روانہ کرنا چاہا کہ ۳۰ مئی تک کرنال میں داخل ہو اور وہاں سے پہلی تاریخ جون کو روانہ ہوکے پانچویں

کہ وہ بسرداری چار پلٹن پیادگان اور سواران مع چار ضرب توپ میرٹھ کی طرف روانہ
ہوں اور مورچہ انگریزی کو اڑا دیں مرزا نے مکرر سے عرض کیا کہ مرزا امین الدین خاں
اور مرزا ضیاء الدین خاں اور حسن علیخاں اور اور رئیس جو بڑے بڑے تعلقوں کے مالک
ہیں انکو بھی میرے ہمراہ جانے کا حکم ہو سردست یہ لشکر عام حق ہو رہے۔ بادشاہ
نے مرزا ابوبکر کو حکم دیا کہ وہ بسرداری فوج میرٹھ کو جاوے اور نواب محبوب علیخاں اور
حکیم احسن اللہ خاں کو ہدایت کی کہ تمام سامانِ اخراجات و رسد وغیرہ فوج کے واسطے
میرٹھ جانے کو تیار کرا دیں۔ چند سواروں نے مبارک لی رہ چھاؤنی سے پرے سے جاکے
دو فرنگیوں کو جو وہاں پوشیدہ تھے مار ڈالا۔ فوج کے افسروں نے آکر عرض کی کہ پانچ
میمیں جو قید ہیں وہ فوج کے حوالہ کی جائیں۔ بادشاہ نے محبوب علی خاں سے اسکے بارے
میں فتویٰ طلب کیا اس نے بیان کیا کہ ازروئے شرع محمدی عورتوں کا قتل جائز نہیں ہے
بعد ازاں بادشاہ دیوان خاص میں تشریف لے گئے اور وہاں بیگم صاحبہ اور ریستی کملال
سے گفتگو کرتے رہے۔
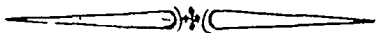
مورچہ اُڑگیا اس واسطے ہمارا ارادہ ہے کہ ہم خود مبر ٹھ جا کر مورچہ کو اُڑا دیں بادشاہ نے
کہا کچھ ضرور نہیں اور اگر تمھارا ارادہ بھی ہو تو حسب الحکم اپنے سپہ سالار مرزا مغل کے کام
کرنا چاہیے۔ قاضی فیض اللہ کو توال شہر کے پاس حکم گیا کہ دو کشتیاں پل جمن کی اپنی
جگہ سے ہٹ گئی ہیں چاہیئے کہ سو مزدور بھیجکے کشتیوں کو درست کرادو۔ خبر پونہچی کہ پلٹن
کے ہندوستانی ڈاکٹروں نے مسلمانان شہر کے ساتھ ملکے جامع مسجد میں محمدی جھنڈا
قائم کیا بادشاہ نے یہ سنکے اُن کو کہلا بھیجا کہ کوئی انگریز اب شہر میں باقی نہیں ہے اسواسطے
اب جھنڈا بلند کرنا ضرور نہیں ہے مولوی صدر الدین خاں اُنکو سمجھانے کو گئے۔ بہت سے
چھکڑے غلہ و نمک وغیرہ کے گرفتار کر کے شہر میں لائے گئے ۲۰ مئی ۱۸۵۷ء روز چہارشنبہ
بادشاہ محل کے اندر سے دیوان عام میں برآمد ہوئے محمد سعید ڈاکٹر حاضر ہو کر آداب بجالایا
بادشاہ نے کہا تمنے انگریزوں کے خلاف جامع مسجد میں محمدی جھنڈا کھڑا کیا لیکن اب کوئی
انگریز باقی نہیں رہا۔ اسلامی جھنڈے کی کیا ضرورت ہے ڈاکٹر نے جوابدیا کہ جھنڈا ہنود کے
خلاف کھڑا کیا گیا تھا یہ سنکر بادشاہ نے جوابدیا کہ میرے نزدیک ہندو اور مسلمان ایک
ہیں بعد ازاں فوج کے افسر حاضر ہوئے اور انھوں نے فریاد کی کہ مسلمانوں نے مسلمانی
جھنڈا ہنود کے خلاف کھڑا کیا ہے بادشاہ نے اُنکی دلجمعی کی کہ وہ انگریزوں کے خلاف
کھڑا کیا گیا تھا۔ افسروں نے یہ بھی عرض کی کہ میگزین کے ایک نوکروں میں سے ایک
چھوٹی برنجی توپ لئیے جاتا تھا۔ چنانچہ اُسکو پل پر گرفتار کیا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اُسکو
توپ سے اُڑا دو۔ مرزا امین الدین خاں اور مرزا ضیاء الدین خاں اور حسن علیخاں۔ اور
رحمت علیخان آداب بجالائے بادشاہ نے اُنکو ایک ایک چوبدستی از راہ الطاف شاہانہ
عنایت کی اور اُنھوں نے پانچ پانچ روپیہ بطور نذر پیش کئے۔ مرزا مغل کے نام حکم ہوا کہ

کھودی تھی باڑا اور سُرنگ کے اُڑتے ہی تمام فرنگیوں کا مورچہ اُٹھ گیا اب کوئی فرنگی میرٹھ
میں باقی نہیں رہا یہ سنکر تمام فوج اور بادشاہ کو نہایت خوشی حاصل ہوئی اور سلیم گڈھ سے
پانچ توپیں سر کیں بعد ازاں یہ خبر ملی کہ کلکٹر گوڑگانوہ ضلع چھوڑنے کے وقت سترہ ہزار روپیہ
ہرسرو کی گڈھی میں چھوڑ گیا ہے اس خزانے کے لے آنے کے واسطے سو سوار اور دو کمپنی
پیادہ روانہ کیں جب یہ روپیہ آگیا تو اُسکو خزانے میں جمع کرا دینے کا حکم دیا۔ ایک ہرکارہ بیجا بائی
صاحبہ کا آیا اور اُس نے بیان کیا کہ بائی صاحبہ کو انگریزوں۔ بچوں اور میموں کے قتل کی
خبر کا ابھی تک اطمینان نہیں ہے اس امر کی صداقت کے واسطے مجھے بھیجا ہے۔ بادشاہ نے
اُس سے فرمایا کہ کل فرنگیوں کا خاتمہ ہو گیا اور سوار کو ہدایت کی کہ معہ دو سوار شاہی گوالیار
کو روانہ ہو اور بائی صاحبہ سے کہو کہ جلد مع فوج حاضر حضور ہوں۔ حسین مرزا داروغہ محلات کو
حکم ہوا کہ راجہ سنگھ چچا مہاراج پٹیالہ کو پیش کرے چنانچہ کنور موصوف دربار میں آیا اور
ایک اشرفی نذر کی گذرانی بادشاہ نے کنور صاحب سے فرمایا کہ میں تمکو خوب جانتا ہوں۔
تم مدت سے دہلی میں رہتے ہو ایک خلعت بھی اُنکو عطا ہوا۔ احمد مرزا اور حکیم عبدالحق حکیم
کے لڑکے نے بھی دربار میں حاضر ہو کر پانچ پانچ روپیہ ندر کے گذرانے رسالہ دار مرسلہ
محمد اکبر علی خاں نامر حضور ہوا۔ اور دو روپیہ ہدیہ کے پیش کیے اور اپنے آقا کی طرف سے عرضی
گذرانی اُس میں عذر عدم حاضری ساعت بد ملکی ملک مرقوم تھا اور لکھا تھا کہ خاں مذکور بعد
انتظام فی الفور حاضر حضور ہوگا۔ دو انگریز اور تین میمیں اور ایک لڑکا مقبوضہ ندی کے گھر میں
پوشیدہ تھے شاہی سوار یہ سنکر اُن کو گرفتار کر لائے اور ندی کا گھر جلا دیا بادشاہ نے اُن
قیدیوں کو سپاہیوں کی حوالات میں رکھا بادشاہ سلیم گڈھ پر تشریف لے گئے وہاں سلامی
ہوئی میرٹھ پلٹن کے افسروں نے بیان کیا ہم کو اعتبار نہیں ہے کہ میرٹھ کا انگ کی

کہ میرٹھ میں سب انگریزوں نے دمدمہ پر جمع ہو کے مورچہ قائم کیا ہے اور جب انکی پانچ
کمپنیاں رڑکی سے میرٹھ میں آئیں تو فرنگیوں نے انکو سمجھایا کہ تمھاری تنخواہ بڑھا دیجائیگی
تم سب اپنا اپنا کام کرو جب ہمنے یہ منظور نہ کیا تو انھوں نے گراپ بھر کے مارے اور دوسو
سے زیادہ سپاہی مارے گئے اور باقی ہم سب بھاگ کر حاضر حضور ہوئے ہیں انکو ہدایت ہوئی کہ
کہ سلیم گڈھ میں قیام کریں۔ نواب محبوب علیخاں نے ایک فہرست سوداگروں اور دہلی
کے ساہوکاروں کے نام کی مثل رامجی داس گودام والہ۔ رامجی داس گوڑوالہ۔ اور خزانچی
سالگ رام وغیرہ گزرانی چنانچہ یہ فہرست اُنکے پاس روانہ کی گئی اور انکو فہمایش ہوئی۔
کہ پچیس سو روپیہ روز کا خرچ فوج کا ہے تم سب کو چاہیئے کہ پانچ لاکھ روپیہ کی سبیل
کرو سب ساہوکار اور سوداگر جمع ہو کے محبوب علیخاں کے پاس گئے اور کہا کہ ہم سب
لٹ گئے اب روپیہ کہاں سے لاویں اور رامجی داس نے کہا کہ اگر اور سب ساہوکار روپیہ
دیں گے تو میں بھی دینے کو تیار ہوں۔ مرزا ابو بکر رسالہ کو لیکر چندراول اور وزیر آباد کیطرف
گوجروں کی تادیب کیواسطے گئے لیکن گوجر فرار ہو گئے ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء بروز شنبہ
بادشاہ دیوان عام میں برآمد ہوئے۔ دو سوار میرٹھ سے آئے انھوں نے بیان کیا کہ بریلی
اور مراد آباد سے فوج پیادگان اور سوار مع توپخانہ اور خزانہ کثیر میرٹھ میں پہنچے اُن سے انگریزوں
نے فریاد کی کہ میرٹھ کی فوج نے نمک حرامی کر کے اور افسروں کو قتل کر کے دہلی کی طرف راہ لی
فوج بریلی اور مراد آباد نے انگریزوں کو جوابدیا کہ اسکا عوض تم نے تین سو سفر مینا کی
پلٹن کے سپاہی مار کے لے لیا یقین ہے کہ تم ہمسے بھی ایسا ہی سلوک کرو گے۔ یہ سنکر
انگریز اپنے مورچہ گاہ میں چلے گئے اور فوج پر گولہ اندازی شروع کی فوج نے بھی مورچہ
جما کے گولے مارنے شروع کیئے خدا کی قدرت سے ایک گولہ اُس سرنگ میں جو فرنگیوں نے

توپیں چڑھاکر مورچہ قائم کیا ہے اور بیاں کیا کہ گوروں سے میرٹھ اور سلیم پور کے بیچ میں بڑی لوٹ مچا رکھی ہے اس واسطے بادشاہ نے دو کمپنیوں کو پل جمن پر تعین کیا حکیم عبدالحق نے حاضر ہوکر پانچ روپیہ نذر کے گزرانے پانچ کمپنیاں سیپر اینڈ مائنر یعنی سرنگ کی دہلی میں داخل ہوئیں۔ مہاراجہ نرایندر سنگھ والی پٹیالہ اور رام سنگھ راجہ جے پور اور راجگان الور اور جودھپور اور کوٹہ اور بوندی وغیرہ کے نام فرمان جاری ہوئے کہ جلد حاضر ہوں ۱۸ مئی ۱۸۵۷ء روز دوشنبہ بادشاہ دیوان خاص سے دیوان عام میں رونق افروز ہوئے اور تخت سلطنت پر جلوہ فرمایا اور پانچ پلٹنوں کا انگریزی ماحہ مختار ہا اور خلعت ہائے جامہ و مرزا مغل کو بابت تقرری عہدہ سپہ سالاری کل فوج اور مرزا کوچک سلطان اور مرزا میندھو اور اور بیٹوں کو بابت تقرری عہدہ ہائے کرنیلی فوج اور ابوبکر پوتہ کو بابت تقرری عہدہ کرنیلی سپاہیاں عطا ہوئیں۔ مرزا مغل نے پانچ اشرفیاں نذر کی گزرانیں اور شاہزادوں نے ایک ایک اشرفی اور پانچ پانچ روپیہ۔ نواب حسن علیخاں دربار میں حاضر ہوکر آداب بجالایا نواب مذکور سے کہا گیا کہ ہر روز بلاناغہ دربار میں حاضر ہوا کرے بادشاہ نے اُن سے کہا تمکو بہت سا ملک عطا ہوگا تمکو چاہیئے کہ فوج پیادہ اور سوار بھرتی کرو حسن علیخاں نے عرض کی کہ یہ تو مجھسے نہ ہوسکے گا لیکن دربار میں حاضر رہا کرونگا دو سوار و الور کو فرمان لیکے گئے تھے واپس آئے اور عرض کی کہ ہرکارا گوروں نے راستہ میں بسا غلیظ مچا رکھا ہے اور اُنھوں نے ہمارے کپڑے او گھوڑے وغیرہ لوٹ لیئے اور فرمان شاہی کو پھاڑکر ہمارے ہاتھ پہ رکھدیا لیکن بہرارمت سمانت ہمارے گھوڑے واپس لیکے اور شتر سوار بھی جو فرخ نگر والے نواب کے پاس فرمان لے گیا تھا واپس آیا اور کہا کہ گوروں نے راستہ بند کر رکھا ہے سفر مینا کی پلٹن کے افسر ناصر سے امرمیاں کیا

فرماویں چنانچہ بادشاہ تخت رواں پر سوار ہو کر وہاں گئے اور توپوں کا ملاحظہ کیا۔ اور
مراجعت کی اور سپاہیوں کی دلجمعی کی کہ میں تمھارے ساتھ ہوں اور اگر کوئی فرنگی گرفتار
کرکے لاؤ تو میں خود اپنے ہاتھ سے مار ڈالنے کو تیار ہوں اور تم کو چاہیئے کہ حکیم احسن اللہ
خاں اور محبوب علیخاں اور ملکہ زینت محل پر بھی اعتبار کلی رکھو۔ سپاہیوں کو یہ سنکر حکیم
مذکور کی طرف سے شک جاتا رہا دیوان عام میں چند سپاہیوں نے قیام کیا تھا چنانچہ وہاں
سے اُن کو اُٹھا دیا گیا اور برسوں کے بعد اس مکان کی از سر نو آراستگی ہوئی اور فرش اور
قالین اور جھاڑ اور فانوس سے مکلف کیا گیا مرزا امین الدین خاں اور ضیاء الدین خان
حسب الطلب حاضر ہوئے اُنکو حکم ہوا کہ ہر روز دربار میں حاضر ہوا کریں اُنھوں نے
بیماری کا عذر پیش کیا پھر بادشاہ نے اُنکو حکم دیا تم کو فوج بھرتی کرنی چاہیئے کیونکہ ایک
بڑے ملک کا انتظام تمھارے سپرد کیا جائیگا اُنھوں نے جواب دیا کہ حسب الحکم عمل
میں آئیگا بعد ارادت خاں اور مسیر خاں برادر نواب مصطفےٰ خاں جہانگیر آباد اور اکبر خاں
وغیرہ حاضر ہوئے اور دو دو روپیہ نذر کے گزرانے۔ اتنے میں ایک سوار آیا اور خبر کی
کہ چند لاکھ روپیہ بابت مالگذاری گوڑگانوہ بحراست ایک کمپنی پیادگاں اور چند سوار دہلی
کو آتا تھا راستہ میں تین سو میواتیوں نے حملہ کیا ہے اور لڑائی ہو رہی ہے یہ سنکر مولوی
محمد باقر چھاپہ خانہ والے کو حکم ہوا کہ فوراً دو کمپنیاں سپاہی اور ایک ترپ رسالہ کا لیکے جاوے
اور خزانے کو محفوظ لے آوے۔ نذولی کے زمینداروں نے حاضر ہو کر ایک ایک روپیہ
بطور نذر گزرانا اور اپنی نمک حلالی اور اطاعت ظاہر کی بادشاہ نے اُن سے فرمایا کہ
اپنے گانو کا انتظام قرار واقعی رکھو دو ہرکارہ شاہی میرٹھ سے واپس آسکے اور خبر کی
کہ قریب ایکہزار فرنگی مرد اور عورت اور بچہ صدر بازار میں جمع ہو کے رہتے ہیں اور سو یچ کنٹرٹ

سکو مرزا ابو بکر سواروں کے ساتھ موقع پر جہاں مخبروں نے نشاندہی کی تھی گئے اور مرزا مذکور نے شہر میں گھوڑ کر گولی چلائی لیکن کوئی فرنگی وہاں ظاہر نہ ہوا بعد ازاں سواروں نے تلواریں میان سے نکالکر حکیم احسن اللہ خاں کو گھیر لیا اور کہا کہ تو انگریزوں سے سازش رکھتا ہے اسواسطے تو نے سب فرنگیوں کو جیلخانہ میں قید کر رکھا ہے کہ جب انگریز آویں تو انکو حوالہ کیا جاوے۔ غرض کہ اس امر میں بڑا جھگڑا رہا آخیر فیصلہ اس بات پر ہوا کہ کہ جملہ عیسائی اور میم اور بچے جو جیلخانہ میں مقید تھے سواروں کے حوالے کئے گئے تاکہ وہ اُن سب کو قتل کریں مرزا مغل نے اُس وقت بیان کیا کہ عورتوں کا قتل کرنا شرع محمدی میں جائز نہیں ہے سوار مرزا موصوف کے قتل پر آمادہ ہوئے لیکن وہ بھاگ کر بچگیا تمام فرنگی قیدیوں کو قلعہ میں نقارخانہ کے قریب تھا کے ایک سوار نے فرا میں بھر ماری اُس سے ایک خاص شاہی نوکر زخمی ہوا اسکے بعد بادشاہ کے خاص نوکروں نے تلوار سے سب مردوں عورتوں اور بچوں کا سر کاٹا ایک شخص کی تلوار ٹوٹ گئی اور بعد قتل کے لاشوں کو چھکڑوں میں بھروا کے دریا میں پھکوا دیا نواب مالاگڈھ کے نام حکم پہنچا کہ اضلاع شرقی دیار میں گوجروں نے بڑا فساد اور بلوہ مچا رکھا ہے اُس کا تدارک کرے لاہوری دروازے کے دو کامدار نالشی ہوئے کہ کاشی ناتھ تھانہ دار ایک ہزار روپیہ بطور رشوت مانگتا ہے اور دھمکاتا ہے کہ درصورت عدم ادائے روپیہ کے وہ سکو گرفتار کرکے کوتوالی چالان کر دیگا۔ یہ سکر حکیم احسن اللہ خاں نے کوتوال قاضی میں اللہ کے نام حکم بھیجا کہ تھانہ دار مذکور کو سپرد حوالات کرے ۷ امئی ۱۸۵۷ء روز یکشنبہ بادشاہ دیوان خاص میں تھے تنکہ چند سوار اور پیادے مع اپنے افسروں کے حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم لوگوں نے سلیم گڈھ کی بھوبی مضبوطی کی ہے اور مورچہ بنایا ہے حضور چلکر اُس کو ملاحظہ

مال واسباب قریب چار ہزار روپیہ کا لوٹ لیا چنانچہ پیادہ اور سوار [illegible] مشورہ ہو رہے کہ
میواتیوں کو گرفتار کر لیں اور جینا دیوہ کو غارت کریں [illegible]
سبے سنگھ پورہ سے بادشاہ کو عرضی دی اس پر حکم ہوا کہ کوئی سپاہی [illegible]
نجانے پائے بادشاہ کو اطلاع ہوئی کہ سپاہی شہر کے [illegible]
گشت کرتے ہیں جس سے باشندوں اور دکانداروں کو دہشت معلوم ہوتی ہے حکم ہوا کہ
آیندہ سے کوئی تلوار برہنہ لیکے شہر میں نہ پھرنے پائے۔ پیادہ اور سوار باہم مشورہ کرکے
شاہ کے پاس حاضر ہوے اور عرض کیا کہ تنخواہ اور کپڑے اب تک نہیں ملے۔ اور
انکو یقین ہے کہ نواب محبوب علیخان اور حکیم احسن اللہ خاں انگریزوں سے سازش رکھتے
ہیں نواب محبوب علیخاں نے قرآن پر ہاتھ رکھ کے قسم کھائی کہ میرا انگریزوں سے کچھ
واسطہ نہیں ہے آغا محمد خاں کا سپاہیوں نے گھر لوٹ لیا۔ ۱۶ مئی ۱۸۵۷ء روز
شنبہ شاہ نے دیوانِ عام میں دربار کیا حکیم احسن اللہ خاں اور بخشی آغا سلطان اور کپتان
دلدار علیخاں اور رحمت علیخاں حاضر ہوئے سوار اور پیادہ مع افسروں کے ایک خط حکیم
احسن اللہ خاں اور نواب محبوب علیخاں (بنام صاحبانِ انگریز) دربار میں آئے انھوں نے
بیان کیا کہ یہ خط دہلی دروازے پر پکڑا گیا ہے اس میں یہ دونوں شخص مذکور انگریزوں کو
بلانا چاہتے ہیں کہ اگر انگریز جوان بخت کو ولیعہد کریں تو وہ سب سپاہیوں کو گرفتار کر دینگے
یہ خط احسن اللہ خاں اور نواب محبوب علیخاں کے سامنے رکھا گیا انھوں نے محض انکار
کیا اور کہا کہ یہ ہمارا خط نہیں ہے یہ جعل ہے اور نہ اس پر ہماری مہر ہے سپاہیوں کے سامنے
اپنی مہریں مطابقت کیواسطے اتار کے پھینکدیں اور قرآن کی قسم کھائی کہ یہ خط ہمارا نہیں
بعض شخصوں نے سواروں کو اطلاع دی کہ کچھ فرنگی شہر کی حویلیوں میں پوشیدہ ہیں۔ یہ

قلعہ دار کی لاشوں کو قبرستان میں دفن کرادے اور باقی فرنگیوں کی لاشوں کو دریا میں پھکوادے
اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ گوجروں نے وزیر صاحب کے گھر کو لوٹ لیا اور کسٹری اور کلکٹی
کے دفتر کو غارت کیا۔ ۸ مئی ۱۸۵۷ء روز جمعہ شاہ دیوان خاص میں تھے مولوی
عبد القادر نے ایک فہرست بابت تنخواہ فوج (جو اُسے تیار کی تھی) گزرانی۔ مولوی مذکور کو بابت
تقرری عہدہ ریاست نواب محبوب علیخاں ایک جوڑا دوشالہ کا عطا ہوا سلطان علیخاں مہتمم
کالا محل معہ میر اکبر علی سوار (جو وزیر صاحب کی اردلی میں رہتا تھا) حاضر ہوا سوار نے
عرض کی کہ پچاس سوار نواب جھجر کے حاضر ہیں اور نواب صاحب خود بابت اس امر کے
کہ ملک میں بدعملی اور بد انتظامی ہو رہی ہے دربار میں حاضر ہونے سے قاصر ہیں۔ مولوی احمد علی بلبگڑھ
کے راجہ کی طرف سے دربار میں حاضر ہوا اور ایک روپیہ نذر گزرانا اور راجہ کی عرضی پیش کی
جس کا مضمون یہ تھا کہ بباعث غارت اور فتنہ و فساد جو گوجروں نے مچا رکھا ہے میں خود
حاضر نہیں ہو سکتا انشاء اللہ بعد انتظام حاضر دربار شاہی ہونگا۔ اُسکے نام حکم جاری ہوا
کہ جہانتک ہو جلد حاضر ہو۔ خبر پہونچی کہ صاحب مجسٹریٹ رہتک ضلع ہمپور کے چلے گئے
اور یقین ہے کہ خزانہ لٹ جاویگا۔ شاہ نے ایک پلٹن پیادگاں اور کچھ سواروں کو حکم دیا
کہ خزانہ رہتک کا لے آویں۔ عبد الکریم کے نام حکم ہوا کہ چار سو پیادہ سپاہی پانچ روپیہ ماہوار کی
کی شرح پر اور ایک رسالہ سواروں کا بیس روپیہ ماہواری کی شرح بھرتی کرے چنانچہ دو سو
آدمی آج کی تاریخ بھرتی ہو گئے۔ بادشاہ کی طرف سے سواروں کے نام حکم جاری ہوا کہ مرزا
ابو بکر موقوف کیا گیا اور سوار خاص شاہ کے زیر حکم رہیں۔ قاضی فیض اللہ دربار میں حاضر
ہوا اور پانچ روپیہ نذر گزرانے اور عرض کی کہ میں کوتوال شہر مقرر کیا جاؤں بادشاہ نے
اسکی درخواست قبول فرمائی۔ بیسکھ پورہ کے میواتیوں نے سڑک آسی کے اسرکا

ہے اُسنے کہا کہ مجھے معلوم نہیں سے حمت علیخان کو حسن علیخاں نے پیش کیا جسنے ایک اشرفی نذر کی گزرانی شاہ نے پوچھا یہ شخص کون ہے عرض کیا گیا کہ یہ نواب فیض محمد خاں کا بیٹا اور حسن علی کا (جسنے اِسکو حضور میں پیش کیا ہے) بھتیجا ہے۔ محمد علیخاں۔ بن سالار جنگخاں نے ایک اشرفی نذر کی گزرانی بادشاہ نے اُس کا حال دریافت کیا عرض کیا گیا کہ یہ شخص نواب بہادر جنگ خاں رئیس دادری کا بھتیجا ہے۔ راجہ رام سنگھ والیئے جیپور کے نام فرمان جاری ہوا کہ وہ اپنے کو مع فوج دہلی میں حاضر کرے۔ بعد ازاں اسی حکم کے فرمان بنام عبدالرحمن خان والیئے جھجھر اور بہادر جنگ خاں رئیس دادری۔ اور اکبر علیخاں نواب پاٹودی اور راجہ ناہر سنگھ والیئے بلب گڈھ اور حسن علیخاں دوجانہ والہ اور احمد علیخان نواب فرخ نگر جاری ہوئے اور مرزا امین الدین خاں اور مرزا ضیاءالدین خاں کے نام بھی احکام اس مضمون کے جاری ہوئے کہ وہ انتظام جھرکہ فیروز پور اور گوڑگانوہ کا بخوبی کریں خبر آئی کہ چنگ راول کے گوجر ہر شب سبزی منڈی اور تیلی واڑہ اور راجپور وغیرہ کی دوکانیں لوٹ لیتے ہیں۔ مرزا مغل کو حکم ہوا کہ اس امر قبیح کا تدارک کرے چنانچہ مرزا ابوبکر نے مع اپنے رسالہ کے جاکر چنگراول گانو کو لوٹا اور جلا دیا۔ ایک گورہ سپاہی جو بطور جاسوس شہر میں آیا تھا گرفتار ہوا بادشاہ نے اُسکو جیلخانہ بھیجا اور ایک میم بھی مقید ہوئی۔ منیرالدین خاں کے نام حکم ہوا کہ ۲۸ ویں پلٹن کو چھاونی کی طرف لیجا کے سبزی منڈی اور پہاڑی وغیرہ کا انتظام کرادو کہ لوٹ وغیرہ نہونے پائے چار مسافروں نے میرٹھ سے آکے اطلاع دی کہ فوج گورہ وہاں سے روانہ ہوکے آتی ہے۔ تلنگوں کو یہ خبر غلط معلوم ہوئی انھوں نے اُن چاروں آدمیوں کو بہ اوقات سپرد کیا تھانہ دار پہاڑگنج کو حکم ہوا کہ مسٹر فریزر صاحب کمشنر اور کپتان ڈگلس صاحب

عرض کی کہ سواروں سے نواب میر حامد علیخاں کو پکڑ لیا ہے اور جواہر خانہ تک پیادہ
حکیم احسن اللہ خاں کے پاس لے گئے ہیں اس الزام سے کہ اُسکے گھر میں فرنگی
پوشیدہ ہیں۔ شاہ نے نظام الدین کو حکم دیا کہ سوار و پیادہ لیکر میر بدر کے گھر کی
تلاشی لو چنانچہ تلاشی کے وقت کوئی فرنگی اُسکے گھر سے نہ نکلا بعد ازاں میر کو رہا کیا اور
اُس کا مال دلوا دیا مرزا ابو بکر سواروں کے رسالہ کا کرنیل مقرر ہوا سپہ سوار کرنیل اسکنر
صاحب کے گھر پر گئے اور مسٹر جوزف اسکنر صاحب کے لڑکے کو گرفتار کرکے کوتوالی کے
سامنے لاکے مار ڈالا سوار بعض اشخاص کے بہکانے سے رام سرن داس ڈپٹی کلکٹر
متوفی کے گھر پر گئے اور اس بہانہ سے کہ اُسکے گھر میں فرنگی پوشیدہ ہیں سارا مال اسباب
لوٹ لیا بادشاہ نے سب پلٹنوں کو چار چار سو روپیہ خرچ کے واسطے عنایت کیا مرزا میر الدین
منتظم شہر نے اشتہار دیا کہ جس کسی کو نوکری کرنی منظور ہو اپنے اپنے ہتھیار لیکے حاضر ہو۔
اور جس کسی کے گھر میں کوئی عیسائی پوشیدہ ہوگا اسکو سزا سنگین ہوگی۔ نواب احمد علیخاں
اور نواب ولی داد خاں والی مالاگڈھ حسب الطلب حاضر ہوئے انکو حکم ہوا دربار میں روز
حاضر ہوا کریں۔ شاہ نے میلوں کے چودہریوں کو بلاکے حکم دیا کہ غلہ کا ایک بھاؤ مقرر
کرکے اپنی اپنی دوکانیں کھولدو ۱۴ مئی ۱۸۵۷ء روز پنجشنبہ شاہ دیوان
خاص سے تسبیح خانہ میں آئے حسین مرزا کپتان دلدار علیخاں۔ احسن اللہ خان۔ میرزا
سیر الدین خاں۔ مرزا ضیاء الدین خاں اور مولوی صدر الدین خاں آداب بجا لائے۔
او مولوی صدر الدین خاں نے ایک اشرفی نذر کی گزرانی شاہ نے انکو حکم دیا کہ تم سرانجام
کار عدالت ملکی کرو لیکن مولوی صاحب نے اپنا عذر بیان کیا۔ بعد ازاں راجہ ساگرام
حسب الطلب حاضر ہوا اور ایک اشرفی نذر کی گزرانی بادشاہ نے پوچھا کہ راہ میں کسطرح

پتھر مار کے اُنکو ہٹا دیا - اکثر انگریزی نو عیسائی جو راجہ کلیان سنگھ کشن گڈھ والے کی
حویلی میں پناہ گیر ہوئے اُن پر سواروں نے حملہ کیا اور بندوقیں چلائیں انگریزوں نے
بھی اندر سے مقابلہ کیا سوار پھر دو توپیں لے آئے اُسوقت سب عیسائی مع زن و بچہ
اندر تہ خانوں میں چلے گئے اور سوار واپس چلے آئے - شاہ نے مرزا مغل کو ہدایت کی کہ ایک
کمپنی سپاہیوں کو ہمراہ لیکے لوٹ کا انتظام کرے چنانچہ مرزا ہاتھی پر سوار ہو کے تھانہ بہ تھانہ
گئے اور اعلان عام دیا کہ جو کوئی لوٹ کریگا اُسکی کان اور ناک کاٹ دیجائیگی اور دوکاندار اگر
دوکانیں نہ کھولینگے اور سپاہیوں کے ہاتھ سودا بیچنے سے انکار کرینگے تو سزا پاوینگے اور
مقید ہونگے دو فرنگی جو ہندوستانی لباس پہنے ہوئے چلے جاتے تھے گرفتار ہوئے - اور
کوتوالی کے سامنے مارے گئے - شاہ خود ہاتھی پر سوار ہو کے مع دو پلٹن تلنگاں اور چند ضرب
توپ شہر میں دوکانیں کھلوانے کے واسطے آئے اور دوکانداروں کو حکم دیا کہ وہ دوکانیں
کھولیں اور سب سامان فوج کے لیئے سرانجام پہنچاویں - احسن اللہ خان کی وساطت سے
حسین علی مجرا بجالایا اور ایک اشرفی نذر کی گزرانی شاہ نے حکم دیا دربار میں حاضر رہو
کچھ مشورہ کرنا ہے - مرزا منیر الدین کو بابت تقرری منتظم شہر خلعت عطا ہوا اور اُس نے
چار روپیہ نذر کے گزرانے ۱۳ مئی ۱۸۵۷ء روز چہارشنبہ شاہ تسبیح خانہ میں تشریف لائے
نواب محبوب علیخان اور اَور سردار آداب بجالائے مرزا منیر الدین خان کو حکم ہوا فوج کے
واسطے خوراک کا انتظام ابھی تک نہیں ہوا اسکی تدبیر کرنی چاہیئے - شاہ نظام الدین پیرزادہ
اور بدھو صاحب کو حکم ہوا کہ اُن سے خلوت ضرور ہے مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان
اور مرزا عبد الصمد کو حکم ہوا کہ وہ فوج پیادہ کے کرنیل مقرر ہوئے وہ دو ضرب توپ لیکے
کشمیری دروازے اور دہلی دروازوں پر جاکے انتظام کریں شاہ نظام الدین نے

صاحب نے چھاؤنی کا حال دیکھ کے انکو شہر سے طلب کر لیا۔ اول تو وہ سب واپس
نہ گئے اور جب گئے تو انہوں نے اپنے افسر ہیج ایپٹن صاحب کو چھاؤنی تک سلامت
پہنچا دیا خود نہ گئے جب کہ معلوم ہوا کہ سب سپاہی کہ اب چھاؤنی میں ہیں تو انکو برگیڈیر صاحب نے
حکم دیا کہ تم باغیوں پہ چلکر حملہ کرو لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ جب سب طرح سے
کامل مایوسی ہو گئی اور کوئی صورت انتظام اور بچاؤ کی نہ رہی اور رات دن بھی آخر ہونیکو تھا
سو تب کل انگریزوں کی یہی رائے ہوئی کہ یہاں رہنا مصلحت نہیں اب بھاگ چلنا چاہیے
اس لئے سب لوگ مع بال بچوں اور میموں کے گاڑیوں اور گھوڑوں پر سوار اور بعض پا پیادہ برج
شاہ سے نکل چلے بعض نے میرٹھ کی راہ لی اور بعض کرنال کی طرف روانہ ہوئے۔
ان لوگوں کی مصیبتوں کا حال بیان سے باہر ہے تمام ملک ان کا یکایک دشمن ہو گیا تھا
گنواروں نے انکے ساتھ بڑی زیادتیاں کیں۔ بعض ان میں سے بہزار خرابی اور تکالیف
تباہ ہو گئے اور بعض راستہ ہی میں ہزار ہا مصیبتیں اٹھا کر مارے گئے بچاری نازپروردہ
لیڈیوں اور میموں کو جنھوں نے گھر سے باہر قدم بھی نہ رکھا تھا منزلوں بھوکی پیاسی اور برہنہ پا
جلتی ہوئی دھوپ میں افتاں و خیزاں چلنا پڑا۔ لٹیروں اور قزاقوں نے بدن پہ ایک چیتھڑا
تک نہ چھوڑا نقدی اور زیور کا تو کیا ذکر ہے کوئی جگہ ایسی نہ رہی کہ جہاں کوئی انگریز دم بھر
ٹھہر سکتا اور آرام کر سکے جہاں کہیں وہ تھکے ماندے اور شکستہ حال پناہ کے خواستگار
ہوتے تھے وہیں سے لوگ باغیوں کے خوف سے انھیں نکال دیتے تھے۔

بہادر شاہ

مہتمم میگزین شہر نے اس خبر کے سنتے ہی کہ باغی شہر میں گھس آئے ہیں میگزین کی حتی الامکان بڑی حفاظت کی صدر دروازہ اور اس دروازہ پر جہاں سے توپخانے کو جاتے ہیں اور اور موقعوں پر توپیں المضاعف چھرہ بھر کر لگا دیں اور لفٹنٹ صاحب موصوف کے حکم کے موجب مسٹر بکلے مسٹر اسکلے سارجنٹ اسٹوارٹ نے نہایت بہادری اور شجاعت کے ساتھ ایک باروت کی لکیر مخزن باروت تک قائم کی اس عندیہ سے کہ جب تاب مقابلہ نہ رہیگی اُسوقت میگزین میں آگ دیکے مرجائینگے باغی قلعہ سے سیڑھیاں لا کے میگزین کی دیوار پر جوق جوق چڑھ گئے لیکن تاہم ان چند انگریزی افسروں نے پانچ گھنٹہ تک ہزاروں آدمیوں کا مقابلہ کیا۔ جب آخر کو سرکش میگزین پر بالکل قابض اور محیط ہو گئے اسوقت حسب الایماء لفٹنٹ ولوبی صاحب کے مسٹر اسکلے صاحب نے باروت خانہ صدر میں آگ لگا دی اُسوقت ایک ایسا صدمہ عظیم ہوا کہ تمام شہر میں زلزلہ پڑ گیا اور آسمان پر سفید غبار چھا گیا صدہا باغی میگزین کی دیواروں کے نیچے دبکے مر گئے لیکن قدرت خدا کی دیکھئے کہ میگزین کے کل انگریز بچ کے صاف نکل گئے۔ اگرچہ پھر لفٹنٹ ولوبی صاحب اور اور انگریز باہر گنواروں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ بغاوت کے بعد پلٹن نمبر ۵۴ کی کمپنیاں ۳۸ ویں اور ۷۴ ویں پلٹن جو کشمیری دروازہ پر مقیم تھیں بہت عرصہ تک خاموش رہیں اسی وجہ سے وہاں پر بہت سے انگریزوں اور میموں نے پناہ لی تھی لیکن آخر قریب تیسرے پہر کے انھوں نے بھی بغاوت کی۔ گورڈن صاحب ۷۴ ویں پلٹن کے کپتان کو مار ڈالا اور بعد ازاں لفٹنٹ ریلی صاحب اور لفٹنٹ اسمتھ صاحب کو قتل کیا یہ حال دیکھکر انسائن ایلیٹن لفٹنٹ اوسبرن اور اور افسر اور میمیں فصیل شہر سے خندق میں کود کے بھاگ گئے ۵۴ ویں پلٹن کی کمپنیوں کو جنھیں شہر کے انتظام کے واسطے بھیجا گیا تھا بر گڈیر

اپنا افسر قرار دیا جیلخانہ جات کے تمام قیدیوں کو رہا کیا اور دریا گنج میں جہاں ایک
بڑی جماعت ہیتن و ارمنیائیوں اور صاحبان میگزین مع بال بچوں کی رہتی تھی قتل
کرنی شروع کی بہت سے عیسائی عورت و مرد اور بچے حصوں نے کشن کندھ و لدکی
کی حویلی میں پناہ لی تھی آخر کو قلعہ میں معا تاریخ کو بڑی بیرحمی سے قتل کیئے گئے کشمیری
دروازے کے متصل یوروپی مدرس اور مسٹر رسوروڈ صاحب مہتمم بنک معہ تمام کنبے
کے مارے گئے پادری لے میبرڈ صاحب اور مسٹر سانڈیس اور مسٹر لوس کاک صاحب اور
ڈاکٹر چمن لال صاحب سب اسسٹنٹ سرجن دہلی بھی قتل ہوئے بنگلوں میں آگ لگا دی اور
لوٹ شروع کر دی ۵۴ ویں پلٹن جو چھاؤنی سے مع سامان انتظام کیواسطے شہر کو
آئی وہ بھی کشمیری دروازہ میں داخل ہوتے ہی باغیوں میں مل گئے اور کپتان اسمتھ اور
کپتان بروس صاحب۔ لفٹنٹ اڈوارڈ صاحب۔ لفٹنٹ واٹرفیلڈ صاحب ڈاکٹر ڈوپنگ
صاحب جو پلٹن کے ساتھ تھے سپاہیوں کے ہاتھ سے مارے گئے اور کپتان رپلی صاحب
کو جس کے ستر و زخم لگے تھے مگان مردہ چھوڑ کے چلے گئے جس کو استارڈ صاحب گاڑی
میں ڈال کے چھاؤنی لے آئے برگڈیر صاحب نے یہ حال سنکر چھاؤنی کا انتظام کیا اور
سب انگریز معہ زن و بچہ فلشاں برج میں جمع ہوئے یہ ایک چاردیواری کا گول گھر مابین
شہر اور چھاؤنی کے واقع ہے جس پر توپ کا نشان رہتا تھا اگرچہ یہ مقام مستحکم نہ تھا لیکن
اس امید سے کہ انگریزی فوج قریب میرٹھ میں ہے عنقریب آکر مدد دیگی اس لیئے سب
مع اہل بچوں کے یہاں قیام کیا اور برگڈیر صاحب نے برج کو مختلف حصہ تقسیم کر کے حکام
سوتوں پر توپیں لگا دیں حکام ملکی وغیرہ مثلاً الاس صاحب جج اور ڈاکٹر بالفور صاحب
و مارشل صاحب سوداگر بھی شہر سے بھاگ کے اس برج میں آگئے۔ لفٹنٹ ولی صاحب

تاریخ کی صبح کو دہلی میں داخل ہوئے دہلی کی چھاؤنی میں جو شہر سے مشرق کی طرف دو میل کے فاصلے پر واقع ہے ایک ہندوستانی توپخانہ اور تین ہندوستانی پلٹن ۳۸ ویں اور ۵۴ ویں اور ۷۴ ویں مقیم تھیں اور برگڈیر گریوس صاحب اس فوج کے حاکم تھے دوشنبہ کے روز ۱۱ ویں تاریخ ماہ مئی ۱۸۵۷ء حسب دستور سب کچہریاں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں باغیوں کی آمد آمد کی خبر مشہور ہوئی۔ جب اس امر کی اطلاع مسٹر ہچنسن صاحب مجسٹریٹ شہر کو ہوئی۔ بگی دوڑا کے چھاؤنی پہنچے اور برگڈیر صاحب کو اس خبر سے مطلع کیا اُنھوں نے ۵۴ ویں پلٹن کو مع دو ضرب توپ بسرداری کرنل ریپلی صاحب طیار ہونیکا حکم دیا جب صاحب مجسٹریٹ چھاؤنی سے واپس شہر کے کشمیری دروازے پر پہنچے اُسوقت ایک بلوہ عظیم شہر میں برپا ہو گیا تھا اور بڑا ہجوم تھا مسٹر لباس صاحب جج نے اُنکو اندر جانے سے منع کیا لیکن اُنھوں نے نہ مانا پھر اُن کا پتہ نہ لگا کہ وہ کیونکر اور کہاں مارے گئے۔

مسٹر سائمن فریزر صاحب کمشنر باغیوں کی آمد کی خبر سنتے ہی بگی میں سوار ہو کے کلکتہ دروازہ پر جو دریا کے پل اور شہر کے درمیان واقع ہے پہنچے وہاں اُنھوں نے باغیوں کو شہر میں آنے سے روکنا چاہا لیکن نہ ہو سکا۔ مسٹر ٹوڈ صاحب مہتمم تار برقی اور سارجنٹ پل کو باغی قتل کرتے ہوئے دروازۂ مذکور سے شہر میں آگھسے اول سوار داخل ہوئے جنھنے پہلے سائمن فریزر صاحب جج اور کپتان ڈگلس صاحب قلعہ دار کا مقابلہ ہوا بعض کہتے ہیں کہ جج صاحب موصوف وہیں مارے گئے اور بعض کی روایت ہے کہ وہ کپتان ڈگلس صاحب کے گھر پر جو قلعہ کے دروازے پر تھا مع کپتان صاحب موصوف اور پادری جننگ صاحب اور اُنکی بیٹی کے قتل ہوئے باغیوں نے قلعہ میں جا کر شاہ کو

طرف سوار ہو کے جاتی تھیں کہ یکایک تہلکہ عظیم برپا ہو گیا بندوقوں کی آوازیں آنے
لگیں اور ہر طرف آگ روشن ہو گئی غارت گری اور قتل شروع ہوا پانچ سے تمام کو تیسرا
رسالہ اور ۲۰ ویں پلٹن مسلح ہو کے ۱۱ ویں پلٹن کی لین میں گھس گئی اور اُن کو بھی اپنے
ساتھ لیا یہ سنکر کرنل فنس صاحب افسر گیارھویں پلٹن سوار ہو کے لین میں آئے اور
اپنے سپاہیوں کو سمجھانے لگے لیکن بیسویں پلٹن کے سپاہیوں نے اُن پر ایک باڑ ماری
اور گولیوں سے اُن کا بدن چھلنی کر دیا یہ اول افسر تھے جو بغاوت کے شروع میں مارے
گئے یہ دیکھکر اور افسر گورہ چھاؤنی کی طرف چلے گئے تیسرے رسالہ کے سواروں نے
اول جیلخانہ کو جاکر توڑا اور اپنے بھائیوں کو قید سے رہا کیا اور اُنکے ساتھ بارہ سو قیدی
جو محبس میں تھے وہ بھی رہا ہو گئے پھر تو ان سب باغی سپاہیوں نے محشر برپا کر دیا چاروں
طرف چھاؤنی میں آگ لگادی عیسائیوں میں سے عورت و مرد اور بچے جو اُنکے ہاتھ میں
آ گئے انھیں اس بیرحمی سے قتل کیا کہ لکھتے ہوئے دل کانپتا ہے گورہ فوج یہ ماجرہ
دیکھ کے تیار ہو گئی لیکن تاوقتیکہ وہ ہندوستانی چھاؤنی تک پہنچے رات بہت آ گئی تھی
اور تاریکی چھا گئی تھی سرکش سب جلا پھونک کے اور قتل کرکے دہلی کی طرف فرار ہو گئے
یہ ہوتے ہی ضلع میں بد انتظامی اور بدعملی پیدا ہو گئی تمام پولیس بھاگ گیا سڑک ڈاک بند
ہو گیا تار برقی ٹوٹ گئی اور لوٹ کھسوٹ ہونے لگی ۱۶ تاریخ مئی کو دو کمپنیاں سیپرز اینڈ مائنرز
یعنی شعرمیا کی رڑکی سے میرٹھ پہنچیں اُسی روز اُنھوں نے اپنے افسر میجر فریزر صاحب
کو مار ڈالا اور دو دہلی کی طرف روانہ ہوئیں اور جو کمپنیاں کہ بھاگیں اُنکے ہتیار چھین لئے گئے

باغیوں کا دہلی میں داخل ہونا

سوار اور سپاہی میرٹھ سے راتوں رات بھاگ کے اور چالیس میل سڑک طے کرکے ۱۱ ویں

باعدول حکمی کا بھی احوال بخوبی ظاہر ہو اس لیئے حکم دیا کہ ۶ تاریخ مئی صبح کے وقت تیسرے رسالہ ہندوستانی کی پریڈ ہو چنانچہ ۵ تاریخ کی شام کو کارتوس تقسیم کیئے گئے اور یہ کارتوس وہی تھے جو اُنکو ہمیشہ ملتے تھے اور جن سے اُنھوں نے ہمیشہ کام دیا تھا۔ پچاسی سواروں نے کارتوس لینے سے انکار کیا یہ حرکت چونکہ قوانین جنگی کے بالکل برخلاف تھی اس لیئے فوراً وہ گرفتار کر لیئے گیئے اور افسران فوج نے اُنھیں حوالات سپرد کر دیا اور کورٹ مارشل یعنی عدالت جنگی میں ان پر جرم عدول حکمی اور بغاوت ثابت ہوا اور ہر شخص کو ان میں سے چھ برس سے دس برس تک کی قید با مشقت کی سزا کا حکم سنایا گیا چنانچہ ۹ تاریخ مئی کو اس حکم کی تعمیل ہوئی اُس صبح تمام فوج گورہ اور ہندوستانی پریڈ پر جمع ہوئی اور ۸۵ مجرم وہاں لائے گئے اور تمام فوج کے سامنے اُنکی وردی اُتاری گئی اور بیڑی اور ہتکڑی ہر ایک کو پہنا کر جیلخانہ روانہ کیا پا بزنجیر کرنیکے وقت مجرموں اور اُنکے رسالہ کے سواروں میں جو وہاں موجود تھے ایسے اشارے ہوئے کہ جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ مجرم اُنکی طرف بنظر کمال طعن دیکھ رہے ہیں اگرچہ رسالہ کے سواروں کے تیور بدل گئے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ اپنے بھائیوں کی یہ بے عزتی نہ ہونے دیں لیکن اتنی گورہ فوج کے سامنے اُن کا کچھ قابو نہ چل سکتا تھا جب مجرموں کی روانگی کے بعد کل فوج نے لین کی طرف مراجعت کی تو سب ہندوستانی فوج سخت برانگیختہ اور خفا معلوم ہوتی تھی اور اس تمام روز اور شام کو آپس میں جھلا جلسیں اور مشورے اور تجاویز ہوتی رہیں۔ اہل فرنگ کو کبھی اس امر کا خیال بھی نہ تھا جو دوسرے روز دسویں تاریخ ماہ مئی ۱۸۵۷ء اتوار کے روز شام کے وقت ظہور میں آیا اُس روز گویا سرکشی تمام کھلا شروع ہوئی۔ انگریز مسیس اور میمیں اس وقت شام کی نماز کو گرجہ کی

اور قواعد سرکار انگلشیہ پر تم اس پر ہرگز یقین لاؤ اور سمجھو کہ سرکار کو تمہارے عقائد کا
کتنا پاس و لحاظ ہے اور رہا ہے اس دھمکی نے اُنکے دلوں پر مطلق اثر نہ کیا اور وہ طریقہ
عدول حکمی اور سرکشی روز بروز زیادہ اختیار کرتے جاتے تھے اور چھاؤنی آتش زدگی کا
بازار گرم ہوگیا ۲۳ تاریخ اپریل کو کرنل سمتھ صاحب حاکم سوم رسالہ ترک سوار نے حکم دیا
کہ صبح کو پریڈ ہو تاکہ اُن کو وہ یا طریقہ کارتوس بھرنے کا بتلایا جائے جس میں کارتوس
منہ سے کاٹنا نہیں پڑتا بلکہ بائیں ہاتھ سے پھاڑ کے بھرنا ہوتا ہے۔ اس حکم کے دینے
سے کرنل صاحب ممدوح نے یقین کیا کہ ہندوستانی فوج کو معلوم ہو جائیگا کہ سرکار انگلشیہ
ہندوستانیوں کے خیالات کا کتنا پاس کرتی ہے۔

۲۴ تاریخ جب رسالہ مذکور پریڈ پر آراستہ ہوا اُس وقت حوالدار میجر نے کارتوس
طریقۂ جدید سے بھر کے چھوڑ کر دکھایا جب سواروں کو حکم قواعد ہوا اُس وقت انھوں
نے کارتوس لینے میں پس و پیش ظاہر کیا حالانکہ یہ وہی کارتوس تھے جن سے وہ ہمیشہ
قواعد کرتے تھے یہ دیکھکر میجر ریس صاحب نے اس امر کی تحقیقات کی چنانچہ ۲۵ تاریخ
برسر اجلاس فوج کے آدمیوں نے بیان کیا کہ اُنکو تامل اعتراض کوئی چیز اس قاعدہ کی
کارتوس میں نہیں ظاہر ہوئی لیکن مشہور یہ ہے کہ نجس چربی کا سا ہوا ہے اور اسکا ہمیں
یقین ہوگیا ہے یہ تقریر سنکر میجر صاحب ممدوح نے اُن کو سب سمجھایا اور اُن سے تقریر
کی آخر یہ ہوا کہ سب لوگ فوج کے راضی ہوگئے اور اُنھوں نے بیان کیا کہ ہم عدول حکمی اور
گستاخی سے بہت نادم ہوئے اور ہمیں ان کارتوسوں کے استعمال میں آیندہ کسی عذر
نہوگا اس فیصلے کے بعد پھر بھی فوج کے اطوار سے اُنکی ناراضمندی ظاہر ہوتی تھی۔
میجر جنرل ہیوٹ صاحب نے یہ سوچا کہ اس کشمکش کا فیصلہ ہونا چاہیئے اور فوج کی حالت

ایمان جانا رہے گا کل سپاہیوں میں سازش ہو گئی ہے اور ہم نہیں کا یہ سب کا م ہے اور اسی وجہ سے باوجود اقرار انعام اور کوشش اور تحقیقات تمام کے کوئی شخص جرم آتش زوگی کا مرتکب اور مجرم ظاہر نہیں ہوا۔

میرٹھ میں بغاوت کا آغاز اور وہاں سے سرکشوں کا دہلی کی طرف فرار ہونا۔ یہ کب گمان تھا کہ میرٹھ میں جہاں اتنی فوج گورہ مقیم تھی اول سرکشی شروع ہو گی۔ بارک پور سے لیکے ستلج تک کہیں اتنی فوج گورہ کی تعین نہ تھی میرٹھ میں اس وقت ۶۰ ویں رفل گورہ جس میں ایکہزار مضبوط جوان تھے اور چھ سو جوانوں کا چھٹا رسالہ ڈریگون اور ولایتی توپخانہ اسپی مع پانچ سو توپچی موجود تھے۔ غرض کل فوج گورہ قریب دو ہزار دو سو کے تھی اور ہندوستانی فوج گورہ کی فوج سے کچھ تھوڑی زیادہ تھی یعنی تیسرا رسالہ ترک سواروں کا اور گیارھویں اور ۲۰ ویں پلٹن پیادگاں۔ چربی لگے ہوئے کارتوسوں کی خبر اور مختلف بے بنیاد افواہیں سب جگہ پونہچ گئی تھیں علاوہ ازیں فتنہ انگیزوں نے یہ بھی مشہور کیا کہ سرکار نے ہنود کا مذہب بگاڑ دینے کے واسطے آٹے میں بیل اور گاے کی ہڈیاں پسوائی ہیں اور اس لغو بات کو علاوہ سپاہیوں کے جو فرقہ جاہل مشہور ہے اچھے اچھے معقول آدمیوں نے یقین کر لیا۔

اس میں شک نہیں کہ ان جھوٹی خبروں کو اُن آدمیوں نے زیادہ مشہور کیا جن کا منشا سرکشی کرنے کا تھا تا کہ ہنود جو بیوقوف اور سادہ لوح ہیں وہ ان کا یقین کر کے انکی طرف ہو جاویں غرضکہ جب سپاہیوں کو میرٹھ میں ان افواہوں کا یقین ہو گیا اور آپس میں ان کا بڑا چرچا پھیلا اُس وقت میجر جنرل ہیوٹ صاحب نے فوج کو سمجھایا کہ سرکار کو تمہارے مذہب میں دخل دینے سے کیا مفاد حاصل ہو گا اور یہ امر بالکل خلاف انتظام

گورو اور سولواں ہندوستانی کے چیسرو کو روانہ کیا تاکہ وہاں مقیم رہیں اور دریا پار ہو کے شہر چاٹگام کی طرف جہاں باقی چار کمپنی اُنکی پلٹن کی مقیم تھیں نہ جانے پاویں اِس موقع پر بھی فوج کی دلجمعی کی گئی کہ سرکار نے عقائد مذہبی میں کبھی دست اندازی نہیں کی اور نہ آیندہ کریگی اور اُنکو لازم ہے کہ فتنہ پردازوں کے فریب میں نہ آئیں اور اُن شیاطین کے اغوا کرنے سے کوئی امر نمک حرامی یا عدول حکمی کا نہ کریں۔

یہ سرگذشت تو صوبہ بنگالہ کی ہے اب اضلاع شمال مغربی کا احوال سنیئے نئے کارتوسوں کی خبر یہاں بھی پونہچی اور اُس کا اثر اول بنگالہ میں نمودار ہوا ہر بسی سنگھ صوبہ دار ۳۶ ویں پلٹن متعینہ چھاؤنی انبالہ نے سب اپنے بھائیوں کے آگے بیان کیا کہ نئے کارتوسوں میں کچھ خرابی نہیں ہے اور نہ مجھے اُسکے استعمال میں کچھ عذر ہے ۲۶ تاریخ مارچ کو اُسکے گھر میں کسی نے آگ لگا دی جس سے اُس کا گھر اور اسباب جل گیا پھر تو چھاؤنی میں آتش زدگی شروع ہوئی ۱۳ تاریخ اپریل کو آگ لگی پھر پندرھویں کو اور پھر سولھویں کو اس روز تیس ہزار روپیہ کا سرکاری اسباب جل گیا، ۱۸ تاریخ کو ایک عالی بنگلہ اور ایک افسر کا اصطبل اور ایک کان جل گیا ۲ تاریخ کو معلوم ہوا کہ پانچویں پلٹن کے جمعدار اور حوالدار کا گھر جلانے کا ارادہ تھا یہ دونوں ہندوستانی افسر نئے کارتوس سے راضی تھے۔ جمعدار کے پلنگ کے نیچے باروت اور گندک بھی ہوئی پکڑی گئی ۲۱ اور ۲۲ اور ۲۵ تاریخ کو برابر آتش زدگی رہی اور چھاؤنی کے اکثر مکانات جل گئے یہ حال دیکھکر افسران انگریزی اور کپتان مارسن صاحب کو کمال تشویش ہوئی اور کپتان ہوارڈ صاحب مجسٹریٹ چھاؤنی انبالہ نے کلکتہ کو اِس مضمون کی چٹھی لکھی کہ چھاؤنی انبالہ میں اس آتش زدگی کا باعث یہ ہے ۱۔ ایک تو ... نو ایجاد کارتوس ہیں سپاہیوں کے دل میں سما گیا ہے کہ ان کارتوس کے استعمال سے اُن کا دین اور

نے صاحب موصوف کو گولی ماری لیکن وہ اُنکے گھوڑے سے لگی صاحب نے بھی
تپنچہ کا فیر کیا لیکن گولی نے خطا کی اِس پر سپاہی نے صاحب کو تلوار سے زخمی کر کے
گھوڑے سے اُتار لیا سینکڑوں سپاہی خاموش تماشا دیکھا کئے اور کوئی شخص سوائے
شیخ پلٹو اور ہندوستانی سارجنٹ میجر کے صاحب کی مدد کو نہ آیا بلکہ ایک جمعدار نے
منگل پانڈے کی گرفتاری سے انکار کیا اور اپنے سپاہیوں کو فہمایش کی کہ کوئی صاحب
کی مدد نہ کرے صاحب موصوف بہزار خرابی اُس خونخوار کے ہاتھ سے جاں بر ہوسکے
یہ حال سُنکر میجر جنرل ہیرسی صاحب مع دیگر افسران موقع واردات پر آئے اور بدقت منگل
پانڈے کو گرفتار کیا اور کورٹ مارشل یعنی عدالت جنگی میں منگل پانڈے اور جمعدار پر جرم
ثابت کر کے پھانسی کا حکم دیا چنانچہ ۸- اپریل کو پھانسی دیگئی- حاکمان کلکتہ کو یقین ہوگیا
کہ اس سزا کے باعث سے کل ۳۴ ویں پلٹن کے آدمیوں کو عبرت ہوجائیگی- لیکن
برخلاف اِسکے وہ پلٹن اور بھی زیادہ گستاخ اور نافرماں بردار ہوتی گئی- جب پانی سر سے
گزر گیا تو یہ فیصلہ ٹھیرا کہ اس پلٹن کے ہتیار بھی چھین لئے جاویں- چنانچہ ۵ تاریخ مئی ۱۸۵۷ء
کل فوج گورہ و ہندوستانی قرب و جوار کلکتہ مع توپخانہ بارک پور میں جمع کی گئی اور ۶ تاریخ
صبح کو یہ فوج دو صف میں آراستہ ہوئی اور چار سو سپاہی ۳۴ ویں پلٹن کے جو چھاونی
بارک پور میں جمع تھے توپوں کے سامنے کھڑے کئے گئے لفٹنٹ چامیر صاحب مترجم
نے اُس پلٹن کے ہتیار چھین لینے اور نام کاٹنے کا حکم سنایا بعد ازاں جنرل ہیرسی صاحب
نے اُن کو حکم دیا کہ ہتیار رکھدو اور وردی جسکو تمھارے جسم سے کمال بیعزتی ہے اُتار کے
حوالہ کرو جب اُنھوں نے ہتیار رکھدیئے اور وردی اُتار کے حوالہ کردی اُس وقت اُن کی
تنخواہ بیباق کی گئی اور اُن کو مع اُنکے بال بچوں کے بحراست کمپنی گرانیڈیر ہم در جمینٹ

چنانچہ ۱۳ مارچ کو پلٹن مذکور بہرام پور سے بارک پور طلب ہو کر آئی اور آسکے ہتیار رے لیئے گئے تنخواہ کل سپاہیوں کی بیباق کر دی گئی اور اُن کو پہلا گھاٹ سے دریا پار اتار دیا نواب گورنر جنرل ہندوستان بہ ولایت کو یہ لکھ کے بھیجا کہ اب اُمید ہے کہ اس سخت سزا سے کل ہندوستانی فوج کو یقین ہو جائیگا کہ حکام کی عدول حکمی سے بجز بربادی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ہتیار لینے کے وقت میجر جنرل ہیرسی صاحب نے تمام فوج کے سامنے جو اس وقت پریڈ پر موجود تھی بہت فصاحت اور صفائی کے ساتھ گورنر جنرل بہادر کا حکم پڑھکے سنایا کہ مذہبی دست اندازی کے باب میں جو افواہیں فتنہ پردازوں نے مشہور کی ہیں وہ محض بے اصل اور بے بنیاد ہیں اور سرکار انگلشیہ کو ہرگز ہرگز کبھی یہ منظور ہوا اور نہ ہوگا کہ کسی کے مذہبی عقائد میں دست اندازی کرے ۳۴ ویں پلٹن تنبیہ بارکپور بھی نہایت رنجیدہ خاطر تھی اور گرسنگی کی ہوائے اُسکے دل میں زیادہ اثر کر رکھا تھا حکم ۱۹ ویں پلٹن مذکورہ بالا کو ہتیار ڈالنے کے لیئے طلب کیا تھا تو ابھی وہ راستہ میں دس آٹھ میل بارک پور سے پہنچی بھی نہ تھی کہ ۳۴ ویں پلٹن کے سپاہیوں نے پیغام بھیجا کہ تم اپنے انگریزی افسروں کو مار ڈالو اور بارک پور میں آن کے اور ہمارے ساتھ ملکے یہاں کے تمام افسروں کا کام تمام کرو اور چھاؤنی اور ٹکسال پھونک کے کلکتہ پر حملہ کرو لیکن ۱۹ ویں پلٹن نے اس پر عمل نہ کیا۔ ۱۹ مارچ کو ۳۴ ویں پلٹن کے ایک سپاہی مسمی منگل پانڈے نشہ میں بدمست ہو کر مسلح با تلوار اور بندوق لیکے گھر سے نکلا اور اپنے بھائی بندوں کو آواز دی کہ اُسکے ساتھ ہو جاویں اور اُس نے بیان کیا کہ جب کسی انگریزی افسر کو دیکھے گا مار ڈالیگا۔ لفٹنٹ باصاحب نے جب یہ حال اور کل پلٹن کی سرکشی مزاج کا حال سُنا تو وہ فی الفور سوار ہو کر لیس میں تشریف لائے منگل پانڈے

حسب دستور کارتوس سے قواعد کرنے کا حکم ہوا انھوں نے انکار کیا اور ٹوپیاں نہ لیں
اور بیان کیا کہ کارتوس کے کاغذ میں انکو شبہ ہے کہ دو طرح کے دیئے گئے ہیں ایک میں
انکو گمان ہے کہ چربی لگی ہوئی ہے حالانکہ یہ امر محض غلط تھا وہی پرانے کارتوس ان کو
دیئے گئے تھے یہ عدول حکمی یا تو صریح انحراف اور منشار بغاوت کے باعث تھی یا ان کو
کسی نے بہکایا ہوگا یہ دیکھکر حاکم افروختہ ہوئے۔ لفٹنٹ کرنل مچل صاحب حاکم فوج نے
حکم دیا کہ صبح کو رسالہ سوار اور توپخانہ ہندوستانی پریٹ پر حاضر ہو اسی شب دس یا گیارہ
بجے رات کو ۱۹ ویں رجمنٹ کے سپاہیوں نے بلوہ کرکے کوتھ (جہاں کہ بندوقیں جمع رہتی
تھیں) کو توڑکر اپنی اپنی بندوقیں لین میں لارکھیں صبح ہوتے ہی توپیں تیار ہوئیں اور
افسروں نے پریٹ پر پہنچ کر دیکھا تو سپاہی بغیر وردی لیکن مسلح غل و شور مچارہے ہیں
یہ دیکھکر مچل صاحب نے ان سے تقریر کی اور کہا کہ تم لوگوں کو کیا گمان فاسد ہوگیا ہے
اور جو توہمات تمھارے دلوں پر چھا رہے ہیں وہ محض غلط اور بے بنیاد ہیں اور تمھیں چاہیئے
کہ اپنے ہتھیار دیدو اور بدستور اپنی لین کو جاؤ۔ یہ سنکر افسران ہندوستانی نے کہا کہ سپاہی
ہتھیار رکھنا نہیں چاہتے جب تک کہ آپ توپخانہ اور رسالہ نہ ہٹالیں گے صاحب بہادر نے
منظور فرماکے توپخانہ اور سواروں کو ہٹالیا اسکے بعد سپاہیوں نے بھی اپنے ہتھیار رکھدیئے
چوتھی تاریخ مارچ ۱۸۵۷ء کو خبر مفسدہ بہرام پور کی کلکتہ پہنچی لیکن چونکہ گورہ فوج بہت کم تھی
لہذا نافرمان سپاہیوں کی سزا دہی میں تامل واقع ہوا پلٹن نمبر ۸۴ پیادگان شاہی گوری
کو رنگون سے طلب کیا اور پلٹن مذکور ۲۰ تاریخ ماہ مذکور کو کلکتہ میں پہنچ گئی۔ اب میجر جنرل
ہیرسی صاحب حاکم فوج بارکپور نے مصمم ارادہ کیا کہ ۱۹ ویں پلٹن سے جس نے بہرام پور
میں صریح حکم عدولی کی اور آمادہ فساد ہوئی ہتھیار چھین کے اس کا نام کاٹ دیا جاوے

پھیلی یہ دیکھ کر تمام رجمنٹ کے لوگ خائف ہو گئے اس کے بعد کارتوس کے کاغذ کا ایک
ٹکڑا دوسرا اس جلایا گیا اُس وقت پھر چاند خاں سے دریافت کیا گیا کہ اب اس میں
ویسی بدبو نہیں آتی لیکن پھر بھی اُس نے کاغذ کے استعمال سے انکار کیا اور کہا کہ وہ
موم جامہ کے مانند معلوم ہوتا ہے اسکے بعد صوبہ دار عبدالحق کو بلا کے پوچھا اُس نے
جواب دیا کہ مجھکو اس کاغذ کے کاٹنے میں کچھ انکار نہیں ہے لیکن چھاؤنی میں عام مشہور ہے کہ
اِس کاغذ پر چربی چڑھی ہوئی ہے- بعد ازاں گلاب خاں جمعدار نے بھی بالیقین یہ بیان کیا
کہ کارتوس میں ضرور چربی لگی ہے کیونکہ یہ جامد کاغذ کے نہیں ہے جو کہ پہلے مروج تھا جب کہ
عدالت کو بخوبی معلوم ہوا کہ فوج کے لوگ اس کاغذ کے کاٹنے سے بالکل ناراض ہیں تو
اِس لحاظ سے کہ مذہبی توہمات میں خواہ غلط ہوں یا صحیح سرگرمی نہ کیا جائے حکم دیا
کہ اس امر کی آزمایش کیجائے کہ آیا کارتوس بغیر منہ سے کاٹنے کے بائیں ہاتھ سے پھاڑ کر
نئی رفل میں آسانی تمام بھر سکتے ہیں یا نہیں چنانچہ اس امر کا امتحان کیا گیا- اور امتحان
پر معلوم ہوا کہ سپاہی بائیں ہاتھ سے کارتوس پھاڑ کے اُتنے ہی جلدی اور آسانی سے رفل
میں بھر سکتے ہیں جیسا منہ سے کاٹ کے اِس تجربہ کے بعد سپہ سالار نے اس بات
میں اپنی منظوری کا حکم دیا اور ہز ایکسیلنسی گورنر جنرل نے اس حکم کا اعلان فرمایا کہ
آیندہ سپاہی بجائے منہ کے کاٹنے کے کارتوس کو بائیں ہاتھ سے پھاڑ کے بھریں یہ فیصلہ
ہوا ہی تھا کہ بہرام پور میں تا و فساد پیدا ہوا ۳۴ ویں پلٹن کے کچھ سپاہی بارک پور سے بدل کے
بہرام پور گئے یہ شہر بھاگیرتی کے بائیں کنارے ایک سو بیس میل کلکتہ سے مغرب کی طرف
واقع ہے اس مقام پر ۱۹ ویں پلٹن کے سپاہیوں نے اُنکی دعوت کی دعوت کے وقت بطور
نے تمام ماجرا دمدمہ اور بارک پور میں کارتوس کا مع انتہا بیان کیا ۲۶ تاریخ فروری کو

فاسد اور جھوٹی خبریں ہیں انھوں نے نئی تنبیہیں انکی تردید کی خشک کارتوس دیئے گئے انسے
کہا گیا کہ چاہو جس چکنائی سے انکو چکنا کر کے استعمال کرو علاوہ ازیں یہ بھی قرار پایا کہ
ولایت سے کارتوس تیار نہ آئیں بلکہ کاغذ اور گولی علیحدہ علیحدہ بھیجے جاویں تاکہ وہ ہندوستان
میں تیار کیے جاویں اسکے بعد بارک پور جہاں کہ کلکتہ کی چھاونی ہے ایک اور واردات
درپیش ہوئی وہاں کے سپاہیوں نے کارتوس کو مونہ سے کاٹنے میں انکار محض کیا اور
کہا کہ کارتوس کے کاغذ میں چربی لگی ہوئی ہے جسکے مونہ میں لگنے سے اُن کا ایمان جاتا
رہے گا ۶ تاریخ فروری کو جنرل ہیرسی صاحب حاکم فوج بارک پور نے مع دیگر صاحبان
فوج اس امر کی تحقیقات کے واسطے اجلاس فرمایا اور پلٹن نمبر دوم گرانیڈیر کے سپاہیوں
کے سامنے بلا کر استفسار کیا کہ کارتوس نکاٹنے کی کیا وجہ ہے بیج ناتھ سپاہی نے آگے
بڑھ کر عرض کی کہ ہم کو شک ہے کہ اس کاغذ کے کارتوس سے شاید ہمارے ایمان میں فرق
آجائے ایسا کاغذ ہم نے کبھی پیشتر نہ دیکھا تھا اور لوگ بازار میں مشہور کرتے ہیں کہ اس کاغذ
پر چربی چڑھی ہوئی ہے یہ سُنکر صاحبان کچہری نے اُسکے ہاتھ میں وہ کاغذ دیا اور کہا کہ
اِسکو اچھی طرح روشنی میں دیکھکر بیان کرو کہ تمہارے نزدیک اِس میں کونسی چیز قابل
اعتراض ہے بیج ناتھ نے کہا کہ غریب پرور مجھکو اس کاغذ میں اِس باعث سے شک ہوا
ہے کہ یہ سخت اور کپڑے کی مانند معلوم ہوتا ہے اور کاغذ کے طور سے نہیں پھٹتا بعد ازاں
ایک اور سپاہی مسمی چاند خاں کے اظہار ہوئے اُس نے بیان کیا کہ کاغذ کے کارتوس
کے کاٹنے میں اعتراض اس وجہ سے ہوا کہ وہ مثال چمڑے کے سخت معلوم ہوتا ہے
اور جلانے سے [illegible] بو چربی کی آتی ہے چنانچہ سپاہیوں نے چوتھی تاریخ
ماہ حال [illegible] کاغذ کے کارتوس کو جو پانی میں بھگو کر جلایا تو جلتے وقت اُس میں سے چراند

پھیلی یہ دیکھ کر تمام رجمنٹ کے لوگ خائف ہو گئے اس کہنے پر کارتوس کے کاغذ کا ایک ٹکڑا برسر اجلاس جلایا گیا اُس وقت پھر جمعدار خاں سے دریافت کیا گیا کہ اب تو اس میں سے ویسی بدبو نہیں آتی لیکن پھر بھی اُس نے کاغذ کے استعمال سے انکار کیا اور کہا کہ وہ موم جامہ کے مانند معلوم ہوتا ہے اسکے بعد صوبہ دار خدابخش کو بلا کے پوچھا اُس نے جواب دیا کہ مجھکو اس کاغذ کے کاٹنے میں کچھ انکار نہیں ہے لیکن بھائیوں میں عام مشہور ہے کہ اِس کاغذ پر چربی چڑھی ہوئی ہے۔ بعد ازاں گلاب خاں جمعدار نے بھی بالیقین یہ بیان کیا کہ کارتوس میں ضرور چربی لگی ہے کیونکہ یہ مانند کاغذ کے نہیں ہے جو کہ پہلے مروج تھا جب کہ عدالت کو بخوبی معلوم ہوا کہ فوج کے لوگ اس کاغذ کے کاٹنے سے بالکل ناراض ہیں تو اِس لحاظ سے کہ مذہبی توہمات میں خواہ غلط ہوں یا صحیح ہرگز دخل نہ دیا جائے حکم دیا کہ اس امر کی آزمایش کیجائے کہ آیا کارتوس بغیر منہ سے کاٹنے کے بائیں ہاتھ سے پھاڑ کر نئی رفل میں آسانی تمام بھر سکتے ہیں یا نہیں چنانچہ اس امر کا امتحان کیا گیا۔ اور امتحان پر معلوم ہوا کہ سپاہی بائیں ہاتھ سے کارتوس پھاڑ کے اُتنے ہی جلدی اور آسانی سے رفل میں بھر سکتے ہیں جیسا منہ سے کاٹ کے اِس تجربہ کے بعد سپہ سالار ہند نے اس بات میں اپنی منظوری کا حکم دیا اور ہز ایکسیلنسی گورنر جنرل ہند نے اس حکم کا اعلان فرمایا کہ آیندہ سپاہی بجائے منہ کے کاٹنے کے کارتوس کو بائیں ہاتھ سے پھاڑ کے بھریں یہ فیصلہ ہوا ہی تھا کہ بہرام پور میں تازہ فساد پیدا ہوا ۳۴ ویں پلٹن کے کچھ سپاہی بارک پور سے ملکے بہرام پور گئے یہ شہر بھاگیرتی کے بائیں کنارے ایکسو بیس میل کلکتہ سے مغرب کی طرف واقع ہے اس مقام پر ۱۹ ویں پلٹن کے سپاہیوں نے اُنکی دعوت کی دعوت کے وقت ان لوگوں نے تمام ماجرا جو دمدمہ اور بارک پور میں کارتوس کا ہوا تھا بیان کیا ۲۶ تاریخ فروری کو

فاسد اور جھوٹی خبریں اُنھوں نے سُنی تھیں اُنکی تردید کی خشک کارتوس دیے گئے
کہا گیا کہ چاہو جس چکنائی سے انکو چکنا کر کے استعمال کرو علاوہ ازیں یہ بھی قرار پایا کہ
ولایت سے کارتوس تیار نہ آئیں بلکہ کاغذ اور گولی علیحدہ علیحدہ بھیجے جاویں تاکہ وہ ہند
میں تیار کیے جاویں اسکے بعد بارک پور جہاں کہ کلکتہ کی چھاؤنی ہے ایک اور واردات
درپیش ہوئی وہاں کے سپاہیوں نے کارتوس کو مونہہ سے کاٹنے میں انکار محض کیا
کہا کہ کارتوس کے کاغذ میں چربی لگی ہوئی ہے جسکے مونہہ میں لگنے سے اُن کا ایمان
رہے گا ۶ تاریخ فروری کو جنرل ہیرسی صاحب حاکم فوج بارک پور نے مع دیگر صاحبان
فوج اس امر کی تحقیقات کے واسطے اجلاس فرمایا اور پلٹن نمبر دوم گرانیڈیر کے سپاہیوں
کے سامنے بلا کر استفسار کیا کہ کارتوس نہ کاٹنے کی کیا وجہ ہے بیج ناتھ سپاہی نے آگے
بڑھ کر عرض کی کہ ہم کو شک ہے کہ اس کاغذ کے کارتوس سے شاید ہمارے ایمان میں فرق
آجائے ایسا کاغذ ہم نے کبھی پیشتر نہ دیکھا تھا اور لوگ بازار میں مشہور کرتے ہیں کہ اس کا
پر چربی چڑھی ہوئی ہے یہ سُنکر صاحبان کچہری نے اُسکے ہاتھ میں وہ کاغذ دیا اور کہا
اسکو اچھی طرح روشنی میں دیکھکر بیان کرو کہ تمھارے نزدیک اس میں کونسی چیز قابل
اعتراض ہے بیج ناتھ نے کہا کہ غریب پرور مجھکو اس کاغذ میں اس باعث سے شک
ہے کہ یہ سخت اور کپڑے کی مانند معلوم ہوتا ہے اور کاغذ کے طور سے نہیں پھٹتا بعد از
ایک اور سپاہی مسمی چاند خاں کے اظہار ہوئے اُس نے بیان کیا کہ کاغذ کے کارتوس
کے کاٹنے میں اعتراض اس وجہ سے ہوا کہ وہ مثال چمڑے کے سخت معلوم ہوتا ہے
اور جلانے سے [illegible] چربی کی آتی ہے چنانچہ سپاہیوں نے چوتھی تاریخ
[illegible] کاغذ کے کارتوس کو جو پانی میں بھگو کر جلایا تو جلتے وقت اُس میں سے چرا

شروع سال ۱۸۵۷ء میں مفسدہ پردازوں نے یہ غلط خبر مشہور کی کہ ہندوؤں کیواسطے ولایت سے جو کارتوس آئے ہیں اُن میں سور اور گائے کی چربی لگی ہوئی ہے اور ایسے کارتوسوں کے تقسیم کرنے سے سرکار کا ارادہ ہے کہ مذہب ہنود و اسلام کو بگاڑا جائے اور سب لوگ عیسائی ہو جائیں ۲۲ تاریخ جنوری ۱۸۵۷ء مقام دمدمہ میں جو کلکتہ کے قریب ہے کسی ادنیٰ قوم کے ہندو نے دوم بنگال گرانیڈیر کے ایک برہمن سپاہی سے پانی پینے کو لوٹا مانگا برہمن نے انکار کیا اُس نیچ ذات کے آدمی نے سپاہی سے کہا کہ اجی مہاراج آپ اپنی ذات پر شیخی مارئیے دیکھو تو سہی ہوتا کیا ہے آپکو گائے اور سور کی چکنی ہوئی چربی کے کارتوس منہ سے کاٹنے پڑینگے پھر آپ کی ذات کہاں رہیگی برہمن نے یہ سنکر اس خبر کو سب اپنے بھائی بندوں میں پھیلایا گویا یہاں سے بغاوت کی ابتدا ہوئی۔ تمام فوج ہندوستانی متعینہ دمدمہ کو گمان ہوا کہ وہ ذات میں سے خارج ہو جائینگے اور جب وہ گھر جائینگے تو کوئی اُنکے ساتھ کھانا نہ کھاویگا جب اس بات کی خبر انگریزی افسروں کو ہوئی انہوں نے پریڈ کا حکم دیا۔ حکم ہوتے ہی سب فوج آراستہ ہو کر کھڑی ہوئی افسروں نے ناراضگی کا باعث استفسار کیا انہوں نے جو شبہ تھا وہ بیان کر دیا۔ افسروں نے سنکر اُنکی دلجمعی کی اور جو

مسلمان مرہٹوں کے ظلم سہتے سہتے ایسے تنگ آ گئے تھے کہ انھیں انگریزوں کی سلطنت بسا غنیمت معلوم ہوتی تھی اگر باغی اور بے رحم فوج دہلی کا رخ نہ کرتی اور یہاں انگریزوں ہی کا تسلط رہتا تو ہرگز کسی قسم کی بربادی نہ ہوتی۔ خدا کو جو کچھ منظور تھا وہ ہوا۔ اور اب شکر کا مقام ہے کہ انگریزوں کی سلطنت ہندوستان کے لیئے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہو گئی ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ غدر ۱۸۵۷ء کے مختصر حالات درج کریں تاکہ معلوم ہو کہ باغی مسلمانوں کو کیسی ذلت اٹھانی پڑی اور انگریزوں کو جن کے معصوم بچوں اور عورتوں کو قتل کیا گیا۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے فضل سے کیسی فتح عنایت کی۔ غدر کے ان حالات سے یہ پتہ چل جائیگا کہ اس کی ابتدا کیونکر ہوئی اور یہ آگ ہندوستان کے اکثر حصوں میں کیونکر بھڑک گئی۔ بہادر شاہ کا مقدمہ کیونکر ہوا اور بعض بڑے بڑے مسلمان یا ہندو عہدہ داروں نے کیا کیا اظہار وغیرہ۔ فقط

سکے لال قلعہ میں زندگی بسر کرنے لگا اور قریب قریب تمام ہندوستان کی حکومت مرہٹوں کے قبضہ میں آگئی ۱۷۷۱ء میں شاہ عالم نے اس بات کی کوشش کی تھی کہ مرہٹوں کے پنجہ سے آزاد ہو جائیں مگر بیچارے کامیاب نہیں ہوئے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرہٹوں کی ایک مستقل فوج دہلی میں رہنے لگی۔

اس تاریخ سے شاہ دہلی مرہٹوں کے ہاتھ میں شل کٹ پتلی کے رہنے لگا یہاں تک کہ ستمبر ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے دہلی کی فصیلوں کے نیچے مرہٹوں کو شکست دے کے شاہ عالم کو اپنی پناہ میں لیلیا ۱۸۰۴ء میں مہاراجہ ہولکر نے دہلی پر سخت حملہ کیا لیکن کرنیل اوکٹرلونی نے جسکو اہل دہلی اختر لونی کہتے ہیں بڑی بھاری شکست ہولکر کو دی اور وہ دہلی سے بھگا دیا گیا۔ اس تاریخ سے دہلی کی تواریخ میں ایک جدید سال کا آغاز ہوکے ۵۳ سال تک امن و امان رہا۔

سلطنت مغلیہ کا ایک دُھندلا سا سایہ صرف دہلی کی چار دیواری میں رہ گیا تھا سلطنت بالکل جا چکی تھی مگر انگریز حکام نے بادشاہ کی عزت و حرمت کو ایک حد تک برقرار رکھا تھا انہیں ایک معقول وظیفہ دیا جاتا تھا۔ اور اُن کے ذاتی معاملات میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کی جاتی تھی۔ شہر بسا ہوا تھا اور صاحقران تیمور کی اولاد انگریزوں کی سرپرستی میں آرام سے بادشاہ نہیں تھی۔ بہادر شاہ یا اُن کے والد نے آنکھ کھول کے سوائے انگریزوں کے اور کسی کو نہیں دیکھا مگر وہ شاہانہ برتاؤ جو اگر یہ بہادر شاہ یا اُن کے والد سے کرتے تھے شاہ عالم نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا مثل سابق کے بادشاہ کے دربار میں بھی شاہانہ ادب و آداب برتا جاتا تھا اور انگریزی حکام حتی الامکان اسکی پاسداری کرتے تھے۔ ایسے دھندلے سایہ کا قیام واقعی بہت مشکل تھا۔

میں پھنس گئی۔ لیکن شاہجہاں نے ۱۶۳۸ء اور ۱۶۵۸ء کی مدت میں دہلی کو موجودہ شکل پر تعمیر کیا۔ لال قلعہ۔ جامع مسجد اور مغربی جمنا کنیال کی تعمیر شاہجہاں ہی نے کی سلطنت مغلیہ کو اکبر کے زمانے میں عروج شروع ہوا تھا اور عالمگیر کے آخری زمانہ تک یہی عروج ہوتا رہا۔ اُدھر ۱۷۰۷ء میں اورنگزیب کی آنکھیں بند ہوئیں اور اُدھر سلطنت مغلیہ کو تنزل شروع ہوا۔ بغاوتیں اور ملکی لڑائیاں سکھوں اور مرہٹوں کی پیدا ہوگئیں اورنگ زیب کے جانشین بجائے خود قابل نہ تھے بلکہ اُمرا کے ہاتھ میں مثل کٹ پتلیوں کے تھے۔ اورنگ زیب کے پوتے جہاندار شاہ کو ایک ہی سال بیٹھے ہوئے تخت پر گزرا تھا کہ کسی نے اُسے قتل کر ڈالا۔ پھر

محمد شاہ رنگیلے

ہوئے جن کے زمانہ سلطنت میں سب سے اول مرہٹوں کی فوجیں دہلی کی فصیلوں کے نیچے آگئیں یہ واقعہ ۱۷۳۶ء میں ہوا اس کے تین سال بعد نادر شاہ آدھمکے اور مغل فوج کو کرنال پر شکست دیکے بڑے جاہ و جلال سے شہر میں داخل ہوئے۔ ابھی عہد و پیمان ہی ہو رہا تھا کہ اہل شہر نے نادر کی فوجوں پر حملہ کر دیا اور کئی پلٹنیں کاٹ ڈالیں نادر نے اِس ہنگامہ کو بہتیرا فرو کرنا چاہا لیکن نہ ہو سکا آخر اُس نے غصہ میں آکے اپنی فوج کو قتل عام کا حکم دیدیا اور آپ سنہری مسجد میں مع اپنے وزرا کے آ بیٹھا سنہری مسجد ابھی تک موجود ہے اور شہر کی کوتوالی کے پہلو میں بنی ہوئی ہے۔ کچھ کم دو مہینے تک نادر دہلی میں رہا۔ نادر سے جتنا لیا گیا یہاں سے لیگیا علاوہ اور قیمتی اشیا تخت طاؤس وغیرہ کے نقد روپیہ اندازاً آٹھ ملین اسٹرلنگ پونڈ اور دوسری روایت کے بموجب بارہ کروڑ روپیہ لیگیا اور دہلی میں اُسکی فوج بالکل چھاڑو دیگئی۔ غرض ۱۷۰۷ء سے سلطنت کو تنزل شروع ہوا اور ایسا تنزل ہوا اور اس تیزی سے ہوا جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی یہانتک کہ ۱۷۷۱ء میں شاہ عالم عالمگیر ثانی کا بیٹا مرہٹوں کا شہزادہ

پناہ دیکھائیگی شہر والوں نے اطاعت قبول کرلی۔ تیمور نے اپنے وعدہ کے خلاف شہر
کو لوٹ بھی لیا اور رعایا کو قتل بھی کر دیا۔ فتح اور برباد کرنے کے بعد تیمور واپس چلا گیا تو تیمور
کے بعد شہر کی عجیب حالت تھی نہ کوئی گورنمنٹ تھی اور نہ رعایا شہر گویا تھا بالکل ویران
معلوم ہو رہا تھا جب محمود نے سنا کہ تیمور ہندوستان سے چلا گیا تو اپنے پایہ تخت میں
واپس آیا شہر کی درستی کی اور اسے دوبارہ آباد کیا ۱۴۱۲ء میں محمود کی آنکھیں بند ہوتے
ہی اسکے خاندان کی آنکھیں بھی ساتھ ہی بند ہو گئیں۔ تغلق کی جگہ سیدوں کا خاندان قائم
ہوا لیکن ۱۴۴۴ء میں سید بھی مٹا دیئے گئے اور انکی جگہ خاندان لودھی نے لیلی مگر اس
خاندان نے بجائے دہلی کے آگرہ کو اپنا پایہ تخت بنایا ۱۵۰۵ء میں۔

بابر

نے دہلی پر حملہ کیا۔ بابر تیمور کی چھٹی پشت میں تھا پانی پت کے ایک مشہور میدان میں ابراہیم
لودھی کو شکست دی اور نہایت طمطراق سے دہلی میں داخل ہوا۔ لودھی خاندان کا ہمیشہ
کے لیئے خاتمہ کر دیا دہلی کی فتح کے بعد بابر نے اپنا پایہ تخت آگرہ کو بنایا لیکن اسکے بیٹے
ہمایوں نے دہلی ہی کو دار الخلافہ کے لیئے پسند کیا اور وہ یہاں چلا آیا ۱۵۴۰ء میں شیر شاہ
نے ہمایوں کو شکست دیکے باہر نکالدیا اور ایک جدید پایہ تخت دہلی میں اپنے مذاق کا تعمیر کرایا
اسکے گرد فصیلیں بنائیں اور ہر مقام پر زبردست گرگج تعمیر کیئے۔ شیر شاہ کے زمانہ میں دہلی
ہمایوں کے مقبرہ سے موجودہ شہر دہلی کے جنوبی دروازہ تک آباد تھی ۱۵۵۵ء میں ہمایوں نے
دوبارہ دہلی کو فتح کر لیا لیکن اس فتح کے چھ مہینے کے بعد اسکی وفات ہو گئی اور پھر اس کا بیٹا
اکبر تخت نشین ہوا

اکبر اور جہانگیر

کے زمانہ میں آگرہ یا لاہور سلطنت کا پایہ تخت رہا اس سبب سے دہلی ایک مدت اور بھی تنزل

بڑی بھاری شکست دی دوسرے حملہ میں مغلوں نے دو مہینے محاصرہ کرنیکے بعد بغیر جنگ کے شہر چھوڑ دیا سنہ ۱۳۲۱ء میں خلزی خاندان کا بھی خاتمہ ہوگیا اور اسکی جگہ خاندان تغلق نے لی پٹھان شاہوں نے کسی دوسرے دار الخلافہ کے آباد کرنے کی ضرورت نہیں دیکھی ہندوں کے پرانے شہر پر قناعت کی اور اپنے مذاق کے موافق اس میں کچھ تغیر و تبدل کر لیا لیکن اسی خاندان کے شاہوں میں غیاث الدین تغلق نے ایک نئے دار الخلافہ کی بنیاد ڈالی جو جانب شرق چار میل کی دوری پر ابھی تک موجود ہے ہر سیاح کا فرض ہے کہ جب قطب صاحب کی سیر کرنے جائے تو جانب شرق تغلق آباد کا محل یا قلعہ دیکھے وہاں اسے صدا کی خدائی یاد آجائیگی کیسی عالیشان اور مستحکم عمارت ہے اور یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ ابھی تک خاندان تغلق کے کچھ لوگ یہاں رہتے ہیں اور بیچارے کھیتی باڑی کرتے ہیں سیاح یہاں آکے اس بات کو اچھی طرح دیکھ لیگا کہ تغلق آباد کتنا بڑا شہر تھا اور گلیوں اور شاہراہوں کا نشان ابھی تک اسکی نظر پڑیگا کہ کتنی چوڑی بڑی شاہراہیں ہیں اور اپنے عروج اور آبادی کے زمانہ میں اسکی شان و شوکت کی کیا کیفیت ہوگی۔ غیاث الدین کے بعد محمد تغلق ہوا جسنے سنہ ۱۳۲۵ء سے سنہ ۱۳۵۱ء تک حکومت کی اسکے وقت میں تغلق آباد کو بہت عروج ہوا اور ایسا عروج ہوا کہ اسکے بعد سوائے زوال کے اور کوئی درجہ قدرت نے نہیں رکھا تھا۔ محمد تغلق کی آنکھیں بند ہوتے ہی تغلق آباد کا بھی زوال شروع ہوا کیونکہ اسکے جانشین فیروز شاہ تغلق نے ایک جدید شہر کی بنیاد ڈالی جو قطب صاحب کی لاٹھ سے جانب شمال چند میل کے فاصلہ پر موجود ہے اور اپنے نام پر اس کا نام فیروز آباد رکھا سنہ ۱۳۹۸ء میں محمود تغلق کے زمانہ میں تیمور نے دہلی پر حملہ کیا محمود گجرات بھاگ گیا اسکے لشکر کو پایہ تخت کی فصیلوں کے نیچے شکست ملی اور اخیر تیمور کے اس وعدے پر کہ اہل شہر نے اطاعت قبول کرلی اور شہر کے دروازے کھولدیئے تو اُنھیں

سایہ گورستاں میں کچھ کچھ نظر آتا ہے۔

قطب صاحب کی لاٹ شہر سے شمالی سمت قریب فصیل کے واقع ہے یہ عمارت سنگ سرخ کی عجیب و غریب ہے اسکے کئی حصے ہیں اندر سیڑھیاں ہیں ہر شخص آسانی سے اوپر چڑھ سکتا ہے اسکے ایک ہی حصہ پر چڑھ کے دیکھو تو عجب حسرت خیز نظارہ معلوم ہوگا ہزاروں محلات ادہر اُدھر نظر آئینگے لیکن سوائے کھنڈروں کے اور کوئی چیز نہیں دکھائی دیتی جس زمانہ میں یہ ہونگے اور جن لوگوں نے بنائے ہونگے اسوقت انکی کیا حالت تھی مگر اب کیا تو انکو دن کو آسکے بسیرا ایسے ہیں اور یا ہر وقت ویرانی کا دور دورہ رہتا ہے۔

چشم عبرت میں کشا و حالِ شاہاں رانگر	تا بیابی از گردش گردون گردان حال
پردہ داری میکند بر طاق قیصر عنکبوت	بوم نوبت میزند بر گنبد افراسیاب

جو سیاح باہر سے آئے اُس کا سب سے پہلا فرض یہ ہو کہ ان کھنڈرات کی ضرور سیر کرے کیونکہ انہی کھنڈروں میں مسلمانوں کی گذشتہ شان و شوکت کا پتہ لگتا ہے اور یہی کھنڈر اور خاک کے تودے ہیں جہاں شاہوں شہنشاہوں شاہزادوں شاہزادیوں کی ہڈیوں کا چورا ملا ہوا ہے اور مسلمانوں کی صدہا سال کی پرورش نور پر جلال سلطنت انہی چند مٹی کے ڈھیروں میں مل گئی ہے یہ کھنڈر زبانِ حال سے ناظر کے سامنے گویا ہوتے ہیں ہمیں حقارت سے نہ دیکھو ہمیں بھی ایک دن پورا عروج ہو چکا ہے اگرچہ اب ہم پائمال ہو رہے ہیں پھر لاٹ سے آگے بڑھکے خواجہ صاحب کا مزار ہے یہ خواجہ حضرت مسعودی ہوئی ہیں اور انکی نعل میں مزار ہے جہاں بکثرت لوگ زیارت کو جاتے ہیں کسی حیدرآبادی رئیس نے اسکے گرد سنگ مرمر کا کٹہرا بنوا دیا ہے۔ اسی طرح بہت سے مزار اور تاریخی مقامات ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

بہ تبدیلی پیدا ہو گئی پہلے حضرت نظام الدین اولیا کی تربت پر قوالی نہیں ہوتی تھی اور نہ وہ سماع
بجتی تھی کیونکہ انکے ملفوظات میں ہے کہ حضرت شاہ صاحب کو موسیقی سے سخت نفرت تھی
مگر رنگیلے بادشاہ نے بعد ازاں اس بزرگ اسلام کی طبیعت کا پاس مطلق نہیں کیا اور انکے
سے قوالی ہونی شروع ہوئی یہاں تک بھی مضائقہ نہ تھا لیکن رفتہ رفتہ کسبیوں کو بھی دخل
ملنے لگا اور اب افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ قوالوں سے زیادہ فاصلہ پر کسبیاں بھی حقانی گیت
گاتی ہوئی نظر آتی ہیں ہر شب شاہی میلہ بہت بڑا ہوتا ہے لیکن جو اشخاص فاتحہ خوانی کی
نیت سے جاتے ہیں انکی تعداد انگلیوں پر بھی گنی جا سکتی۔ حضرت نظام الدین اولیا کے
روضہ کے سامنے

محمد شاہ رنگیلے

مع اپنے اور خاندان کے ایک گوشہ میں آرام کر رہے ہیں انکی چھوٹی سی قبر بنی ہوئی
ہے اور اس پہ کوئی برج وغیرہ نہیں ہے صحن مزار سے ایک بلند قطعہ زمین پر جس کے گرد
جنگلا گھرا ہوا ہے محمد شاہ اور دوسرے شاہان دہلی آرام کرتے ہیں اور اب انکی ایسی بے بسانہ
حالت ہے کہ اللہ کی پناہ خالی دنوں کو تو جانے دو جب ہر شب شاہی پر ہزاروں آدمی جمع ہوتے
ہیں کوئی انکی قبروں پہ آنکھ نہیں ڈالتا وہ عروج تھا اور یہ زوال ہے۔ سنا گیا ہے کہ شاہ نظام الدین
کے مزار پر جو مقبرہ تعمیر ہے یہ محمد شاہ رنگیلے نے تعمیر کیا تھا انھیں حضرت سلطان جی سے
عقیدہ بہت تھا چونکہ اتفاقیہ دہلی کی سلطنت انھیں مل گئی تھی تو یہ سمجھ گئے تھے کہ محض
شاہ نظام الدین اولیا رحمہ اللہ کی نظر توجہ سے بادشاہی حاصل ہوئی ہے۔ محمد شاہ خاندان
مغلیہ میں سے نہ تھے نہ ان کا کوئی حق تھا یہ اصل میں ترک تھے چونکہ انکی ماں کا رسوخ
بہت تھا اور اس وقت شاہی نسل کا کوئی شخص نظر بھی نہ آتا تھا اس لیے انھیں بادشاہ
بنا دیا گیا افسوس نہ وہ سلطنت رہی نہ وہ خاندان سب برباد ہو گئے اور ان کا دھندلا

پڑی ہوئی ہیں بہت سی مساجد ہیں جہاں انسان کبھی جاکے بھی نہیں پھرتا کیا تماشہ کی بات ہے کہ ہم مسلمان روزمرہ نئی نئی مساجد بنوائے چلے جاتے ہیں اور پرانی مسجدیں برباد کر رہے ہیں

جدید عمارتوں میں

گورنمنٹ کالج ہے جو ۱۷۹۲ء میں سانتھا سرید یسی پروٹسٹنٹ کا گرجہ جس کو دس ہزار پونڈ کی لاگت سے کرنل اسکینرنے بنوایا تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی تاریخ میں ایک بڑے نامور افسر گزرے ہیں چاندنی چوک کے وسط میں گھنٹہ گھر ہے جو اس تالاب پر بنایا گیا ہے جو غدر سے پہلے یہاں بنا ہوا تھا چاندنی چوک کے پیچھے جانب شمال ملکہ کا باغ ہے مغرب اور شمال کیطرف شاہی خاندان کے خوبصورت مقبرے ہیں ہمایوں خاندان مغلیہ کا دوسرا شہنشاہ بھی یہیں آرام کر رہا ہے یہ مقبرہ سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے اور بہت ہی خوبصورت ہے شہر سے اس کا فاصلہ قریب د میل کے ہے اسکے گرد ایک دیوار ہے اسکے چار دروازے ہیں یہاں بڑے بڑے باغات لگے ہوئے تھے حوض اور فواروں کے نشان اب بھی موجود ہیں وسط میں ایک پلیٹ فارم قریب بیس فٹ کے اونچی اور دوسو فٹ مربع سی ہوئی ہے چاروں طرف سیڑھیاں ہیں اسکے اوپر مزار بنا ہوا ہے اور مزار پر بہت بڑا سنگ مرمر کا برج ہے جانب غرب ایک میل کے فاصلہ پر بہت سے مزار اور مقبرے ہیں سب سے زیادہ خوبصورت اور مشہور

حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ

کا مزار ہے یہ مزار جسقدر خوبصورت ہے اسیقدر مرجع خلائق بھی ہے یہاں چھوٹی سی آبادی بھی ہے اور اکثر شہزادے رہتے ہیں حضرت نظام الدین اولیا کی سال بھر میں ایک مرتبہ سترہویں ہوتی ہے اور دوسری سترھویں اسکے واصل بالحق ہونے کی مریدامیر خسرو دہلوی کی منائی جاتی ہے ایک قسم کی فاتحہ خوانی ہے جس کا دستور ہمیشہ سے چلا آتا ہے لیکن زمانہ گزرنے پر اس تقریب

ہیں سب سے اول درجہ کا ہے۔ چاندنی چوک بڑا انچ کی پٹری کو بھی دونوں طرف کی سڑک کے
ساتھ ملا دیا جائے تو ہندوستان بھر میں اتنی کم شہر اتنی چوڑی سڑک کے نکلیں گے چاندنی
چوک قلعہ کی مشرقی سمت سے شروع ہو کے لاہوری دروازے پر ختم ہوتا ہے لیکن فتحپوری
سے لاہوری دروازہ تک ایک دو بازار ہے غلہ اور گرم مسالہ اور [illegible] ادویات چارہ
وغیرہ کی منڈی ہے اور اسے کھاری باؤلی کہتے ہیں چاندنی چوک ۷۰ فٹ چوڑا اور ۳/۴ میل لمبا
ہے چاندنی چوک کے بیچ میں پٹری ہے اسکے نیچے نہر بہتی ہے دونوں طرف نیم کے بڑے بڑے
درختوں کا سایہ دونوں سڑکوں پر خوبصورت دکانیں اور بڑی بڑی حویلیاں ہیں بیچ کی پٹری پر
میوہ فروش وغیرہ نہ تہذیب سے بیٹھے ہوئے ایک عجیب کیفیت پیدا کرتے ہیں چاندنی چوک کے
کچھ دور جانب جنوب

جامع مسجد ہے

ایک بلند چٹانی قطعہ زمین پر بنی ہوئی ہے غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک جملہ
ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دو میر النظیر تمام دنیا میں نہیں، جس سمت کو دیکھو یہی الفاظ پڑھے جاتے ہیں
جس حصہ کو دیکھو یہی عبارت معلوم ہوگی اس کا صحن ۴۵۰ فٹ مربع ہے خود جامع مسجد کا طول
۲۶۱ فٹ ہے تین سنگ مرمر کے برج ہیں دو منارے ہیں اور وہ ایسے عالیشان منارے ہیں
کہ آدمی دیکھا ہی کرے اسکے علاوہ دو اور بھی مسجدیں ہیں جو دیکھنے کے قابل ہیں ایک کالی
مسجد ہے جس میں سیاہ رنگ دیا گیا تھا کسی افغانی شاہ نے بہت ہی ابتدائی زمانے میں
اسے تعمیر کیا تھا اور دوسری مسجد روشن الدولہ کی ہے مسجد فتحپوری بھی دیکھنے کے قابل ہے
لیکن مسلمان ممبر زیادہ توجہ نہیں کرتے اس لیے اسکی حالت قابل تحسین نہیں ہے لیکن بہ
بہت خوبصورت اور عمدہ مساجد ہیں جن میں نہ پانی کا انتظام اور نہ بوریا ہے بالکل ویران

طرف سلیم گڈھ کا قلعہ ہے جو سلیم شاہ نے ۱۶ ویں صدی عیسوی میں بنایا تھا مگر اب بالکل ویران
پڑا ہے ہیں ست ایسٹ انڈین ریلوے شہر میں داخل ہوتی ہو سلیم گڈھ سے گزر کے قلعہ کے
ایک کونے میں ہوتی ہوئی ریلوے اسٹیشن تک پہنچ جاتی ہے پھر یہاں سے راجپوتانہ اسٹیٹ ریلوے
کو لیتی چلی گئی ہیں شہر کے شمال مشرقی کونے میں تحصیل کے اور کشمیری دروازے کے
قریب عدالتیں میں لوحرا ہے باغیچہ عدالتیں اور ریلیں مشرق اور شمالی سمت میں ایک سلسلہ
پیدا کرتی چلی گئی ہیں اور اس سلسلہ سے جو گوشہ پیدا ہوتا ہے اس میں ملکہ کا باغ ہے جو بالکل شہر کے
اندر ہے اس عظیم سلسلہ کا رقبہ تمام شہر دہلی سے نصف ہے گویا آدھا شہر باغیچہ قلعہ ریلوے اور
عدالتوں وغیرہ نے لیلیا ہے اور آدھے شہر میں آبادی ہے شہر کے جنوب مغربی حصہ میں کالج
ہیں اور اسی حصہ میں مکانات وغیرہ بنے ہوئے ہیں۔

شہر کی عمارتیں

عموماً اینٹوں اور چونے سے بنتی ہیں نہایت شاندار اور بڑی بڑی لاگت کی ہوائی جارہی ہیں
جو شخص عمارت بنواتا ہے جی کھول کے روپیہ لگاتا ہے جسے دس بیس برس پہلے دہلی کو دیکھا
ہے وہ اسوقت دیکھے تو اسے شہر میں داخل ہوتے ہی تعجب ہوگا کہ یہ وہی شہر ہے یا العجب
کہ جس نے ایک یا نہ پرانی دہلی کی جگہ قائم کردیا ہے جس طرف نظر اٹھا کے دیکھو سوائے چند
قدیمی عمارتوں کے جدید عمارتیں ہی نئی نظر پڑینگی اور اس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے شہر کی
گلیاں تو اس میں شک نہیں کہ بہت تنگ ہیں لیکن ناپاک اور غلیظ نہیں ہیں ان اہل ہنود
کے بعض محلوں میں بلند بلند عمارتوں کی وجہ سے چونکہ آفتاب ہمیشہ کے لئے روشنی نہیں پہنچا سکتا
ہے ۔۔ آیا ہے اس لئے بعض اوقات وہاں سے گزرنا دشوار ہوجاتا ہے مگر کھلی ہوئی گلیوں میں
۔۔ات میں یہاں بس شاہ امیں مت جو لسہ ت اور سیٹ میں ا ۔ ان کے نام ملتی وغلی

بنی ہوئی ہیں جو شاہجہاں نے بنوائی تھیں بعد ازاں انگریزوں نے اسکے آگے کھائیاں کھود
لیں اور اسے اور بھی مضبوط کر دیا اب تک یہ فصیل موجود ہے کہیں کہیں اسکی حالت بگڑ گئی
ہے لیکن اسکی مرمت نہیں ہوتی شہر کی مشرقی جانب جو دریائے جمنا پر ختم ہوتی ہے فصیل
نہیں ہے فصیل کا دور ساڑھے پانچ میل ہے اسکے دس دروازے ہیں جن میں خاص دروازے
کشمیری دروازہ یا موری دروازہ جانب شمال کابلی اور لاہوری دروازے جانب مغرب اور
دہلی اور اجمیری دروازے جانب جنوب

لال قلعہ

جہاں شاہانِ مغلیہ رہتے تھے شہر کے جانب شرق بنا ہوا ہے اور سیدھا دریا میں چلا گیا ہے
اِسکے تین طرف سرخ پتھر کی ایک فصیل کھنچی ہوئی ہے اور اسکے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے
برج بنے ہوئے ہیں مغرب اور جنوب کی طرف اس میں داخل ہونیکے دروازے ہیں ۱۸۵۷ء کے
غدر کے بعد قلعہ کی اندرونی عمارت کا بہت بڑا حصہ منہدم کر دیا گیا اور گوروں کے رہنے کے
لیئے قلعہ ہی میں بارکیں بنالی گئی ہیں۔ قلعہ میں بڑی شاندار عمارتیں نوبتخانہ دیوان عام۔ دیوان
خاص اور رنگ محل ہیں جنکو ہاتھ نہیں لگایا گیا اور وہ جوں کی توں موجود ہیں اور واقعی قابل
دید ہیں۔ لیکن مسٹر فرگسن نے اپنی کتاب تاریخ فن عمارت میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ قلعہ
کی عمارتوں کے توڑنے سے اِن خاص عمارات کی آدھی خوبصورتی رہ گئی اگر قلعہ کو اس صورت
سے رکھا جاتا تو بڑا ہی خوبصورت معلوم ہوتا۔ قلعہ کے جنوب میں

دریا گنج

ہے یہاں انگریزی فوج کی چھاؤنی ہے اور صرف ایک دیسی رجمنٹ پیادہ فوج کی رہتی ہے اور اس کا
ایک بازو یورپین فوج کا قلعہ میں رہتا ہے یہ گویا فوج قلعہ ہے جو ہمیشہ دہلی میں رہتی ہے دریا کی دوسری

تین نائب تحصیلدار ایک سپرنٹنڈنٹ اور ایک نائب سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ایک سول سرجن

ضلع دہلی کی تاریخ

آخری صدی عیسوی میں مغل شاہوں کی حکومت پارہ پارہ ہو کے مرہٹوں کے ہاتھ میں گئی
اور مرہٹہ سپہ سالار نے شاہ عالم کو اپنا قیدی بنا لیا ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے مرہٹوں کی قوت
کو توڑ کے دہلی پر قبضہ کر لیا اور اب شہنشاہ کمپنی کی نگرانی میں آگئے کمپنی نے دہلی حصار اور ایک
بڑا قطعہ زمین شاہی خاندان کے اخراجات کے لیے شہنشاہ کو حوالہ کر دیا اور یہ قطعہ زمین ایک
انگریزی افسر کے ماتحت کیا گیا جسکو ریذیڈنٹ کہتے تھے اس کے محاصل اور انتظامات وغیرہ
شہنشاہ ہی کے نام سے ہوتے تھے اِن اضلاع سے جو شاہی خاندان کو سالانہ تنخواہیں ملتی
تھیں ان سب کی تعداد ایک لاکھ پونڈ تھی اور بعد ازاں بڑھ کے ایک لاکھ بیس ہزار پونڈ ہو گئی
اور پھر ایک لاکھ پچاس ہزار پونڈ۔ اس کے علاوہ اور بھی ایک قطعہ زمین تھا جو تاج کے لیے دیا
گیا تھا اِسکی آمدنی پندرہ ہزار پونڈ سالانہ تھی شہنشاہ کے حقوق بہت کچھ بحال رکھے گئے
اِن اضلاع میں تمام مقدمات اُن ہی کے نام سے ہوتے تھے اور سزائے موت بھی اُن ہی کے
نام سے دیجاتی تھی مگر اندرونی انتظامات کل ریذیڈنٹ کے سپرد تھے یہ صورت انتظام ۱۸۳۲ء
تک قائم رہی اِسکے بعد ریذیڈنٹ کا محکمہ ٹوٹ گیا اور دہلی ممالک مغربی اور شمالی میں ملا دیگئی
اور انتظام کے لیے ایک کمشنر مقرر ہو گیا ۱۸۵۷ء کے غدر میں یہ کل ضلع کچھ وقت کے لیے انگریزوں
کے قبضے سے نکل گیا تھا ۱۸۵۸ء میں ضلع دہلی کو ممالک مغربی و شمالی سے علیحدہ کر لیا گیا اور
پنجاب کی لفٹنٹ گورنری کے ساتھ اس کا الحاق کر دیا گیا

خاص شہر

دہلی شاہجہاں کا آباد کیا ہوا ہے جو جمنا کے غربی کنارہ پر بسایا گیا ہے اسکے [illegible] میلیں

سات سو اٹھتالیس - خاص دہلی کی آبادی ۱۷۳۴۴۵ - سونی پت ۱۲۹۱۱۱ فرید آباد ۹۵۵۷۱ بلب گڈھ ۸۱۲۶۲ تھی ۱۸۶۸ء کی یہ مردم شماری لیکن حال کی مردم شماری میں ایک آبادی اور بڑھ گئی دہلی میں بجائے ڈیڑھ لاکھ سے دو لاکھ کا اندازہ ہے اور اسی طرح ہر شہر میں ایک ایک حصہ آبادی کا بڑھا ہے۔

کاشت

ضلع دہلی میں گیہوں - جو - جوار - باجرہ - مکئی - اعلیٰ درجہ کا چانول - نیشکر اور تنباکو پیدا ہوتا ہے پیلی بھیت کا چانول بہت مشہور ہے لیکن دہلی کے چانول کی برابری نہیں کر سکتا خود دہلی والے نہیں جان سکتے کہ دہلی کی سرزمین دھانوں کے حق میں بہت ہی زرخیز ہے ضلع دہلی کا رقبہ ۱۲۷۷ مربع میل ہے لیکن کاشت صرف ۵۲۵۲۵۵ قطعہ زمین پر کیجاتی ہے ۱۲۷۴ ایکڑ زمین کا ایک ٹکڑا دہلی کے حکمرانوں نے شکار کے لیئے علیحدہ کر رکھا تھا اب اس ٹکڑے میں لکڑی پیدا ہوتی ہے اور حکومت انگریزی اسکی بہت حفاظت کرتی ہے جمنا کے کنارے پر اور بہت سے قطعات زمین محکمہ جنگلات میں دیدیئے گئے ہیں - دہلی کی پہاڑیوں میں دو قسم کا پتھر برآمد ہوتا ہے ایک تو سفید پتھر جو عموماً کام آرہا ہے اور دو قسم کا نہایت ہی خوبصورت سنگ مرمر ہے ایک سیاہ رنگ کا سنگ مرمر اور ایک سفید رنگ کا اگرچہ بنفسہ وہ سنگ مرمر نہیں ہے لیکن مثل سنگ مرمر کے ہے عام نظریں کبھی اسکی صحیح جانچ نہیں کر سکینگی - ایک سفید چکنی مٹی ارنج پور - مراد پور اور قاسم پور میں دریافت ہوئی ہے رڑکی میں گورنمنٹ کے کارخانہ میں اسکی کٹھالیاں بنتی ہیں اور انکی بہت تجارت ہوتی ہے

انتظامی حالت

ضلع دہلی میں تین تحصیلیں ہیں - دہلی - لرساہو - اور بلب گڈھ - شہر دہلی میں ڈپٹی کمشنر مفصلہ ذیل عملہ کے ساتھ رہتا ہے - دو اسسٹنٹ - دو اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ایک عدالت خفیفہ کا جج تین تحصیلدار۔

تاریخ اور اسکے مشہور مقامات کا ذکر ہوگا جو غالباً دلچسپی سے خالی ہوگا میں کوشش کروں گا کہ دہلی کی ایک کامل تاریخ اور جہاں آباد یا شاہجہاں آباد کی ایک زبردست یادگار قائم ہو جائے اور خدا کرے میں اپنی کوشش میں کامیاب ہوں۔

جغرافیائی حالت

اسکی حدود دریائے جمنا کے مغربی اور شمالی کنارے پر واقع ہیں ان حدوں کا طول ۵۷ میل اور عرض ۱۵ میل سے ۲۴ میل تک ہے دہلی کے شمال میں ضلع کرنال ہے مشرق میں دریائے جمنا ہے جو میرٹھ اور اضلاع بلند شہر کو اس سے جدا کردیا ہے۔ جنوب میں رہتک اور مغرب میں گوڑگانوہ تمام ملک پتھریلا اور ریتیلا ہے اور زیادہ تر اسکی زمین کی کاشت مخصوص نہروں سے کیجاتی ہے مشرقی جمنا نہر سے جو ۵۰ میل تک اضلاع میں چلی گئی ہے اور جو علی مردان کینال سے مل گئی ہے یہ کل کائنات دکھائی دیتی ہے اور مغربی جمنا کینال اور آگرہ کینال سے بھی اس کا الحاق ہے میوات کی پہاڑیاں شمال مشرقی سمت میں ضلع کو قطع کرتی ہوئیں پار چلی گئی ہیں اس پہاڑی سلسلہ سے ایک چٹانی قطعہ دو سے تین میل چوڑا پیدا کردیا ہے اور اردگرد کے ملک سے اسکی اونچائی بالا متوسط ہے۔

مردم شماری

۱۸۸۱ء کی مردم شماری کی تعداد مفصل یہ ہے کل ضلع دہلی کی آبادی چھ لاکھ تیرہ ہزار آٹھ سو پچاس سالتی اور یہ آبادی ۱۲۷۶ مربع میل میں پھیلی ہوئی ہے اس حساب لگایا گیا ہے کہ ایک مربع میل میں ۴۸۰ آدمی رہتے ہیں ضلع دہلی میں مذاہب کے لحاظ سے یہ تعداد ہے ہندو چار لاکھ اٹھتیس ہزار آٹھ سو چھیاسی مسلمان ایک لاکھ تیس ہزار چھ سو پینتالیس سکھ معدود سری قومیں اٹھتیس

کہ ز اہلِ زبان نبود قتیل	ہرگز از اصفہان نبود قتیل
کیں زباں خاصۂ اہلِ ایران ست	مشکلِ ما و سہلِ ایران ست
اے تماشائیاں ژرف نگاہ	ہاں بگوئید حسبۃً للہ
کہ چساں از حزیں بہ پیچم سر	او بجا دو دمی بہ دہر شر
دامن از کف کنم چگونہ رہا	طالب و عرفی و نظیری را

الغرض ساری مثنوی بہت ہی دلچسپ ہے مگر جب بوڑھے مغل نے کلکتہ پہنچنے پر فرنگستانی خواتین کو دیکھا حیران ہو گئے کہ ایسی سیمیں تن ماہ پیکر اس آزادی سے پھرتی ہیں اور کسی کی مجال نہیں ہے کہ آنکھ بھر کے دیکھ لے چنانچہ ہمارے خاندان مغلیہ کے آخری یادگار میرزا نوشہ نے یہ برجستہ اشعار موزوں کیے۔

گفتم ایں ماہ پیکراں چہ کس اند	گفت خوبانِ کشور لندن
گفتم اینہا مگر دلے دارند	گفت دارند لیکن از آہن

غرض ہمارے مرزا نوشہ کو کلکتہ پر فتح ہوئی اور وہ کامیاب ہو کے دہلی واپس چلے آئے اِنکا مزار حضرت شاہ نظام الدین اولیا میں موجود ہے جس کے گرد اُنکے ایک ہندو شاگرد نے پختہ چار دیواری کھچوا دی ہے۔

اُردو کی پوری تاریخ لکھنا بڑا مشکل کام ہے مجھ سے جہانتک ہو سکا میں نے نہایت مختصر طور پر اسکی تاریخ لکھدی ہے اگر میں ہر صدی کی اُردو تصانیف پر رائے دیتا اور جو ترقی اس عزیز زبان نے وقتاً فوقتاً کی ہے اُسکے پورے حالات بیان کرتا تو ایک ضخیم کتاب بن جاتی اور پھر اصلی مطلب فوت ہو جاتا اس لیے میں نے اتنے ہی لکھنے پر قناعت کی۔ اب میں دہلی کا جہاں تک مختصر ہو سکتا ہے کچھ تذکرہ کرنا چاہتا ہوں اس تذکرہ میں دہلی کے حدود اربعہ اُسکی قدیم

کہ ایرانی بھی عش عش کرتے تھے اور جہاں تک ہمیں واقفیت ہے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان بھر میں اس سے بہتر فارسی کا شاعر کوئی نہیں ہوا۔ اگرچہ میرزا ترک کابلی یا ایرانی عرض تھے تا ہی کے لیکن ہندوستان میں چونکہ زمانہ دراز ہو گیا تھا اِس لیئے وہ یہیں کے ہو گئے تھے۔ کچھ عرصہ وہ آگرہ میں رہے اور پھر دلی میں آ رہے اور آخیر دہلوی کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ فارسی میں بھی میرزا کو چین نہ تھا ایک ۔ ایک کا شاعر زور لگا ہوا تھا قتیل کے شاگردوں نے اعتراض کر کے میرزا کو تنگ کر دیا تھا ایک دفعہ میرزا نے ہمہ عالم زرہ تراب زدہ مصرع کہا اِس پر وہ خلل مچا اور قتیل کے شاگردوں نے وہ اعتراضات کیئے کہ آخیر بوڑھے معلّم کو کلکتہ جانا پڑا۔ اس زمانہ میں اگرچہ ریل تو سی نہ تھی راستہ بہت دشوار گزار تھا پھر بھی یارادہ کا پورا کلکتہ پہنچا اور اسے وہاں جا کے ایک مجلس منعقد کی اور قتیل کے بڑے بڑے شاگردوں سے مقابلہ کی ٹھیری۔ ہزاروں آدمی ہندو مسلمان جمع ہوئے کہ دیکھیں میرزا نوشتہ کیا کہتے ہیں صدہا انگریز بھی موجود تھے جنکی فارسی قابلیت بہت اعلیٰ درجہ کی تھی جب جلسہ بھر گیا تو میرزا نے مثنوی باد مخالف پڑھی جسکے دو ایک شعر یہ ہیں۔

اے تماشائیاں بزم سخن	وے مسیحا دماں باد وطن
اے گراں مایگاں کلکتہ	وے زماں آوراں کلکتہ
ہمچو من آرمیدۂ ایں شہر	ہر کسے رسیدۂ ایں شہر
اسد اللہ خستہ سرگشتہ	در جگر پیچ و تاب سرگشتہ

یہ مثنوی کا آغاز ہے لیکن جہاں قتیل کو مخاطب بنایا ہے وہ اشعار حسب ذیل ہیں۔

حاشا للہ بدے گوییم	وال ہم از پیش خود می گوییم
مگر آنکہ پارسی دانند	ہم بدیں عہد ورثہ پیمانا

کرلیا جاتا مشاعرہ میں جسقدر اُستاد ذوق کے شعروں پر واہ واہ ہوتی اور کسیکو یہ بات
نصیب نہ تھی دوسرے میرزا بھی خود تسلیم کرتے تھے کہ ہیں اُردو میں میرزا کی ہمسری نہیں
کرسکتا اُن کا نیا رنگ جس طرح اوروں کو پھیکا معلوم ہوتا تھا اسی طرح اُنھیں خود بھی بمقتضائے
آرٹ ہوا اور زمانہ پھیکا معلوم ہوتا تھا چنانچہ اُنھوں نے اپنے فارسی کے کلیات میں ذوق
کی طرف خطاب کرکے خود کہا ہے "آنچہ در گفتار فخر تست آں ننگ منست" یعنے اُردو شعر گوئی
تیرا مایۂ ناز ہے اور مجھے اِس سے ننگ ہے۔ ایک دفعہ سہرہ پر باہم دونوں شاعروں کی
کھٹک گئی تھی اور اس میں میرزا نوشہ کو عاجز ہونا پڑا تھا۔ جواں بخت کی شادی پر یہ سہرہ
کہا گیا تھا اور دونوں شاعروں نے یہ سہرہ کہا تھا لیکن ذوق کا سہرا ایسا مقبول ہوا
کہ تمام دہلی میں لوگ اُسے پڑھ پڑھ کے جھومنے لگے یہانتک کہ گلی در گلی بچے پڑھتے
پھرے۔ جب میرزا نوشہ نے دیکھا کہ ذوق بازی لیگیا اب زیادہ بگاڑ سے کیا فائدہ ہے
تو ایک منظوم معذرت نامہ انکی خدمت میں بھیجدیا جو اُنکے اُردو کے دیوان میں موجود ہے
اور اُسکے اشعار عام طور پر اہل مذاق کو یاد ہیں جن میں سے دو ایک شعر ہم ذیل میں درج
کرتے ہیں۔

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہگری	کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے
اُستاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال	یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
صادق ہوں اپنے قول کا غالب خدا گواہ	کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

پھر اسی معذرت نامہ میں اپنی اُردو کی بابت بھی فرمایا ہے کہ مجھے اُردو اشعار سے کیا تعلق ہے
ہیں تو فارسی کہتا ہوں اور یہی میرا مایۂ فخر ہے۔
فارسی **زبان** میں اس میں شک نہیں کہ میرزا نے وہ مہارت اور مقبولیت پیدا کی تھی

کہ اپنے دل کے زخموں کو رفو اسی غرض سے کیا جاتا ہے کہ اور بھی تکلیف ہو ورنہ اور کوئی غرض نہیں ہے۔

میرزا نوشہ۔ ذوق۔ مومن۔ تینوں اپنے اپنے وقت میں فرد تھے۔ مؤمن کا زمانہ کسی قدر پہلے ہوا ہے یعنی ذوق اور غالب سے مؤمن خاں بڑے تھے لیکن تینوں بڑے دوست تھے اور باہم بہت بڑا اتحاد تھا۔ رنگ تینوں کا جدا جدا تھا۔ مومن خان عجیب سج دھج سے رہتے تھے۔ لمبی لمبی زلفیں۔ پور پور چھلے انگوٹھیاں۔ ہاتھ پیروں میں مہندی لگی ہوئی۔ گھیتلی جوتی پیر میں۔ سر پر زرّیں ٹوپی غرض انکی یہ وضع تھی۔ مگر ابراہیم ذوق کی وضع ملانی اور سادی تھی۔ اور ہمارے میرزا نوشہ جو چنگی اور افراسیابی نسل سے تھے عجیب وضع رکھتے تھے۔ سر پر چوگوشیا اونچی باڑ کی مغلئی ٹوپی جواب تک مغل بچے پہنا کرتے تھے۔ گو آجکل بہت ترک ہو گئی ہے ایک لمبی قبا اور اُس پر ایک جامہ پہنے ہوئے۔ لیکن جوتی گھیتلا۔ اس زمانہ میں کل شریف لوگ یہی جوتی پہنتے تھے۔ اخیر میں بیچارے کی کمر بہت جھک گئی تھی اور افسوس ہے کہ بیچارے تمام عمر لاولد رہے بھانجے کو بیٹا بنا لیا تھا لیکن وہ بھی قبل از وقت دنیا سے رخصت ہو گیا۔ ایک دفعہ میرزا صاحب قماربازی میں گرفتار ہوئے تھے لیکن انسپکٹر پولیس نے انکے ساتھ بہت رعایت کی تھی انکو ہاتھ نہیں لگایا کسی قسم کی توہین نہیں کی اور ضمانت پر رہا کر دیا۔ غرض بڑے بامذاق اور رنگیلے تھے اور عجب دل لگی کے آدمی تھے۔ ایک دن بہن کی عیادت کو گئے دیکھا کہ بہن کی حالت اچھی نہیں ہے۔ بھائی کی صورت دیکھ کے بہن رونے لگیں میرزا نوشہ نے تسلی دے کے کہا بہن روتی کیوں ہو؟ بہن نے جواب دیا روتی یوں ہوں کہ موت کا پیغام تو آچکا ہے اب بچنے کی اُمید نہیں لیکن مجھپر قرض بہت سا ہے دیکھئے وہاں

میں بیان نہیں ہو سکتا کوئی مبالغہ نہیں کوئی استعارہ نہیں کوئی خیالی بات نہیں انسانی فطرت جذبات محسوسات اور ناکامی کی ایک سچی تصویر اتاری گئی ہے اور یہ ایسی تصویر ہے جس کا جواب انسانی جذبات طبعیہ میں نہیں ہو سکتا پھر میرزا نوشہ فرماتے ہیں۔

مہرباں ہو کے بلالو مجھے چاہو جب تم	میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آبھی نہ سکوں

اس دماغ کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ جس سے یہ شعر نکلا ہے شاعر اپنے دوست کو تسکین دیتا ہے کہ یہ سمجھنا کہ میں نے ناراض ہو کے تم سے ملنا چھوڑ دیا ہے میں تو اب بھی ایک نگاہ تلطف کا منتظر ہوں اگر مہرباں ہو کے بلالو گے تو ابھی حاضر ہو سکو موجود ہوں۔ مجھ میں وقت کی سی بیوفائی نہیں ہے کہ جانے کے بعد پھر آنیکا نام نہیں لیتا۔ دوسرے فاضل شاعر اپنے دوست کو خاص ایک تعلیم بھی کرتا ہے کہ وقت پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے ہاتھ سے نکلنے کے بعد پھر وقت کبھی واپس نہیں آسکتا۔ جو کچھ کرنا ہے آج کر لو آج کا کام کل پر اٹھا کے نہ رکھو پھر عاشقانہ خیالی مضمون جو بیدردیاں کا شاعر باندھا کرتے ہیں اُسے اس خوبصورتی سے ادا کیا ہے کہ جی پھڑک پھڑک جاتا ہے اور تعجب ہوتا ہے کہ میرزا کا دماغ کس بلا کا تھا جس سے یہ اشعار نکلے تھے۔ چنانچہ عاشقانہ خیالی مضمون فرماتے ہیں۔

نوحۂ زخم سے مطلب ہے لذت زخم سوزن کی	سمجھیو مت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے

یعنی میں روئے زخم اس لیئے نہیں کر رہا ہوں کہ زخم اچھا ہو جائے اور خیال یہ کر لیا جائے کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے۔ بلکہ یہ رفو اس لیئے کیا جاتا ہے کہ زخم میں جو سوئی آئے جائے گی اُس کے چبھنے سے ایک خاص لذت آتی ہے۔ یہ باتیں میں تو خیالی جن کے پڑھنے سے قائل کی ہمّنامی معلوم ہوتی ہے لیکن پھر بھی انتہائے محنت سے

خود عذر کیا ہی کہ اُردو میں میرا رنگ پھیکا ہے لیکن فارسی میں مجھے پوری دستگاہ ہے
چنانچہ وہ خود کہتے ہیں۔

فارسی بیں تا بہ بینی نقشہائے رنگ رنگ	بگذر از مجموعۂ اُردو کہ بیرنگ منست

لیکن نہیں ہم میرزا نوشہ کے اس عذر اور کسر نفسی کو قبول نہیں کرتے اُنکے اُردو کے
دیوان میں سے اُن اشعار کو نکال کے جو ادق ہیں اور جنکے معنے سمجھنے میں دقت پڑتی ہی۔
اگر صاف اور ستھرے اردو کے اشعار چن لیئے جائیں تو معلوم ہوگا کہ فاضل شاعر کس
دل و دماغ کا شخص ہے اور جو رنگ اُسنے اُردو میں پیدا کیا وہ بالکل نیا رنگ ہے ہر شعر
میں فلسفہ۔ جذبات فطری۔ انسانی پاس اور واقعات سے بحث ہو اور تعجب سے دیکھا
جاتا ہی کہ میرزا نوشہ کی ذات میں یہ کل صفتیں خداوند تعالیٰ نے کس طرح ودیعت فرمائی
تھیں۔ درد جو شاعری کا جزو اعظم ہے اور انسانی فطرت اور نفس واقعات کی بحث یہ
ایک ایسی عجیب و غریب بحث ہی جس سے شعر میں جان پڑجاتی ہو اور یہ ممکن نہیں کہ انسان
ایک شعر کو پڑھے اور اُسکے حواس خمسہ میں ایک سنسناہٹ نہ پیدا ہو جائے۔ مثلاً میرزا
نوشہ فرماتے ہیں۔

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھیرا	تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

ایسے فطری واقعات ہر انسان کو اُسکی زندگی میں واقع ہوتے رہتے ہیں جب وہ جبہہ سائی
کرتے کرتے تھکا جاتا ہی تو خود اُسکا دل یہ گویا ہوتا ہے کہ جب اتنی مدت تک اس مقام
سے کچھ حاصل نہوا تو ایسی جبہہ سائی کرنے کیلیئے اور بھی در موجود ہیں جبہہ سائی کا جب
کوئی فائدہ نہ نکلا اور یہ محنت کی بیگار ہو گئی تو ایسی بیگار ہر جگہ ہو سکتی ہے اس سے زیادہ

ہندوستان میں تسلیم کیے گئے ورنہ معمولی قابلیت والا کبھی عالمگیر شہرت نہیں حاصل کرسکتا مگر اس جرمنی سلندن میں فاضل شاعر بڑی وقعت کی نظر سے دیکھا گیا ہے اور اسکے شعر یوروپی پروفیسر بڑے حظ اور تعجب سے پڑھتے ہیں۔ اکثر یوروپی مصنفوں کی کتابوں میں ہمارے قدیم شعرا کا مع فاضل شاعر مصحفی کے اچھے پیرایہ میں تذکرہ ملتا ہے اور یہ دیکھ کے دل خوش ہوتا ہے کہ اسکے زور طبع نے سات سمندر پار کس برقی طاقت سے اثر ڈالا کہ یوروپی بھی اسکے شیدا ہو گئے۔

قیام الدین علی تخلص قائم

یہ بھی بڑے پایہ کا شاعر گزرا ہے اسکے بھی کئی دیوان ہیں جن سے اسکی ذہانت، طباعی اور قابلیت پائی جاتی ہے یہ بھی اُس باغ کا پھول ہے جہاں مصحفی جیسے پھول کھلے ہوئے تھے۔ پھر ہمارے ختم الشعرا

میرزا نوشہ ہیں

جنکی وفات دہلی میں ۱۸۶۹ء میں ہو گئی۔ عجیب پایہ کا شاعر گزرا ہے اور جس نے سچ تو یوں ہے کہ شاعری کو دہلی میں ختم کر دیا میرزا صاحب کے بعد اور بھی شاعر گزرے اور اسوقت ہندوستان میں موجود ہیں لیکن کسی خاص رنگ کے موجد نہیں ہوئے اور اگر ہماری واقفیت ناقص نہیں ہے تو اس زمانہ میں بھی کوئی ایسا نظر نہ آئیگا جو موجد ہو کسی خاص رنگ کا۔ میرزا نوشہ یا غالب ایک عجیب و غریب دل و دماغ کے شاعر تھے فارسی میں کل ایرانی شعرا سے اُنھوں نے نیا رنگ پیدا کیا تھا۔ شعر گوئی میں فردوسی کا تتبع ہمیشہ ان کی مدنظر رہا جس طرح فردوسی فارسی نظم میں عربی الفاظ استعمال نہیں کرتا تھا اسیطرح میرزا نوشہ بھی عربی الفاظ کا بہت کم استعمال کرتے تھے [illegible] رحمۃ اللہ [illegible]

روحانی قوت کمزور ہی وہ اپنے تصنیف شدہ الفاظ میں روح نہیں ڈال سکتے یہی وجہ ہے
کہ لوگ دل دیکے نہیں پڑھتے اور اگر پڑھتے بھی ہیں تو اُن پر اثر نہیں ہوتا ایسی نثر یا
نظم دو کوڑی کی جسکے پڑھنے سے آدمی جھومنے نہ لگے اور بیساختہ اُسکی زبان سے
واہ واہ نہ نکل جاسئے اور ایک گونہ بیخودی اُس پر طاری نہو جاسے جس بیخودی کو وہ
اچھّی طرح محسوس کرتا ہو اور اُسکی لذت چکھتا ہو۔ اسیطرح اُستاد ذوق کے اشعار میں بھی
روح پھکی ہوئی ہی لیکن وہ روح اتقا پرہیزگاری اور مولویانہ انداز کے ساتھ ہی اس میں
فراخی۔ دولتمندی۔ فارغ البالی پائی جاتی ہے پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ کوئی دوسرے
معنے اُس سے پیدا کر سکے۔ جو لوگ خود بے روح ہیں مگر زندہ ہیں وہ ان باتوں کو
نہیں سمجھ سکتے ظفر نے سچ کہا ہی کہ جس طرف نظر اُٹھاؤ آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں لیکن
یہ خدا کو معلوم ہے کہ "حیوان ان میں کتنے ہیں اور انسان ان میں کتنے ہیں"

مصحفی

غلام ہمدانی تخلص مصحفی بھی بڑے پایہ کا شاعر گزرا ہے ایک فن کا اسی موجد سمجھنا
چاہیئے مشکل سے مشکل زمین میں جیسے اسکے اشعار بکثرت پائے جاتے ہیں ایسے
اور شعرا کے دیوانوں میں کم دیکھنے میں آئے ہیں ۱۷۷۶ء میں مصحفی دہلی چلے آئے
تھے اور یہیں انھوں نے قیام کر لیا تھا۔ خود مصحفی اپنے گھر پر اکثر مشاعرہ کیا کرتے تھے
اُس زمانے کے بڑے بڑے شعرا نے اس فاضل شاعر کے زور طبع کی داد دی ہی۔ اِس
عالی دماغ شاعر کے پانچ دیوان ہیں اور ایک تذکرہ اور ایک شاہنامہ ہی۔ تذکرہ میں تمام
شعرا کا حال قلمبند کیا ہی اور شاہنامہ میں شاہان مغلیہ کا حال ہی شاہ عالم تک یہ شاہنامہ
ختم ہوتا ہی نہایت عمدہ تاریخ کی کتاب ہی یہ بھی قابلیت ان شعرا میں جس سے وہ تمام

اسی پرست رندگی کا آغاز اور اختتام ان حالتوں میں ہو تو پھر کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے
کہ فاضل شاعر اپنے اشعار میں رنگا میری پیدا کر دیتا۔ اگرچہ اکثر اشعار میں شراب نوشی
ہجر اور معصیت کا ذکر آیا ہے لیکن اس ذکر سے نہ تو شراب نوشی کی رنگینی پائی جاتی ہے
اور نہ فراق یار کے بیان میں کچھ درد ٹپکتا ہے مثلاً استاد نے یہ فرمایا ہے۔

اے ذوق بس نہ آپکو صوفی جتایئے	معلوم ہے حقیقت ہو حق جناب کی
نکلے ہو میکدہ سے ابھی منہ چھپا کے تم	ڈالے ہوئے بغل میں صراحی شراب کی

اشعار اعلیٰ درجہ کے قابل نہ زمانہ کے مکار صوفیوں کا جو ظاہرا ہو حق میں گزاریں اور
پوشیدہ شراب نوشی اور ایسے ہی اعمال شنیعہ کریں نقشہ اتار گیا ہے اور تنبیہ کی گئی
ہے کہ جب تمہاری یہ خراب حالت ہے تو اپنے کو صوفی نہ جتاؤ مگر ایک شادابی اور رنگینی جو
شراب کے بیان میں ہونی چاہیئے وہ ان اشعار میں نہیں شراب نوشی کا بھی بیان ہے
میکدہ کا بھی ذکر ہے صراحی بھی ہے لیکن یہ الفاظ یہاں ایسے خشک ہیں جیسے آزاد طبع
نوجوانوں کو کسی مولوی کی زبان سے مجلس وعظ میں سنائی دیں۔ جہاں استاد ذوق
نے حسرت و یاس کا موقع اتارا ہے اور انتہا کر دی ہے وہاں بھی کچھ اوپری اوپری مفہوم
پایا جاتا ہے مثلاً استاد فرماتے ہیں۔

ہائے کس حسرت دیدار میری ہائے کو بھی	لکھتے میں ہائے دو تیمی سے کتابت والے

اس شعر کی قابلیت اور عمدگی میں شک نہیں شعر کو دیکھ کے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کہنے والا
کس قابلیت اور دل و دماغ کا آدمی ہے مگر حسرت اور مایوسی جو اس شعر کے پڑھنے سے
پیدا ہونی چاہیئے مطلق نہیں پائی جاتی۔ یاد رکھیئے کہ ہر ہر لفظ میں مصنف کی روح ہوتی ہے
اور جس میں روح ہو وہ بیجان ہے اسکے پڑھنے والوں کو خاک مزا نہیں آئیگا جس مصرع کی

کا تھا۔ اگرچہ بہادر شاہ شیخ ابراہیم ذوق کے شاگرد تھے لیکن انصاف سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ جو مشہور ہے کہ استاد ذوق اشعار کہہ دیا کرتے تھے اور بہادر شاہ اپنے نام سے محفل میں سنا دیا کرتے تھے محض غلط اور بالکل لغو ہے۔ جسکو کچھ بھی شعر گوئی یا شعر فہمی کا مذاق ہوگا وہ سمجھ سکتا ہے کہ ذوق اور ظفر کے رنگ میں زمین آسمان کا فرق ہے کل اشعار میں ایک شعر کا رنگ بھی نہیں ملتا۔ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ جب معمولی معمولی چھوکرے اور کنجڑے۔ بھٹیارے۔ قصائی۔ اشعار موزوں کر سکتے ہیں اور بہادر شاہ ایک شعر بھی موزوں نہ کر سکتے ہوں شاعری کے معاملہ میں بہادر شاہ کی نسبت یہ خیال کرنا بہت ہی رکیک ہے

ذوق

نہ صرف شاعر تھا بلکہ بہت بڑا فاضل بھی تھا اکثر انکے ہاں عربی کتب کا درس رہا کرتا تھا۔ انکی شاعری مسلم ہے۔ محاورہ میں سب سے اول نمبر ہے اور بعض اوقات فلسفیانہ مضامین اشعار میں ایسے باندھ جاتے ہیں کہ پڑھکر تعجب ہوتا ہے کہ یہ کس دل و دماغ کا شخص تھا۔ ہر شعر سے فاضل شاعر کی قابلیت پائی جاتی ہے لیکن وہ باتیں جو شاعری کی جان ہیں وہ بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں ایک تو "درد" بہت کم محسوس ہوتا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ آپکا سارا زمانہ نہایت فارغبالی میں بسر ہوا کبھی تمام عمر کوئی مصیبت آکے نہیں پڑی اور بہت عیش سے زندگی بسر کی یہی وجہ تھی کہ فاضل شاعر اپنے اشعار میں درد پیدا نکر سکا۔ دوسری بات جو کھٹکتی ہے وہ رنگینی ہے۔ یہ تو نہیں کہا جاتا کہ کسی شعر میں رنگینی اور تازگی نہیں ہے لیکن ہاں یہ ضرور کہا جائیگا کہ کم شعر ایسے ہیں جن میں شادابی پائی جاتی ہے۔ اس میں بھی فاضل شاعر فطرتاً معذور تھا۔ اول دن سے نہایت متقی اور پرہیزگار رندوں اور آزادوں کی صحبت سے متنفر ہو اسوا ہی علم حدیث اور تفسیر میں

بدنصیب دہلی

اگرچہ ویراں ہو گئی تھی لیکن اسکی آب و ہوا میں ابھی وہ تاثیر باقی تھی جو روز ازل سے
اس میں رکھی گئی ہے جب اس نے نادر درانی اور مرہٹوں کی دستبرد سے نجات
پائی تو پھر اس میں علمی مذاق کا چرچہ شروع ہو گیا اور اس کیحالت میں یہاں کے باشندے
اپنے اصلی مذاق پر اُتر آئے مغلیہ خاندان کے آخری شاہوں میں شاعری کا مذاق موجود تھا
سب سے پہلے

شاہ عالم ثانی

کا ذکر کرتے ہیں جس نے ۱۷۶۱ء سے ۱۸۰۶ء تک ٹوٹی پھوٹی حکومت کی یہ بھی بہت بڑا
شاعر تھا اس نے سب سے پہلے ؟ آفتاب نامی ایک کتاب تصنیف کی اور پھر ایک رسالہ
منظوم اقدس نامی تحریر کیا۔ شاہ عالم کا ایک دیوان بھی دیکھا گیا ہے جس سے شاہ کی موزونی
طبع کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ شاہ عالم کے بیٹے

سلیمان شکوہ

نے بھی کچھ کم قابلیت کا اس شاعری میں اظہار نہیں کیا۔ سلیمان شکوہ اکبر شاہ ثانی کے
بھائی تھے اور جب دہلی غلام قادر روہیلے کی دستبرد سے برباد ہوئی ہے تو انھوں نے بھی لکھنؤ
میں جاکے پناہ لے لی تھی۔ لیکن لکھنؤ سے جب دہلی آباد ہوئی تو ۱۸۱۵ء میں واپس چلے
آئے تھے اور یہیں انکی وفات ۱۸۳۸ء میں ہو گئی۔ ان کا بھی ایک دیوان موجود ہے
اسکے اشعار بلا کے پُر مذاق اور برجستہ ہوتے تھے اور ہر شعر سے مسکینی کے ساتھ ایک عجیب
حکمت پائی جاتی ہے۔ خاندان مغلیہ کا سب سے آخری بادشاہ جو انگریزوں کا وظیفہ خوار تھا

بہادر شاہ ثانی تخلص ظفر

تھا جنکی وفات بمقام رنگون ۱۸۶۲ء میں ہوئی تھی اس میں کلام نہیں کہ شاعر اعلیٰ درجہ

اور دبیر والے انیس کے مرثیوں پر۔ یہ بھی لکھنؤ میں بیان کیا جاتا ہے کہ دبیر نو مسلم تھے اور انکے نام کے ساتھ لفظ میرزا اور بڑھانا چاہیئے مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ لفظ "میرزا" کیونکر نومسلم کے ساتھ چسپاں ہو سکتا ہے۔ شاید شاہی خطاب ملا ہو۔ کہتے ہیں یہ پہلے کا یستھ ہندو تھے مگر اسکی تصدیق ہونی باقی ہے آیا انکے والد مسلمان ہوئے تھے یا انھوں نے خود اسلام اختیار کر لیا تھا خیر جو کچھ ہو میرزا دبیر انیس کی ٹکر ہیں اور باہم ایک دوسرے کے مخالف موافق گروہ ایک دوسرے کو کچھ ہی کیوں نہ سمجھیں لیکن عام طور پر جسطرح میر انیس کو مسلمانوں نے قبول کر لیا ہے اسی طرح میرزا دبیر کو بھی مانتے ہیں اور لکھنؤ کے باہر یہی عقیدہ ہے کہ دونوں ہم پلہ ہیں۔ پھر

رجب علی بیگ سرور

جو ۱۸۶۹ء میں فوت ہو گئے ایک پایہ کے شاعر گزرے ہیں اور اس صدی کے علم ادب میں انکو وہ فضیلت ہے جس کا اعتراف بڑے بڑے قابل لوگ کرتے ہیں انھوں نے فسانہ عجائب کتاب لکھ کے اس بات کو ثابت کر دیا کہ زمانہ سابق کے علم ادب میں سرور کا کتنا بڑا پایہ ہے فسانہ عجائب پر کیا مقرر ہے اشعار بھی سرور کے موجود ہیں جن سے کمال شاعری پایا جاتا ہے۔ خود

واجد علی شاہ تخلص اختر

بھی شاعر تھے انکے ذہن دیوان چھپے ہیں۔ اشعار سے رنگینی اور حکومت کی بو آتی ہے اور بھی کئی کتابوں کے مصنف ہیں بعض دفعہ عربی اشعار بھی موزوں کیے ہیں لیکن سنا گیا ہے کہ ان میں غلطیاں بھی اگر ہوتی تھیں تو دربار کے علما عمدہ طور سے ان اشعار کو صحت کا جامہ پہنا دیتے تھے۔ غرض شاہ اودھ کی کل کتابیں دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔

برباد ہونیکے بعد جب لکھنو آباد ہوا تو اردو کے علم ادب میں برابر ترقی کرتا گیا یہانتک
کہ خاندان اودھ کا آخری نواب بادشاہ ۱۸۵۶ء میں قید کر کے کلکتہ بھیج دیا گیا پس اسی کے
ساتھ لکھنو میں اردو علم ادب کا چراغ بھی بجھ گیا اور ترقی اسے دہلی کے برباد ہونیکے بعد
دہلی کے شعرا کے صدقہ میں کی تھی وہ وہیں کی وہیں رکی رہ گئی - اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن
دہلی کے شعرا نے لکھنو کو لکھنو بنا دیا تھا اور اس پوربی سرزمین میں وہ تاثیر پیدا کر دی
تھی کہ یہاں سے بھی انسان پیدا ہونے لگے تھے - چنانچہ

آتش و ناسخ

جنھوں نے غزل گوئی میں ایک خاص شہرت حاصل کی اسی بدنصیب سرزمین دہلی
کے فیض یافتہ تھے ان دونوں شعرا کا ۱۸۴۱ء اور ۱۸۴۴ء میں چھ سات سال کے آگے
پیچھے انتقال ہو گیا اور انکی خوش قسمتی تھی کہ انھوں نے اپنے شاہ کو برباد ہوتے ہوئے
اور قید میں کلکتہ جاتے ہوئے نہ دیکھا - کیونکہ ان دونوں فاضل شعرا کو شاہ اودھ کے
زمانہ میں بہت عروج تھا اور یہ ایسا عروج تھا کہ انکے اور ہمعصروں کو کم حاصل ہوا ہوگا -
انکے بعد

میر انیس و دبیر

کا طوطی بولا میر انیس میر حسن کے پوتے تھے اور انکے ہمعصر دبیر تھے - انیس کا انتقال
۱۰ دسمبر ۱۸۷۴ء میں ہوا اور دبیر ان کے چند ماہ بعد فوت ہوئے - دونوں شاعر مرثیہ
گوئی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اور تمام شعرا نے اس فن میں ان دونوں صاحبوں کو
لاثانی تسلیم کر لیا ہے پہلے یہ مشہور تھا کہ "بگڑا ہوا شاعر مرثیہ گو ہوتا ہے" لیکن ان دونوں
کے کمال نے اس مقولہ کو غلط ثابت کر دیا ہے ابھی تک دو گروہ لکھنو میں موجود ہیں - جو
دبیریئے اور انیسیئے کہلاتے ہیں - انیس والے دبیر کے اشعار پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور

کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔

میر محمدی - سوز

بھی قابل شعرا میں گزرے ہیں۔ انھوں نے ریختی میں سب سے پہلے اشعار موزوں کئے اور ریختی گوئی کی ہندوستان میں بنیاد ڈالی۔ یہ اخیر میں فقیر ہو گئے تھے اور بالکل ترک دنیا کر دی تھی اور اسی میں وفات پائی۔ انکی نظم بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی اور شعرا نے انھیں اعلی طبقہ کا شاعر تسلیم کر لیا ہے۔ یہ اکثر ذو معنی کلام کہا کرتے تھے۔ ظاہری معنی تو ایک شعر کے فحش ہوتے تھے لیکن غور کرنے کے بعد اسکے دوسرے مہذب معنی ہو جاتے تھے۔

جرأت

بھی ایسا ہی بلا کا شاعر گذرا ہے لیکن اسنے بھی سوز ہی کا رنگ اختیار کر لیا تھا اور دو معنے اشعار اکثر ریختی میں نظم کیا کرتا تھا جن کے ظاہری معنے فحش پر دلالت کرتے تھے اگرچہ یہ ضرور ہے کہ اسکی ریختی میں مطالب آفرینی اور جدت کوٹ کوٹ کر بھری ہے لیکن فحش مضامین سے دل برداشتہ ہو جاتا ہے۔ اس نے سودا کی طرح ہجو یہ نظم بھی موزوں کی اور اس میں شک نہیں کہ اپنے ہجویہ اشعار میں کامیابی حاصل کی جسطرح اردو میں فاضل شاعر کو مہارت تھی اسیطرح ہندی میں بھی کچھ کم ناسور نہیں ہوا دوہرے اور کبت بکثرت موجود ہیں جو ہندی علم ادب کی ہیاں سمجھنے چاہئیں۔

مسکین

لکھنوی ایک اچھا شاعر ہوا ہے جسکی مرثیہ گوئی میں بڑی شہرت تھی۔ تمام مرثیوں میں جو مسکین نے موزوں کئے حضرت مسلم اور آپکے صاحبزادوں کی مظلومانہ شہادت کا بیان قابل داد ہے اور مسکین کے تمام مرثیوں میں اسی کو چوٹی کا مرثیہ سمجھنا چاہیئے۔ دہلی کے

سوائے پریشانی اور بربادی کے وطن میں کچھ حاصل ہو تو پھر وطن میں انسان کیونکر رہ سکتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

وقت آنست کہ پرسی حرار لعدادم	دلم از صحبت شیراز بکلی بگرفت
نتوان مرد بہ سختی کہ من آنجا زادم	سعدیا حب وطن گرچہ حدیثیست صحیح

غرض جب آرزو۔ سودا۔ اور میر لکھنؤ میں آئے تو یہاں اور چند اپنے ہموطن پناہ گزینوں کو دیکھا تو دراڈ معارس سدھی کہ غنیمت ہے کہ اس دیار لکھنؤ میں ہموطن اور ہم مذاق توکئی ایک مل گئے۔ یہاں میر حسن سے ملے (سنہ وفات ۱۷۸۶ء) میر سوز کو دیکھا (سنہ وفات مراع ہے) اور قلندر بخش جرأت سے ملاقات کی (سنہ وفات ۱۸۱۰ ہے) انکے علاوہ اور بھی کئی شاعر دیکھے جنہوں نے انکی طرح اودھ کے اس جدید پایۂ تخت میں پناہ لی تھی۔

میر حسن

خواجہ میر درد کے دوستوں میں تھے پہلے فیض آباد میں رہتے تھے۔ لیکن پھر لکھنؤ میں چلے آئے تھے۔ غزل۔ رباعی۔ مثنوی اور مرثیہ میں انھیں پوری دستگاہ حاصل تھی۔ چونکہ دہلی سے پرورش پا چکے تھے اس لیئے انکے اشعار میں ایک عجیب رنگ پیدا ہوگیا تھا۔ مگر مثنوی میں فاضل شاعر نے وہ ناموری حاصل کی کہ سب پر فوق لے گئے۔ اس مثنوی کا نام "سحرالبیان" ہے اور فی الواقع یہ عجیب وغریب مثنوی ہے جو اس طرز اور رنگ کی اردو میں پہلے کبھی نہیں لکھی گئی۔ اس مثنوی میں شہزادہ بے نظیر اور شہزادی بدر منیر کے عشق و محبت کا افسانہ بیان ہوا ہے۔ دوسری مثنوی انکی گلزار ارم ہے جو فیض آباد کی تعریف میں ہے۔ یہ مثنوی بھی بہت وقعت

دیوان ہیں۔ کہتے ہیں غزل اور مثنوی میں میر صاحب سودا سے بڑھے ہوئے ہیں اور شعرائے متاخرین کچھ میر صاحب ہی کو زیادہ مانتے ہیں جیسا میرزا غالب نے کہا ہے

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ	آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

اس میں کلام نہیں کہ میر تقی سودا کے بعد ہوئے ہیں۔ اور سودا کی زبان کچھ بری نہیں ہے۔ لیکن جو سادگی اور بیباختگی میر کو نصیب ہوئی ہے وہ سودا میں نہیں ہے خیالات کی بلند پروازی اس میں شبہ نہیں کہ سودا میں میر صاحب سے بڑھی ہوئی ہے۔ لیکن سادگی اور فطری کرشموں سے سودا کے اشعار اتنے مزین نہیں ہیں جو میر کے ہیں۔

جب دلّی کی ترقی کا ستارہ پستی میں آگیا اور اُس پر یہ مقولہ صادق آیا کہ "بدقسمتی کبھی تنہا نہیں آتی" تو اُسپر نادر شاہ نے ۱۷۳۹ء میں حملہ کر کے اسکی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اُسکی ترقی اور سرسبزی کو خاک میں ملا دیا۔ ابھی بدنصیب دہلی نادر کے حملہ اور تاخت و تاراج سے سنبھلی نہ تھی کہ احمد شاہ درانی کی ۱۷۵۶ء میں خونریز جنگ ہوئی۔ ابھی اس سے ہوش نہ آیا تھا کہ ۱۷۵۹ء میں مرہٹوں نے آدبایا۔ اور دہلی کے علم و فضل۔ فنون اور زندہ دلی کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیا۔ جب اس طرح سے دہلی برباد ہوئی تو لکھنو جو اودھ کا جدید پایہ تخت بنا تھا ان فاضل شعرا سے آباد ہونے لگا۔ یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ آرزو سودا اور میر نے یہیں آکر یہاں آکے پناہ لی اور اخیر اسی زمین پر فوت ہو گئے۔ ہائے اگر ان کا وطن نہ اُجڑتا تو وہ کاہے کو غیر سرزمین میں جان دیتے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے سچ کہا ہے کہ وطن میں اس لیئے نہیں مرا جا سکتا کہ ہم وہاں کی پیدایش ہیں۔ جب

اور درد پایا جاتا ہو کہ عام طور پر میر درد کے اشعار لوگوں کے نوک زباں ہیں ان کا دیوان ہندوستان میں سب جگہ ملتا ہے۔ بڑھاپے میں آپ فقیر ہو گئے تھے۔ اور خاندان نقشبندیہ میں بیعت کرلی تھی۔ دہلی میں ابھی تک "میر درد کی باؤلی" مشہور ہے اور اس بزرگ شاعر کے مسکن کا دھندلا سا سایہ اب بھی پایا جاتا ہے۔ میر درد کی ۱۷۹۳ء میں وفات ہو گئی۔

سودا اور میر تقی

کا تو کچھ کہنا ہی نہیں۔ یہ ممتاز شعراء میں ہیں اور انکی استادی میں کسیکو بھی کلام نہیں ہو۔ سودا اٹھارھویں صدی کے آغاز میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ حاتم سے تعلیم پاتے رہے۔ جب دہلی برباد ہو گئی تو یہ باکمال شاعر لکھنو چلا گیا جہاں نواب آصف الدولہ نے چھ ہزار روپیہ سالانہ کی ایک جاگیر سودا کی مقرر کردی۔ اور آخر دہلی کا یہ نامور شاعر ۱۷۸۱ء میں لکھنو ہی میں فوت ہو گیا۔ آپ کے اشعار کی تعداد بہت ہے اور ان میں لطیف اردو کا رنگ پایا جاتا ہے۔ ہجو میں فاضل شاعر کا پایہ بہت بڑھا ہوا ہے۔ اس فن میں وہ باریکیاں فاضل شاعر نے پیدا کی تھیں کہ ہندوستان میں اس پایہ کا کوئی شاعر نہیں ہوا۔

میر آگرہ میں پیدا ہوئے لیکن بچپن ہی میں دہلی چلے آئے اور یہیں بود و باش اختیار کرلی۔ آرزو سے میر تقی نے تعلیم حاصل کی۔ میر صاحب سودا کی وفات کے وقت بھی دہلی میں موجود تھے۔ لیکن ۱۷۸۲ء میں لکھنو چلے گئے۔ جہاں انکی نواب لکھنو کی طرف سے ایک معقول تنخواہ مقرر ہو گئی۔ پھر میر صاحب کا بہت ہی بڑی عمر میں ۱۸۱۰ء میں انتقال ہو گیا۔ آپ کا کلیات بہت ضخیم ہے اور اس میں چھ

میں اشعار موزوں کرنے کا جوش پیدا ہوا اور پھر شمالی ہند کی اُردو میں اشعار موزوں کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد حاتم کے دوستوں ناجی۔ مضمون اور آبرو نے اشعار کہے اور دیوان لکھے۔ پھر حاتم نے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی سب سے پہلے اس کا قابل شاگرد "رفیع السودا" ہے جو اپنے ہمعصروں میں ممتاز ہوا ہے۔ اسکے بعد خان آرزو ہوا ہے جو ایک ایرانی عالم تھا ۱۶۸۹ء میں پیدا ہوا اور ۱۷۵۶ء میں اُسکی وفات ہو گئی اسکی عمر کا بڑا حصہ فارسی اشعار کے موزوں کرنے میں صرف ہوا۔ اخیر عمر میں اُردو زبان کی طرف توجہ کی اور اعلیٰ درجے کے نفیس اشعار موزوں کیے۔ اس نے "سراج اللغات" نامی کتاب لکھی ہے جس سے اسکی قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔

میر تقی

آرزو ہی کے شاگردوں میں تھے۔ اور میر صاحب ہی نے شعرائے زمانہ میں وہ وقعت حاصل کی کہ شعرائے متاخرین نے روحانی طور پر اُنھیں اپنا استاد تسلیم کر لیا تھا ۱۷۳۹ء میں جب نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کرکے اُسے تاخت و تاراج کیا ہے تو آرزو لکھنؤ میں چلے گئے تھے اور وہیں اُن کا انتقال ہو گیا۔

انعام اللہ خان تخلص یقین

کہتے ہیں اس فاضل شاعر نے اُردو شاعری میں وہ قابلیت پیدا کی تھی کہ اپنے استادوں سے بھی بہت سی باتوں میں اُنکا منبر بڑھا ہوا تھا۔ فاضل "یقین" کا احمد شاہ کے زمانہ سلطنت ۱۷۵۳ء میں انتقال ہو گیا تھا۔ انکے بعد

میر درد

ہوئے جنکی زبان نے ایک عجیب رنگ اختیار کیا اور جن کے اشعار میں وہ سادگی

ایک مستقل صورت عطا کی اور جو کچھ کسر رہ گئی تھی وہ اُس کے ہمعصر اور ہموطن "سراج"
نے تکمیل کو پہنچایا۔ ولی "ریختہ کے باپ" کے لقب سے مشہور ہے اور
اس کو "بابائے ریختہ" کہا کرتے تھے۔ اس سے کسی کو بھی انکار نہیں کہ شمالی ہندوستان
میں اُردو کا آغاز اور بتدریج ترقی کرنا اور اُردو کی خاص صورت قائم ہونا یہ صرف
سراج کا طفیل ہے تمام اُردو والوں کو ان کا ممنون ہونا چاہیے

ولی

کے سوانح عمری ہمیں بہت کم معلوم ہیں۔ افسوس ہے کہ اس کے واقعات زندگی
ہمیں نہیں مل سکے اتنا پتہ چلا ہے کہ ولی اورنگ زیب کی آخری سلطنت میں دہلی
آیا تھا۔ سنا گیا ہے کہ یہاں ایک ولی اللہ شاہ گلشن نے اُردو کی شاعری کے لیے
چند ہدایتیں کی تھیں اور اصلاح دیکے بھی فرمایا تھا کہ فارسی اشعار کا مضمون اُردو
میں کیونکر آجاتا ہے۔ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ شاہ گلشن کوئی ولی اللہ بھی تھے اور
شاعر بھی تھے اور ولی نے دہلی میں آکے انکے ہاتھ پر بیعت بھی کی تھی اور انکے تلامذہ
کے زمرہ میں شریک ہو گیا۔ ولی کا کلیات ایم گارس ڈی ٹیسی نے ۱۸۳۳ء اور
۱۸۳۴ء کے درمیان پیرس میں طبع کرایا تھا اور اسکے نظیر اشعار پڑھائے جاتے ہیں
پڑھانے میں اس کا اصل نسخہ یعنی فاضل شاعر کے ہاتھ کا لکھا ہوا کلیات بھی محفوظ ہے

ظہور الدین۔ تخلص حاتم

دہلی میں اُردو کا بانی اور تمام شعرا کا جد امجد حاتم تھا۔ یہ ۱۶۹۹ء میں پیدا ہوا
اور ۱۷۹۱ء میں اسکی وفات ہو گئی محمد شاہ کی تخت نشینی کے دوسرے سال یعنے
۱۷۱۹ء میں ولی کا دیوان دہلی میں پہنچا اور اس دیوان کو دیکھ کے شعرا کو اُردو

دونوں کی شادی کی گئی ہے۔ غرض بہت دلچسپ کہانی ہے اور پڑھنے میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

بیجاپور کا دربار

بھی کچھ کم نامور نہیں ہوا علمی لحاظ سے اس کا بہت شہرہ ہے۔ ابراہیم عادل شاہ جس نے سنہ ۱۵۷۹ء سے سنہ ۱۶۲۶ء تک حکومت کی علم و ادب میں بہت بڑا ماہر ہوا ہے۔ اس نے ایک کتاب "نورس" تصنیف کی ہے جو افسوس ہے کہ بجائے اردو کے ہندی حروف میں لکھی ہوئی زیادہ ملتی ہے۔ تین دیباچہ اس منظوم کتاب کے ملا ظہوری کی تصنیف سے موجود ہیں جن کا نام نثر ظہوری ہے جو عام طور پر پڑھائی جاتی ہے اور فارسی کے طلبہ اسے ضرور پڑھتے ہیں کیونکہ بغیر اس کتاب کے پڑھے فارسی میں پوری قابلیت نہیں ہوتی۔ اس شہزادہ کا جانشین علی عادل شاہ ہوا۔ اسکے دربار میں ایک شاعر تھا جس کا تخلص نصرتی اور قوم برہمن سے تھا۔ سنہ ۱۶۵۷ء میں اس نے "گلشن عشق" نامی ایک مثنوی لکھی۔ اور اس مثنوی میں شہزادہ منوہر اور مدمالتی کے عشق کا تذکرہ ہے۔ دوسری تصنیف اسکی علی نامہ مثنوی ہے جو اپنے آقا کے تذکرے میں ہے۔ ان مثنویوں کے دیکھنے سے کھلتا ہے کہ جو سادگی زبان میں فارسی کے جملے شامل ہونے سے پہلے تھی کیا اچھی معلوم ہوتی ہے۔ خیالات اچھوتے ہیں اور بعض موقعوں پر مضامین آفرینی میں کمال کیا ہے۔ اسکی طرز انشا پردازی داد دینے کے قابل ہے۔ یہ ابتدائی مصنف گویا رہبر ہیں ان اردو مصنفوں کے جو بعد میں پیدا ہوئے۔ بلاشبہ اردو کی اصلی بنیاد دکن ہی میں پڑی اور وہیں اردو میں سب سے پہلے کتابیں تصنیف ہوئیں۔ ولی اورنگ آبادی نے جو سنہ ۱۶۸۰ء سے سنہ ۱۷۲۰ء تک زندہ رہا اردو کو خاص

تخت نشین ہوا۔ غرض دونوں شاہوں کے دیوان یا کلیات موجود ہیں جن میں
غزلیں بھی ہیں رباعیاں بھی ہیں اور مثنوی و قصائد بھی ہیں۔ آخر الذکر شاہ کے
زمانہ میں ابن نشاطی نے دو کتابیں لکھیں ایک مثنوی ہے جس کا نام طوطی نامہ
ہے اور دوسری کتاب "پھول بن" ہے۔ اول الذکر ۱۶۳۹ء میں لکھی گئی۔ یہ
طوطی نامہ، اصل میں ایک ایرانی شاعر نخشبی کی کتاب کا خلاصہ ہے اور اس کا
اصلی ماخذ ایک کتاب سنسکرت کی ہے جس کا نام "سوکا سپ تتی" ہے اس کتاب کا
نظم و نثر دونوں میں بہت جلد سے ترجمہ کیا گیا ہے نثر کا نام "طوطا کہانی" ہے
جو اردو علم ادب میں گویا پہلی کتاب سمجھی چاہیئے ۱۸۰۰ء میں محمد حیدر بخش حیدری نے
ولیم کالج نے اس کتاب کو ترتیب دیا تھا۔

کتاب "پھول بن" ایک فارسی کی کتاب بوستان کا ترجمہ ہے جو عشق و محبت
کی ایک صاف اور ستھری کہانی ہے دوسری مشہور کتاب جو اسی زمانہ اور اسی
مقام سے تعلق رکھتی ہے "کام روپ" ہے۔ تحسین الدین نے بطور مثنوی کے
اس کتاب کو لکھا اور ۱۸۳۶ء میں ایم گارسن ڈی ٹیسی نے اسے طبع کرایا۔ اس کتاب
میں مصامین سدن شعرا سے اخذ کیے گئے ہیں "کام روپ" جو اس کتاب کا ہیرو
ہے ایک شاہ اودھ کا بیٹا ہے اور اسکی ہیروئن "کلا" شاہ لنکا کی بیٹی ہے۔ جو
واقعات اس میں درج کئے گئے ہیں وہ سندباد جہازی کے واقعات سے زیادہ
ملتے ہیں جن کا ترجمہ الف لیلہ میں موجود ہے۔ شہزادہ اور شہزادی ایک دوسرے کو
خواب میں دیکھتے ہیں اور شہزادہ اپنی معشوقہ کو تلاش کرنے کے لیے سمندر اور صحرا طے کرتا
ہے ادعجیب و غریب شہروں میں جہاں سے جو دیو میں۔ سیدا ... اور ...

ہو چکی تھی - امیر خسرو دہلوی کے دو اشعار پائے جاتے ہیں جن میں اردو کی جھلک موجود ہے - اور یہ بھی مشہور ہے کہ شیخ سعدی شیرازی نے بھی اردو میں کچھ اشعار موزوں کئے تھے - لیکن بعد ازاں بیان کیا گیا کہ اردو کا ایک اور شاعر سعدی تخلص گزرا ہے - یہ سعدی شیرازی نہ تھا بلکہ دکن کا ایک باشندہ تھا - بہرحال جو نظمیں ان متقدمین شعراء کی پائی جاتی ہیں یہ پہلے ہندی حروف میں لکھی جاتی تھیں کیونکہ موجودہ طرز نویسی کی ابھی بنیاد نہیں پڑی تھی - اسکی شہادت میں کبیر کی نظمیں موجود ہیں جن میں فارسی کے لغت بھرے ہوئے ہیں - لیکن ہیں سب ہندی حروف میں لکھی ہوئیں - مگر جوں جوں اردو اپنی اصلی صورت پر آتی گئی - فارسی کا رنگ اس میں پیدا ہوتا گیا - اور ہوتے ہوتے اس نے ہندی سے اپنے کو بالکل آزاد کر لیا - اردو کے

ابتدائی مصنف

سب دکن کے رہنے والے تھے - گولکنڈہ اور بیجاپور کے درباروں میں ان مصنفین کا بہت عروج تھا اور جب عالمگیر کے ہاتھ سے ان خاندانوں کی اینٹ سے اینٹ بجی ہے اردو عروج پر پہنچ چکی تھی - شجاع الدین تخلص نوری فیضی کا بہت بڑا دوست گجرات کا باشندہ تھا - امیر خسرو دہلوی کے بعد بس نوری اردو کا بڑا شاعر ہوا ہے جو متقدمین میں شمار ہوتا ہے - شجاع الدین سلطان ابو الحسن قطب شاہ والیئے گولکنڈہ کے بیٹے کا معلم تھا - اسی زمانہ میں اس نے چند غزلیں اردو میں موزوں کی تھیں - اس کے علاوہ علی قطب شاہ والیئے گولکنڈہ جس نے ۱۵۸۱ء سے ۱۵۸۶ء تک سلطنت کی اور اس کا جانشین عبد اللہ قطب شاہ جو ۱۶۱۱ء میں

اور کیفیت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اسکے شاگرد بہت سے ہیں جن میں بعض
مسلمان بھی دیکھے گئے ہیں اسکی کتابوں کا ترجمہ سنسکرت زبان میں ہو گیا ہے

تلسی داس

اگرچہ یہ شاعری میں بہت اعلیٰ درجہ کا شاعر ہے لیکن اسکے کلام کو بیہودگی
کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اسکی کتاب رامائن جس کا اصلی نام "رام چرت مانس"
ہے اور جسکے معنے ہیں راما کے کارناموں کی خلیج رامائن تمامی ہند کے باشندوں
میں اس کثرت سے پڑھی جاتی ہے جیسے مسیحی آبادی میں انجیل۔ کچھ تمامی ہی پر
منحصر نہیں ہے بلکہ کل ہندوستان میں رامائن کے پڑھنے کا رواج ہے تلسی داس
قنوجی برہمن تھا اور اسکی زبان سے پایا جاتا ہے کہ بات مدو اودھ ہے۔ زندگی کا
بڑا حصہ تو باسن مصنف نے بنارس میں گزارا ۱۶۲۴ء میں فوت ہو گیا رامائن کے
علاوہ چھ منظوم کتابیں اور بھی تلسی داس نے لکھی ہیں جو کم و بیش تواریخی
مضمون پر ہیں اور جن میں راما کی پرستش بیان کی گئی ہے۔ علاوہ چھ کتابوں کے
سات منظومہ کتابیں اسکے علاوہ تلسی داس کے نام سے نسبت دیجاتی ہیں لیکن مشکوک
امر ہے آیا وہ ان کتابوں کا مصنف بھی ہے یا نہیں۔

اردو اور اسکی ابتدائی تواریخ

یہ ابھی تک پتہ نہیں لگا کہ اردو زبان نے اپنی اصلی صورت کس سے اختیار کی
یہ شکل اتنا پتہ لگتا ہے کہ ۱۳۹۸ء زمانہ تیمور شہنشاہ میں اسکی بنیاد پڑ چکی تھی اسی زمانہ
میں یا اس سے کچھ بعد مسعود پسر سعد کا دیوان مرتب ہو چکا تھا گیارھویں صدی کے
آخری نصف حصہ میں اور بارھویں صدی کے آغاز میں اس دیوان کی شہرت

اعلیٰ درجہ کے شاعر یہ لوگ ہیں۔ کیشوداس۔ بہاری لال۔ تلسی داس۔ ان کے اشعار ہندوستان بھر میں مشہور ہیں۔ مگر یہ بات دیکھنے کی ہے کہ بہ حیثیت فصاحت۔ اور سلاست و سادگی زبان کی اتنی خوبی نہیں معلوم ہوتی جتنا مضامین آفرینی نے اسکو دوبالا کر دیا ہے۔ جن شاعروں کا ہمنے تذکرہ کیا ہے ان میں "تلسی داس" کا نام اکثر آدمیوں کی زبان پر ہے۔ مگر تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ طرز شاعری اور مضمون آفرینی منجملہ اور شاعروں کے براج سے بہت کچھ چرائی گئی ہے۔ تلسی داس کے اصلی خیالات کا بہت مشکل سے پتہ لگ سکے گا سب پرانے شاعروں کا پس خوردہ ہے جو پیچھے ان کو ملا ہے۔

کیشوداس

جس کا ذکر ہمنے ابھی کیا ہے، قوم کا برہمن تھا اور جہانگیر اور شاہ جہاں کے زمانہ میں موجود تھا۔ اِس نے سب سے پہلے ایک منظوم کتاب راما پر تصنیف کی۔ جس کا نام راچنوریکا" رکھا اور جو ۱۶۰۲ء میں لکھی گئی۔ پھر اسی شاعر نے دوسری کتاب "درکاوی پریا" تحریر کی۔ کہتے ہیں اس سے بہتر اصول شاعری میں دوسری کتاب نہیں لکھی گئی اور بھی کئی کتابیں اس فاضل شاعر نے لکھی ہیں اور سب اپنی طرز کی اچھی ہیں۔ پھر

بہاری لال

ہوا جو نظم ست سائی کا مصنف ہے اس کتاب میں سات سو بند ہیں۔ یہ نظم اپنی لطافت اور سادگی میں بہت مشہور ہے۔ اس نظم میں وشنو کی پرستش کا کرشنا کا پہلو اختیار کیا گیا ہے۔ رادھا اور دوسری گوپیوں کے عشق و محبت کے حالات بھی لذت

راما۔ ہری۔ گووند

تینوں کی پرستش کی ابتدا راماند سے ہوئی ہے۔ اس سے پہلے ان تین دیوتاؤں
کی پرستش معدوم تھی ان کے ماننے والے کرشن جی یا کرشنا کو بھی ملتے ہیں۔
اکثر اشعار میں کرشنا کے بچپن اور جوانی کے کارنامے پائے جاتے ہیں راماندی
وہ لوگ دنیا کو بے حقیقت جانتے ہیں اور اسکی دولت کو راہ حق سے گمراہ
کرنے والی سمجھتے ہیں اور جو راہ انھوں نے حق سمجھ لی ہے نہایت صبر اور خوشی سے
اسی پر قانع رہتے ہیں کرشنا اور اسکی بیگم رادھا کے ماننے والے اعلیٰ درجہ کے
راحت پسند لوگ ہیں اور عام طور پر عورتیں ہی اس مت کو زیادہ مانتی ہیں اسی مت
میں ایک اور گروہ "ولبھاچاریوں" کا نکلا ہے جو گوکلستا گوسائیوں کا پیرو ہے۔
اس مت کا بانی ایک شخص ولبھا سوامی قوم کا رہن ہے جو جنوبی ہند کا رہنے والا
تھا۔ یہ شخص قصبۂ گوکل قریب متھرا کے آکے رہا اور غالبًا اس کا زمانہ سولہویں صدی
عیسوی کا سمجھا چاہیے اس مذہب کی اعلیٰ درجہ کی کتاب راج بلاس نامی ہے
اس کتاب میں کرشنا کے کھیل تماشوں کا ذکر ہے جو وہ برنداباں کے عورتوں کے
ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ اس کتاب کو برج باسی داس نے مرتب کیا ہے اسی مت
کی دوسری کتاب ..... نامی ہے جو بالکل بھگتامال کے مشابہ ہے اور اس میں چوراسی
پیشواؤں کے قصّے کہانیاں درج ہیں۔ برج بلاس ایک مشہور کتاب ہے بازاروں
میں عام طور پر فروخت ہوتی ہے اور ہزاروں آدمی اسکو شوق سے پڑھتے ہیں۔
بدی کا زمانہ متوسط ۱۸۰۰ء سے ۱۸۵۰ء تک سمجھنا چاہیے اسی عرصہ میں اس نے
نشوونما پائی پھلی پھولی اور پھر اسکی بنیادیں جڑ پکڑ گئیں۔ ہندی علم ادب میں

والوں سے بھائی ہوتے ہیں لیکن باہمی مغائرت نے کوئی مذہبی یک جہتی ان دونوں میں قائم نہیں کی ہے۔ اسلام کی ایک بگڑی ہوئی شاخ سکھ مذہب ہے کیونکہ سکھ مذہب کے بڑے بانی بہت سب مسلمان تھے مگر ملکی لڑائیوں نے باہم وہ تنفر پیدا کر دیا کہ ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہو گئے۔ اور اب سکھ مسلمان کو اور مسلمان سکھ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں "ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا" رامانند کے دوسرے شاگرد والا ہیں۔

سورداس

بہت ہی مشہور و معروف ہے اسے کبیر سے دوسرے درجے کا کہتے ہیں اسکے واقعات زندگی پر پردہ پڑا ہوا ہے اسکے کچھ اشعار گرنتھ میں شامل کر دیئے گئے ہیں اس کا زمانہ قریب ۱۵۶۰ء کا تھا۔ اسی نام کا ایک شخص دیوتا کی صورت میں کتاب "بھگتا مالا" میں بیان ہوا ہے۔ اگر یہ وہی شخص ہے اور غالباً وہی ہوگا تو قوم کا برہمن تھا۔ اور شہنشاہ اکبر کی سلطنت میں سندیلہ ملک اودھ کے ایک پرگنہ کا امین یعنی مالگزاری وصول کرنے کے عہدہ پر مقرر تھا۔ اس نے غضب یہ کیا کہ مالگزاری کا روپیہ جمع کر کے اپنے مندر "مدن موہن" واقع برندابان میں بھیجدیا۔ اور اکبر کو مالگزاری کے روپیہ کی جگہ تھیلی میں پتھر بھر کے بھیج دیئے۔ یہ بات غصہ آنے کی تو بہت تھی لیکن اکبر نے اپنے مرحمت خسروانہ سے معاف کر دیا۔ اس عرصہ میں سورداس نکل کھڑا ہوا اور جنگل کی راہ لی پھر نابینا بھی ہو گیا لیکن شہر اور آبادی کی طرف بالکل رخ نہیں کیا اور وشنو کے بھجن گاتا ہوا جنگل در جنگل پھرنے لگا۔ ایک لاکھ پچیس ہزار اشعار اس نے نظم کیے ہیں وہ سب جمع کر لیے گئے ہیں اور ان کا نام "سورساگر" رکھا ہے

و سکھوں کا پینتھ اسے اُنکی گرنتھ اصل میں کبیر کی تصانیف کا ایک دیباچہ ہے۔
۱۴۶۹ء میں پیدا ہوا اور ۱۵۳۸ء میں اُسکی وفات ہو گئی۔ ایک نہایت دہیں اور خدا
پرست شخص تھا اور گرو نانک کو کبیر کا شاعری یا خیالات آفرینی میں ایک پیرو سمجھنا چاہیے

کبیر کی تصانیف

تعداد میں زیادہ ہیں کبیر کے مت والوں کے پاس اُنکی پوری تصانیف موجود ہیں
عجیب بات یہ ہو حالانکہ وہ پکا مسلمان تھا لیکن اُس کے مرید ہندو بہت ہیں اور اُسے
مثل دیوتا کے سمجھتے ہیں ہندوستان میں کبیر کی تصانیف کے بہت سے حصے چھپ
چکے ہیں اُسکی سب سے زیادہ مشہور تصانیف یہ ہیں۔ ساکھیں سبدیں اور ریختہ۔
عام طور پر لوگ ان کتابوں کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔ بہت سی کتابیں اُسکے
علاوہ کبیر کی بیان کی جاتی ہیں لیکن وہ دراصل اُسکی نہیں ہیں۔ ہاں اُسکے شاگردوں
نے اُنھیں تصنیف کر لیا ہے مثلاً "بیجک کتاب" بھاگوداس کی لکھی ہے اور سکھ نیدان
سرت گوپال کی تصنیف سے ہو۔ کبیر کے مذہبی اصول کے بارے سکھ ہیں جو اُس کا
نام تعظیم سے لیتے ہیں۔ اُس کے مذہبی اُصولوں کو دلسں نے اپنی کتاب میں پورے
طور پر اور بوضاحت بیان کیا ہے۔ کبیر کے بعض شاگرد۔

مذہبی پیشوا

بھی ہو گزرے ہیں مثلاً داکو دایک بڑے مت کا بانی ہے جو اس وقت راجپوتانہ میں پھیلا
ہوا ہے اور اُسکی مت سی مذہبی کتابیں ہیں اور سب سے زیادہ تر اپنے گرو کبیر ہی کے
اصول کی تعلیم کی ہے اور آج تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ اُس کے مریدوں کی تعداد
ہزاروں لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے سکھ حالانکہ ایک صورت سے داؤد مت

ہے جنکی ہزار ہا نظمیں موجود ہیں اور یہ لوگ اہل اسد اور ولی اللہ اہل ہنود میں مانے
جاتے ہیں۔ اِن بھگتوں کا اصول شاعری "رامانوجا" کے اصول پر مبنی ہے جسکو فاضل
ولسن نے بارھویں صدی عیسوی کے وسط کا بتایا ہے۔ یہ جنوبی ہند کا باشندہ تھا۔
اور اسکے کئی شاگرد شمالی ہند کے رہنے والے تھے۔ رامانند ایک شاعر نے اشعار کا نیا
رنگ پیدا کر دیا۔ ولسن اور فاضل ٹرمپ نے اِس شخص کو چودھویں صدی عیسوی کا
بتایا ہے۔ رامانند کی مختصر نظم ہیں گرنتھ میں ملتی ہے جو اُسکی جدّت طبع کا ادنیٰ نمونہ ہے
رامانوجا اور رامانند کے بین بین ہم جے دیو (سنہ ۱۲۵۰ء) اور نام دیو (سنہ ۱۳۰۰ء) کو پاتے
ہیں جنکی تصانیف کا کچھ حصہ گرنتھ میں موجود ہے۔ جے دیو قوم کا برہمن تھا۔ اور
سنسکرت سے خوب واقف تھا۔ لیکن رامانند اصل میں چھیپی قوم کا تھا جو کپڑوں پر
پھول بوٹے رنگا کرتے ہیں اور اب بھی اُنکی قوم کے لوگ بکثرت موجود ہیں پہلے ہندو ہی
اِس کام کو کیا کرتے تھے۔ مگر اب مسلمان بھی چھیپی موجود ہیں۔ یہی مذکورہ بالا چھیپی
پہلا شخص ہے جس نے ہری کی پرستش کی ہندوؤں میں بنیاد ڈالی۔ اِس کے بعد

کبیر

کا درجہ ہے جو قوم کا جُلاہا تھا۔ لیکن وشنو کے اساتذہ میں اس کا سب سے پہلے شمار
کیا گیا ہے تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ فی الحقیقت مسلمان تھا۔ رامانند کے بارہ شاگردوں
میں ایک شاگرد یہ بھی تھا۔ لیکن جے دیو اور راما سے اسکی طرز شاعری بالکل انوکھی ہے
جیسے اس کا نیا مذہب [illegible] تھا اور پھر وہ مگہر میں جا رہا تھا جو گورکھپور کے ضلع کا ایک
قصبہ ہے۔ سکندر شاہ لودی کے زمانہ سلطنت (سنہ ۱۴۸۸ء سے ۱۵۱۷ء) تک زندہ رہا۔ مگر

گرو نانک

قصے میں آئے ہوئے دو سو سال ہو چکے تھے خیال ہوتا ہے کہ اس نے مسلمانوں ہی کی
سلطنت میں اپنی نظم لکھی ہندی اشعار میں جابجا فارسی کے الفاظ بھرے ہیں اور
زبان کا طرز و انداز زیادہ تر موجودہ پنجابی سے بہت ہی مشابہ ہے۔ چند کی تصنیف
"گیتا گووندا" کی سنسکرت سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتی دونوں کی علیحدہ علیحدہ داستان
ہے۔ یہاں ایک کتاب "آدی گرنتھ" ہے جو پرانی ہندی کا نمونہ ہے لیکن اس سے یہ
معلوم ہوتا ہے کہ ہندی نظم میں پہلی تصنیف یہی ہے چند کی کتاب جس میں کچھ واقعات
تواریخی بھی درج ہیں ایک عجیب کتاب ہے۔ پرتھوی راج کی تعریف میں زمین و آسمان کے
قلابے ملا دیئے ہیں اور لکھا ہے کہ جب پرتھوی کی سلطان محمد غوری سے جنگ ہوئی تھی تو
ہر دفعہ سلطان کو نیچا دیکھنا پڑتا تھا۔ پھر وہ اپنی فوج کے ساتھ قید کر لیا جاتا تھا اور روپیہ دے
کے بعد اسکی رہائی ہوتی تھی۔ حالانکہ یہ بالکل کہانی ہے سنہ ۱۱۹۱ء کی جنگ تراوڑی تھانیسر
کے قریب جو واقع ہوئی تھی اسے ایک عالم جانتا ہے۔ قدیم ہندی کا دوسرا نمونہ

تصانیف بھگت

ہے۔ اسکی نظموں میں پدماوتی کا ذکر ہے جو راجہ رتن سین والئے چتوڑ کی بیوی تھی۔
جب سنہ ۱۳۰۳ء میں سلطان علاء الدین نے چتوڑ کا قلعہ فتح کیا تو پدمنی رانی نے
اپنے کو جلا دیا تھا یہی واقعہ بھگت کی نظم میں بھی موجود ہے لیکن اس کتاب میں یہ بھی
لکھا ہے کہ تیرہ ہزار رانیاں اور رئیسوں کی بہو بیٹیاں مسلمانوں کے ہاتھ گئیں پھر
جو شاعر نے جولانیاں دکھائی ہیں اور جھوٹ کے توڑے طوفان باندھے ہیں الغرض
قدیم ہندی کے شعراء کا ایک گروہ۔

بھگتوں کا گروہ

علم ادب ایک حد تک علمی مذاق سے پر ہیں اور ان دونوں نے اُس زمین پر قبضہ کیا ہے جس پر علم و فضیلت کی زبانیں سنسکرت اور فارسی قابض تھیں۔ جو لوگ سنسکرت کے دلدادہ ہیں اور اُسکے علم ادب کو اپنا موروثی فن سمجھتے ہیں ان میں سنسکرت کا نام و نشان مٹ چکا ہی مگر اس کے مقابلے میں فارسی ابھی تک زندہ ہی اور کم مسلمان ایسے ہونگے جو فارسی نہ جانتے ہوں۔ ساتھ ہی لاکھوں ہندو اب بھی ایسے نکلینگے جو فارسی اچھی طرح بول اور لکھ سکتے ہیں۔

ابتدائی ہندی

میں علمیت کی جھلک معلوم ہونے لگی تھی اور اس میں زیادہ تر راجپوت بہادروں کے کارنامے درج ہیں اور ساتھ ہی بھگتوں اور وشنوؤں کے حالات ۱۲۰۰ء سے ۱۵۰۰ء تک کے درج ہیں۔

وسطی ہندی

میں اعلیٰ درجے کی نظم کا آغاز ہوا۔ اور ۱۵۰۰ء سے ۱۸۰۰ء تک اس کا عروج رہا اُردو کے علم ادب نے سولھویں صدی عیسوی سے نشو و نما شروع کی لیکن اس کا عروج اٹھارھویں صدی سے بہت ہوا اور ابھی تک اس میں برابر ترقی ہوتی چلی جاتی ہی نظم اور نثر دونوں کتابیں برابر لکھی جارہی ہیں اور ایک بڑی تعداد ہر سال اچھی تصانیف کی شامل ہو جاتی ہے۔ ہندی میں بھی بعدازاں نشو و نما ہوئی۔ ورنہ ابتدائی ہندی علم ادب بہت ہی ادنیٰ درجے کا تھا مثلاً "چند برپھتوی راج راسٹوڈ" کی مرتبہ کتاب کو دیکھا جاتا ہے تو ہندی علم ادب کی کوئی خوبی نہیں معلوم ہوتی۔ اصل میں چند راجہ پرتھوی راج کا بھاٹ تھا۔ لاہور کا باشندہ تھا اور لاہور کو مسلمانوں کے

نہیں ہے۔ ہندی کی تاریخ صرف اسی قدر معلوم ہے کہ گیارھویں صدی عیسوی میں
اسکی حالت کسی قدر درست تھی۔ سوائے اس زبان کے اور کوئی زبان ہندوستان
میں نہ تھی سنسکرت کے بڑے بڑے علماء نے اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ حضرت
مسیح سے چھ سو سال پہلے ہی سنسکرت کا چراغ ہندوستان میں گل ہو چکا تھا جبکہ
بودھ مذہب ہندوستان میں پیدا ہو گیا تھا پر یہی مذہب پر عام تاریکی چھا گئی
تھی اس وقت سے ہندوستان کے لوگ "پراکرت" زبان بولتے تھے۔ یہی
پراکرت سے موجودہ آریاؤں کی زبانیں نکلی ہیں۔ وہ زبانیں یہ ہیں۔ مہاراشٹری
سارسینی۔ مگادھی۔ پیساچی اور اپابھرانسہ۔ محققوں نے یہ تحقیق کر لیا ہے کہ ہندی
کی اصل سارسینی تھی اس کی ماں اور اسی سے ہندی نکلی ہے بودھ مذہب کا علم
ادب سارا پراکرت زبان میں ہے لیکن جبکہ اس زبان کی تاریخ پر تاریکی چھائی ہوئی ہے
اس لیئے اور کوئی مزید تحقیقات ہم اسکے متعلق نہیں کر سکتے۔

ہندی کا آغاز

گیارھویں صدی عیسوی سے سمجھا جاتا ہے سب سے پہلا شاعر ہندی کا چند بردائی
ہوا ہے جس کے اشعار بہت ہی دلپسند ہیں اور جسکی زبان موجودہ ہندی سے
ملتی جلتی ہے اس کے بعد جو شاعر ہوئے انھوں نے برج بھاکا میں بہت ترقی کی
ان میں کبیر، سورداس، ملک محمد جائسی، تلسی داس، اور بہاری لال بڑے نامور ہیں آخر
الذکر کی نظم سب سے بڑھ کر عمدہ اور صاف ہندی میں ہے اور بہت ہی اعلیٰ درجہ کی ہے

ہندوستانی علم ادب

ملک دو بڑے بڑے حصوں میں منقسم ہے یعنی ایک نسل ہندی اور ایک نسل … کا سلسلہ

شاہجہاں

کی سلطنت ہوئی تو اردو بجائے خود ایک مستقل زبان کی صورت میں آگئی اور
بتدریج اس میں ترقی ہونے لگی۔ یہاں تک کہ یورپی زبانوں کے الفاظ اس
میں شامل ہونے لگے۔ مثلاً کمرہ جو اصل میں پرتگیزی لفظ "کمرا" ہے
"بارنول" یہ لفظ بھی پرتگیزی ہے جو بڑھئی کے ایک اوزار کا نام ہے۔ نیلام یہ لفظ
بھی پرتگیزی ہے۔ عام طور پر لوگ لیلام بھی بولتے ہیں۔ فرانس نے بھی ہندوستان
کے ایک حصہ پر حکومت کی ہے۔ اسی طرح ڈچوں کا بھی تجارت تک کوئی نہ کوئی اثر
رہا لیکن زبان پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ لیکن ہاں

انگریزی الفاظ

اردو میں مل کے اردو بن گئے ہیں مثلاً کمشنر۔ جج۔ اپیل۔ ڈگری۔ انچ۔ اسٹیشن۔ ریل۔
اسٹامپ وغیرہ۔ اب رہے وہ انگریزی داں نوجوان جو ہندی یا اردو کے الفاظ
ہوتے ہوئے زبردستی انگریزی لفظ اردو میں داخل کر دیتے ہیں اسے زبان کی کوئی
خوبی سمجھنی نہ چاہیے جس طرح اردو میں انگریزی لفظ آ گئے ہیں اسی طرح انگریزی میں
اردو الفاظ چلے گئے ہیں۔ مثلاً گھی۔ بہشتی وغیرہ اگرچہ یہ الفاظ ابھی تک اطالی
حروف میں لکھے جاتے ہیں لیکن زمانہ گزرنے پر یہ انگریزی زبان کا ایک جزو ہو جائیں گے
اور رفتہ رفتہ وہ منافرت جاتی رہے گی جو اب دیکھنے میں آتی ہے۔ اردو کے

صرفی و نحوی قواعد

بالکل ان ہی اصول پر مبنی ہیں جن اصول پر ہندی کے ہیں۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ
اردو ہندی ہی سے نکلی ہے اس لیے اس کے قواعد صرفی و نحوی میں کوئی بڑا فرق

تو ہندی بالکل دم توڑنے لگی تھی۔ اس پر بھی تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ سولھویں صدی سے پہلے اُردو کی بنیاد ہی قائم نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ قطب الدین ایبک کے بعد کئی شہنشاہی نسلوں میں فارسی ہی دربار اور خاندان کی زبان رہی۔ اور مفتوحہ اقوام میں اپنی اسی ہندی کا رواج تھا۔ جسکی عمارت اب منہدم ہوتی چلی تھی۔ جب مسلمانوں کو ہندوستان میں زیادہ دن ہوگئے۔ تو وہ بہت صاف ہندی بولنے لگے مگر ہندی میں مسلمانوں کی طرف سے فارسی کا کوئی لفظ داخل نہیں ہوا۔ خود ہندوؤں نے اپنی زبان میں فارسی کے الفاظ لیکے ہندی کو کھچڑی کردیا ابتدا اسکی راجہ ٹوڈرمل سے ہوئی جو وزیر مال بنایا گیا تھا۔ اور جب جدید مالگذاری کا سلسلہ بنا ہے تو اس میں راجۂ مذکور نے بہت سے الفاظ فارسی کے شامل کر دیئے +

اس کے بعد میر امان دہلوی نے چار درویش یا باغ و بہار تصنیف کی۔ اور گویا اُردو کی بنیاد ہندوستان میں ڈالدی۔ یہ کتاب سنہ ۱۸۰۲ء ہندوستان میں شائع ہوئی۔ چونکہ مسلمانوں کو ہندوستان میں ایک زمانہ گزر چکا تھا اور اب ہندوؤں سے اُن کا میل جول بہت بڑھ گیا تھا۔ اس لیئے دونوں قوموں کی زبانیں باہم خوب مل جل گئیں اور اب اُن میں کوئی مغائرت نہیں رہی۔

اکبر

کے زمانے میں محاصل کے قواعد پورے منضبط ہو گئے تھے اور ہندوؤں کو بہت آزادی اسقدر دیدی گئی تھی کہ مسلمانوں میں اور اُن میں کوئی فرق نہ رہا تھا تو بھی اُردو کی کوئی خاص صورت پیدا ہوئی تھی۔ ہاں جب

بکثرت شامل ہوگئے۔لیکن یہ بات ضرور ہوئی کہ عربی۔ فارسی وغیرہ کے الفاظ ملنے سے اسکی اصل میں کچھ فرق نہیں آیا۔یعنی براج بھاشا کے الفاظ کا رنگ نہیں بدلا جیسا ولی اور سودا کے کلام سے پایا جاتا ہے اور وہی رنگ تلسی داس اور بہار یلعل کے اشعار میں موجود ہے۔ اس کا اعتراف کیا جاتا ہو کہ بعض تحریروں میں اُردو کی اصلی شان میں فرق آگیا ہو کیونکہ وہاں فارسی اور عربی کی مناسبت زیادہ آگئی ہو مثلاً بجائے "خوشی سے" کہنے سے "بخوشی" بولا جائے "سرکاری حکم سے" کہنے کے بجائے "بحکم سرکار" استعمال کیا جائے۔ توبھی جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے یہ کوتاہیاں اُردو میں سے دور ہوتی جاتی ہیں اور وہ زمانہ قریب آنے والا ہے کہ اُردو میں ان پیچیدگیوں کا نام و نشان بھی نہ رہے گا۔

جو لوگ ہندی کو اُردو کی اصل نہیں مانتے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ ہماری دہلی کی زبان میں صدہا الفاظ خاص زمانۂ ویدک کے موجود ہیں مثلاً لفظ "اچھوتا" ہے ہم اس لفظ کا استعمال اُس چیز پر کرینگے جو کسی کے استعمال میں نہ آئی ہو۔ سنسکرت میں یہ لفظ اچھوتیا تھا جو اُس لڈو یا مٹھائی پر استعمال ہوتا تھا جو کسی دیبی یا دیوتا کو بھوگ یعنی نذر چڑھائی جاتی تھی اور دیوتا کے مُنہ سے لگا کے الگ کرلی جاتی تھی اور اُسے بہت ہی متبرک گنا جاتا تھا اُردو میں وہ لفظ "اچھوتا" ہوگیا جس میں اب بھی سنسکرت کے الفاظ کی پوری شان پائی جاتی ہے۔ آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں خاص ہندی زبان میں بھی۔

غیر قوموں کے الفاظ مخلوط

ہونے لگے تھے۔ اور آخیر یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ بارھویں صدی عیسوی میں

اردو کی تاریخ

جس طرح پیار کے مارے بچوں کا اصلی نام کے علاوہ دوسرا نام رکھ لیتے ہیں۔ اسی طرح اُردو پیار کا نام ہے جو بجائے "ہندوستانی" کے بولا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے جیسے ترکی کل ترکستان کی زبان ہے۔ یا انگریزی زبان کہنے سے ہم یہ مطلب سمجھ جائیں گے کہ یہ کل انگریزوں کی بولی ہے اسیطرح "ہندوستانی" کہنے سے یہ بات معلوم ہو جائیگی کہ ۔ زبان جو اپنے دوسرے نام اُردو کے ساتھ مشہور ہے۔ تمام ہندوستان کی زبان ہے۔ کسی زبان کی مجال نہیں کہ اسکو آنکھ بھر کے بھی دیکھ سکے

اُردو کی اصل

ہندی ہے جو آریا بھت زبانوں میں سے ایک زبان ہے جو شمالی ہند میں اب بھی کہیں کہیں بولی جاتی ہے باقی کی جو زبانیں ۔ پنجابی ۔ سندھی ۔ گجراتی ۔ مرہٹی ۔ بنگالی ۔ اور اڑیا ہیں۔ مگر یہ زبانیں محدود مقامات میں بولی جاتی ہیں اور ان کا رواج زیادہ نہیں ہے برج بھاشا جو کسی زمانے میں آگرہ ۔ متھرا اور دہلی کے گرد و نواح میں بولی جاتی تھی اُردو کی مادر مہربان ہے۔ تمام صرفی ۔ نحوی طریقے اور کلمات غیر برج بھاشا ہی سے لیے گئے ہیں اسکے بعد اردو میں فارسی عربی اور ترکی الفاظ

اُردو کی پوری تاریخ ہندی اور اُردو کے قدیم نامور شعرا کا
تذکرہ۔ دہلی کے قدیم حالات غدر ۱۸۵۷ء کے بالتفصیل واقعات
دہلی کا محاصرہ اور فتح۔ بہادر شاہ شاہ دہلی کا مقدمہ اور حکیم
احسن اللہ خان۔ حسن عسکری۔ غلام عباس وغیرہ کے اظہار
آثار الصنادید کل شاہی عمارتوں کی تصویریں اور حالات
دربار دہلی کی لطیف اور مختصر کیفیت وغیرہ

مصنفہ میرزا حیرت دہلوی

کرزن پریس دہلی میں مصنف کے اہتمام سے چھپی

دسمبر

رجسٹری شدہ

قیمت

[illegible]